

آشنگارش
اہلِ تسلیم کی ایک جماعت
زیرِ نظر

www.sirat-e-mustaqeem.net

تفسیر نمونہ

جلد ۱۵

ترجمہ
حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی

حضرت آیت اللہ العظمیٰ الحاج سید علی رضا سیستانی مدظلہ

مصباح القرآن ٹرسٹ



پیشکش: حوزہ عالیہ جامعۃ المنتظر لاہور
جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: _____ تفسیر نمونہ
جلد: _____ ۱۵
زیر نظر: _____ آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی
مترجم: _____ حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی
ناشر: _____ مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔ ارگنکارام بلڈنگ
شاہراہ قائد اعظم، لاہور
مطبع: _____ معراج دین پرنٹرز، لاہور
تاریخ اشاعت: _____ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
ہدیہ: _____ 200/-

ملنے کا پتہ:

قرآن سنٹر

۲۴ الفضل مارکیٹ اردو بازار، لاہور

فون: ۷۱۲۲۲۲۳-۷۳۱۴۳۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

عَرَضِ نَاشِر

قارئین محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ -
الحمد للہ! مصباح القرآن ٹرسٹ — کلام حکیم اور عہدِ حاضر کی بعض عظیم تفاسیر و تالیفات کی نشر و اشاعت کے
ایک عظیم مرکز کی حیثیت سے اب کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی یہ شہرت حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور
آپ حضرات کی تائید و اعانت کا ثمرہ ہے۔

اس ٹرسٹ نے اپنے آغازِ کار میں موجودہ دور کی شہرہ آفاق تفسیر — تفسیر نمونہ — کو فارسی سے اردو زبان
میں ترجمہ کروا کے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر محسنِ ملت حضرت علامہ سید صفدر حسین نجفی قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ،
کی غیر معمولی مساعی، مالی معاونت کی فراخ دلانہ اعانت اور کارکنان کی شبانہ روز محنت کی بدولت پانچ ہی سال کے
قلیل عرصے میں کم و بیش دس ہزار صفحات پر محیط یہ تفسیر صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ستائیس جلدوں میں
شائع کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔ شکر اللہ۔

اس ادارے نے نہ صرف تفسیر نمونہ کے عظیم منصوبے کو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پایا تکمیل تک پہنچایا بلکہ
اس کے ساتھ ساتھ بیسیوں علمی کتب کے علاوہ سید العلماء السید علی نقی النقیوی اعلیٰ اللہ مقامہ کی سات جلدوں پر
مشتمل تفسیر فصل الخطاب شائع کی۔ اردو زبان کو پہلی مرتبہ تفسیر قرآن کے جدید اسلوب سے روشناس کراتے ہوئے
تفسیر موضوعی کے دو طویل سلسلوں یعنی ”پیام قرآن“ از آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی اور ”قرآن کا دائمی منشور“
از آیت اللہ جعفر سبحانی کی اشاعت کو بھی تیزی سے آگے بڑھا رہا ہے۔

تفسیری حواشی پر مشتمل ایک جلدی قرآن پاک عہدِ حاضر کے مقبول اردو تراجم کے ساتھ زیرِ طباعت ہیں۔ اس
سلسلے میں روشن فکر اور جدید عالمِ دین حضرت علامہ ذیشان حیدر جوادی مدظلہ کا ترجمہ ”انوار القرآن“ حال ہی میں شائع
ہوا ہے۔

تفسیر نمونہ چونکہ بلا امتیاز پوری اُمتِ مسلمہ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے بیدار و تیار کرنے کے لیے لکھی گئی ہے،
لہذا سبھی مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جلد کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہونے کے باوجود اس کی

طلب میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ ادارہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہا ہے۔ بعض باذوق اہل علم کی تجویز پر ہم تفسیر نمونہ کی طباعت کے ضمن میں ایک مفید تبدیلی کر رہے ہیں، چنانچہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسے موجودہ ستائیس جلدوں کی بجائے پندرہ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا جائے تاکہ قارئین محترم کے لیے مزید آسانیاں پیدا کی جاسکیں۔

تفسیر نمونہ کی اس ترتیب نو کا ایک عام طریقہ تو یہ تھا کہ ہر جلد میں دو دو پاروں کی تفسیر ہو اور یوں اس کی پندرہ جلدیں مکمل ہو جائیں لیکن اس میں یہ یقین رہ جاتا ہے کہ بہت سی قرآنی سورتوں کا کچھ حصہ ایک جلد میں اور بقیہ حصہ اس سے اگلی جلد میں چلا جاتا ہے جس سے مطالعے کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، لہذا ہم نے اپنے قارئین کو اس زحمت سے بچانے کی خاطر اس تفسیر کو سورتوں کی بنیاد پر ترتیب دیا ہے۔ اس طرح کوئی قرآنی سورت دو حصوں میں تقسیم نہیں ہونے پائی اور ہر جلد کسی نہ کسی سورت کی کامل تفسیر پر ختم ہو گئی۔ اس طرح پوری تفسیر نمونہ پندرہ جلدوں میں آگئی ہے۔

اس جدید اشاعت کے سلسلے میں تفسیر نمونہ جلد ۱۵ آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں سابقہ جلد ۲۶ سورہ تکویر تا سورہ الفجر اور جلد ۲۷ مکمل سورہ البلد تا سورہ الناس شامل ہیں، چنانچہ یہ جلد سورہ تکویر تا سورہ الناس کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

ہم نے زیر نظر کتاب کو بہتر انداز میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، تاہم اس بارے میں آپ کی آراء ہمارے لیے بہترین رہنما ہوا کرتی ہیں کہ جن کی روشنی میں ہم اپنی مطبوعات کو مزید بہتر بنا کر پیش کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری اس پیشکش کا بغور مطالعہ فرمانے کے بعد اس کا معیار مزید بلند کرنے کے سلسلے میں اپنی قیمتی آراء سے نوازیں گے۔ ہم مفید تنقید اور آراء کے لیے منتظر رہتے ہیں۔

آخر میں ہم لاہور کے ایک مخلص و مخیر مرد مومن الحاج شیخ ظہور علی منگلا سے اظہار تشکر کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جن کے تعاون سے تفسیر نمونہ کی یہ جدید اشاعت تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے، ہم دعا گو ہیں کہ خدا تعالیٰ بحق معصومین ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

اِہْدَاء

”مرکز مطالعات اسلامی و نجاتِ نسلِ جوان“

جو

تمام طبقات میں عموماً اور جوانوں میں خصوصاً اسلام کی حیات بخش

تعلیمات پہنچانے کے لیے قائم کیا گیا ہے

اس نفیس تالیف کو

ان اہل مطالعہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے

جو

قرآن مجید کے متعلق بیشتر بہتر اور عمیق تر معلومات حاصل کرنا

چاہتے ہیں۔

حوزہ علمیہ۔ قم



یہ تفسیر

حسب ذیل علماء و مجتہدین کی باہمی کاوش قلم کا نتیجہ ہے

○ حجة الاسلام دلسین آقائے محمد رضا آشتیانی

○ حجة الاسلام دلسین آقائے محمد جعفر امامی

○ حجة الاسلام دلسین آقائے سید حسن شجاعی

○ حجة الاسلام دلسین آقائے سید نور اللہ طباطبائی

○ حجة الاسلام دلسین آقائے محمود عبد اللہی

○ حجة الاسلام دلسین آقائے محسن قراسی

○ حجة الاسلام دلسین آقائے محمد محمدی

www.simoneadeem.net

چند تفاسیر

جن سے اس تفسیر میں استفادہ کیا گیا ہے

تفسیر مجمع البیان	تالیف	مشہور مفتسر طبری
تفسیر تبیان	تالیف	عظیم و فقید عالم شیخ طوسی
تفسیر المیزان	تالیف	علامہ طباطبائی
تفسیر صافی	تالیف	علامہ حسن فیض کاشانی
تفسیر نور الثقلین	تالیف	عبد علی بن جمعہ حویزی
تفسیر برہان	تالیف	سید ہاشم بحرانی
تفسیر روح المعانی	تالیف	علامہ شہاب الدین محمود آلوسی
تفسیر المنار	تالیف	محمد رشید رضا (تقریرات درس تفسیر شیخ محمد عبدہ)
تفسیر فی ظلال القرآن	تالیف	سید قطب
تفسیر قرطبی	تالیف	محمد بن احمد انصاری قرطبی
اسباب النزول	تالیف	ابو الحسن علی بن متوہ واحدی نیشاپوری
تفسیر مراعی	تالیف	احمد مصطفیٰ مراعی
تفسیر مفاتیح الغیب	تالیف	فخر الدین رازی
تفسیر روح البیان	تالیف	ابو الفتوح رازی

گزارش

تفسیر نمونہ (فارسی) ستائیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے اردو ترجمے کے متعدد ایڈیشن بھی ستائیس جلدوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ محسن ملت حضرت علامہ سیّد صفدر حسین نجفی اعلیٰ اللہ مقامہ کا اختتامی نوٹ اسی ترتیب کے مطابق جلد کے آخر میں تحریر کیا گیا تھا۔ نئی ترتیب میں بھی اسے تبدیل نہیں کیا گیا۔ خداوندِ کریم مولانا مرحوم کو جوارِ معصومین میں بلند درجات عطا فرمائے۔

(ادارہ)

اس تفسیر میں مد نظر اہداف

پوری دنیا جس کی نظریں اسلام کی طرف لگی ہیں، چاہتی ہے کہ اسلام کو نئے سرے سے پہچانے۔ یہاں تک کہ خود مسلمان بھی چاہتے ہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ جن میں سے ایک ”ایران کا اسلامی انقلاب“ اور ”دنیا کے مختلف خطوں میں اسلامی تحریکیں“ ہیں۔ جنہوں نے تمام لوگوں کے افکار خصوصاً نوجوان نسل کو اسلام کی زیادہ سے زیادہ معرفت کا پیاسا بنا دیا ہے۔ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اسلام کی شناخت کے لیے نزدیک ترین راستہ اور مطمئن ترین وسیلہ و ذریعہ عظیم اسلامی کتاب قرآن مجید میں غور و فکر اور اس کا مطالعہ ہے۔

دوسری جانب قرآن مجید جو ایک عظیم اور جامع ترین کتاب ہے، عام کتب کی مانند کسی ایک مسئلہ کی گہرائی پر مشتمل نہیں بلکہ اصطلاح کے مطابق اس میں کئی بظون ہیں اور ہر بطن میں دوسرا بطن مضمر ہے۔

بالفاظ دیگر ہر شخص اپنی فکری گہرائی، فہم و آگہی اور لیاقت کے مطابق قرآن سے استفادہ کرتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کے چشمہ علم سے محروم نہیں ہوتا۔ متذکرہ بالا گفتگو کی روشنی میں ایسی تفاسیر کی ضرورت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے جو افکار علماء میں موجود رشتوں کو ایک دوسرے سے منسلک کریں اور محققین اسلام کی محنتوں اور حاصل فکر سے استفادہ کر کے لکھی جائیں اور جو مختلف قرآنی اسرار کی گرہیں کھول سکیں۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسی تفسیر اور کونسا مفسر...؟ وہ تفسیر، کہ جو کچھ قرآن کہتا ہے اسے واضح کرے، نہ کہ جو کچھ مفسر چاہے اور پسند کرے اسے پیش کرے۔ اور وہ مفسر جو اپنے آپ کو قرآن کے سپرد کر دے اور اسی سے درس لے، نہ وہ کہ جو نہ جانتے ہوتے یا جان بوجھ کر اپنے پہلے سے کیے گئے فیصلوں اور نظریات کے مطابق جستجو کرے اور جو قرآن کا طالب علم بننے کی بجائے اس کا استاد بن جائے۔

البتہ عظیم مفسرین اور عالی قدر محققین اسلام نے آغاز اسلام سے آج تک اس سلسلہ میں قابل قدر کوششیں کی ہیں اور زحماتیں اٹھائی ہیں، انہوں نے عربی، فارسی اور دیگر زبانوں میں بہت سی تفسیریں تحریر کی ہیں کہ جن کے پرتو میں اس عظیم اسلامی کتاب کے بعض حیران کن مطالب تک رسائی ہو سکتی ہے (شکراً للہ سبحانہ)۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حق طلب اور حقیقت کے تلاشی لوگوں کو

نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے تضادات اور عکراؤ کے باعث اور بعض اوقات منافقین و منافقین کے وسوسوں کی وجہ سے، اور کبھی اس عظیم آسمانی کتاب کی تعلیمات کو ضروریات زمانہ پر منطبق کرنے کے حوالے سے کچھ ایسے سوالات سامنے آتے ہیں جن کا جواب موجودہ دور کی تفاسیر کو دینا ہوگا۔

دوسری جانب تمام تفاسیر کو عوام الناس کے لیے ناف تاہل ادراک گوناگوں اقوال اور پیچیدہ مباحث کا مجموعہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس وقت ایسی تفاسیر کی ضرورت ہے جن سے خود قرآن کی طرح تمام طبقے استفادہ کر سکیں (اس کی وسعت اور اہمیت میں کمی کیے بغیر)۔

ان امور کے پیش نظر مختلف گروہوں نے ہم سے ایک ایسی تفسیر لکھنے کی خواہش کی جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔ چونکہ یہ کام خاصا مشکل تھا لہذا میں نے ان تمام فضلاء کو مدد و تعاون کی دعوت دی جو اس طویل اور نشیب و فراز کے حال سفر میں اچھے ہمدرد اور ساتھی تھے اور ہیں تاکہ مشترکہ مساعی سے یہ مشکل حل ہو سکے۔ الحمد للہ! اس کام کے لیے توفیق شامل حال ہوئی اور ایسا ثمر و نتیجہ ملا کہ جس کا ہر طبقہ نے استقبال کیا۔ یہاں تک کہ اکثر علاقوں کے لوگ مختلف سطحوں پر اس تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کی بارہ جلدیں جو اس وقت تک منظر عام پر آچکی ہیں (اور یہ اس کی تیرہویں جلد ہے) بار بار پھیں اور تقسیم ہوئیں۔ اس توفیق الہی کا میں از حد شکر گزار ہوں۔

یہاں یہ بات میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس جلد کے مقدمہ میں اپنے قارئین کی توجہ چند نکات کی طرف مبذول کراؤں۔

۱۔ بار بار یہ سوال ہوتا ہے کہ مجموعاً یہ تفسیر کتنی جلدوں پر مشتمل ہوگی؟ اس کے جواب میں کہا جا

سکتا ہے کہ ظاہراً بیس جلدوں سے کم اور چوبیس جلدوں سے زیادہ نہ ہوگی۔
۲۔ اکثر یہ شکوہ بھی کیا جاتا ہے کہ تفسیر کی جلدیں تاخیر سے کیوں شائع ہوتی ہیں؟ عرض خدمت ہے کہ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ کام جلد از جلد ہو، یہاں تک کہ سفر و حضر میں، بعض اوقات جلا وطنی کے مقام پر، حتیٰ کہ بستر بیماری پر بھی میں نے یہ کام جاری رکھا ہے۔

چونکہ مباحث کے نظم و نسق اور عمق و گہرائی کو جلد بازی پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اس طرح سے کام کرنا چاہیے کہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ سمٹتا جائے۔ دوسری جانب طباعت و اشاعت کی مشکلات (خصوصاً جنگ کے زمانے میں) کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جو تاخیر کے اہم عوامل میں سے ایک ہے۔

۳۔ بعض اوقات یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر یہ تفسیر مختلف افراد کے قلم سے تحریر ہو رہی ہے تو

۱۔ بعد ازاں تعداد ۲۷ تک چاہیے۔ (مترجم)
۲۔ سابق شاہ ایران معدوم کے دور میں مولف کو جلا وطنی کا سامنا کرنا پڑا۔ (مترجم)

اس میں ہم آہنگی نہیں ہوگی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ابتدا میں معاملہ اسی طرح تھا۔ لیکن پھر اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا کہ تفسیر میں قلم ہر جگہ میرا ہی ہو اور دوسرے دوست صرف مطالب کی جمع آوری میں مدد کریں۔ ان حضرات میں سے بھی ہر ایک اپنے کام کو پہلے انفرادی طور پر سرانجام دیتے ہیں اور ضروری یادداشتیں جمع کرتے ہیں۔ بعد میں اجتماعی نشستوں میں ضروری ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے تاکہ مختلف مباحث، گونا گوں مسائل اور تفسیر کی ردائی میں بے ربطی پیدا نہ ہو اور ساری تفسیر ایک ہی طرز و روش پر ہو۔

انشاء اللہ امید ہے اس تفسیر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کے لیے اس کا نہ صرف عربی بلکہ دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جائے گا تاکہ اور لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔
(یہ تجویز قارئین محترم کی جانب سے بھی آئی ہے)۔

خداوند!

ہماری آنکھوں کو بینا، کانوں کو شنوا اور ہماری فکر کو صائب، کار ساز اور ارتقائی فرما تاکہ تیری کتاب کی تعلیمات کی گہرائیوں تک پہنچ سکیں اور اپنے اور دوسروں کے لیے روشن چراغ فراہم کر سکیں۔

خداوند!

جو آگ ہمارے انقلاب کے دشمنوں نے خصوصاً اور دشمنان اسلام نے عموماً ہمارے خلاف لگا رکھی ہے اور جس کی وجہ سے ہماری توجہ مسلسل ان کی طرف ہٹی ہے، اس امت اسلامی کے مسلسل جہاد اور انتھک سعی و کوششوں کے نتیجہ میں اسے خاموش کر دے تاکہ ایک ہی جگہ تجھ سے دل لگالیں اور تیرے راستے اور تیرے مستضعف بندگان کی خدمت کے لیے قدم اٹھائیں۔

بار الہا!

ہمیں توفیق اور زندگی عطا فرما کہ اس تفسیر کو مکمل کر سکیں۔ اس ناچیز و حقیر خدمت کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں اور یحیٰ و مجموعہ تیری بارگاہ میں پیش کر سکیں۔

اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

ناصر مکارم شیرازی

حوزہ علمیہ قم۔ ایران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

قرآن کا پیغام

تفسیر نمونہ موضوعی

(فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب) جب اہم کام سے تو فارغ ہو جائے تو دوسرا اہم کام شروع کر دے اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جاے (الم نشرح / ۷، ۸)۔

تفسیر موضوعی کیا ہے اور وہ کون سی شکل کو عمل کرتی ہے؟

اس وقت یہ سوال بہت سے لوگوں کی زبان پر ہے کہ تفسیر موضوعی سے کیا مراد ہے اور اس تفسیر کے ذریعہ کون سی شکل کو عمل کیا جاسکتا ہے اور کیا عام تفسیر (تفسیر ترتیبی) کے بعد اس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے کہ دوسرے ایسے اہم کام، جو ہمارے پیش نظر ہیں، ان کو نظر انداز کر کے ہم نے اس کام کو منتخب کیا ہے اور یہ تفسیر نمونہ موضوعی پر کام شروع کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب ایک بنیادی نکتہ میں تلاش کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن عام کتابوں کی طرز سے مختلف ہے اس لیے کہ عام کتابوں میں (عام اس سے کہ وہ کلاسک ہوں یا اس کے علاوہ ہوں) کتاب کا مؤلف ایک مخصوص موضوع کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ ہر پہلو کے لیے ایک باب مقرر کرتا ہے پھر کتاب پر ایک مقدمہ کا اضافہ بھی کرتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آخر میں مجموعی طور پر اخذ کیا ہوا ایک نتیجہ کلام بھی تحریر کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک محقق (گیاہ شناسی) پودوں کے علم کو اپنا موضوع بنا کر ایک کتاب تالیف کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس کے ابواب قائم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر شاخیں رکھنے والے درخت، تنے والے درخت، بغیر تنے کے درخت، پھلدار درخت یا بغیر پھل والے درخت، طب میں کام آنے والے پودے یا بطور غذا کام آنے والے درخت، اس کے علاوہ پتوں اور پنکھڑیوں والے پودے اور درخت وغیرہ۔ اس کے بعد مؤلف ہر شعبہ کے لیے ایک باب مقرر کر کے اسے مطالعہ اور تحقیق کا وسیلہ قرار دیتا ہے یہی صورتحال دوسرے موضوعات میں بھی درپیش ہوتی ہے قطع نظر اس سے کہ وہ علم طب ہو یا علم فلسفہ یا علم حقوق وغیرہ۔ اس کے برعکس قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو اس طرز پر مرتب نہیں ہوتی بلکہ وہ تیس سال کے عرصہ میں مختلف ضرورتوں اور تقاضوں کے پیش نظر ایک عظیم روحانی، معنوی، اجتماعی، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی انقلاب کو ساتھ لے کر ایک پس ماندہ معاشرہ میں پہلے سے نظر نہ آنے والے مختلف النوع حوادث کی خبر دیتی ہوئی نازل ہوئی ہے۔

شروع میں اسلام کا علیٰ حملہ اہم ترین مسئلہ یعنی مسئلہ توحید و شرک سے متعلق تھا۔ اس سلسلہ میں جو آیتیں نازل ہوئیں وہ اسی موضوع کے گرد گھومتیں۔ چونکہ شدید مشکلات کے مقابلہ میں قدم جانے کی صلاحیت رکھنا اور باطنی طور پر ذمہ داری کو محسوس کرنا ہر دینی انقلاب کی بنیادی صفت ہوتا ہے اس لیے آخرت کی تعلیم اور روز قیامت کی عظیم عدالت پر ایمان لاتے بغیر اس مقصد میں کامیاب ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ مذکورہ موضوع پر شرک و بت پرستی کی نفی کے ساتھ ساتھ آیات نازل ہوتی تھیں۔ جب حکومت اسلامی کے قیام کی راہ پیگیری اسلام نے ہموار کر دی تو اس کے بعد اسلام کے اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی قوانین یکے بعد دیگرے نازل ہوئے۔ اسلام کی تکوین اور اس کی نشوونما کے زمانے میں متعدد جنگیں پیگیری اسلام اور مسلمانوں پر مسلط کی گئیں اور اس صورت حال کے ہر مرحلہ میں ضروری اور مناسب قوانین، دستور اور نتائج بصورت آیات نازل ہوئے اور اسلامی انقلاب اپنے معین نظام کے مطابق آگے بڑھتا رہا۔ اس وجہ سے یہ امر بالکل فطری ہے کہ ایک سورہ کی آیتیں ایک معین موضوع کے بارے میں گفتگو نہیں کرتیں بلکہ اس عظیم آسمانی کتاب میں ایک موضوع سے تعلق رکھنے والے مسائل مختلف مقامات پر مندرج ہیں اور یوں وہ منتشر صورت میں ہیں۔ ایک مثالی کو پیش کر کے اس بات کی وضاحت کی جاسکتی ہے اور تفسیر موضوعی کی اہمیت کو متعین کیا جاسکتا ہے۔ ہم اگر چاہیں کہ جہاد جو ایک اہم اسلامی موضوع ہے، کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور جہاد کے شرائط، اس کے آداب و مقاصد، صلح کے اصول، قیدیوں کے احکام، تادان جنگ، مال غنیمت کی کیفیت، جہاد بالفس اور باطن کی قیغ صفات کا مطالعہ کریں تو ہم کو مجموعی طور پر کبھی بھی ان موضوعات سے تعلق رکھنے والی آیتیں قرآن کی کسی ایک سورہ میں نہیں ملیں گی۔ یہ آیتیں سارے قرآن میں بکھری ہوئی ہیں لہذا جہاد کے موضوع کے بارے میں اس کی مختلف جہتوں اور اس کے متعدد پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر بحث کے لیے ضروری ہے کہ سارے قرآن کا مطالعہ کیا جائے اور جس آیت کا کسی بھی پہلو سے جہاد کے موضوع سے تعلق ہو اس کو ایسی ہی دوسری متعلقہ آیتوں کے ساتھ ملا کر ایک مجموعہ تیار کیا جائے اور پھر اس کے دقیق مطالعہ سے ہم مسئلہ جہاد کے خطوط کلی کو واضح کریں۔ یہی صورت حال عدالت اجتماعی، اقتصاد اسلامی اور اعتقادی مسائل (توحید و معاد وغیرہ) کی بھی ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ عام تفسیر (تفسیر ترتیبی)، اس پوری اہمیت کے باوجود جو اسے حاصل ہے، ہمیں تفسیر موضوعی سے بے نیاز نہیں ہونے دیتی خصوصاً وہ محققین جو چاہتے ہیں کہ مختلف مسائل کو ایک ایسی نظر سے دیکھیں جو ہر رخ کو دیکھنا چاہتی ہے اور وہ ہر سد کے بارے میں مختلف جہتوں کے حوالہ سے مستہ آنی نظریات کے متلاشی ہوں ان کو اس کی شدید ضرورت ہے۔ اس احتیاج کے احساس نے ہمیں اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ ہم ان گزشتہ پندرہ سالہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو ہم نے تفسیر نمونہ کی ۲۷ جلدیں تحریر کرنے سے حاصل کیے ہیں، خدا نے عظیم دہر ترکی مدد سے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوں اور پروگرام کے لطف و کرم کے نتیجے میں ممکن ہے کہ ہم عالم اسلام کے لیے کوئی نیا ہدیہ فراہم کر سکیں۔ خدا کی بے پایاں رحمت سے یہ چیز کچھ بعید نہیں ہے۔ واضح ہے کہ گزشتہ دور میں حاصل ہونے والے تجربات جو مسلسل کام کے نتیجے کے سوا کبھی حاصل نہیں ہوتے اس محقق کے لیے بھی اور ان دوستوں کے لیے بھی جو میرے شریک کار رہے ہیں ایک عظیم اور بیش قیمت سرمایہ ثابت ہوں گے مقام

افسوس ہوگا اگر ان تجربات سے ایک اور اہم کام کی راہ میں استفادہ نہ کیا جائے۔ اس اہم کام سے میری مراد تفسیر موضوعی کی ترتیب ہے۔ آخر میں اس نکتہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ وہ روش جو ہم نے تفسیر موضوعی کے لیے استعمال کی ہے وہ ایک نئی روش ہے اور یہ ہمیں انشاء اللہ اپنے مقصد کے حصول میں نہایت تیزی اور آسانی سے کامیابی سے پہنچا کرے گی۔ ہم نے تفسیر موضوعی کے لیے پیام قرآن کا نام پسند کیا ہے۔ مذکورہ مقصد کی تشریح کا تفسیر موضوعی کی پہلی جلد کے مقدمہ میں آپ انشاء اللہ مطالعہ کر سکیں گے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ تمام مشکلات اور پیچیدگیوں کے باوجود وہ تاثر جو پیام قرآن میں ہے اس طرح فراہم ہو کہ عامۃ الناس، خواص اور محققین بھی اس سے استفادہ کر سکیں اور بحیثیت مجموعی قرآن کے چشمہ زلال کے تمام پیا سے اس سے فائدہ اٹھائیں۔

صاحب نظر افراد کے مشورے اور دوستوں کی دعائے خیر انشاء اللہ ضرور مددگار ثابت ہوگی۔ دینا علیک

توکلنا والیک انبنا والیک المصیر۔

قلم حوضہ علمیہ ناصر مکارم شیرازی

فہرست

۵۳	رسول کی شائستگی کی شہیں	۳۰	سورہ تکویر
۵۵	آیت ۲۶ تا ۲۹	۳۱	سورہ تکویر کے مضامین
	اے غافلو کہاں جا رہے ہو؟	۳۲	تلاوت کی فضیلت
		۳۳	آیت ۹ تا ۱۲
۵۸	سورہ انفطار		جس دن کائنات کے دفتر کو لپیٹ دیا
۵۹	سورہ انفطار کے مضامین	۳۴	جاؤ گے۔
۶۰	تلاوت کی فضیلت	۳۸	چند نکات
۶۱	آیت ۵	۳۹	۱۔ لوگوں کا زندہ درگور کرنا
۶۲	جس وقت اس جہان کا نظام زیرِ وزر ہو جائے گا	۴۰	۲۔ اس جرم کے مختلف اسباب و
۶۳	ایک نکتہ	۴۱	عوامل تھے
۶۴	وہ آثار جو انسان کے بعد باقی رہ جاتے ہیں	۴۲	آیت ۱۰ تا ۱۴
۶۵	آیت ۶ تا ۱۲	۴۳	اس دن معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں
۶۶	اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا ہے؟	۴۴	چند نکات
۶۷	ایک نکتہ	۴۵	۱۔ نظم آیات
۶۸	ثبوت اعمال کے مامورین	۴۶	۲۔ کیا نظامِ شمسی ختم ہو جائے گا اور
۶۹	آیت ۱۳ تا ۱۴	۴۷	ستاروں کے چراغ گل ہو جائیں گے؟
۷۰	جس دن کوئی کسی کا کام انجام نہیں دے گا	۵۳	آیت ۱۵ تا ۲۵
			وحی الہی اس پر نازل ہوئی
			ایک نکتہ

۱۱۹

ایک نکتہ

دشمنانِ حق کا مذاق اڑانے کا بزدلانہ حربہ

۱۲۱

سُورۃ الشَّقَاق

[سُورۃ الشَّقَاق کے مضامین اور اس کی تلاوت کی فضیلت]

۱۲۲

۱۲۳

آیت ۱ تا ۹

۱۲۴

کمالِ مطلق کی طرف رنجِ آمیز سعی و کوشش

۱۲۹

چند نکات

۱۲۹

۱۔ ایک ایسی حدیث جس میں اعجاز ہے

۱۲۹

۲۔ دُنیا رنج و تکلیف اور دُکھ درد کا گھر ہے

۱۳۰

آیت ۱۰ تا ۱۵

[وہ جو شرم و حیا کے باعث اپنا نامہ اعمال پشت کی طرف سے لیں گے]

۱۳۱

۱۳۵

آیت ۱۶ تا ۲۵

۱۳۶

تم ہمیشہ دگرگوں ہوتے رہتے ہو۔

۱۴۱

ایک نکتہ

۱۴۳

سُورۃ بروج

۱۴۴

سُورۃ بروج کے مضامین اور فضیلت

۱۴۶

آیت ۱ تا ۹

[مومنین انسانوں کو جلانے والی بھٹیوں کے سامنے]

۱۴۷

۱۵۳

چند نکات

سُورۃ مطففین

۸۲

۸۳

سُورۃ مطففین کے مضامین کا دائرہ کار

۸۴

اس سُورۃ کی تلاوت کی فضیلت

۸۴

آیت ۱ تا ۶

۸۵

کم تو لے والوں پر واٹے ہے

۸۹

ایک نکتہ

۹۲

آیت ۷ تا ۱۰

۹۲

تو کیا جانے کہ سچین کیا ہے؟

[جو قرآن ان معنی کی تائید کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔]

۹۳

۹۷

آیت ۱۱ تا ۱۷

۹۸

گناہ دلوں کا زنگ ہے

چند نکات

۱۰۱

۱۔ دل کے لیے گناہ کیوں زنگ ہے

۱۰۳

۲۔ رُوحِ دُجان کے چہرہ پر عذاب

۱۰۴

آیت ۱۸ تا ۲۸

۱۰۵

علیین ابرار کے انتظار میں ہے

۱۱۱

چند نکات

۱۱۱

۱۔ ابرار اور مقررین کون لوگ ہیں؟

۱۱۲

۲۔ جنت کی شراہیں

۱۱۴

آیت ۲۹ تا ۳۶

[اس دن وہ مومنین کا مذاق اڑاتے تھے] لیکن آج۔

۱۱۵

۲۰۰ حَب دینار اس کل خطیۃ کی تحلیل

سُورہ غاشیہ

- ۲۰۳ سُورہ غاشیہ کے مشتملات اور اس کی فضیلت
۲۰۴ آیت ۱ تا ۷
۲۰۵ بد نصیب تھے ماندے
۲۰۶ آیت ۸ تا ۱۶
۲۰۹ بہشت کی رُوح پرور نعمتوں کے مناظر
۲۱۰ آیت ۱۷ تا ۲۶
۲۱۴ اونٹ کی طرف دیکھو جو خود ایک آیت ہے
۲۱۵

سُورہ فجر

- ۲۲۱ سُورہ فجر کے مشمولات اور اس کی فضیلت
۲۲۲ آیت ۱ تا ۵
۲۲۳ تمہاری صبح کی سفیدی کی قسم
۲۲۹ آیت ۶ تا ۱۴
۲۳۰ تیرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے
۲۳۶ آیت ۱۵ تا ۲۰
[نہ اس کی نعمت کے ملنے پر غور کرو اور نہ
۲۳۷ سلبِ نعمت پر مایوس ہو]

سُورہ بلد

- ۲۴۸ سُورہ بلد کی فضیلت اور اس کا مضمون
۲۴۹ آیت ۱ تا ۷
۲۵۱

- ۱- اصحابِ اخدود کون لوگ تھے
۵۳ آیت ۱۰ تا ۱۶
۱۵۷ تشدد کرنے والے عذابِ الہی کے سامنے
۱۵۸ آیت ۱۷ تا ۲۲
۱۶۲ تو نے دیکھا کہ خدا نے فرعون و ثمود کے
[لشکروں کے ساتھ کیا کیا ؟]
"

سُورہ طارق

- ۱۶۶ سُورہ طارق کے مضامین اور فضیلت
۱۶۷ آیت ۱ تا ۱۰
۱۶۸ اے انسان دیکھ کہ تو کس چیز سے پیدا ہوا ہے
۱۶۹ آیت ۱۱ تا ۱۷
۱۷۷ میں دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں
[ملا دیتا ہوں -]
۱۷۷

سُورہ اعلیٰ

- ۱۸۲ سُورہ اعلیٰ کے مضامین اور ان کی فضیلت
۱۸۳ آیت ۱ تا ۵
۱۸۵ خداوندِ عظیم کی تسبیح کر
" آیت ۶ تا ۱۳
۱۹۱ ہم تجھے ہر اچھے کام کے لیے آمادہ کریں گے
۱۹۲ آیت ۱۴ تا ۱۶
۱۹۷ وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتب میں آیا ہے
" ایک نکتہ
۲۰۰

سُورَةُ اللَّيْلِ

۲۹۳	
۲۹۵	سُورَةُ اللَّيْلِ کے مضامین اور اس کی فضیلت
۲۹۶	آیت ۱۱ تا ۱۱
۲۹۷	سُورَةُ اللَّيْلِ کا شانِ نزول
۲۹۹	تقویٰ اور خدائی امدادیں
۳۰۳	آیت ۱۲ تا ۲۱
۳۰۴	انفاق اور جہنم کی آگ سے دوری
۳۰۷	ایک نکتہ
	۱۔ سُورَةُ اللَّيْلِ کی شان کے بارے میں
	ایک بات
۳۰۹	۲۔ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

سُورَةُ الضُّحَىٰ

۳۱۲	
۳۱۳	سُورَةُ الضُّحَىٰ کے مضامین اور اس کی فضیلت
۳۱۵	آیت ۱ تا ۵
	شانِ نزول
	تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش
۳۱۶	ہو جائے گا
۳۱۹	ایک نکتہ
	انقطاع وحی کا فلسفہ
۳۲۰	آیت ۶ تا ۱۱
	ان تمام نعمتوں کے شکرانے میں جو خدا
۳۲۱	نے تجھے دی ہیں۔

اس شہر مقدس کی قسم

۲۵۲	
۲۵۸	آیت ۸ تا ۱۰
	آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت
۲۶۰	چند نکات
	۱۔ آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت
۲۶۳	۲۔ زبان کی حیرت انگیزیاں
	۳۔ نجدین کی طرف ہدایت
۲۶۵	آیت ۱۱ تا ۲۰
۲۶۶	دشوار گزار گھاٹی
۲۶۸	چند قابلِ توجہ نکات

سُورَةُ الشَّمْسِ

۲۷۳	
۲۷۴	سُورَةُ الشَّمْسِ اور اس کی فضیلت
۲۷۵	آیت ۱۰ تا ۱۰
۲۷۶	تہذیبِ نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں
۲۸۳	چند نکات
	۱۔ قرآنی قسموں کا ان کے نتائج کے ساتھ ربط
	۲۔ سورج کا عالمِ حیات میں نقش و اثر
۲۸۵	آیت ۱۱ تا ۱۵
۲۸۶	سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام
۲۹۰	چند نکات
	۱۔ قومِ ثمود کی سرگذشت کا خلاصہ
۲۹۱	۲۔ اشقی الاولین و اشقی الاخرین
	۳۔ تہذیبِ نفس ایک عظیم خدائی وظیفہ ہے

۳۶۳ ۲۔ ہر حال میں ذکر خدا
 ۳۶۵ آیت ۱۲ تا ۱۴
 ۳۶۶ [کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تیرے اعمال
 کو دیکھتا ہے
 ایک نکتہ

۳۶۹ عالم ہستی محضرِ خدا میں ہے
 ۳۷۰ آیت ۱۵ تا ۱۹
 ۳۷۱ سجدہ کر اور تقرب حاصل کر
 ۳۷۲ ایک نکتہ
 " سرکشی اور بے نیازی کا احساس

سُورۃ القدر

۳۷۶ سورۃ قدر کے مطالب اور اس کی فضیلت
 ۳۷۷ آیت ۵
 ۳۷۹ شب قدر، نزولِ قرآن کی رات
 ۳۸۰ چند نکات
 ۳۸۳

۱۔ شب قدر میں کون سے اُمور مقدر
 ہوتے ہیں۔

۲۔ شب قدر کون سی رات ہے
 ۳۸۲
 ۳۔ شب قدر مخفی کیوں رکھی گئی
 ۳۸۵
 ۴۔ کیا گزشتہ اُمّتوں میں بھی
 شب قدر تھی۔

۵۔ شب قدر ہزار ماہ سے کیسے برتر ہے؟
 ۳۸۶
 ۶۔ قرآن شب قدر میں کیوں نازل ہوا؟
 ۳۸۷

۳۲۶ چند نکات
 ۱۔ مصائب و آلام کے درمیان سے
 " مبعوث ہونے والا پیغمبر
 ۳۲۷ ۲۔ یتیموں پر نوازش و شفقت
 ۳۲۹ ۳۔ نعمتوں کو بیان کرنا

سُورۃ الم نشرح

۳۳۱ سورۃ الم نشرح کے مضامین اور اس کی فضیلت
 ۳۳۲
 ۳۳۳ آیت ۸ تا ۱۰
 ۳۳۵ ہم نے تجھے انوار و اقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں
 ۳۳۶ چند نکات

سُورۃ التین

۳۴۴ سورۃ التین کے مطالب و فضیلت
 ۳۴۵
 ۳۴۶ آیت ۸ تا ۱۰
 ۳۴۷ ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا

سُورۃ العلق

۳۵۴ سورۃ علق کے مطالب اور فضیلت
 ۳۵۵
 ۳۵۷ آیت ۱ تا ۵
 ۳۵۸ شانِ نزول
 ۳۵۹ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ
 ۳۶۲ چند نکات
 ۱۔ وحی کا آغاز ایک حرکتِ عملی کے ساتھ ہوا

سُورۃ العادیات

۴۱۷	سُورۃ العادیات کے مطالب اور اس کی
۴۱۸	فضیلت -
۴۲۰	آیت ۱ تا ۱۱
۴۲۲	شانِ نزول
۴۲۲	بیدار مجاہدین کی قسم
۴۲۹	چند نکات
	۱۔ اس سُورۃ کی قسموں اور اس کے
"	ہدف کے درمیان ربط
۴۳۰	۲۔ کیا انسان طبعاً ناشکر اور بخیل ہے
۴۳۱	۳۔ جہاد کی عظمت

سُورۃ القارع

۴۳۲	سُورۃ القارع کے مطالب اور اس کی فضیلت
۴۳۳	آیت ۱ تا ۱۱
۴۳۵	چبھنے والا حادثہ
۴۳۹	ایک نکتہ
"	میزان اعمال کی سنگینی کے اسباب

سُورۃ التکاثر

۴۴۲	سُورۃ التکاثر کے مطالب اور اس کی فضیلت
۴۴۳	آیت ۱ تا ۸
۴۴۴	شانِ نزول

۷۔ کیا مختلف علاقوں میں ایک ہی
شب قدر ہوتی ہے؟

۳۸۷

سُورۃ البینۃ

۳۸۸

۳۸۹	سُورۃ البینۃ کے مطالب اور اس کی فضیلت
۳۹۱	آیت ۱ تا ۵
۳۹۲	یہ جاودانی دین ہے
۳۹۷	آیت ۶ تا ۸
۳۹۸	بہترین اور بدترین مخلوق
۴۰۰	چند نکات
"	۱۔ علیؑ اور ان کے شیعہ خیر البدیہ ہیں
۴۰۳	۲۔ عبادت میں خلوص نیت لازم ہے
"	۳۔ انسان کی عجیب قوس صعودی اور نزولی

سُورۃ الزلزال

۴۰۵

۴۰۶	سُورۃ الزلزال کے مطالب اور فضیلت
۴۰۸	آیت ۱ تا ۸
۴۰۹	جس دن انسان اپنے تمام اعمال دیکھے گا
۴۱۴	چند نکات

۱۔ قیامت کے حساب و کتاب میں
دقت اور سخت گیری

"

۲۔ ایک سوال کا جواب

۳۔ قرآن کی سب سے زیادہ جامع آیات

۴۱۵

ۛ ۛ ۛ

۴۷۶ ۲۔ مال جمع کرنے کی حرص

سُورَةُ الْفِيلِ

۴۸۰

۴۸۱ سُورَةُ الْفِيلِ کے مطالب اور فضیلت

۴۸۳ آیت اتمہ

۴۸۴ شانِ نزول

" اصحابِ فیل کی داستان

۴۸۵ ابرہہ سے کہہ دو کہ اُنے میں جلدی نہ کرے

۴۹۰ چند نکات

۱۔ ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا)

" ایک مالک ہے)

۲۔ معمولی وسیلہ سے سخت ترین سزا

۴۹۲ ۳۔ داستانِ فیل کے اہداف

" ۴۔ ایک مُسلم تاریخی روئیداد

سُورَةُ الْقُرَيْشِ

۴۹۳

۴۹۵ سورہ قریش کے مطالب اور اس کی فضیلت

۴۹۶ آیت اتمہ

۴۹۷ اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے

سُورَةُ الْمَاعُونِ

۵۰۰

۵۰۱ سورہ ماعون کے مطالب اور فضیلت

۵۰۲ آیت اتمہ

۵۰۳ معاد کے انفار کے اثرات بد

۴۴۵ تنکاثر و تفاخر کی مصیبت

۴۴۹ چند نکات

" ۱۔ تفاخر کا سرچشمہ

۴۵۱ ۲۔ یقین اور اس کے مراحل

۴۵۲ ۳۔ سب لوگ دوزخ کا مشاہدہ کریں گے

۴۵۳ ۴۔ قیامت میں کون سی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

سُورَةُ وَالْعَصْرِ

۴۵۵

۴۵۶ سورہ العصر کے مطالب اور اس کی فضیلت

۴۵۷ آیت اتمہ

" نجات کی صرف ایک راہ

۴۶۱ ایک نکتہ

" خوش بختی کا چار نکاتی پروگرام

سُورَةُ الْهَمزة

۴۶۵

۴۶۶ سورہ ہمزہ کے مطالب اور فضیلت

۴۶۷ آیت اتمہ

۴۶۸ شانِ نزول

عیب جوئی اور غیبت کرنے والوں کے لیے

" وائے ہے۔

۴۷۵ چند نکات

۱۔ کبر و غرور بڑے بڑے گناہوں کا

" سرچشمہ ہے۔

۵۲۷ ۵- آپ نے ایک لمحہ کے لیے بھی
شُرک سے مصالحت نہیں کی۔

سُورَةُ النُّصْرِ

۵۲۸

۵۲۹ سُورَةُ النُّصْرِ کے مطالب اور فضیلت

۵۳۱ آیت ۳ اتا

جب اصلی کامیابی آن پہنچے

۵۳۲ ایک نکتہ

فتح مکہ، اسلام کی عظیم ترین فتح

سُورَةُ التَّلْبِ

۵۳۱

۵۳۲ سُورَةُ التَّلْبِ کے مطالب اور فضیلت

۵۳۳ شان نزول

۵۳۵ آیت ۵ اتا

۵۳۶ ابولہب کا ہاتھ کٹ جائے

۵۵۰ چند نکات

۱- قرآن کے اعجاز کی ایک اور نشانی

۲- ایک اور سوال کا جواب

۵۵۱ ۳- بے بصیرت رشتہ دار ہمیشہ دُور
ہوتے ہیں۔

سُورَةُ الْاٰخِلَاصِ

۵۵۲

۵۵۳ سُورَةُ الْاٰخِلَاصِ کے مطالب و فضیلت

۵۵۶ آیت ۴ اتا

۵۰۶ چند نکات :

۱- سُورَةُ مَاعُونِ کے مباحث کی جمع بندی

۵۰۷ ۲- نظامِ روریا ایک بہت بڑی اجتماعی
مصیبت ہے۔

سُورَةُ الْكُوْثِرِ

۵۰۹

۵۱۰ سُورَةُ الْكُوْثِرِ کے مطالب اور فضیلت

۵۱۲ آیت ۳ اتا

ہم نے تجھے فراواں خیر و برکت دی

۵۱۵ چند نکات

۱- حضرت فاطمہؑ اور کوثر

۵۱۶ ۲- اس سُورہ کا اعجاز

۵۱۷ ۳- خدا کے لیے جمع کی ضمیر کس لیے ہے

سُورَةُ الْكَافِرُوْنَ

۵۱۸

۵۱۹ سُورَةُ الْكَافِرُوْنَ کے مطالب اور فضیلت

۵۲۱ آیت ۶ اتا

۵۲۲ شان نزول

۱- بُت پرستوں کے ساتھ ہرگز مصالحت

نہیں ہو سکتی۔

۵۲۴ ۲- کیا بُت پرست خدا کے مُنکر تھے؟

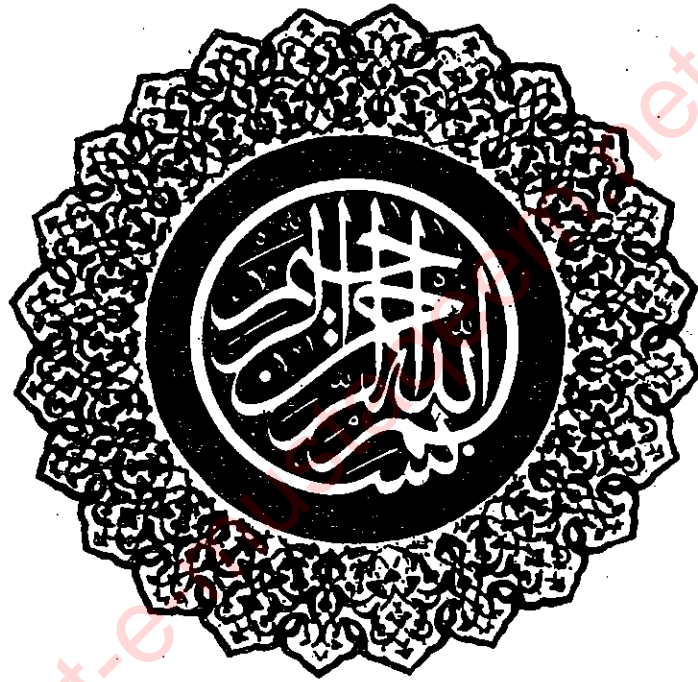
۳- یہ تکرار کس لیے ہے

۴- کیا لکم دینکم..... کی آیت کا مفہوم

۵۲۶ بُت پرستی کا جواز ہے

۵۷۸	۱۔ شر و فساد کے اہم ترین سرچشے	۵۵۶	وہ یکتا اور بے مثال ہے
"	۲۔ آیات کا تناسب	۵۶۶	چند نکات
"	۳۔ جادو کی تاثیر	"	۱۔ توحید کے دلائل
۵۷۹	۴۔ حاسدوں کا شر	۵۶۷	۲۔ توحید کی اقسام
	<u>سُورَةُ النَّاسِ</u>	۵۶۸	۳۔ توحید افعالی کی اقسام
۵۸۱		۵۶۸	۴۔ توحید در مالکیت
۵۸۲	سُورَةُ النَّاسِ کے مطالب و فضیلت	۵۶۹	۵۔ توحید حاکمیت
۵۸۳	آیت ۱ تا ۶	۵۷۰	۶۔ توحید اطاعت
۵۸۵	لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں		<u>سُورَةُ الْفَلَقِ</u>
۵۸۷	چند نکات	۵۷۱	
"	۱۔ ہم خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں	۵۷۲	سُورَةُ الْفَلَقِ کے مطالب و فضیلت
۵۹۰	تفسیر نمونہ کا اختتام	۵۷۳	آیت ۱ تا ۵
۵۹۱	تمام جلدوں کی اجمالی فہرست	۵۷۵	میں سپیدہ صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں
		۵۷۸	چند نکات

www.sirat-e-mustaqeem.net



اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ



تفسیر نمونہ جلد ۱۵

اس میں مندرجہ ذیل سورتیں شامل ہیں
تمام سورتیں پارہ ۳۰ میں ہیں

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳۶ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْبُرُوجِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۲ آیات ہیں۔

سُورَةُ الطَّارِقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۷ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاَعْلٰی: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۶ آیات ہیں۔

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْفَجْرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳۰ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْبَلَد: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۰ آیات ہیں۔

سُورَةُ الشَّمْس: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ اللَّيْلِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الضُّحَى: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمُنَافِقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ التِّين: مکی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْعَلَق: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْقَدَر: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ: مدنی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الزَّلْزَلَةِ: مدنی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْغَدِيَةِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْقَارِعَةِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْعَصْرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْهَمَز: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْفِيل: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْقُرَيْش: مکی سُورت ہے اور اس کی ۴ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمَاعُون: مکی سُورت ہے اور اس کی ۷ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْكَوْثَر: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْكَافِرُون: مکی سُورت ہے اور اس کی ۶ آیات ہیں

سُورَةُ النَّصْرِ: مدنی سُورت ہے اور اس کی ۳ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمَسَد: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاِخْلَاص: مکی سُورت ہے اور اس کی ۴ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْفَلَق: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ النَّاس: مکی سُورت ہے اور اس کی ۶ آیات ہیں۔

سورۃ تکویر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس کی ۲۹ آیتیں ہیں

سورۃ تکویر کے مضامین

یہ مکی سورتوں میں سے ہے اور مختلف قرآن اس کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ سورہ اس حقیقت کو پیش کرتا ہے کہ کج فہم اور ہٹ دھرم دشمن پیغمبر اسلام پر جنوں کی تہمت لگاتے تھے اور یہ صورت حال زیادہ تر پیغمبر اسلام کے قیام مکہ کے زمانے میں تھی، اور ابتدائے تبلیغ میں یہ کیفیت تھی۔ دشمنوں کی کوشش تھی کہ آپ کی باتوں کو سنجیدہ نہ سمجھیں اور ان پر زیادہ توجہ نہ دیں۔ بہر حال یہ سورہ دو محوروں کے گرد گھومتا ہے۔ پہلا محور اس سورہ کے آغاز کی آیتیں ہیں جو قیامت کی نشانیوں، اس جہان کے آخر میں عظیم تبدیلیوں اور قیامت کے آغاز کو بیان کرتی ہیں۔ دوسرے محور میں قرآن کے لانے والے کی عظمت اور قرآن کی نفوس انسانی میں تاثیر کی گفتگو ہے۔ اس حصہ میں دل بلا دینے والی اور بیدار کرنے والی قیاس ہیں۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی اہمیت اور تلاوت کے بارے میں کئی حدیثیں منقول ہیں بجز ان دیگر احادیث کے ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ:

من قرأ سورة اذا الشمس كورت اعاده الله تعالى ان يفضحه حين تنشر صحيفته۔ ”جو شخص ”اذا الشمس كورت“ کو پڑھے تو خدا اسے اس وقت ہر رسوائی سے محفوظ رکھے گا جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔“

ایک اور حدیث میں آنحضرت ہی سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: من احب ان ينظر الى يوم القيامة فليقرأ اذا الشمس كورت۔ ”جو شخص چاہتا ہے کہ قیامت میں میرا دیدار کرے تو وہ سورہ ”اذا الشمس كورت“ کی تلاوت کرے۔“ یہ حدیث ایک اور طرح سے بھی نقل ہوئی ہے:

من سره ان ينظر الى يوم القيامة (كانه رأى عين) فليقرأ ”اذا الشمس كورت“ و”اذا السماء انفطرت“ و”اذا السماء انشقت“۔ ”جو شخص دوست رکھتا

ہے کہ قیامت میں مجھے دیکھے (گویا آنکھ سے دیکھے) تو وہ سورہ "اذا الشمس کورت" اور "اذا السماء انفطرت" اور "اذا السماء انشقت" کی تلاوت کرے اس لیے کہ ان سورتوں میں قیامت کی نشانیاں اس طرح بیان ہوتی ہیں کہ تلاوت کرنے والے کو گویا صیحو قیامت سے دوچار کر دیتی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ پیغمبر اسلام سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ پر اس قدر جلد کیوں بڑھاپے کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا:

شِبْتَنِي هُوْدُ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمِ يَتَسَاءَلُونَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔
 "سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، عم اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ اس لیے کہ قرآن کے ہولناک حوادث کی ان میں اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے کہ ہر بیدار انسان کو جلد بوڑھا کر دیتی ہے۔"

امام جعفر صادق سے بھی ایک حدیث مروی ہے کہ جو شخص سورہ "عبس و توئی" اور "اذا الشمس کورت" کو پڑھے تو پروردگار کے لطف و کرم کے زیر سایہ وہ جنت جاوداں میں ہوگا اور خدا کے نزدیک یہ کوئی اہم چیز نہیں ہے کہ وہ ارادہ کرے۔
 جو تعبیریں مندرجہ بالا آیتوں میں آئی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ مراد ایسی تلاوت ہے جو آگاہی اور ایمان عمل کا سرچشمہ قرار پائے۔

۱۔ تفسیر قرطبی، جلد ۱۰، ص ۷۱۔ اس حدیث کے معنی کا سابقہ حدیث میں بھی احتمال ہے۔

۲۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵، ص ۵۱۳۔

۳۔ ثواب الاعمال مطابق نقل نور الثقلین، جلد ۵، ص ۵۱۲۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝
- ۲۔ وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝
- ۳۔ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝
- ۴۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝
- ۵۔ وَاِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝
- ۶۔ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝
- ۷۔ وَاِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝
- ۸۔ وَاِذَا الْمَوْءِدَةُ سُيِّلَتْ ۝
- ۹۔ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝

ترجمہ اس خدا کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

- ۱۔ جس وقت سورج کو پیڑھا جائے گا۔
- ۲۔ اور جس وقت ستارے بے نور ہو جائیں گے۔
- ۳۔ جس وقت پہاڑ چلنے لگیں گے۔
- ۴۔ جس وقت زیادہ قیمتی مال فراموش کر دیا جائے گا۔
- ۵۔ جس وقت وحوش کو جمع کیا جائے گا۔

- ۴ جس وقت دریا جوش مارنے لگیں گے۔
- ۵ جس وقت ہر شخص اپنے جیسے کا قرین قرار دیا جائے گا۔
- ۸ جس وقت زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا۔
- ۹ کہ ان کو کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟

تفسیر

جس دن کائنات کے دفتر کو لپیٹ دیا جائے گا

اس سورہ کے آغاز میں جیسا کہ ہم نے کہا ہے، مختصر، ہیجان انگیز اور دل ہلا دینے والے اشاروں کے ساتھ اس جہان کے اختتام اور قیامت کی ابتدا کے ہولناک حوادث سے ہمارا آئنا سامنا ہے۔ یہ حوادث ہمیں عجیب و غریب جانوں کی سیر کراتے ہیں۔ پروردگار عالم ان نشانیوں میں سے آٹھ نشانیوں کو بیان کرتا ہے۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے:

”اس وقت جب سورج کا دفتر کو لپیٹ دیا جائے گا“ (اذا الشمس كورت)۔

”کورت“ ”تکویں“ کے مادہ سے اصل میں کسی چیز کے لپیٹنے اور جمع کرنے کے معنی میں ہے (مثلاً سر پر عمامہ لپیٹنا) یہ ایسا مفہوم ہے جو لغت و تفسیر کی بہت سی کتب سے معلوم ہوتا ہے کبھی کسی چیز کے پھینک دینے اور تاریک ہونے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں معانی اسی اصلی مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

بہر حال یہاں مراد سورج کی روشنی کا بجھ جانا ہے۔ اس کا تاریک ہونا ہے یعنی اس کے وجود کا ختم ہو جانا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ فی الحال سورج ایک گڑھ ہے، حد سے زیادہ گرم اور جلتا ہوا، اس قدر کہ اس کا تمام مواد تہہ بہ تہہ گیس کی شکل میں نکل آیا ہے اور اس کے ارد گرد جلانے والے شعلے موجود ہیں جن کی بلندی لاکھوں میٹر ہے۔ اگر کرۂ زمین ان میں سے کسی شعلے کے درمیان الجھ جائے تو ایک ہی لمحے میں خاک ہو کر تھوڑی سی گیس میں تبدیل ہو جائے لیکن اس جہان کے آخر میں قیامت کی ابتدا پر یہ صرارت ختم ہو جائے گی اور شعلے بجھ جائیں گے، اس کی روشنی ختم ہو جائے گی اور اس کے حجم میں کمی ہو جائے گی۔

تکویر کے یہ معنی ہیں۔ اسی لیے لسان العرب میں آیا ہے:

(کورت الشمس جمع ضوءها ولف کما تلف العمامہ) سورج کی تکویر کے یہ معنی ہیں کہ اس کی روشنی سمٹ جائے گی اور لپیٹ دی جائے گی جس طرح عمامے کو پھیلتے ہیں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی موجودہ علم بھی تائید کرتا ہے۔ سورج کی روشنی آہستہ آہستہ تاریکی کی طرف جا رہی ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”اور جس وقت ستارے بے نور ہو کر غائب ہو جائیں گے“ (واذا النجوم انکدرت)۔

”انکدرت“ ”انکدار“ کے مادہ سے گرنے اور پراگندہ ہونے کے معنی میں ہے اور کدورت کی اصل کے پیش نظر تیرگی و تاریکی کے معنی میں ہے۔ زیر بحث آیت میں ان دونوں کا جمع ہونا بھی ممکن ہے اس لیے کہ آغاز قیامت میں ستارے اپنی روشنی کھو بیٹھیں گے، منتشر ہو جائیں گے اور گر پڑیں گے اور عالم بالا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا جیسا کہ سورہ انفطار کی آیت ۲ میں آیا ہے:

(واذا الکواکب انتشرت) ”اور جب ستارے گر کر منتشر ہو جائیں گے“ اور جیسا کہ سورہ مزلات

کی آیت ۸ میں آیا ہے (فاذا النجوم طمست)۔ اور جب ستارے مٹ جائیں گے اور تاریک ہو جائیں گے، قیامت کی تیسری نشانی کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

”اور جب پہاڑ چلنے لگیں گے“ (واذا الجبال سیوت)۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ

قرآن کی مختلف آیتوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آغاز قیامت میں پہاڑ مختلف مراحل طے کریں گے۔

پہلا مرحلہ یہ کہ وہ چلنے لگیں گے اور آخری مرحلے میں غبار میں تبدیل ہو جائیں گے۔ (اس سلسلہ میں مزید تشریح اسی جلد میں سورہ نبا کی آیت ۲۵ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں)۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”جس وقت نہایت قیمتی اموال فراموشی کے حوالے ہو جائیں گے“ (واذا العشار هطلت)۔

”عشار“ جمع ہے ”عشراء“ کی جو دراصل حاملہ اونٹنی کے معنی میں ہے جس کے حمل کو دس ماہ گزر

چکے ہوں اور وہ بچہ جننے کے قریب ہو یعنی زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ وہ ایک اور اونٹ کو جنم دے گی اور بہت زیادہ دودھ اس کے پستانوں میں ظاہر ہوگا۔

جس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں تو عرب میں اس قسم کی اونٹنی بہت قیمتی شمار ہوتی تھی۔

”عطلت“ تعطیل کے مادہ سے سرپرست اور چرواہے کے بغیر چھوڑ دینے کے معنی میں ہے براد یہ

ہے کہ اس دن ہولناکی اس قدر شدید ہوگی کہ ہر انسان اپنے نفیس ترین مال کو فراموش کر دے گا۔

مروج طبری مجمع البیان میں نقل کرتے ہیں کہ بعض مفسرین نے عشار کو بادل کے معنی میں لیا ہے اور

”عطلت“ بارش کے معطل ہو جانے کے معنی میں ہے یعنی اس دن آسمان پر بادل تو ظاہر ہوں گے لیکن

برسیں گے نہیں۔ (ہو سکتا ہے یہ بادل مختلف گیسوں سے پیدا ہوں یا ایٹمی بادل ہوں یا اگر دو غبار کے

تودے جو پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے سے آغاز قیامت میں ظاہر ہوں گے)۔

لیکن طبری مزید کہتے ہیں کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عشار کی تفسیر بادلوں سے کرنا ایسی چیز ہے جو

لغت عرب میں معروف نہیں ہے لیکن اس مطلب کی طرف توجہ سے جو ”طبری“ نے مجمع البحرین میں نقل

کیا ہے کہ ”عشار“ اصل میں حاملہ اونیٹوں کے معنی میں ہے اور اس کے بعد ہر بار بردار کو کہا گیا ہے۔ ممکن ہے بادلوں پر بھی اس کا اطلاق عام طور پر پانی کا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے ہو اگرچہ وہ بادل جو آغاز قیامت میں نمودار ہوں گے بار بردار نہیں ہوں گے (غور کیجئے)۔

بعض مفسرین نے ”عشار“ کی تفسیر گھروں اور زرعی زمینوں سے کی ہے جو عرصہ محشر میں بیکار ہو جائیں گی اور ساکنوں اور زراعت کرنے والوں سے محروم ہوں گی۔ لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مشہور ہے۔ بعد کی آیت میں مزید ارشاد ہوتا ہے :

”اور جس وقت وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے“ (واذا الوحوش حشرت)۔ وہی جانور جو عام حالات میں ایک دوسرے سے دور تھے اور ڈرتے تھے غرضہ قیامت کے ہولناک حوادث کی وحشت کی شدت ایسی ہوگی کہ ان کو ایک دوسرے کے گرد جمع کر دے گی اور وہ ہر چیز کو بھول جائیں گے۔ گویا وہ چاہیں گے کہ اپنے اس اجتماع سے اپنے خوف و وحشت میں کمی کریں۔

دوسرے لفظوں میں جس وقت وہ ہولناک مناظر وحشی جانوروں سے ان کے مخصوص خواص چھین لیں گے تو افسانوں سے کیا سلوک کریں گے۔ لیکن بہت سے مفسرین کا نظریہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت قیامت کی عدالت میں وحشی جانوروں کے جمع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی اپنے عالم میں اور اپنی آگاہی اور شعور کے حدود میں رہتے ہوئے جوابدہی کے پابند ہیں اور اگر انہوں نے ایک دوسرے پر ظلم و ستم کیا ہو گا تو وہاں ان سے بدلہ لیا جائے گا۔

اس آیت کی سورہ انعام کی آیت ۳۸ کے ساتھ مشابہت ہے جو یہ کہتی ہے کہ (وما من دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحہ الا امم امثالکم وما فرطنا فی الکتاب من شیء ثم الی ربهم یحشرون) کوئی زمین میں چلنے والا اور کوئی پرندہ جو اپنے دونوں پروں سے پرواز کرتا ہے موجود نہیں مگر یہ کہ وہ تمہاری طرح کی امتیں ہیں۔ ہم نے کسی چیز کو اس کتاب میں چھوڑا نہیں ہے اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف محشور ہو گے۔

(جانوروں کے حشر و نشر اور حساب و کتاب کے سلسلہ میں تفصیلی بحث سورہ انعام کی اسی آیت کے ذیل میں جلد ۳ ص ۳۶۹ تا ۳۷۲ ہم کر چکے ہیں)۔

جو کچھ یہاں کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ زیر بحث آیات دنیا کے اختتام اور آخرت کے آغاز کی ہولناک نشانیوں کے سلسلہ میں بحث کر رہی ہیں لہذا پہلی تفسیر مناسب ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے :

”جس وقت دریاؤں میں آگ لگ جائے گی“ (واذا البحار سجرت)۔

”سجرت“ ”تسجیر“ کے مادہ سے جلانے اور آگ کے ہیجان میں آنے کے معنی میں ہے۔ اور

اگر قرآن کی یہ تعبیر گزشتہ زمانے میں مفسرین کے لیے عجیب و غریب تھی تو اس وقت ہمارے لیے باعث تعجب نہیں ہے اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ پانی دو عناصر، لائیڈروجن اور آکسیجن، سے مرکب ہے جو دونوں شدید طور پر قابل اشتعال ہیں۔

بعید نہیں کہ عرصہ قیامت میں دریاؤں اور سمندروں کا پانی اس طرح دباؤ اور فشار میں آجائے کہ ان کا تجزیہ ہو جائے اور یہ آگ پکڑ جائیں۔

بعض نے اس لفظ کی پُر ہونے کے معنی میں تفسیر کی ہے جیسا کہ آگ سے پُر تنور کو مسجّر بھا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عرصہ محشر کے زلزلے اور پہاڑوں کا انتشار دریاؤں اور سمندروں کے پُر ہونے کا سبب بنے یا آسمانی پتھروں کے گرنے سے وہ پُر ہو جائیں اور ان کا مطلق پانی خشکیوں کی سطح پر جاری ہو اور ہر چیز کو غرق کر دے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے :

”اور جس وقت ہر شخص اپنے جیسے کا قرین ہو جائے گا (واذا النفوس زوجت)۔ صالحین صالحین کے ساتھ اور بدکار بدکار لوگوں کے ساتھ، اصحاب الیمین اصحاب الیمین کے ساتھ اور اصحاب الشمال اصحاب الشمال کے ساتھ، اس دنیا کے برعکس جہاں سب ملے جلے ہیں۔ کہیں مومن کا ہمسایہ مشرک ہے اور کہیں صالح اور نیک کا ہمسایہ غیر صالح ہے۔ لیکن قیامت جو یوم الفصل یعنی جدائی کا دن ہے، اس میں یہ صفیں مکمل طور پر الگ الگ اور ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گی۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرے احتمالات بھی پیش ہوئے ہیں منجملہ ایک یہ ہے کہ ارواح ابدان میں پلٹ آئیں گی یا جنتی نفوس حوروں کے ساتھ اور جہنمی نفوس شیاطین کے پاس ہو جائیں گے۔ یا یہ کہ ہر انسان اپنے دوست اور رفیق کے قریب ہوگا بعد اس کے کہ موت ان کے درمیان جدائی ڈال دے گی یا ہر انسان اپنے اعمال کا قرین ہوگا۔

لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ سورہ واقعہ کی آیات ۷ سے ۱۱ تک اس کی گواہ ہیں :

(وکنتم ازواجًا ثلاثہ فاصحاب الیمینۃ ما اصحاب الیمینۃ واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون اولئک المقربون)

اس دن تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے پہلا گروہ اصحاب یمینہ کا ہے کیا کہنا اصحاب یمینہ کا۔ دوسرا گروہ اصحاب شمال کا ہے وہ کیا ہی منحوس گروہ ہے اور تیسرا گروہ سبقت کرنے والوں کا ہے اور سبقت کرنے والے ہی مقربین ہیں۔

حقیقت میں یہ آیت ایسی تبدیلیاں جو قیامت کی تمہید ہیں، ان کے ذکر کے بعد اس عظیم دن کے ہراول دستے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور وہ ایسا دن ہے جس میں ہر شخص اپنے قرین کے ہمراہ ہو جائے گا۔

اس کے بعد قیامت کے ایک اور حادثہ کو موضوع بناتے ہوئے مزید فرماتا ہے،
 ”جس دن زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا“ (واذا الموءودة سئلت) ”کہ وہ کس جرم میں
 قتل کی گئی ہیں“ (بای ذنب قتلت)۔

”موءودة“ ”وؤاد“ (بروزن رعد) اس لڑکی کے معنی میں ہے جسے زندہ دفن کر دیا گیا ہو بعض مفسرین
 نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی قتل بلوچہ اور سنگینی کے ہیں اور چونکہ ان لڑکیوں کو قبر میں دفن کرتے تھے اور
 ان پر مٹی ڈال دیتے تھے اس لیے یہ تعبیر ان کے لیے استعمال کی گئی ہے۔

بعض روایات کے نتیجے میں اس آیت کی تفسیر کو وسعت دی گئی ہے یہاں تک کہ ہر قسم کے قطع رحم یا
 موءدہ اہل بیت کو قطع کرنا اس میں شامل ہے۔

ایک حدیث امام محمد باقر سے مروی ہے کہ جس وقت اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال ہوا تو آپ
 نے فرمایا (من قتل فی مودتنا) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہماری محبت کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں۔
 ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس بات کی گواہ آیت قرآنی ہے (قل لا اسئلكم علیہ اجرًا
 الا الموءودة فی القبر) ”کہہ دے میں تبلیغ نبوت کے سلسلہ میں تم سے کسی قسم کا اجر نہیں چاہتا سوائے
 اپنے اہل بیت کی موءدہ کے“ (شوری ۲۳)۔
 البتہ آیت کا ظاہری مفہوم وہی پہلی تفسیر ہے لیکن اس میں اس قسم کے مفہوم کی صلاحیت ہے۔

چند نکات

۱۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

عربوں کے زمانہ جاہلیت کے دردناک ترین اور نہایت وحشیانہ مظاہر میں سے ایک مظہر لڑکی کا زندہ
 درگور کر دینا ہے جس کی طرف قرآن مجید میں بار بار اشارہ ہوا ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ یہ قبیح رسم
 عربوں میں عام نہیں تھی۔ صرف قبیلہ کنذہ یا بعض دوسرے قبائل میں تھی لیکن ظاہر ہے کہ یہ اقدام کچھ عجیب
 نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ورنہ قرآن اس بارے میں اتنی تاکید کے ساتھ بار بار گفتگو نہ کرتا۔

بہر حال یہ کام اس قدر وحشت ناک تھا کہ اس کا کبھی کبھی ہونا بھی نہایت قبیح امر ہے مفسرین نے کہا
 ہے کہ عربوں کے زمانہ جاہلیت میں جس وقت عورت کے وضع حمل کا وقت قریب آتا تو زمین میں ایک گڑھا
 کھود دیتے اور اس کے اوپر بیٹھ جاتے اگر نوزائیدہ بچہ لڑکی ہوتا تو اس کو اس گڑھے میں پھینک دیتے

۱۔ تفسیر برہان جلد ۴ ص ۴۳۲، حدیث ۷۱۱۔

۲۔ ایضاً ” ” ” ” ” ”

اور اگر لڑکا ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے۔ اسی لیے ان کے شعراء میں سے ایک شاعر اس سلسلہ میں فخریہ لب و لہجے میں کہتا ہے :

سمیتھا اذا ولدت تموت والقبر صهر ضامن ذمیت

میں نے اس نوزائیدہ لڑکی کا نام اس کی پیدائش کے وقت تموت رکھا جس کے معنی ہیں مر جائے گی، اور قبر میرا داماد ہے جس نے اسے اپنی بغل میں لے لیا اور اسے خاموش کر دیا۔

اس جرم کے مختلف اسباب و عوامل تھے

زمانہ جاہلیت میں عورت کا ایک انسان کے لحاظ سے بے قدر و قیمت ہونا اس شدید فقر و فاقہ کی کیفیت کا نتیجہ تھا جو اس معاشرہ پر مسلط تھا۔ لڑکیاں نہ تو کچھ کما کر دے سکتی تھیں نہ ڈاکہ ڈالنے میں شرکت کر سکتی تھیں۔ ایک سبب اور بھی تھا اور وہ یہ کہ اس بات کا امکان تھا کہ مختلف جنگوں میں گرفتار ہو کر لڑکیاں قید ہو جائیں اور ان کی عزت و ناموس دوسروں کے قبضہ میں چلی جاتے جس کے نتیجے میں بے غیرتی کا دھبہ متعلقین کے دامن پر لگ جاتے۔

یہ چند عوامل لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا سبب بنے۔ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ زمانہ موجود میں بھی یہ رسم کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ اور کچھ نہیں تو اسقاطِ حمل کی آزادی کی صورت میں بہت سے متمدن ممالک میں رواج پاتے ہوئے ہے۔ اگر زمانہ جاہلیت کے عرب نوزائیدہ بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے تو ہمارے زمانے کے متمدن انسان انہیں شکمِ مادر میں قتل کر دیتے ہیں۔ اس کی مزید تشریح جلد ۶ ص ۳۷۶ تا ۳۷۹ پر سورہ نخل کی آیت ۵۹ کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں۔

۲۔ قابلِ توجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس اقدام کو اس قدر قبیح اور قابلِ نفرت قرار دیا ہے کہ روزِ قیامت دوسرے اعمال کی پرکاش سے پہلے اس دادِ خواہی کا تذکرہ کیا ہے یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ قانونِ اسلام کی رو سے عام انسانوں خصوصاً بے گناہ انسانوں کے خون کی بہت شدید گرفت کی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں عورت کی کتنی قدر و منزلت ہے۔

۳۔ ایک اور نکتہ جس کی طرف یہاں توجہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قرآن یہ نہیں کہتا کہ قاتلوں سے سوال کریں گے بلکہ کہتا ہے کہ ان معصوم بچیوں سے سوال ہو گا کہ تمہارا کیا گناہ تھا کہ اس بے رحمانہ طریقہ پر تم کو قتل کیا گیا۔ گویا قاتل اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان سے ان کے جرم کے بارے میں پرسش بھی کی جائے بلکہ تنہا ان مقتولین کی گواہی کافی ہے۔

۱۰. وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۖ
۱۱. وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۖ
۱۲. وَإِذَا الْجَبَابِثُ سُعِّرَتْ ۖ
۱۳. وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۖ
۱۴. عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۖ

ترجمہ

۱۰. جس وقت اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے۔
۱۱. اور جس وقت آسمان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا۔
۱۲. اور جس وقت دوزخ دہک اٹھے گا۔
۱۳. اور جس وقت جنت قریب کر دی جائے گی۔
۱۴. اس وقت ہر انسان جان لے گا کہ اس نے کیا کیا ہے۔

تفسیر

اس دن معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیتوں میں قیامت کے پہلے مرحلے یعنی اس جہان کی دیرانی کے موضوع پر آئی تھی زیر بحث آیتوں میں اس کے دوسرے مرحلے یعنی دوسرے عالم کے ظہور اور نامہ اعمال کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے:

”جس روز اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے“ (وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ)۔

”صحف“ صحیفہ کی جمع ہے۔ یہ اس چیز کے معنوں میں ہے جو صفحہ رخ کی طرح وسیع ہو۔ اس کا اطلاق ان تختیوں اور کاغذوں پر بھی ہوا ہے جن پر کچھ مطالب لکھتے ہیں۔ قیامت میں اعمال ناموں کے

کھلنے سے مراد یہ ہے کہ جنہوں نے وہ اعمال انجام دیئے ہیں ان کے سامنے ان کے اعمال ظاہر ہو جائیں گے تاکہ وہ اپنا حساب کتاب دیکھ لیں۔ جیسا کہ سورہ اسرہ کی آیت ۴۱ میں آیا ہے:

(اقراء کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیباً) اور ان اعمال ناموں کا دوسروں کے سامنے واضح ہونا بھی نیکو کاروں کے لیے ایک تشویق کا عنوان ہے اور بدکاروں کے لیے سزا و رنج اور تکلیف ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”اور جس وقت آسمان کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا جائے گا“ (واذا السماء کشطت)۔ ”کشطت“ (بروزن کشف) کے مادہ سے اصل میں، جیسا کہ راغب مفردات میں کہتا ہے، جانور کی کھال اتارنے کے معنی میں ہے اور ابن منظور کے بقول ”لسان العرب“ میں کسی چیز کے رخ سے پردہ ہٹانے کے معنی میں بھی آیا ہے، لہذا جس وقت بادل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو یہ تعبیر استعمال ہوتی ہے۔

زیر بحث آیت میں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پردے جو اس دنیا میں عالم مادہ اور عالم بالا پر پڑے ہوئے ہیں یعنی لوگ فرشتوں کو یا دوزخ و جنت کو نہیں دیکھ سکتے، وہ ہٹ جائیں گے اور انسان عالم ہستی کے حقائق کو دیکھ سکیں گے۔

جیسا کہ بعد والی آیت میں آئے گا کہ جہنم شعلہ در ہوگا اور جنت انسانوں کے نزدیک ہو جائے گی۔ جی ہاں قیامت کا دن یوم البروز ہے۔ چیزوں کی ہست اس دن آشکار ہو جائے گی اور آسمان کے چہرے سے پردہ ہٹ جائے گا۔

اس تفسیر کے مطابق مندرجہ بالا آیت قیامت کے دوسرے مرحلے کے حوادث یعنی انسانوں کی حیات تازہ کے مراحل کی گفتگو کرتی ہے۔

قبل و بعد کی آیات بھی انہی چیزوں کی حامل ہیں اور یہ جو بہت سے مفسرین نے اس آیت کو آسمانوں کے پیٹے جانے اور قیامت کے پہلے مرحلے یعنی اس عالم کی فنا سے متعلق سمجھا ہے، یہ بہت بعید نظر آتا ہے اور نہ یہ مفہوم قبل و بعد کی آیات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اس لیے بعد والی آیات میں مزید فرماتا ہے:

”اور جس وقت جہنم شعلہ در ہوگا“ (واذا الجحیم سعرت)۔

(وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین)۔ ”بے شک دوزخ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے“ (توبہ ۴۹)

کے مطابق جہنم اب بھی موجود ہے لیکن اس دنیا کے حجابات اس کے مشاہدہ کی راہ میں حائل ہیں۔ جیسا کہ بہت سی آیات قرآنی کے مطابق جنت بھی اس وقت پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔ اسی بنا پر بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

”اور جس وقت جنت پرہیزگاروں کے نزدیک کر دی جائے گا“ (واذا الجنة اذلفت)۔ یہی معنی سورہ شعراء کی آیت ۹۰ میں بھی اس فرق کے ساتھ آئے ہیں کہ یہاں متقین کے نام کی تصریح نہیں ہوئی۔

”ازلقت“، ”زلقت“ (بروزن حرف) اور ”زلقتی“ (بروزن کبری) کے مادہ سے نزدیکی کے معنوں میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قرب مکانی ہو یا قرب زمانی یا اسباب و مقدمات کے لحاظ سے یا پھر یہ سب امور ہوں یعنی جنت مکان کے لحاظ سے بھی مومنین کے نزدیک ہو جائے گی اور زمانہ ورود کے اعتبار سے بھی اور اس کے اسباب و علل بھی و کمال سہل و آسان ہوں گے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ یہ نہیں فرماتا کہ نیکو کار جنت کے نزدیک ہو جائیں گے بلکہ فرماتا ہے جنت ان کے نزدیک کر دیں گے اور یہ بہت ہی محترم تعبیر ہے جو اس سلسلہ میں ممکن ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے جنت اور جہنم دونوں اس وقت موجود ہیں لیکن اس دن جنت زیادہ نزدیک اور ذرخ ہر زمانہ کی نسبت زیادہ بھرپور رہا ہوگا۔

آخری زیر بحث آیت میں جو فی الحقیقت تمام گزشتہ آیتوں کی تکمیل کرتی ہے اور تمام شرطیہ جملوں کی جزا ہے جو گزشتہ بارہ آیتوں میں آئے ہیں، فرماتا ہے:

”اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا کچھ حاضر کیا ہے“ (علمت نفس ما احضرت)۔ اور یہ تعبیر اچھی طرح بتاتی ہے کہ انسان کے تمام اعمال دہان حاضر ہوں گے اور وہاں انسان کا علم مشاہدہ لیے ہوئے ہوگا۔

یہ حقیقت قرآن کی متعدد آیات میں آتی ہے۔ سورہ کف کی آیت ۹م میں ہم پڑھتے ہیں (ووجدوا ما عملوا حاضراً) ”جو کچھ انہوں نے اعمال کیے ہیں وہ اسے حاضر پائیں گے“ اور سورہ زلزال کی آخری آیات میں آیا ہے: (فمن يعمل مثقال ذرۃ خیراً یروہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یروہ) جس شخص نے ذرہ برابر نیک عمل کیا ہو گا وہ اسے دیکھے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا۔

یہ آیت بھی اعمال کی تجسیم کو بیان کرتی ہے اور یہ کہ انسانوں کے اعمال جو اس جہان میں بظاہر نابود ہو جاتے ہیں، وہ حقیقتاً نابود نہیں ہوتے۔ اس دن مناسب شکلوں اور صورتوں میں مجسم ہوں گے اور عرصہ محشر میں حاضر ہوں گے۔

چند نکات نظم آیات

زیر بحث آیتوں میں اور گزشتہ آیتوں میں مسئلہ قیامت کے رابطہ سے بارہ حادثات کی طرف اشارہ ہوا ہے جن میں سے چھ حوادث پہلے مرحلہ یعنی اس جہان کی فنا سے متعلق ہیں اور چھ دوسرے حوادث چھ دوسرے مرحلہ یعنی موت کے بعد کی نئی زندگی سے متعلق رکھتے ہیں۔

پہلے حصہ میں سورج کے تاریک و سیاہ ہو جانے، ستاروں کے بے نور ہونے، پہاڑوں کے تزلزل اور

حرکت میں آجانے، سمندروں میں آگ لگ جانے، اموال کو بھول جانے، اور جانوروں کے وحشت زدہ ہو جانے کے بارے میں گفتگو ہے۔

دوسرے مرحلہ میں انسانوں کے الگ الگ صفوں میں محسوس ہونے، بے گناہ زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیے جانے، نامہ اعمال کے کھلنے، آسمانوں سے حجابوں کے ہٹ جانے، جہنم کی آگ کے بھڑک اٹھنے، جنت کے نزدیک ہونے اور آخر میں انسان کے اپنے اعمال سے مکمل طور پر آگاہ ہونے کی بات ہوئی ہے۔

یہ آیات، باوجود اختصار، اس قدر پُر معنی اور دل ہلا دینے والی ہیں کہ ہر انسان کے وجود کو متزلزل کر دیتی ہیں اور اسے غور و فکر پر اس طرح مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ اس دنیا کے انجام اور قیامت کی کیفیات کو مختصر عبارتوں میں اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم دیکھنے لگتا ہے۔ کس قدر زیبا، خوبصورت اور اثر کرنے والی یہ آیات قرآن میں اور کس قدر پُر معنی اور الہام بخش ان کے نکات ہیں۔

۲۔ کیا نظام شمسی ختم ہو جائے گا اور ستاروں کے چراغ گل ہو جائیں گے؟

ہر چیز سے پہلے ہمیں جاننا چاہیے کہ ہمارے نظام شمسی کا یہ حیات بخش مرکز جسے ہم سورج کہتے ہیں آسمان کے باقی ستاروں کی بہ نسبت، اگرچہ یہ متوسط ستارہ ہے لیکن اپنی ذات کی حد تک اور کرہ زمین کی نسبت بہت بڑا ہے۔

ماہرین کی تحقیق اور ان کے مطالعوں کے مطابق اس کا حجم ایک ملین اور تین کروڑ گنا زمین کے مقابلہ میں ہے۔ البتہ یہ چونکہ ہم سے تقریباً ایک سو پچاس ملین کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے لہذا وہ موجودہ حجم میں نظر آتا ہے۔

سورج کی عظمت و وسعت کی تصویر کشی کے لیے یہی مقدار کافی ہے کہ اگر چاند اور زمین کو اس فاصلہ کے ساتھ جو اس وقت ان دونوں کے درمیان ہے، سورج کے اندر منتقل کر دیں تو چاند آسانی کے ساتھ زمین کے گرد گردش کر سکتا ہے بغیر اس کے کہ وہ سورج کی سطح سے خارج ہو۔

سورج کی سطح کی حرارت چھ ہزار سنٹی گریڈ سے زیادہ ہے اور اس کے عمق کی حرارت کئی ملین درجوں سے زیادہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ سورج کے وزن کو ٹخنوں کے حساب سے بیان کریں تو ضروری ہے کہ ہم دو کا عدد لکھیں اور ستائیس صفر اس کے آگے لگائیں یعنی دو ارب ارب ارب ٹن۔

سورج کی سطح سے شعلے بلند ہوتے ہیں جن کا ارتفاع بھی تو ایک لاکھ ساٹھ ہزار کلومیٹر ہوتا ہے اور کرہ زمین اس کے اندر آسانی سے گم ہو سکتا ہے کیونکہ زمین کا قطر بارہ ہزار کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ باقی رہا سورج کی نورانی روشنی دینے والی طاقت کا سرچشمہ، اس کے برعکس جو بعض ماہرین نے طے کر رکھا ہے

وہ جلنے سے پیدا نہیں ہوتا۔

جارج گاموف اپنی کتاب ”سورج کی پیدائش اور اس کی موت“ میں لکھتا ہے کہ اگر سورج کا جسم خالص پتھر کے کوئلے سے بنا ہوا ہوتا اور مصر کے پہلے فرعون کے زمانے میں اسے آگ لگائی گئی ہوتی تو ضروری تھا کہ وہ اب تک سب جل چکا ہوتا اور خاک کے سوا کوئی چیز باقی نہ بچی ہوتی اور کسی قسم کا دوسرا جلنے والا مادہ اگر پتھر کے کوئلے کی جگہ ہم فرض کریں تو وہ بھی یہی اشکال رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جلنے کا مفہوم سورج پر صادق نہیں آتا۔ اس میں جو کچھ ہے وہ ایٹمی تجربوں سے حاصل شدہ طاقت ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ طاقت (انرجی) بہت زیادہ اور بڑی ہے اس بنا پر سورج کے ایٹم انرجی کی تبدیلی میں مصروف ہیں جو ماہرین کے حساب کے مطابق ہر سیکنڈ میں چار ملین ٹن کم ہو جاتے ہیں مگر سورج کا حجم اتنا بڑا ہے کہ ہزار ہا سال گزرنے کے باوجود اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس کی کیفیت و وضع میں معمولی سا تغیر بھی واقع نہیں ہوتا۔

لیکن جاننا چاہیے کہ یہی چیز ایک مدت دراز کے بعد سورج کے فنا ہونے کا سبب بنے گی اور آخر کار یہ جرم عظیم لاغر، کمزور، پتلا اور بے نور ہو جائے گا۔ اور یہی چیز ستاروں پر بھی صادق آتی ہے بلکہ اس بنا پر جو کچھ اوپر والی آیات میں سورج کے تاریک ہونے اور ستاروں کے بکھر جانے کے سلسلہ میں آیا ہے وہ ایسی حقیقت ہے جو موجودہ زمانے کے علم کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور قرآن نے اس وقت ان حقائق کو بیان کیا ہے جب نہ صرف جزیرۃ العرب کے ماحول میں بلکہ اس زمانے کی علمی دنیا کی محفلوں میں بھی ان مسائل کی کوئی خبر نہیں تھی۔

- ۱۵ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝
 ۱۶ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝
 ۱۷ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝
 ۱۸ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝
 ۱۹ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝
 ۲۰ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝
 ۲۱ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝
 ۲۲ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝
 ۲۳ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝
 ۲۴ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝
 ۲۵ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيسٍ ۝

ترجمہ

- ۱۵ قسم ہے ان ستاروں کی جو پلٹ آتے ہیں۔
 ۱۶ چلتے ہیں اور نگاہوں سے چھپ جاتے ہیں۔
 ۱۷ اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ پشت پھیرے اور آخر کو پہنچ جائے۔
 ۱۸ اور صبح کی جب وہ تنفس کرے۔
 ۱۹ کہ یہ قرآن با عظمت بھیجے ہوئے کا کلام ہے (جبرائیل امین)۔

- ۲۰ جو صاحب قدرت ہے اور صاحب عرش خدا کے ہاں بلند مقام کا حامل ہے۔
- ۲۱ فرمانروا اور امین ہے۔
- ۲۲ اور تمہارا ساتھی (پیغمبرؐ) دیوانہ نہیں ہے۔
- ۲۳ اُس نے اُس کو (جبرائیل کو) روشن افق میں دیکھا۔
- ۲۴ وہ اس کے بارے میں جسے اس نے وحی سے حاصل کیا ہے بخیل نہیں ہے۔
- ۲۵ یہ قرآن شیطانِ رجیم کا قول نہیں ہے۔

تفسیر

وحی الہی اس پر نازل ہوئی

پروردگار عالم گزشتہ آیتوں کے بعد، جو قیامت و معاد اور اس کے مقدمات اور محشر کے عظیم دن کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، ان آیتوں میں قرآن کی حقانیت اور پیغمبر اسلامؐ کی گفتار کے سچ ہونے کی بحث کو پیش کرتا ہے اور معاد کے بارے میں جو کچھ گزشتہ آیات میں آیا، حقیقت میں اس کی تائید کرتا ہے اور آگاہی بخشنے والی قسموں کے ساتھ ان مطالب کی تائید کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”قسم ہے ستاروں کی جو لوٹتے ہیں“ (فلا اقسام بالخنس)۔ ”چلتے ہیں اور نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں“ (الجوار الکنس)۔

”خنس“، ”خنس“ کی جمع ہے ”خنس“ (بروزن شمس) کے مادہ سے اصل میں انقباض، بازگشت اور پنهان ہونے کے معنی میں ہے۔ اور شیطان کو اس لیے خناس کہتے ہیں کہ وہ خود کو چھپاتے رکھتا ہے اور جس وقت خدا کا نام لیا جائے تو وہ منقبض ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: (الشیطان یوسوس الی العبد فاذا ذکر اللہ خنس) شیطان ہمیشہ خدا کے بندوں کو وسوسہ میں ڈالتا ہے لیکن جس وقت خدا کو یاد کریں تو پلٹ جاتا ہے۔

۱۔ یہ کہ لا اقسام میں ”لانا فیہ“ یا زائد اور تاکید کے لیے ہے مفسرین نے اس سلسلہ میں کئی بحثیں کی ہیں۔ اور چونکہ سورہ قیامت کی ابتدا میں اسی جلد میں اس عنوان پر ہم بحث کر چکے ہیں لہذا تکرار کی ضرورت نہیں۔

۲۔ لسان العرب مادہ خنس۔

”جوار“ ”جادیہ“ کی جمع ہے جس کے معنی تیز رفتار کے ہیں۔ ”کنس“ ”کانس“ کی جمع ہے۔ ”کنس“ (بروزن شمس) کے مادہ سے چھپ جانے کے معنی ہیں۔ اور کناس (بروزن پلاس) پرندوں کے گھونسلوں ہرنوں اور دوسرے وحشی جانوروں کے چھپنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

یہ کہ ان قسموں سے کیا مراد ہے بہت سے مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس سے نظام شمسی کے پانچ سیاروں کی طرف اشارہ ہے جو دربین کے بغیر دیکھے جاسکتے ہیں۔ (عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل) اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر ہم پے درپے چند راتوں کو آسمان پر نگاہ لگائے رکھیں تو اس حقیقت کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ آسمان کے ستارے اجتماعی طور پر بتدریج طلوع ہوتے ہیں اور اکٹھے ہی غروب ہوتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے فاصلوں میں کوئی تبدیلی رونما ہو۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایسے مردارید ہیں جو ایک سیاہ پارچہ پر معین و مقرر فاصلوں پر ٹٹانکے گئے ہیں۔ اس پارچہ کو ایک طرف سے اوپر لے جاتے ہیں اور دوسری طرف سے نیچے کھینچتے ہیں۔ صرف پانچ ستارے ہیں جو اس قانون کلی سے مستثنیٰ ہیں یعنی دوسرے ستاروں کے درمیان چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ گویا پانچ مردارید ٹٹے ہوئے نہیں ہیں اور اس پارچہ پر آزاد قرار دیئے گئے ہیں اور وہ لوٹتے پوٹتے رہتے ہیں۔

یہ وہی مذکورہ بالا پانچ ستارے ہیں جو نظام شمسی کے خاندان کے ارکان ہیں اور ان کی حرکت قریب ہونے کی وجہ سے ہمیں محسوس ہوتی ہے ورنہ آسمان کے تمام ستارے ہی اس قسم کی حرکات کے حامل ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ہم سے دور ہیں لہذا ہم ان کی حرکات کو محسوس نہیں کرتے۔

پھر اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ علمائے ہیئت نے ان ستاروں کا نام ”نجوم متحیرہ“ رکھا ہے اس لیے کہ ان کی حرکات خط مستقیم پر نہیں ہے اور اس طرح نظر آتا ہے کہ ایک مدت تک سیر کرتے ہیں پھر حقوڑا سا واپس پلٹ آتے ہیں۔ دوبارہ اپنی سیر شروع کر دیتے ہیں جس کے اسباب کے بارے میں علم ہیئت میں بہت سے مباحث ہیں۔

مندرجہ بالا آیات ہو سکتا ہے کہ اس طرف اشارہ ہوں کہ یہ ستارے حرکت رکھتے ہیں (الجوار) اور اپنی سیر و حرکت میں رجوع و بازگشت رکھتے ہیں (الخنس) اور انجام کار سورج کے طلوع کے وقت پہناں ہو جاتے ہیں ان ہرنوں کی طرح جو راتوں کو بیابانوں میں اپنی غذا تلاش کرنے کے لیے پھرتے رہتے ہیں اور صبح کے وقت شکاریوں اور وحشی جانوروں کے خوف سے اپنے کناس اور غار میں مخفی ہو جاتے ہیں (الکنس)

یہ احتمال بھی ہے کہ کنس سے مراد ان کا سورج کی شعاعوں میں پوشیدہ ہونا ہے اس اعتبار سے سورج کے گردش کرتے وقت کبھی اس نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ سورج کے قریب ہو جاتے ہیں اور پھر بالکل نظر نہیں آتے جسے علمائے نجوم احتراق سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے جو ان ستاروں کی

وضع و کیفیت کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہوتا ہے۔

بعض مفسرین کنس کو ان ستاروں کے آسمان کے برجوں میں قرار پانے کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو ہر نوں کے اپنے ٹھکانوں میں پنہاں ہونے سے مشابہت رکھتا ہے۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ نظام شمسی کے سیارے صرف ان پانچ تک محدود نہیں ہیں اور تین دوسرے سیارے اور انوس، پلوٹون اور نیپٹون بھی موجود ہیں جو صرف ان دور بینوں سے دیکھے جاسکتے ہیں جو ستاروں کو دکھاتی ہیں اور وہ کرۂ ارض کے ساتھ مل کر نظام شمسی کے نو سیاروں کو تشکیل دیتے ہیں (البتہ یہ نو سیارے ایک یا کئی چاند رکھتے ہیں جن کا حساب اس جمع سے الگ ہے)۔

”جواہری“ جو جاریہ کی جمع ہے اور جس کے معنی وہ کشتیاں ہیں جو چل رہی ہوں ایک لطیف تعبیر ہے جو ان ستاروں کی آسمان کے سمندر میں حرکت اور چلنے کو کشتیوں کے سمندروں اور دریاؤں میں چلنے سے تشبیہ دیتی ہے۔

بہر حال قرآن مجید گویا یہ چاہتا ہے کہ ان پر معنی اور ایک قسم کے ابہام کی آمیزش رکھنے والی قسموں کے ساتھ افکار انسانی کو بیدار کرے اور انہیں آسمان کے ستاروں کی عظیم فوج اور دستوں کے درمیان جو ان سیاروں کی مخصوص اور استثنائی وضع و کیفیت ہے، اس کی طرف متوجہ کرے تاکہ ان اجرام فلکی کے بالے میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کے بعد دماغ انسانی اس عظیم دست گاہ کو عالم وجود میں لانے والے کی عظمت سے آشنا ہو۔

بعض مفسرین نے مندرجہ بالا آیات کی کچھ اور تفسیریں بھی کی ہیں لیکن چونکہ وہ قابل ملاحظہ نہیں لہذا ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں جو امیر المومنین سے منقول ہے آیا ہے کہ آپ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا
رہی خمسة انجم زحل والمشتري والمريخ والزهرة وعطارد) وہ پانچ ستارے ہیں زحل ہشتری
مريخ الزہرہ اور عطارد۔

پس دوسری مرتبہ قسم کھا کر فرماتا ہے: ”قسم ہے رات کی جب وہ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔ (والیل اذا عسعس)
”عسعس“، ”عسعسة“ کے مادہ سے اصل میں دقیق اور ہلکی تاریکی کے معنی میں ہے اور چونکہ رات کی ابتدا اور انتہا میں تاریکی زیادہ ہلکی ہوتی ہے لہذا یہ معنی رات کے پشت پھیرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اور لفظ ”عسعس“ کا اطلاق رات کو گردش کرنے والے ملازمین پر بھی اسی مناسبت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے اگرچہ یہ لفظ مکمل طور پر دو مختلف معانی رکھتا ہے لیکن یہاں بعد میں آنے

والی آیت کے قرینے کے پیش نظر جو صبح کی بات کرتی ہے مراد رات کا اختتام ہی ہے اور حقیقت میں اس قسم کے مشابہ ہے جو سورہ مدثر کی آیت ۳۳ میں آئی ہے (واللیل اذا دبر) اصولی طور پر رات جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے خدا کی عظیم نعمتوں میں سے ہے جو جسم و روح کے آرام و سکون کا باعث بھی ہے اور حرارت آفتاب کے اعتدال اور موجودات کی زندگی کے جاری رہنے کا سبب بھی ہے لیکن اختتام شب پر انحصار ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ وہ روشنی اور نور کی طرف رخ کیے ہوئے ہے اور اس سے قطع نظر پروردگار سے مناجات اور عبادت کرنے کے لیے بہترین وقت ہے اور عالم زندگانی کے آغاز و حرکت کا لمحہ ہے۔

آخر کار تیسری اور آخری قسم کی جانب رخ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”قسم ہے صبح کی جبکہ وہ سانس لے“ (والصبح اذا تنفس)۔ کیا ہی عمدہ اور جاذب توجہ تعبیر ہے۔ صبح کو زندہ موجود سے تشبیہ دی ہے کہ اس کے تنفس یعنی سانس لینے کی ابتدا طلوع سپیدہ سحری سے ہوتی ہے وہ تمام موجودات میں روح حیات پھونکتی ہے۔ گویا ایک کالے حبشی لشکر کے ہاتھ اور پاؤں کے نیچے اس کا سانس رک گیا تھا اور نور و روشنی کی پہلی شعاع کے چمکنے سے اس کے چنگل سے آزاد ہو کر تازہ سانس لینے لگی ہے۔

یہ تعبیر اس تعبیر کے مشابہ ہے جو سورہ مدثر میں رات کی قسم کے بعد آئی ہے جس میں فرماتا ہے: (والصبح اذا اسفر) ”قسم ہے صبح کی جب وہ اپنے چہرہ سے نقاب ہٹاتے“ گویا رات کی تاریکی سیاہ نقاب کے مانند ہے جو صبح کے چہرہ پر پڑی ہے۔ سپیدہ سحر کے وقت نقاب ہٹا کر اپنا نورانی اور حیات افزا چہرہ جو زندگی کی نشانی ہے ساری دنیا کو دکھاتی ہے۔

بعد والی آیت میں اس چیز کو جس کی خاطر یہ ساری قسمیں کھائی گئی ہیں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”یقیناً یہ قرآن صاحب عزت اور عظیم بھیجے ہوئے کا کلام ہے (جبرائیل امین) جسے وہ خدا کی طرف سے اس کے پیغمبر کی طرف لایا ہے“ (انہ لقول رسول کریم)۔ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جو پیغمبر پر اہتمام لگاتے تھے کہ قرآن انہی کا بنایا ہوا ہے اور اس کو خدا سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

اس آیت میں اور بعد والی آیت میں جبرائیل امین جو خدا کے پیک وحی ہیں ان کے پانچ اوصاف بیان ہوئے ہیں جو درحقیقت ایسے ہیں جو ہر جامع الشرائط بھیجے جانے والے کے لیے لازمی ہیں۔ اس کی پہلی توصیف کریم ہونا ہے جو اس کے وجود کی قدر و قیمت کی طرف اشارہ ہے۔ جی ہاں وہ خداوند بزرگ کی طرف سے ہے اور قیمتی وجود کا حامل ہے۔

اس کے بعد اس کے دوسرے اوصاف پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ صاحب قدرت ہے

اور عرش والے خدا کی بارگاہ میں بلند مقام کا حامل ہے۔ ”ذی قوۃ عند ذی العرش مکین“ یہ ذی العرش خدا کی پاک ذات کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ وہ تمام عالم ہستی کا مالک ہے لیکن چونکہ عرش چاہے وہ اس عالم کے معنی میں ہو جو مادراتے طبیعت ہے، یا خدا کے علم مکینوں کے مقام کے معنی میں ہو بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے لہذا صاحب عرش کہہ کر اس کی تعریف کی گئی ہے۔

”ذی قوۃ“ (صاحب قدرت) کی تعبیر جبرائیلؑ کے بارے میں اس بنا پر ہے کہ اس قسم کے عظیم پیغام کے حصول اور اس کے باریک بینی پر مبنی ابلاغ کے لیے بڑی قدرت و توانائی کی ضرورت ہے اور اصولی طور پر ہر رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رسالت کے حدود میں صاحب قدرت ہو اور بالخصوص ہر قسم کی فراہم سہ سے مبرا ہو جو ابلاغ کی راہ میں حاصل ہو۔

مکین اس شخص کے معنوں میں ہے جو صاحب منزلت و مکانت ہو۔ بنیادی طور پر ضروری ہے کہ رسول کی شخصیت عظیم ہو تاکہ خدا کی رسالت اور نمائندگی کا فریضہ انجام دے سکے اور مقرب بارگاہ الہی ہو۔ اور یہ سب ہے کہ عند کی تعبیر حضور مکافی کے معنوں میں نہیں ہے، وہ اس لیے کہ خدا کوئی مکان نہیں رکھتا۔ اس سے مراد حضور معنوی ہے۔

چوتھی اور پانچویں توصیف میں کتا ہے ”وہ فرشتوں کا فرمانروا اور مطاع ہے“ (مطاع شواہین) شق کی تعبیر جو اشارہ بعید کے لیے استعمال ہوتی ہے اس حقیقت کو پیش کرتی ہے کہ پیک وحی الہی عالم فرشتگان میں مورد اطاعت ہے اور ان تمام چیزوں سے قطع نظر پیام الہی کے ابلاغ میں انتہائی امین ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی جبرائیلؑ امین قرآن کی آیات کے پہنچانے کے سلسلہ میں فرشتوں کے ایک عظیم گروہ کے ہمراہ آتے تھے اور یقیناً ان کے درمیان مطاع تھے یعنی سب فرشتے ان کی اطاعت کرتے تھے اور ایک رسول و سفیر کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام ہمراہی اس کی اطاعت کرتے ہوں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ان آیات کے نزول کے موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے جبرائیلؑ امین سے فرمایا ما احسن ما اثنی علیک ربک: ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع شم امین فما کانت قوتک؟ ہو ما کانت امانتک؟ تیرے پروردگار نے تیری کیا ہی عمدہ تعریف کی ہے کہ نہ مایا ہے صاحب قدرت ہے اور صاحب عرش خدا کے ہاں قرب رکھتا ہے اور وہاں فرمانروا ہے اور امین ہے

۱۔ ”مکین“ ”مکانت“ کے مادہ سے مقام و منزلت کے معنوں میں ہے اور جیسا کہ راغب کے مفردات میں کلمات سے اور دوسرے مفسرین سے معلوم ہوتا ہے یہ اصل میں کون کے مادہ سے اسم مکان ہے۔ اس کے بعد کثرت استعمال کی بنا پر اسے مادہ فعل کے برابر قرار دیا گیا ہے اور تمکن اس سے مشتق ہوا ہے تمکن کی طرح جو سکون کے مادہ سے ہے۔

لہذا اپنی قدرت و امانت کا نمونہ پیش کر۔

تو جبرائیلؑ نے جواب میں عرض کیا "میری قدرت کا نمونہ یہ ہے کہ میں قوم لوط کے شہروں کی تباہی پر آمون ہوا وہ چار شہر تھے اور ہر شہر میں چار لاکھ جنگجو افراد موجود تھے۔ ان کی اولاد اس کے علاوہ تھی۔ میں نے ان شہروں کو اٹھایا اور میں انہیں آسمان کی طرف لے گیا یہاں تک کہ آسمان کے فرشتے ان کے جانوروں کی آواز سننے لگے۔ پھر انہیں زمین کی طرف لے آیا اور انہیں زیر و زبر کر دیا۔

"باقی رہا میری امانت کا نمونہ تو وہ یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو مجھے دیا گیا ہو اور اس میں میں نے معمولی سا تجاوز بھی کیا ہو"۔

اس کے بعد لوگ وہ ناروا نسبت جو پیغمبر کی طرف دیتے تھے، اس کی نفی کرتے ہوئے فرماتا ہے: تمہارا صاحب دیوانہ نہیں ہے (و ما صاحبکم بمجنون)۔

"صاحب" کی تعبیر جو ہمیشہ ساتھ رہنے والے رفیق، دوست اور ہم نشین کے معنی میں ہے علاوہ اس کے کہ پیغمبر تمام لوگوں کے ساتھ اخلاق و تواضع سے پیش آتے تھے اور کبھی کسی کے مقابلہ میں برتری کا دعویٰ نہیں رکھتے تھے۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ نے سالہا سال تمہارے درمیان زندگی گزاری ہے اور تمہارے ہم نشین رہے ہیں اور تم نے انہیں عاقل و امین دیکھا ہے اور سمجھا ہے تو اب کس طرح ان کی طرف جنون کی نسبت دیتے ہو ہوائے اس کے کہ وہ بعثت کے ساتھ ایسی تعلیمات اپنے ہمراہ لائے ہیں جو تمہارے تعصبات، ہوا و ہوس اور کورانہ تقلید کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔

لہذا اس خیال سے کہ تم اپنے آپ کو ان کے قوانین اور احکامات کی اطاعت سے بچائے رکھو اس قسم کے اہتمام ان پر لگاتے ہو۔ جنون کا الزام ان تمام الزامات میں سے ایک ہے جو آیات قرآن کے مطابق، خدا کی طرف سے آئے ہوئے پیغمبروں پر ہٹ دھرم دشمنوں کی طرف سے لگائے گئے۔

(کذا لک ما اتی الذین من قبلہم من رسول الا قالوا ساحرا و مجنون) بات اس طرح ہے کہ ان سے پہلے کوئی پیغمبر کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا مگر یہ کہ اس نے کہا کہ یہ ساحر اور جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ (ذاریات - ۵۲)۔

ان کی منطق میں عاقل وہ شخص تھا جو فاسد ماحول میں گھل مل جائے اور ویسی ہی خواہشات کی پیروی کرے۔ جدھر کی ہوا ہو ادھر کو چلے اور ہر اصلاحی و انقلابی تحریک سے بے تعلق رہے۔ اس معیار اور ضابطے کے مطابق دنیا پرستوں کی تاریک نگاہ میں تمام پیغمبر دیوانے تھے۔

۱۔ مجمع البیان جلد ۱، ص ۴۴۴۔ یہی مضمون تفسیر در المنور میں بھی زیر بحث آیات کے ذیل میں آیا ہے۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام کے جبرائیل امین سے ارتباط کی تاکید کے لیے مزید فرماتا ہے: "اس نے یقینی طور پر جبرائیل کا واضح اور آشکار افق میں مشاہدہ کیا ہے" (ولقد راہ بالافق المبین)۔
افق مبین سے مراد وہی افق اعلیٰ اور فرشتوں کو آشکار کرنے والا افق ہے جس میں پیغمبر اکرمؐ نے جبرائیل کا مشاہدہ کیا۔

بعض مفسرین نے سورہ نجم کی آیت ۷ کو جس میں ہے (وہو بالافق الاعلیٰ) اس تفسیر پر مشابہ سمجھا ہے لیکن جیسا کہ سورہ نجم کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ آیت اس سورہ کی باقی آیات کی طرح ایک دوسری حقیقت کو بیان کرتی ہے جو اس کی طرف رجوع کرنے سے واضح ہوگی۔
بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ پیغمبر نے جبرائیلؑ کا ان کی اصلی شکل و صورت میں دوبار مشاہدہ کیا۔ ایک دفعہ آغاز بعثت میں کہ جبرائیلؑ آنحضرتؐ کے سامنے افق بالا پر ظاہر ہوئے اور تمام مشرق و مغرب کو ڈھانپ لیا اور دوسری مرتبہ معراج میں کہ پیغمبر نے انہیں اوپر والے آسمان میں اُن کی اصلی شکل میں دیکھا اور مفسرین زیر بحث آیت کو اسی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔
یہ احتمال بھی ہے کہ خدا کی مراد ایسا مشاہدہ ہو جو شہود باطنی کے لحاظ سے ہو۔ مزید وضاحت کے لیے جلد ۲۲ ص ۴۸۶ سے آگے سورہ نجم کی آیت ۵ تا ۱۳ کی طرف رجوع فرمائیے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: "پیغمبر اس چیز کے بارے میں جو اس نے بطریق وحی عالم غیب سے حاصل کی ہے بخیل نہیں ہے" (وما ہو علی الغیب بضنین)۔ ہر چیز بے کم و کاست بندگان خدا کے اختیار میں دے دیتا ہے۔

وہ بہت سے دوسرے لوگوں کے مانند نہیں کہ جب کسی اہم حقیقت پر دسترس حاصل کر لیتے ہیں تو اس کو چھپانے پر اصرار کرتے ہیں اور اکثر اس کے بیان کرنے پر بخل سے کام لیتے ہیں اور بسا اوقات ان معلومات کو اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں۔

پیغمبر ایسے نہیں ہیں۔ وہ پورے جو دو سخا کے ساتھ، جو کچھ حاصل کرتے ہیں اُسے تمام ضرورت مندوں کے سامنے بیان کر دیتے ہیں حتیٰ کہ انہیں بھی بتا دیتے ہیں جو بلندی اور قرب کے قائل ہی نہیں ہیں اس امید پر کہ شاید ہدایت حاصل کریں اور راہ حق کو اختیار کریں۔

"ضنین" "ضنہ" (بروزن منہ) نفیس اور قیمتی اشیاء کے بارے میں بخل کرنے کے معنی میں ہے اور یہ ایک ایسا عیب ہے جو کبھی کسی پیغمبر میں نہیں ہوتا۔ اور اگر دوسرے افراد اپنے علوم کے بارے میں ایسے عیب کا شکار ہیں تو ہوا کریں۔ پیغمبر جس کے علم کا سرچشمہ علم خدا کا بیسکراں سمندر ہے، اس قسم کی باتوں سے متبرا ہے۔

پروردگار عالم مزید فرماتا ہے: "اور وہ شیطانِ رجیم کی کہی ہوئی بات نہیں ہے" (وما ہو بقول

شیطان (جیم)۔ یہ آیات قرآنی ہرگز کاهنوں کی باتوں کی طرح نہیں ہیں جو شیاطین سے تعلق کی وجہ سے معلوم کر لیتے تھے۔ اور پھر اس حقیقت کی نشانیاں اس کے کلام سے ظاہر ہیں۔ اس لیے کہ کاهنوں کی باتیں جھوٹی ہوتی تھیں۔ ان میں بہت سے شبہات ہوتے تھے اور وہ غلطیوں کی آمیزش سے لوث ہوتی تھیں، اور شیطانی میلانات و خواہشات کے گرد گھومتی تھیں۔ اس چیز کا قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ حقیقت میں ان کی دوسری تہمت کا جواب ہے، مشرکین کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام (معاذ اللہ) کاهن ہیں اور جو کچھ وہ لائے ہیں انہوں نے شیاطین سے لیا ہے۔ حالانکہ شیطانی باتیں گمراہ کن ہوتی ہیں اور قرآنی آیات سراسر نور ہدایت اور روشنی ہیں اور یہ حقیقت قرآنی آیات کو دیکھتے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔

لفظ ”رجیم“ اصل میں جسم اور ”رجام“ (بروزن لجام) کے مادہ سے پتھر کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کے دور کرنے کے معنی میں آیا ہے اور شیطان رجیم سے مراد یہاں یہی معنی ہیں، یعنی وہ شیطان جو بارگاہِ خداوندی سے نکالا گیا ہے۔

ایک نکتہ رسول کی شائستگی کی شرطیں

پانچ صفتیں جو مندرجہ بالا آیات میں جبرائیل امین کے لیے پیغمبر گرامی اسلام کی طرف خدا کے بھیجے ہوئے قاصد کے عنوان کے ماتحت آئی ہیں ان میں سے دو صفتیں ایسی ہیں جو ہر رسول اور فرستادہ خدا میں سلسلہ مراتب کو نظر میں رکھتے ہوئے پائی جانی ضروری ہیں۔ پہلی صفت کرامت اور عمدہ صفات نفسی کا حامل ہونا ہے جو اس کو رسالت جیسے اہم کام کا اہل بنا دیں۔

دوسری صفت قدرت کا حامل ہونا ہے۔ (ذی قوۃ) تاکہ اپنے اثر رسالت کو لے کر قاطعیت اور توانائی کے ساتھ وہ آگے بڑھے اور ہر قسم کے ضعف اور کمزوری سے دور ہو۔ اس کے بعد اُس ہستی کی بارگاہ میں مقام و منزلت رکھنا جس کی رسالت کو اس نے قبول کیا ہے (ممکن) تاکہ پیغامات کو اچھی طرح حاصل کرے اور اگر جواب کی ضرورت ہو تو بغیر کسی خوف و خطر کے اس کا ابلاغ کرے۔

چوتھی صفت یہ کہ اگر امر رسالت اہمیت رکھتا ہو تو اس کے معاون ہونے چاہئیں جو اس کی مدد کریں۔ ایسے معاون جو اطاعت گزار و فرمانبردار ہوں۔ (مطالع)

آخری صفت اس کا امانت دار ہونا ہے تاکہ وہ لوگ جو اس رسول سے پیغام لیں اس پر اعتماد کریں اور اس کی گفتگو بے کم و کاست اُس کا کلام شمار ہو جس کی طرف سے وہ آیا ہے۔

جب یہ پانچ اصول پورے ہوں تو پھر حق رسالت و پیغمبری ادا ہوگا۔ اسی لیے ہم پیغمبر اسلام کے حالات اور آپ کی تاریخ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے بھیجے ہوئے ایلمچیوں کو بہت زیادہ احتیاط سے ساتھ ان افراد میں سے جو ان صفات کے حامل ہوتے تھے منتخب کرتے تھے جس کا ایک زندہ نمونہ جناب امیر المومنین حضرت علیؑ کی ذات ہے اور پیغمبر کی طرف سے سورہ برأت کی ابتدائی آیات کی مشرکین مکہ کے سامنے ان خاص حالات میں تبلیغ ہے جس کی تفصیل سورہ برأت میں آچکی ہے۔

حضرت فرماتے ہیں: (رسولک ترجمان عقلک و کتابک ابلغ ما ينطق عنک) تیرا بھیجا ہوا تیری عقل کو نمایاں کرتا ہے اور تیرا خط تیری بات کا نہایت پرگو ناطق ہے۔

- (۲۶) فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ۝
(۲۷) إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝
(۲۸) لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِیْهُ ۝
(۲۹) وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

ترجمہ

- (۲۶) پس تم کہاں جا رہے ہو؟
(۲۷) یہ قرآن عالمین کے لیے صرف نصیحت ہے۔
(۲۸) ان لوگوں کے لیے جو چاہتے ہیں کہ نصیحت حاصل کریں۔
(۲۹) اور تم نہیں چاہتے مگر وہ جو عالمین کا پروردگار چاہے۔

تفسیر

اے غافلوا! کہاں جا رہے ہو؟

گزشتہ آیات میں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے اس لیے کہ اس کے مضامین سے ہوتا ہے کہ یہ شیطانی کلام نہیں ہے بلکہ رحمن کا کلام ہے جو پیکر وحی الہی کے ذریعہ، قدرت و امانت کئی کے ساتھ، اس پیغمبر پر جو انتہائی طور پر اعتدال عقل کا حامل ہے، نازل ہوا ہے۔ ایسا پیغمبر جس نے تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور جو کچھ اسے تعلیم دی گئی ہے اس نے اسے بے کم و کاست بیان کیا ہے۔

پروردگار عالم زیر بحث آیات میں مخالفین کو اس عظیم کلام کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے مستحق سزا قرار دیتا ہے اور ایک استفہام توہنجی کے ساتھ فرماتا ہے :

”ان حالات میں تم کہاں جا رہے ہو“ (فاین تذہبون)۔ کیوں راہ راست کو چھوڑ کر بے راہ روی اختیار کرتے ہو اور کیوں اس چراغ فروزاں سے منہ موڑ کر تاریکی کی طرف رواں دواں ہو۔ کیا تم اس سعادت و

سلامتی کے دشمن ہو؟ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے“ (ان ہوا لا ذکر للعالمین)۔ سب کو نصیحت کرتا ہے تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور چونکہ ہدایت و تربیت کے لیے فاعل کی صرف قابلیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ قابل کی قابلیت بھی درکار ہے لہذا بعد میں آنے والی آیت میں مزید فرماتا ہے:

”قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت کا باعث ہے جو تم میں سے چاہتے ہیں کہ صراطِ مستقیم اختیار کریں“ (لن من شاء منکم ان یستقیم)۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں فرماتا ہے کہ قرآن تمام لوگوں کے لیے نصیحت و بیداری کا سبب ہے اور اس آیت میں صرف ایک گروہ کا ذکر کرتا ہے وہ لوگ جو ہدایت کو قبول کرنے اور راہِ راست اختیار کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ فرق اس بنا پر ہے کہ گزشتہ آیت فیضِ الہی کی عمومیت کو بیان کرتی ہے اور یہ آیت اس فیض سے فائدہ اٹھانے کی شرط کو پیش کرتی ہے۔ تمام مواہب اور نعمتیں اسی طرح ہیں کہ اصل فیض عام ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانا ارادہ کی پختگی سے مشروط ہے۔

انہی معانی کو لیے ہوئے سورہ بقرہ کی آیت ۲ بھی آئی ہے (ذالک الکتاب لا ریب فیہ ہدی للمتقین) اس کتاب میں کوئی شک و تردد نہیں ہے اور یہ پرہیزگاروں کے لیے سببِ ہدایت ہے۔ بہر حال یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو بتاتی ہیں کہ خدا نے انسان کو آزاد اور خود مختار پیدا کیا ہے اور راہِ حق و باطل کو طے کرنے کا آخری فیصلہ اس کے اختیار میں ہے۔

یستقیم کی تعبیر جاذبِ توجہ اور عمدہ ہے جو بتاتی ہے کہ راہِ اصلی جو انسان کے سامنے قرار پائی ہے وہ راہِ ہدایت و سعادت ہے باقی سب راستے منحرف کر دینے والے ہیں۔

انسان کی تمام اندرونی اور بیرونی توانائیاں مجتمع ہیں کہ اسے راہِ مستقیم پر چلائیں اور اگر افراط و تفریط، شیطانی وسوسے اور گمراہ کرنے والے پردیگنڈے درمیان میں نہ ہوں تو انسان ندائے فطرت کے ذریعہ اس صراطِ مستقیم پر قدم رکھ سکتا ہے۔

بہیں معلوم ہے کہ خطِ مستقیم ہمیشہ مقصد کی نزدیک ترین راہ ہوتا ہے لیکن چونکہ اس بات کا امکان ہے کہ انسان کا ارادہ یہ توہم پیدا کرے کہ آدمی اس طرح آزاد ہے کہ اس راستے کو طے کرنے میں الہی توفیق کی کوئی احتیاج نہیں رکھتا تو بعد میں آنے والی آیت میں، جو اس سورہ کی آخری آیت ہے فرماتا ہے:

”تم ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ عالمین اور تمام جہانوں کا پروردگار ارادہ کرے“ (وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العالمین)۔ درحقیقت ان دونوں آیات کا مجموعہ اس دقیق و ظریف مسئلہ امر بین الامرین کو بیان کرتا ہے۔ ایک طرف کہتا ہے ارادہ کی پختگی تمہارے اپنے اختیار میں ہے اور دوسری طرف کہتا ہے جب تک خدا نہ چاہے تم ارادہ نہیں کر سکتے۔ یعنی اگر تمہیں مختار و آزاد پیدا کیا گیا ہے تو یہ اختیار و آزادی بھی خدا کی جانب سے

ہے۔ اس نے چاہا ہے کہ تم ایسے رہو۔

انسان اپنے اعمال میں نہ مجبور ہے نہ سرفیصدی آزاد ہے۔ نہ طریقہ جبر صحیح ہے نہ طریقہ تفویض بلکہ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ جسم و ہوش، عقل و توانائی، ارادہ کی پختگی کی قوت، وہ سب خدا کی جانب سے ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو ہمیشہ اسے ایک طرف تو خالق کا محتاج و نیازمند بناتی ہے اور دوسری طرف اس کی آزادی اور اختیار کے تقاضے کی بنا پر اسے ذمہ داری سونپتی ہے۔

”رب العالمین“ کی تعبیر اچھی طرح بتاتی ہے کہ مشیت الہی بھی انسان اور تمام عالمین کی تربیت، تکامل اور ارتقاء کی راہ میں دخل رکھتی ہے وہ کبھی بھی نہیں چاہتا کہ کوئی گمراہ ہو اور گناہ کر کے اس کے جوار رحمت سے دور ہو۔ وہ اپنے ربوبیت کے تقاضے سے ان تمام لوگوں کی مدد کرتا ہے جو چاہتے ہیں کہ راہ ارتقاء میں قدم رکھیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مسلک جبر کے طرفدار صرف دوسری آیت سے چمٹے ہوئے ہیں جبکہ ممکن ہے کہ تفویض کے طرفدار بھی پہلی آیت سے متوسل ہوں۔ آیات کو ایک دوسرے سے جدا کرنا جو عام طور پر پہلے سے کیے ہوئے غلط فیصلوں کا معلول ہے، اگر ای کا سبب ہے۔

آیات قرآن کو ایک دوسرے کے ساتھ رکھ کر ان کے مجموعہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ قابل توجہ یہ امر ہے کہ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جب پہلی آیت ”لئن شاء منکم ان یستقیم“ نازل ہوئی تو ابوجہل نے جو عملی طور پر نظریہ تفویض کا حامی تھا، کہا بڑا اچھا ہوا کہ تمام اختیارات ہمیں دے دیئے گئے ہیں۔ یہی موقع تھا کہ دوسری آیت نازل ہوئی ”وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العالمین“ لہ خداوند! ہم جانتے ہیں کہ راہ مستقیم کو طے کرنا تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہمیں اس راہ کو طے کرنے کی توفیق عطا فرما۔

پروردگار! ہماری خواہش ہے کہ ہم راہ ہدایت پر چلیں تو بھی ارادہ فرما کہ اس راہ میں ہماری دستگیری فرما۔ بار الہا! محشر کا منظر اور تیری داد گاہ عدل و انصاف بہت ہولناک ہے اور ہمارا نامہ اعمال حسنت سے خالی ہے ہمیں اپنے عضو و فضل کی پناہ میں جگہ دے، نہ کہ میزان عدل و انصاف کے سامنے۔ آمین یا رب العالمین۔

سورہ تکویر کا اختتام

سورۃ انفطار

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۱۹ آیتیں ہیں۔

www.sirat-e-mustaqim.net

سورہ انفطار کے مضامین

- یہ سورہ قرآن مجید کے آخری پارے کی بہت سی سورتوں کی مانند قیامت سے متعلق مسائل کے بارے میں ہے اور اس کی آیتوں میں مجموعی طور پر اس تعلق کے پانچ موضوعات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔
- ۱۔ اشراط الساعۃ یعنی وہ عظیم حوادث جو اس جہان کے اختتام اور قیامت کی ابتدا پر رونما ہوں گے۔
 - ۲۔ انسان کی توجہ خدا کی نعمتوں کی طرف، جنہوں نے اس کے سارے وجود کو گھیر رکھا ہے، اور اس کے غرور کو توڑنے کی جانب، تاکہ وہ اپنے آپ کو معاد کے لیے تیار کرے۔
 - ۳۔ ان فرشتوں کی طرف اشارہ جو انسانوں کے اعمال کو ثبت کرنے پر مامور ہیں۔
 - ۴۔ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی سر نوشت۔
 - ۵۔ اس عظیم دن کی سختیوں کا ایک گوشہ۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ (من قرأ ہاتین السورتین اذا السماء انفطرت و اذا السماء انشقت و جعلہما نصب عینہ فی صلوۃ الفریضۃ و النافلۃ لم یحجبہ من اللہ حجاب ولم یحجزہ من اللہ حاجز ولم یزل ینظر الی اللہ و ینظر اللہ الیہ حتی یفرغ من حساب الناس) جو شخص ان دو سورتوں سورہ انفطار اور سورہ انفشاق کی تلاوت کرے اور دونوں کو نماز فریضہ و نافلہ میں اپنا نصب العین بنا لے تو کوئی اسے خدا سے محبوب نہیں کر سکے گا اور کوئی چیز اس کے اور خداوند متعال کے درمیان حائل نہیں ہوگی۔

یقیناً سب سے بڑی نعمت بارگاہ خداوندی میں حضوری ہے اور بندہ کے اور خدا کے درمیان سے حجابوں کا ہٹ جانا اس کے لیے ہے جو ان دونوں سورتوں کو اپنے دل و جان کی گہرائیوں میں جگہ دے اور اپنی اس بنیاد پر اصلاح کرے نہ یہ کہ صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱ اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝
- ۲ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ اُنْتَثَرَتْ ۝
- ۳ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝
- ۴ وَاِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝
- ۵ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝

ترجمہ خدا کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

- ۱ جس وقت کرات آسانی پھٹ جائیں گے۔
- ۲ جس وقت ستارے پراگندہ ہو کر گر پڑیں گے۔
- ۳ اور جس وقت سمندر ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔
- ۴ اور جس وقت قبریں زیر و زبر ہوں گی۔ (اور مردے خارج ہوں گے)۔
- ۵ اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑا ہے۔

تفسیر

جس وقت اس جہان کا نظام زیر و زبر ہو جائے گا

ہم پھر اس سورہ کے آغاز میں بعض ایسے وحشت ناک حوادث کا سامنا کر رہے ہیں جو آغاز قیامت میں سارے جہان کو گھیر لیں گے۔ پہلے فرماتا ہے: ”جس وقت آسمان میں شکاف پڑ جائیں گے“ (اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ)۔ اور جس وقت ستارے

پراگندہ ہو کر گرنے لگیں گے۔ (واذا الكواكب انتشرت)۔ عالم بالا کا نظام درہم و برہم ہو جائے گا اور ہولناک دھماکے سارے آسمان کے گروں کو گھیر لیں گے تمام منظومے اپنے نظام کھو بیٹھیں گے۔ اور ستارے اپنے مدار سے نکل جائیں گے اور شدید تصادم کی وجہ سے ادھر ادھر بکھر جائیں گے۔ اس جہاں کی عمر ختم ہو جائے گی اور عام چیزیں ویران ہو جائیں گی تاکہ ان کی ویرانی سے آخرت کا جہاں آباد ہو جائے۔

”انفطرت“ انفطار کے مادہ سے شگافتہ ہونے کے معنوں میں ہے۔ اس تعبیر کی نظیر بہت سی آیات میں آتی ہے۔ منجملہ دیگر تعبیرات کے سورہ الشقاق کی آیت ۱ میں ہم پڑھتے ہیں (اذا السماء انشقت) اور سورہ مزمل کی آیت ۱۸ میں فرماتا ہے: (السماء منفطر بہ)

”انتشرت“ اصل میں مادہ نشر (بروزن نصر) سے پراگندہ کرنے اور ہونے کے معنی میں ہے اور چونکہ ستاروں کا پراگندہ ہونا دگوبند کی طرح جس کا دھماکہ ٹوٹ جائے، سبب بنتا ہے کہ ہر ایک کسی گوشہ میں جا کرے۔ بعض مفتقرین نے ستاروں کے سقوط اور ان کے گرنے سے تفسیر کی ہے اور یہ پراگندگی کے معنی کا لازمہ ہے۔

”کواکب“ کوکب کی جمع عربی زبان میں بہت سے معانی میں آتی ہے۔ دوسرے ستارے بطور غام اور زہرہ ستارہ بطور خاص۔

وہ سفیدی جو آنکھ میں ظاہر ہوتی ہے، بلند گھاس، درخت کا شکوفہ، فولاد کی چمک، زیادہ خوبصورت نوجوان، تلوار، پانی اور کسی جمعیت کا رئیس۔

لیکن ظاہری طور پر اس کے حقیقی معنی وہی درختاں اور فروزاں ستارہ ہیں۔ باقی معانی مجازی شمار ہوتے ہیں جن میں اصلی معانی کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

یہ کہ ستاروں کا پراگندہ ہونا اور آسمانی کواکب کا انفجار اور پھٹنا اور ان کے نظام کا درہم و برہم ہونا کن عوامل و اسباب کے زیر اثر رونما ہوگا۔ کیا فطرت کا اعتدال درہم و برہم ہو جائے گا یا کوئی عظیم مرموز قوت اسے اپنے تحت الشعاع قرار دے گی یا عالم کا عظیم تدریجی انبساط اور پھیلاؤ جو موجودہ زمانے میں ماہرین کے نقطہ نظر سے اثبات کے درجہ کو پہنچ گیا ہے یہاں تک ہو جائے گا کہ جس کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوگا۔ کوئی شخص ٹھیک طرح نہیں جانتا۔

لیکن ہمیں اتنا معلوم ہے کہ جس وقت یہ عظیم آسمانی کڑے اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں گے تو اس وقت کمزور و ضعیف انسان کا جو حال ہوگا وہ ظاہر ہے۔

یہ سب کچھ اس جہان کے فنا ہونے کے بارے میں انسان کو خبردار کرنا ہے اور اسے تنبیہ کرنا ہے تاکہ وہ اس دنیا کو ایسا جادوئی گھر نہ سمجھ بیٹھے جس میں اسے ہمیشہ رہنا ہے اس سے دل نہ لگائے اور اس کے لیے ہزار ہا گنا ہوں سے آلودہ نہ ہو۔

اس کے بعد آسمان سے ہٹ کر زمین کو موضوع بنانا ہے اور فرماتا ہے :

”جس وقت سمندر اور دریا آپس میں مل جائیں گے“ (واذا البحار فجرت)۔ اگرچہ اس وقت بھی روئے زمین کا عام سمندر، سوائے کچھ چھوٹے دریاؤں کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لیکن یوں نظر آتا ہے کہ ابتدائے قیامت میں شدید زلزلوں کی بنا پر یا پہاڑوں کے پراگندہ ہونے اور سمندر میں گر پڑنے کی وجہ سے سمندر اس طرح پڑ ہو جائیں گے کہ پانی تمام خشکیوں کو گھیرے گا اور سارے دریا ایک وسیع تر سمندر کی شکل اختیار کر لیں گے جیسا کہ سورہ تکویر کی آیت ۶ (واذا البحار سجرت) کی ایک یہ بھی تفسیر ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

دوسرا احتمال، جو اس آیت کی تفسیر میں اور اسی طرح سورہ تکویر کی آیت ۶ کی تفسیر میں پیش کیا گیا ہے، یہ ہے کہ فجرت اور سجرت وہی انفجار یعنی پھٹنا اور جلنا ہے جو تمام سمندروں اور دریاؤں کو آگ کے ایک عظیم ٹکڑے میں تبدیل کر دے گا۔

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے۔ پانی دو عناصر سے تشکیل پاتا ہے جو دونوں شدید طور پر قابل احتراق ہیں جلنے کے قابل ہے۔ اب اگر سمندروں کے پانی کا تجزیہ ہو اور وہ کچھ عوامل و اسباب کے زیر اثر آکسیجن اور ہائیڈروجن میں تبدیل ہو جائے تو ایک ہی شعلے کے زیر اثر سب آگ میں تبدیل ہو جائیں۔

اس کے بعد قیامت کے دوسرے مرحلہ کے بارے میں جو اس جہان کی تجدید حیات اور مردوں کی زندگی کی تجدید کا مرحلہ ہے فرماتا ہے :

”اور جس وقت قبریں زیر و زبر ہوں“ (واذا القبور بعثرت)۔ اور مردے باہر آکر حساب کتاب کے لیے آمادہ ہوں۔

”بعثت“ کے معنی زیر و زبر ہونا اور منتشر ہونا ہے۔ راغب مفردات میں بعید نہیں سمجھتا کہ یہ لفظ دو الفاظ سے مرکب ہو۔ ”بعث“ اور ”اثرت“ اسی لیے دونوں کے معنی اپنے اندر لیے ہوئے ہیں اور نتیجہ زیر و زبر ہونے کے معانی کی صورت میں نکلا ہے۔ (مثل بسم کے جو بسم اور اللہ سے لیا گیا ہے)۔

بہر حال جو کچھ اوپر والی آیات میں آیا ہے اس چیز کے مشابہ ہے جو ہم سورہ زلزال میں پڑھتے ہیں : (واخرجت الارض اثقالها) ”زمین اپنے ذخائر باہر نکالے گی“ (اس بنا پر اس سے مراد زمین میں دفن شدہ مردے ہوں گے جو اس آیت کی مشہور تفاسیر میں سے ایک ہے)۔ یا اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ نازعات کی آیہ ۱۳ اور ۱۴ میں آئی ہے۔ (فانما هي زجرة واحدة فاذا هم بالساهرة) ”صرف ایک ہی صیہ ہوگا جس کے بعد اچانک سب کے سب صفحہ زمین پر ظاہر ہوں گے۔“

یہ سب تعبیریں بتاتی ہیں کہ مردوں کا زندہ ہونا اور قبروں سے خارج ہونا نہایت تیزی سے ناگہانی طور پر صورت پذیر ہوگا۔ ان نشانیوں کو بیان کرنے کے بعد جو قیامت سے قبل اور اس کے بعد صورت پذیر ہوں گی آخری بات کو اس طرح بیان کرتا ہے :

”اس دن ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا رکھا ہے۔“ (علمت نفس ما قیمت و آخرت)۔ جی ہاں! اس دن حجابات ہٹ جائیں گے۔ غرور و غفلت کے پردے چاک ہو جائیں گے اور حقائق جہاں آشکار ہو جائیں گے۔ اور چونکہ وہ دن یوم البروز ہے لہذا ہر چیز ظاہر ہو جائے گی اور یہ وہی وقت ہے کہ انسان اپنے تمام اعمال کو دیکھے گا اور اپنے نیک و بد سے آگاہ ہوگا۔ کون سے اعمال وہ آگے بھیج چکا ہے اور کون سے کام میں جن کے آثار اس کے بعد دنیا میں باقی رہ گئے ہیں اور اس کے نتائج اس تک پہنچے ہیں۔

خیرات اور صدقہ جاریہ کے مثل۔ اور وہ تعمیرات و آثار جو مقاصد رحمانی یا مقاصد شیطانی کے لیے اس نے بنائی ہیں اور اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ یا کتا میں اور دیگر علمی آثار وغیرہ۔ علمی آثار جو نیک و بد مقاصد کچھ لیے اس نے اپنے بعد چھوڑے ہیں اور وہ دوسروں کے لیے استفادہ کا باعث بنے ہیں۔ ایسے نیک و بد سنن و طرق جنہوں نے اقوام و مل کو اپنی طرف کھینچا ہے یہ ہیں اُن کاموں کے نمونے جن کے نتائج انسان کے بعد اس تک پہنچتے ہیں اور جو اد پر دالی آیت میں ”آخرت“ کا مصداق ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ انسان اس دنیا میں بھی اجمالی طور پر اپنے اعمال سے باخبر ہے لیکن بھول جانا اور اپنے اعمال کی پرستش کرنا عام طور پر مانع ہوتا ہے کہ انسان ان سب کو اپنے دل میں جگہ دے اور اپنے اعمال کے آثار کی گہرائی اور عمق سے واقف ہو۔

لیکن اس دن جب ہر چیز میں انقلاب برپا ہوگا تو انسان کی روح اور جان بھی اس قسم کے انقلاب سے متاثر ہوگی یہ وہ جگہ ہوگی جہاں انسان اپنے تمام اعمال کا تفصیلی علم حاصل کرے گا بلکہ سورہ آل عمران کی آیت ۳۰ (یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضراً وما عملت من سوء) سب کو اپنے سامنے حاضر پائے گا۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے لیے اور تفاسیر بھی بیان کی ہیں۔ منجملہ دیگر تفاسیر کے مراد وہ کام ہیں جنہیں ابتدائے عمر میں مقدم رکھتا تھا اور وہ کام جو اواخر عمر کے لیے چھوڑ رکھے تھے لیکن پہلی تفسیر ہر جہت سے زیادہ مناسب ہے۔ نفس سے مراد یہاں نفوس انسانی میں سے ہر فرد ہے اور اس میں تمام انسان و بشر شامل ہیں۔

ایک نکتہ

وہ آثار جو انسان کے بعد باقی رہ جاتے ہیں

علاوہ اس چیز کے جو اد پر والی آیات میں آئی ہے اسلامی روایات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کچھ آثار انسان کے بعد باقی رہ جائیں جن کی برکتیں یا بُرے نتائج سالہا سال تک حتیٰ کہ

”جو شخص کوئی نیک سنت جاری کرے اور دوسرے اس کی پیروی کریں تو وہ اپنا اجر تو رکھتا ہی ہے، اس کے علاوہ ان لوگوں کے اجر کے برابر بھی جنہوں نے اس کی پیروی کی ہے بغیر اس کے کہ ان پیروی کرنے والے لوگوں کے اجر میں کوئی کمی ہو، اور جو شخص بُری سنت جاری کرے اور لوگ اس کی پیروی کریں تو اس کا اپنا گناہ تو ہے ہی، اس کے علاوہ جن لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے ان کے گناہوں کے برابر بھی اس کا گناہ ہے، بغیر اس کے کہ پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی ہو۔“

یہ وہ مقام تھا جہاں اصحابِ پیغمبر میں سے حذیفہ نے آیت (علمت نفس ما قدمت واخرت) کی تلاوت کی۔

امیر المومنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں: (فکیف بکم لو تناهت بکم الامور وبعثت القبور هنالك تبلوا كل نفس ما اسلفت وردوا الى الله مولا هم الحق وصل عنهم ما كانوا يفترون) تمہارا کیا حال ہوگا جس وقت تمام امور اختتام پذیر ہوں گے قبریں زیر و زبر ہوں گی اور تم سب کے سب عرصہ محشر میں قیام پذیر ہو گے وہاں ہر شخص ہر عمل کو جسے اس نے پہلے انجام دیا ہوگا آزمائے گا اور سب کے سب خدا کی طرف پلٹ جائیں گے جو ان کا حقیقی مولاد سر پرست ہے اور جنہیں جھوٹ موٹ اس کی مثل قرار دیا تھا، ان کے دل سے محو ہو جائیں گے۔

یہ آیات و روایات انسان کی ذمہ داری کی حدود کو اس کے اعمال کے مقابلہ میں اسلامی نقطہ نظر سے معین کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ کس حد تک ہر انسان اپنے اعمال کے سلسلہ میں جوابدہ ہے، یہاں تک کہ ممکن ہے کہ ہزار ہا سال گزرنے کے بعد اس کے لیے اچھا اجر حاصل کریں یا اس پر لعنت و گناہ کا بوجھ ڈالیں۔ اس سلسلہ میں جلد ۱ ص ۲۰۲ تا ۲۰۴ (سورہ نحل کی آیت ۲۵ کے ذیل میں) پر بھی ہم بحث کر چکے ہیں۔

۶. يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝
 ۷. الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوِّكَ فَعَدَلَكَ ۝
 ۸. فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝
 ۹. كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالذِّينِ ۝
 ۱۰. وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝
 ۱۱. كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝
 ۱۲. يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝

ترجمہ

۴. اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے کریم پروردگار کے مقابلہ میں مغرور کر دیا ہے ؟
 ۷. وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا، پھر تجھے اعتدال پر رکھا۔
 ۸. اور جس شکل میں چاہتا تھا تجھے مرکب کیا۔
 ۹. جیسا تم خیال کرتے ہو ویسا نہیں ہے بلکہ تم روزِ جزا کے منکر ہو۔
 ۱۰. اور اس میں شک نہیں کہ تم پر نگہبان مقرر کیے گئے ہیں۔
 ۱۱. بلند منزلت والے اور لکھنے والے (تمہارے نیک و بد اعمال کے)۔
 ۱۲. وہ جانتے ہیں کہ تم کیا کرتے ہو۔

تفسیر اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا ہے؟

گزشتہ آیتوں کے بعد جو قیامت کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں زیر بحث آیتوں میں انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اور اس کو خدا کے سامنے اس کی ذمہ داریوں کے طرف توجہ دلاتے ہوئے پہلے اسے مخاطب کیا ہے اور تیز ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ جس میں ایک طرح کا لطف و کرم بھی ملا ہوا ہے، فرماتا ہے:

”اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے کریم پروردگار سے غافل کر دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں مغرور کیا ہے؟“ (یا ایہا الانسان ما غرک بربک الکرم)

یہاں انسان کا اس کی انسانیت کے لحاظ سے جس میں اس جہان کے باقی موجودات کے مقابلہ میں تمام امتیازات کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے مخاطب کیا ہے اس کے بعد اُسے اس خدا کے سامنے پیش کیا ہے جو رب بھی ہے اور کریم بھی ہے جس نے اپنی ربوبیت کے تقاضے سے ہمیشہ اسے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور اس کی تربیت و تکامل و ارتقاء کا ذمہ لیا ہے اور اپنے تقاضائے کرم سے اسے اپنے خوانِ نعمت پر جگہ دی ہے۔ اور اپنی تمام مادی و معنوی نعمتوں سے اُسے سرفراز کیا ہے بغیر اس بات کے کہ اس سے وہ کوئی توقع رکھتا ہو اور ان نعمتوں کا کوئی اجر اس سے طلب کرے حتیٰ کہ اس کی خطاؤں سے بھی چشم پوشی کرتا ہے اور اپنے لطف و کرم سے اسے مود و عفو و بخشش قرار دیتا ہے۔

کیا یہ مناسب ہے کہ اس قسم کا وجود ایسے پروردگار کے مقابلہ میں جسارت و مغرور سے کام لے یا ایک لمحے کے لیے بھی اس سے غافل ہو اور اس کے فرمان کی انجام دہی میں جو خود اس کی سعادت کا ضامن ہے قصور و کوتاہی کا ارتکاب کرے۔

اسی لیے ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کے موقع پر فرمایا (غیر جملہ) اس کی جہالت و نادانی نے اسے مغرور و غافل بنایا ہے۔
یہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت و کرم پر انحصار کرتے ہوئے وہ انسان کے غرور و غفلت کو ختم کرے۔ اس طرح سے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے کہ مقصود کلام یہ ہے کہ آدمی کو تلقین کی جائے کہ خدا سے عذر خواہی کے سلسلہ میں جو آئیں گے: ”تیرے کرم نے مجھے مغرور کیا ہے“

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۴۹۔ یہی حدیث در المنثور، روح البیان، روح المعانی اور قرطبی میں بھی زیر بحث آیت کے ذیل میں نقل ہوئی ہے۔

نیز جو کچھ فضیل ابن عیاض سے نقل ہوا ہے کہ اس سے سوال کیا گیا کہ اگر تجھے خدا قیامت کے دن اپنے حضور میں طلب کرے اور تجھ سے سوال کرے، ”ما غرك بربك الکرم“ تو جواب میں تو کیا کہے گا۔ اس نے کہا میں جواب میں کہوں گا ”غرفی ستورک المرخاة“ جو پردے تو نے میرے گناہ پر ڈالے ہوئے تھے انہوں نے مجھے غافل و مغرور کیا ہے۔

یہ سب مفہوم آیت کے ساتھ سازگار نہیں ہے بلکہ آیت کے مفہوم کے تضاد سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے کہ مقصود آیت غرور کو ختم کرنا ہے اور خواب غفلت سے بیدار کرنا ہے نہ یہ کہ نیا پردہ غفلت کے پردوں پر ڈالنا ہے اس بنا پر مناسب نہیں ہے کہ آیت کو اس کے مقصد سے دور لے جائیں اور اس کی متضاد کیفیت سے نتیجہ کلام اخذ کریں۔

”غرك“ غرور کے مادہ سے اصل میں بیداری کے موقع پر غفلت کے معنی میں ہے دوسرے لفظوں میں ایسے مقام پر غفلت سے کام لینا جہاں غفلت کرنا بالکل نامناسب ہو۔ اور چونکہ غفلت بعض اوقات جسارت یا احساس برتری کا سبب بنتی ہے لہذا غرور کے لفظ کی ان معانی سے بھی تفسیر ہوتی ہے اور شیطان کو اسی وجہ سے غرور (بروزن شرور) کہتے ہیں۔ وہ انسان کو اپنے وسوسوں سے فریب دیتا ہے اور اسے غافل و مغرور کر دیتا ہے۔

”کرم“ کی تفسیر میں مفسرین نے انواع و اقسام کی تعبیریں پیش کی ہیں بعض نے کہا ہے کہ کرم وہ بخشنے والا ہے جس کے تمام افعال احسان ہیں اور وہ کبھی اتنی بخشش کے ہوتے ہوئے نفع و نقصان کا خیال نہیں کرتا۔ بعض نے کہا ہے کہ کرم وہ شخص ہے جو طلب سے زیادہ بخش دے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کرم وہ شخص ہے جو تھوڑی سی متاع کو قبول کر لیتا ہے اور اس کے مقابلے میں زیادہ قیمت دیتا ہے لیکن حقیقت میں یہ سب چیزیں کرم کے مفہوم میں شامل ہیں۔

خدا کے کرم کے سلسلہ میں بس اتنا کافی ہے کہ وہ صرف گنہگاروں کو معاف کر کے راضی نہیں ہوتا بلکہ شائفہ افراد کے گناہوں کو حسنات میں تبدیل کر دیتا ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ اس آیت کی تفسیر میں عجیب و غریب جملے ارشاد فرماتے ہیں:

یہ آیت سننے والے کے سامنے بہت مضبوط دلیل ہے اور ایسے شخص کے سامنے جسے جہالت و نادانی نے مغرور کر دیا ہو قاطع عذر ہے۔ خدا فرماتا ہے:

”اے انسان تجھے کس چیز نے گناہ کرنے پر جرأت دلائی ہے اور کس چیز نے تجھے تیرے پروردگار کے مقابلہ میں مغرور کر دیا ہے اور کس چیز نے اپنی ہلاکت کے ساتھ تعلق پیدا کر دیا ہے؟ کیا تیری اہم کاری کے لیے صحت مند ہونا نہیں ہے یا تیرے اس خواب کے لیے بیداری نہیں ہے۔ تو خود پر کم از کم اتنا تو رحم کر جتنا تو دوسروں پر کرتا ہے۔“

تو جب کسی کو جلانے والے سورج کی دھوپ میں دیکھے تو اس پر سایہ کرتا ہے جب کسی بیمار کو دیکھے کہ درد و تکلیف نے اسے سخت نالاں کر دیا ہے تو تو اس پر رحم کھا کر آنسو بہاتا ہے تو وہ کیا شے ہے جس نے اپنی بیماری پر تجھے ایک طرح کا صبر کرنے والا بنا دیا ہے اور اپنی مصیبت پر مطمئن کر دیا ہے اور خود پر گریہ کرنے سے باز رکھا ہے حالانکہ تیرے نزدیک عزیز ترین افراد میں سے تو خود ہے تو پھر کس طرح رات کو نوزد بلا کے خوف نے تجھے بیدار نہیں کیا حالانکہ گناہ و مصیبت میں تو غوطہ زن ہے اور اس کے غلبہ سے باہر بھی نہیں ہے۔

آ اور اس غفلت کی بیماری کا عزم صمیم کی دوا سے علاج کر اور اس خواب غفلت کو جس نے تیری آنکھوں کو گھیر رکھا ہے بیداری سے برطرف کر۔ آ خدا کا مطیع و فرمانبردار بن جا اور اس کی یاد سے مانوس ہو۔

اچھی طرح جان لے کہ تیرے خدا سے غفلت کرنے کے موقع پر وہ نعمتیں دینے پر تجھ سے عنایت کرتا ہے اور تجھے اپنے عضو و کرم کی طرف بلاتا ہے اور اپنی برکتوں کے زیر سایہ تجھے دیکھنا چاہتا ہے حالانکہ تو نے اس کی طرف پشت کر رکھی ہے اور دوسرے کی طرف رخ کر رکھا ہے۔

بزرگ و عظیم ہے وہ خدا جو باوجود اس عظیم قدرت کے کریم ہے لیکن تو باوجود اس ضعف و حقارت کے اس مصیبت پر کس قدر جری ہے۔

اس کے بعد اس غافل انسان کو بیدار کرنے کے لیے اپنے لطف و کرم کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا ہے پھر تیرے وجود کی دستگاہ کو منظم کیا اور اسے اعتدال بخشا“ (الذی خلقک فسواک فعدلک)۔ ”اور جس شکل میں چاہتا تھا تیری ترکیب کی“ (فی امی صورة

ماشاء ربکے)۔

اور اس طرح خلقت کے چار عظیم مرحلوں کو یعنی اصل خلقت، پھر اس کی تنظیم، پھر اس میں اعتدال آفر

میں ترکیب بندی کو چار مختصر سی پر معنی عبارتوں میں بیان کرتا ہے۔

پہلے مرحلے میں اصل خلقت انسانی قرار پاتی ہے کہ اسے ناچیز و حقیر لطفہ سے رحم کے ظلمت کدے میں خلق کیا۔ بعد کے مرحلے میں جو تسویہ و تنظیم کا مرحلہ ہے اس کے پیکر کے اعضا میں سے ہر عضو کو تنظیم کے ساتھ

۱۔ نبی البلاغہ، خطبہ ۲۲۳۔

۲۔ ”ماشاء“ میں ما زائدہ ہے بعض مفسرین نے احتمال پیش کیا ہے کہ ما شرطیہ ہے لیکن پہلا

احتمال زیادہ مناسب ہے۔

موزوں کیا۔ آنکھ، کان، دل، رگیں اور باقی اعضا جن میں سے اگر انسان ہر ایک کی ساخت، بناوٹ اور نظام پر غور و فکر کرے اور خدا کے لطف و کرم کو ان میں سے ایک ایک میں دیکھے تو علم و قدرت اور لطف و کرم کی ایک دنیا اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم دیکھے گا۔

وہ نعمتیں کہ ہزار ہا سال گزرنے کے بعد بھی ماہرین علوم طبعی ان کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں لیکن ابھی آغازِ کار ہے اور وہ ابھی تحقیق کی ابتداء ہی میں ہیں۔

اس کے بعد ایک تیسری نعمت کو موضوع گفتگو بناتا ہے اور وہ اعضائے جسم انسانی کے درمیان اعتدالِ ہم آہنگی ہے جسم انسانی دو ہتھوں پر مبنی پیدا کیا گیا ہے جو دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ ہاتھ پاؤں آنکھ، کان، استخوان، عروق و اعصاب و عضلات جسم کے دونوں حصوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے والے اور ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔

علاوہ ازیں مختلف اعضا بھی ایک دوسرے کے کام کی تکمیل کرتے ہیں مثلاً سانس لینے کا نظام گردشِ خون کی مدد کرتا ہے اور گردشِ خون کا نظام تنفس کے ساتھ مل کر غذا کے لقمے کو نگلنے کے لیے اور دانت، زبان، لعابِ دہن کے غدود اور اطرافِ دہن کے عضلات اور گلا یہ سب ایک دوسرے کے درست بدست کام کرتے ہیں یہاں تک کہ لقمہ یا ضغہ کے نظام میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد بھی بہت سی ہم آہنگیاں صورت پذیر ہوتی ہیں تاکہ غذا جزو بدن ہو سکے اور قوت و حرکت و سعی و کوشش کو پیدا کرے۔ یہ سب ”فعدلک“ کے جملہ میں پنہاں ہیں۔ بعض اس جملہ کو تمام انواعِ حیوانات میں سے انسان کے سیدھے قد کی طرف، جو اس کی بہت ہی فضیلت کا باعث ہے اشارہ سمجھتے ہیں۔ یہ معافی بعد والے مرحلہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں لیکن پہلے معافی زیادہ جامع ہیں۔

انجامِ کارِ آخری مرحلہ، دوسرے موجودات کے مقابلہ میں اس کی ترکیب اور صورت پذیری کا آں پہنچتا ہے۔ جی ہاں! خدا نے نوعِ انسان کو دوسرے حیوانات کے مقابلہ میں موزوں تر اور زیادہ بنایا ہے اور اسے عمدہ شکل عنایت کی ہے اور ایسی سیرت دی ہے جس میں زیبائی و خوبصورتی کے ساتھ فطری بیداری بھی ہے اور ایسی ترکیب جو علم، آگاہی، تعلیم و تربیت کو قبول کرنے پر آمادہ ہے۔

اس سے قطع نظر افرادِ انسانی کی صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور جیسا کہ سورہ روم کی آیت ۲۲ میں آیا ہے: ”تمہارے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف خدا کی آیات میں سے ہے“ (وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاختلاف السنتکم والوانکم) اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو نوعِ بشر کی اجتماعی زندگی کا نظام معطل ہو جاتا۔

اس اختلافِ ظاہری کے علاوہ استعداد، ذوق اور سلیقے کے اختلاف قرار دیئے ہیں اور ان کی دو صورتیں بنائیں جن کا اس کی حکمت تقاضا کرتی تھی تاکہ ان کے مجموعہ سے ایک صحیح و سالم معاشرہ وجود میں

آئے جو اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کرے اور انسانوں کے ظاہری و باطنی قویٰ ایک دوسرے کے تکمیل کنندہ بنیں۔ اور مجموعی طور پر، جیسا کہ سورہ "تین" کی آیت نمبر ۴ میں آیا ہے: (لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم) "خدا نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے"

خلاصہ کلام یہ کہ ان آیتوں میں اور بہت سی دوسری قرآنی آیات کی طرح خدا اس مہلک دینے والے اور مغرور انسان کو اپنی معرفت کی راہ دکھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ رحم مادر سے لے کر اپنے پیدا ہونے تک کے زمانے کا اور اس وقت سے لے کر مکمل نشوونما کی منزل تک پہنچنے کے عہد کا بغور مطالعہ کرے اور یہ دیکھے کہ منعم حقیقی کی جانب سے ہر قدم پر ایک نئی نعمت اس کے پاس آتی ہے۔

اس طرح اس کو معلوم ہوگا کہ وہ سر سے پیر تک خالق کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اس کو چاہیے کہ غرور و غفلت کو خیر باد کہے اور پروردگار عالم کی محبت کا طوق اپنی گردن میں ڈالے۔

اس کے بعد قرآن ان کے غرور و غفلت کو موضوع گفتگو بنا کر کہتا ہے: "جیسا تم گمان کرتے ہو ایسا نہیں ہے تم روز جزا کے منکر ہو" (کلا بل تکذبون بالدين)۔ نہ تو خدا کا کرم تمہارے غرور کا سبب ہے اور نہ اس کی نعمتوں کا سلسلہ بلکہ اس کا اصلی سبب تمہارا روز قیامت پر ایمان نہ لانا ہے۔

جی ہاں! اگر ہم مغرور اور غافل افراد کی حالت پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اصلی سبب یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے افراد کی روح کی گمراہیوں میں قیامت کے بارے میں شک یا اس کا انکار پوشیدہ ہے اور باقی امور تو صرف بہانے ہیں۔ لہذا اگر ان کے دلوں میں قیامت پر ایمان پیدا ہو جائے تو یہ غرور اور غفلت سب ختم ہو کر رہ جائے۔

دین سے مراد یہاں جزا اور روز جزا ہے اور یہ جو بعض مفسرین نے احتمال پیش کیا ہے کہ یہاں مراد دین اسلام ہے، بعید نظر آتا ہے اس لیے کہ ان آیتوں میں گفتگو کا محور ہے وہ معاد و قیامت ہے۔ اس کے بعد اسباب غرور و غفلت کو ختم کرنے اور قیامت پر ایمان کو تقویت دینے کے لیے مزید

۱۔ "کلا" حرف روع ہے اور پہلے سے ذکر شدہ یا تو ہم شدہ مطلب کے انکار کے لیے ہے اور یہ کہ کلا اس آیت میں کسی چیز کی نفی کرتا ہے، اس سلسلہ میں مفسرین نے کئی احتمال پیش کیے ہیں۔ سب سے پہلے وہی احتمال ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے یعنی یہاں کلا غرور و غفلت کے تمام سرچشموں کی نفی کرتا ہے سوائے قیامت کی تکذیب اور انکار کے جس کا "بل" کے بعد ذکر ہوا ہے۔ راغب نے مفردات میں (بل کے مادہ کے سلسلہ میں) ان معانی کو منتخب کیا ہے اور اوپر والی آیت بیان کرنے کے بعد کہتا ہے (كانه قيل ليس هيهنا ما يقضى ان يغرم به تعالى ولكن تكذيبهم هو الذي حملهم على ما ارتكبوه)۔ گویا کہا گیا ہے کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں اللہ کے مقابلہ میں مغرور کرے لیکن ان کا تکذیب کرنا وہ ہے جس نے اس کا ارتکاب کیا ہے۔

کہتا ہے: ”اس میں شک نہیں کہ تم پر نگران مقرر کیے گئے ہیں“ (وان علیکم لحاظین)۔
ایسے نگران و نگہبان جو پروردگار کی بارگاہ میں مقرب و محترم ہیں اور وہ ہمیشہ تمہارے اعمال کو تحریر کرتے ہیں (کراماً کا تبسین)۔ اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اس سے آگاہ ہیں اور سب کچھ اچھی طرح جانتے ہیں۔ (یعلمون ما تفعلون)۔

”حافظین“ سے مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال کی نگرانی پر مامور ہیں اس سے قطع نظر کہ اعمال اچھے ہوں یا بُرے۔ ان فرشتوں کو سورہ ق کی آیت ۱۸ میں رقیب و عتید سے تعبیر کیا گیا ہے (ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید) انسان کوئی بات نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کے پاس فرشتہ ہے جو نگرانی کا فرض انجام دینے کے لیے مستعد ہے۔ اسی سورہ ق کی اس سے پہلے کی آیت میں فرماتا ہے:

(اذ یتلق المتلقیان عن الیمین وعن الشمال تعید) ”یاد کر اس وقت کو جب وہ دو فرشتے جو دائیں بائیں سے تجھے پکڑے ہوئے ہیں ہترے اعمال ثبت کرتے ہیں“ قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی ان فرشتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے جو نگران اعمال ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ خدا ہر شخص سے پہلے اور ہر شخص سے بہتر اعمال انسانی کا شاہد و ناظر ہے لیکن اس نے مزید تاکید کے لیے اور زیادہ احساس ذمہ داری پیدا کرنے کے لیے نگران فرشتے مقرر کیے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور نگران بھی ہیں جو انسان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں جن سب کا قیامت کی دادگاہ کے گواہوں کے عنوان کے ماتحت سات حصوں میں جلد ۱۱ کے صفحہ ۳۰۵ تا ۳۰۹ پر ہم نے ذکر کیا ہے۔ (سورہ خم سجدہ) کی آیت ۲۰ اور ۲۱ کے ذیل میں) یہاں ان کی طرف فرست وار اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلا گواہ خدا ہے جو فرماتا ہے: ”جو عمل تم انجام دیتے ہو ہم اس کے شاہد و ناظر ہیں“ (یونس - ۶۱)۔
”اس کے بعد انبیاء و اوصیاء ہیں“ (نساء - ۴۱)۔ اس کے بعد ”زبان، لہجہ، پاؤں اور پیکر انسان کے تمام اعضاء و ارجح“ (نور - ۲۲)۔ ایک گواہ جسم کی کھال ہے (خم سجدہ - ۲۱)۔ اور گواہ فرشتے ہیں (ق - ۲۱) اور زیر بحث آیت اس کے بعد وہ زمین جس پر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور اس پر اطاعت کی جاتی ہے اور گناہ ہوتے ہیں (زلزال - ۴)۔ اور آخر میں وہ وقت و زمانہ جس میں اعمال انجام پاتے ہیں (سفینۃ البحار جلد ۱ مادہ یوم)۔
احتجاج طبری میں آیا ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ انسانوں کے نیک و بد اعمال کے تحریر کرنے پر جو فرشتے مامور ہیں اس کا کیا سبب ہے جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ خدا عالم البر و ماہو اخفی

۱۔ بعض مفسرین مثلاً روح البیان اور روح المعانی کے مؤلف نے کہا ہے کہ داؤ یہاں حالیہ ہے لیکن استینافیہ کا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

ہے یعنی ہر وہ چیز جس سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں ہے وہ اسے جانتا ہے تو امامؑ نے جواب میں فرمایا:
استعبد ہم بذالك وجعلهم شهودًا على خلقه ليكون العباد لملأزمتمهم
ایا ہوا شد علی طاعة الله مواظبة وعن معصيته اشد انقباضًا وكم من عبدیم
بمعصية فذكر مكانهما فارعوی وكف فيقول ربی یرانی وحفظتی علی بذالك
تشهد وان الله برأفته ولطفه وكلهم بعباده یدبون عنهم مردة الشياطين و
هوام الارض وأفات كثیرة من حيث لا یرون باذن الله الی ان یجی ۱۷ مر الله
عز وجل -

خدا نے ان فرشتوں کو اپنی عبادت کے لیے بلایا اور انہیں اپنے بندوں پر گواہ قرار دیا
تاکہ بندے ان کی نگرانی کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ خدا کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی
سے انہیں زیادہ سے زیادہ پریشانی اور دکھ ہو۔ بہت سے ایسے بندے ہیں جو گناہ کا پختہ ارادہ
کر لیتے ہیں اور پھر اس فرشتے کو یاد کرتے ہیں اور اپنے آپ کو گناہ سے باز رکھتے ہیں۔ وہ کہتے
ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمیں دیکھتا ہے اور نگران فرشتے بھی گواہی دیں گے۔ اس کے علاوہ خدا نے
اپنی رحمت اور مہربانی سے انہیں بندوں پر مامور کیا ہے تاکہ حکم خدا سے سرکشی کرنے والے شیاطین
کو ان سے دور رکھیں اور زمین کے جانوروں اور بہت سی آفات و بلیات کو جنہیں بندے اس
وقت تک نہیں دیکھتے جب تک حکم خدا یعنی ان کی موت نہ آجائے۔

اس روایت سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحریر اعمال کی ذمہ داری کے علاوہ ناگوار حادثوں، مصیبتوں
اور شیاطین کے وسوسوں سے انسانوں کو محفوظ رکھنے پر بھی مامور ہیں (خدا کے فرشتوں کی مختلف ذمہ داریوں کے
بارے میں ایک تفصیلی بحث جلد ۱۰ ص ۱۶۸ تا ۱۷۲ سورہ فاطر کی آیت ۱ کے ذیل میں آچکی ہے)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات ان فرشتوں کی تعریف و توصیف میں کہتی ہیں وہ کریم اور بزرگ
فرشتے پروردگار کی بارگاہ میں بلند مقام کے حامل ہیں تاکہ انسان اپنے اعمال پر زیادہ توجہ دیں، اس لیے کہ انسان
کے اعمال کی نگرانی کرنے والا جس قدر بلند شخصیت رکھتا ہے انسان اس کا زیادہ لحاظ کرتا ہے اور گناہ کے
انجام دینے سے زیادہ شرمندہ ہوتا ہے۔ کاتبین کی تعبیر درحقیقت اس بات کی تاکید ہے کہ وہ حافظہ پر اکتفا
نہیں کرتے بلکہ باریک بینی کے ساتھ لکھتے ہیں، اس انداز سے کہ کبھی کوئی چیز ان سے نظر انداز نہیں ہوتی اور
وہ ہر چھوٹے بڑے عمل کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں (یعلمون ما تفعلون) جو کچھ تم انجام دیتے
ہو وہ اسے جانتے ہیں۔

یہ اس حقیقت پر ایک مزید تاکید ہے کہ وہ تمہارے اعمال سے بغیر استشارہ آگاہ ہیں اور ان کا لکھنا اسی آگاہی کی بنیاد پر ہے۔ یہ تمام تعبیریں انسان کے اختیار اور ارادے کی آزادی کو بیان کرتی ہیں اس لیے کہ اگر انسان کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوتا تو اعمال کے تحریر کرنے والے فرشتوں کے مقرر کرنے کا اور ان سب تنبیہوں کا کوئی صحیح مفہوم نہ ہوتا۔

اور پھر یہ سب چیزیں اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ حساب کتاب کا ہونا اور جزا و سزا کا ملنا قطعی اور حتمی ہے، اس لیے کہ خدا نے اسے حد سے زیادہ اہمیت دی ہے اور اس حقیقت کی طرف توجہ اور اس پر ایمان اس مقصد کے لیے ہے کہ انسان کی تربیت کرے اور اسے اس کی ذمہ داریوں سے آشنا کرے اور غلط کاموں پر حد سے زیادہ روکنے والا اثر ڈالے۔

ایک نکتہ

ثبت اعمال کے مامورین

نہ صرف اوپر والی آیات میں بلکہ بہت سی دوسری آیات قرآنی میں اور اسلامی روایات میں ان معانی کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ خدا نے ہر انسان پر نگہبان و نگران مقرر کیے ہیں جو اس کے اعمال قطع نظر اس کے کہ وہ اچھے ہوں یا بُرے، تحریر کرتے ہیں اور اس کا اعمال نامہ روز جزا کے لیے تیار کرتے ہیں۔ ان فرشتوں کی خصوصیات کے بارے میں معنی خیز اور خبردار و ہشیار کرنے والی تعبیریں اسلامی روایات میں وارد ہوتی ہیں مجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ کسی شخص نے امام موسیٰ کاظمؑ سے سوال کیا کہ جو انسان کے اعمال تحریر کرنے پر مامور ہیں کیا وہ انسان کے ارادہ اور نیک یا بد کام کرنے کے باطنی عزم سے بھی باخبر ہوتے ہیں تو امام نے جواب میں فرمایا:

”کیا بچے کچھ اور گندے پانی کے کنویں کی بو اور عطر کی خوشبو ایک جیسی ہوتی ہے“

راوی نے عرض کیا نہیں تو امامؑ نے فرمایا:

”کہ جب انسان کوئی اچھا کام کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا سانس خوشبودار ہو جاتا ہے تو وہ فرشتہ جو دائیں طرف ہے (اور حسنات کے ثبت کرنے پر مامور ہے) بائیں طرف والے فرشتے سے کہتا ہے، اٹھ کھڑا ہو کہ اس نے نیک کام کا ارادہ کیا ہے اور جب وہ اس کام کو انجام دے دیتا ہے تو اس انسان کی زبان اس فرشتے کا قلم بن جاتی ہے اور لعابِ دہن سیاہی بن جاتا ہے لیکن جب انسان گناہ کا ارادہ کرے تو اس کا سانس بدبودار ہو جاتا ہے اس وقت بائیں طرف کا فرشتہ دائیں طرف والے فرشتے سے کہتا ہے اٹھ کھڑا ہو کہ اس نے معصیت و نافرمانی کا ارادہ کیا ہے اور جب وہ نافرمانی انجام دے دیتا ہے تو اس کی زبان اس فرشتے کا

قلم اور لعاب دہن سیاہی بن جاتا ہے اور وہ اسے لکھ دیتا ہے یہ
یہ حدیث اچھی طرح بتاتی ہے کہ انسان کی نیت اس کے وجود پر اچھی طرح اثر انداز ہوتی ہے اور
فرشتے اس کے اندرونی اسرار سے باہر کے آثار کے ذریعہ آگاہ ہو جاتے ہیں اور اگر آگاہ نہ ہوں تو انسان
کے اعمال کو اچھی طرح ضبط تحریر میں نہیں لاسکتے اس لیے کہ نیت کی کیفیت عمل کی آلودگی اور خلوص کے سلسلہ
میں حد سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ نے مشہور حدیث میں فرمایا ہے :
(انما الاعمال بالنیات) اعمال نیتوں سے وابستہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ فرشتے خود انسان سے لیتے

۲۔ وہ مامور ہیں کہ جب انسان نیک کام کی نیت کرے تو اسے ایک نیکی کی حیثیت سے تحریر کریں اور جس وقت اسے انجام دے دے تو دس نیکیاں لکھ دیں۔ لیکن جب انسان گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو جب تک عمل نہ کرے کوئی چیز اس کے خلاف نہیں لکھتے اور گناہ کے ارتکاب کے بعد بھی صرف ایک ہی گناہ لکھتے ہیں۔

یہ تعبیر انسان پر خدا کے انتہائی لطف و کرم کو بیان کرتی ہے کہ گناہ کی نیت کو وہ بخش دیتا ہے اور فعل گناہ کی عدل کے مطابق سزا دیتا ہے لیکن اطاعت کے سلسلہ میں ہر نیت ایک نیکی ہے اور ہر نیک کام کی وہ اپنے تفضل کے مطابق جزا دیتا ہے نہ کہ میزان عدل کے مطابق اور یہ نیک اعمال کی تشویتی ہے۔

۳۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسول خداؐ نے ان دونوں فرشتوں کے موجود ہونے اور دس گنی حسنت کی جزا کے لکھنے کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرمایا:

جب انسان کسی بُرے کام کو انجام دیتا ہے دایں طرف کا فرشتہ بائیں طرف کے فرشتے سے کہتا ہے اس گناہ کے لکھنے میں جلدی نہ کر شاید اس کے بعد کوئی نیک کام انجام دے جو اس کے گناہ پر پردہ ڈال دے جیسا کہ خدا نے عظیم فرماتا ہے :

(ان الحسنات یذہبن السیئات) ”نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں“
 یا یہ کہ توبہ و استغفار کرے اور (گناہ کا اثر ختم ہو جائے) گناہ کا فرشتہ سات گھنٹے تک گناہ کے تحریر کرنے سے رکا رہتا ہے۔ اگر اس گناہ کے بعد کوئی استغفار یا نیک کام نہ ہو تو پھر حسنات والا فرشتہ سیئات والے فرشتے سے کہتا ہے کہ اس بد بخت محروم کا گناہ لکھ دے یہ

۱۔ اصول کافی، جلد ۲، باب من یم بالحسنة والیسنة حدیث ۳۔

٥٢ ايضاً " " " " " " " " " " " "

۳ ایضاً " " " " " " حدیث ۲-

۴۔ ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جب مومنین کسی خصوصی مجلس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں تو محافطین اعمال ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہم ان سے دور ہو جائیں شاید ان کا کوئی راز ہے جسے خدا نے پوشیدہ رکھا ہے۔
۵۔ حضرت علیؑ اپنے خطبہ میں جس میں لوگوں کو تقویٰ اور خوفِ خدا کی دعوت دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ :

”اے بندگانِ خدا! جان لو کہ خود تم میں سے کچھ نگرانِ تم پر مقرر کیے گئے ہیں وہ تمہارے بدن کے اعضا ہیں اور یہ بھی جان لو کہ سچے حساب کرنے والے تمہارے اعمال کو لکھتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے سانسوں کی تعداد کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ نہ شبِ تاریک کی سیاہی تمہیں ان سے پوشیدہ رکھ سکتی ہے اور نہ محکم اور بند دروازے۔ اور آج سے کل کس قدر قریب ہے۔“

- ۱۳ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝
- ۱۴ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝
- ۱۵ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝
- ۱۶ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝
- ۱۷ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝
- ۱۸ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝
- ۱۹ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝

ترجمہ

- ۱۳ یقیناً نیک افراد نعمت فراواں میں ہیں۔
- ۱۴ اور بدکار دوزخ میں ہیں۔
- ۱۵ جزا کے روز اس میں وارد ہوں گے اور جلیں گے۔
- ۱۶ اور کبھی بھی اس سے غائب اور دور نہیں ہوں گے۔
- ۱۷ تو کیا جانے کہ قیامت کا دن کیا ہے؟
- ۱۸ پھر تو کیا جانے کہ قیامت کا دن کیا ہے؟
- ۱۹ ایسا دن ہے جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کے حق میں کسی کام کے انجام دینے پر قدرت نہیں رکھتا اور اس دن سب امور اللہ سے مخصوص ہیں۔

تفسیر

وہ دن جس میں کوئی شخص کسی کیلئے کوئی کام انجام نہیں دے گا

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں فرشتوں کے ذریعہ انسانوں کے اعمال کے ثبت و ضبط کے سلسلہ میں آئی ہے ان آیتوں میں اس حساب و کتاب کے نتیجے اور نیکوں اور بُروں کی جو ریکارڈ ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروردگار عالم فرماتا ہے:

”یقیناً نیک و صالح افراد خدا کی عظیم نعمت میں ہیں“ (ان الابرار لفی نعیم)۔ ”اور بدکار یقیناً جہنم میں ہیں“ (وان الفجار لفی جحیم)۔

”ابرار“ ”بار“ اور ”بس“ (بروزن حق) کی جمع ہے جس کے معنی نیکوکار شخص کے ہیں۔ اور ”فجار“ (ب کے زیر کے ساتھ) ہر قسم کی نیکی کے معنی میں ہے۔ یہاں اچھے عقائد بھی مراد ہیں اور اچھی نیتیں اور اچھے اعمال بھی۔

”نعیم“ مفرد ہے اور نعمت کے معنی میں ہے اور یہاں بہشت جاودانی کے معنی میں ہے اور نیکو کی صورت میں جو آیا ہے اس نعمت کی اہمیت، وسعت اور عظمت کے بیان کے لیے ہے۔ خدا کے علاوہ کوئی اور اس کی وسعت و عظمت سے واقف نہیں ہے۔

”نعیم“ جو یہاں صفت مشبہ ہے یہاں اس نعمت کی بقا اور اس کے استمرار کی تاکید کے لیے ہے یہ مفہوم عام طور پر صفت مشبہ میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔

”فجار“ فاجر کی جمع ہے۔ اصل میں فجر کے معنی وسیع طور پر شکاف کرنے کے ہیں اور طلوع صبح کو اس لیے فجر کہتے ہیں کہ گویا رات کا سیاہ پردہ سپیدہ سحری کے ہاتھوں کلی طور پر شکافتہ ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر فجر کا لفظ ان لوگوں کے اعمال کے بارے میں دستیاب ہوتا ہے جو پاکدامنی اور تقویٰ کا پردہ چاک کر رہے ہیں اور گناہ کے راستے میں قدم رکھتے ہیں۔

”جحیم“ ”جحیم“ (بروزن فہم) کے مادہ سے آگ بھڑکانے کے معنی میں ہے۔ اس وجہ سے جحیم بھڑکتی ہوئی آگ کو کہتے ہیں۔ قرآنی تعبیر میں یہ لفظ عام طور پر دوزخ کے معنی میں آیا ہے اور یہ جو فرماتا ہے:

”نیکوکار جنت میں اور بدکار دوزخ میں ہیں لیکن ہے اس معنی میں ہو کہ وہ ابھی سے جنت اور دوزخ میں وارد ہو گئے ہیں اور اس دنیا ہی میں جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب نے انہیں گھیر رکھا ہے جیسا کہ سورہ عنکبوت کی آیت ۴۵ میں ہم پڑھتے ہیں: (وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین)۔ ”دوزخ نے کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے“

لیکن ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس قسم کی تعبیریں حتمی اور یقینی طور پر مستقبل کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اس لیے کہ ادب عربی میں حتمی اور یقینی مستقبل اور متحقق الوقوع مضارع کو حال کی شکل میں اور کبھی ماضی کی شکل میں بیان کرتے ہیں۔

(آیت کے پہلے معنی ظاہر کے ساتھ سازگار ہیں لیکن مناسب دوسرے معنی ہیں)۔
بعد کی آیت میں فاجروں کی سرنوشت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ روز جزا دوزخ میں داخل ہوں گے اور اس کی آگ میں جلیں گے“ (یصلونہا یوم الدین)۔
جب گزشتہ آیت کے معنی ایسے ہوں کہ وہ ابھی سے دوزخ میں داخل ہیں تو پھر یہ آیت بتاتی ہے کہ روز قیامت اس جلائے والی آگ میں ان کا داخلہ اور شدید ہوگا اور آگ کے اثر کو وہ اچھی طرح محسوس کریں گے۔

”یصلون“ ”صلی“ (بروزن سعی) کے مادہ سے آگ میں داخل ہونے، جلنے، بھجن جانے اور اس کے درد و تکلیف کو برداشت کرنے کے معنی میں ہے اور اس بنا پر، کہ فعل مضارع ہے، استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ مزید تاکید کے لیے فرماتا ہے:
”وہ اس آگ سے کبھی دور اور مفقود نہیں ہیں“ (وما هو عنها بغائبین)۔ بہت سے مفسرین نے اس جملہ کو فجار پر جو عذاب ہوگا اس کے جادواں ہونے کی دلیل کے طور پر لیا ہے اور اس طرح نتیجہ نکالا ہے کہ فجار سے مراد ان آیات میں کفار ہیں، اس لیے کہ خلود اور ہمیشگی ان کے مورد کے علاوہ وجود نہیں رکھتی۔

اس آیت کی تعبیر زمانہ حال کی شکل میں اس چیز کی مزید تاکید ہے جس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ اس قسم کے افراد دنیا میں بھی کئی طور پر جہنم سے دور نہیں ہیں۔ ان کی زندگی بجائے خود دوزخ ہے۔ اور مشہور حدیث کے مطابق ان کی قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اور اس طرح دنیا کی دوزخ اور برزخ کی دوزخ اور قیامت کی دوزخ تینوں ان کے لیے موجود ہیں۔
مندرجہ بالا آیت ضمنی طور پر اس حقیقت کو بھی بیان کرتی ہے کہ دوزخیوں کے عذاب میں کسی قسم کا وقفہ نہیں ہے، یہاں تک کہ ایک لمحے کا وقفہ بھی نہیں ہوگا۔

اس کے بعد اس عظیم دن کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے کہتا ہے: ”تو کیا جانے کہ روز جزا کیا ہے“ (وما ادراک ما یوم الدین)۔
”پھر تو کیا جانے کہ روز جزا کیا ہے“ (ثم ما ادراک ما یوم الدین)۔
جب پیغمبر اسلام قیامت کے بارے میں وسیع آگاہی اور علم کے باوجود اس پر حکومت کرنے والے حوادث، اضطراب اور عظیم وحشت کو اچھی طرح نہیں جانتے تو باقی کا معاملہ واضح ہے۔
یہ گفتگو اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ قیامت کے ہولناک حوادث اس قدر وسیع و عظیم ہیں جو قابل

بیان میں نہیں سما سکتے اور جس طرح ہم عالم خاک کے اسیر جنت کی بے پایاں نعمتوں سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہیں جہنم کے عذاب اور اس کے حوادث سے کس طرح آگاہ ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد ایک مختصر اور پُر معنی جملہ میں اس دن کی ایک اور خصوصیت جس میں درحقیقت تمام چیزیں چھپی ہوئی ہیں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہی دن جس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے حق میں کوئی کام انجام نہیں دے سکے گا اور اس دن تمام امور خدا سے مختص ہیں“ (یوم لا تملک نفس لنفس شیئاً والا مر یومئذ للہ)۔

کام تو اس جہان میں بھی سب اسی کے دستِ قدرت میں ہیں اور سب لوگ اسی کے نیاز مند ہیں لیکن پھر بھی یہاں کبھی کبھی بہر حال مجازی مالک و حاکم اور فرماں روا موجود ہیں جنہیں سطحی نگاہ رکھنے والے افراد مستقل مبادا قدرت خیال کرتے ہیں لیکن اس دن یہ مجازی مالکیت و حاکمیت بھی ختم ہو جائے گی اور خدا کی حاکمیت مطلقہ ہر زمانہ کی بہ نسبت زیادہ واضح ہوگی۔

یہ چیز قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی آئی ہے (لَمَنْ الْمَلِکُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) ”آج کے دن حکومت کس کے لیے ہے غالب و یکتا خدا کے لیے ہے“ (مومن - ۱۶)۔

اصولی طور پر اس دن ہر شخص اس قدر اپنے آپ میں گرفتار ہوگا کہ اگر بالفرض اس میں قوت ہوتی بھی تب بھی دوسروں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ (لکل امرئ منہم یومئذ شأن یغنیہ)۔ اس دن ان میں سے ہر ایک اس طرح مبتلا ہوگا جو اس کے لیے کافی ہوگا۔ (عبس - ۳۷)۔

ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے:

(ان الامر یومئذ والیوم کلہ للہ ... اذا کان یوم القیامۃ بادت الحکام فلم یبق حاکم الا للہ)

”اور آج اور اس دن تمام کام اللہ کے اختیار میں ہیں لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام حاکم تباہ و برباد ہو جائیں گے اور خدا کی حکومت کے علاوہ کوئی حکومت باقی نہیں رہے گی۔“

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ کیا یہ تعبیر انبیاء، اولیاء اور فرشتوں کی شفاعت کے سلسلہ سے متصادم نہیں ہے۔ اس سوال کا جواب ان مباحث سے جو ہم سلسلہ شفاعت کے سلسلہ میں پہلے تحریر کر چکے ہیں واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید متعدد آیات میں تصریح کر چکا ہے کہ شفاعت خدا کے اذن اور اجازت سے ہوگی اور روزِ جزا کے شفیع اس کی رضا کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کریں گے۔

(ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ) (انبیاء - ۲۸)۔
خداوند! اس ہولناک دن کے بارے میں سب کی نظریں تیری طرف لگی ہوئی ہیں۔
ہم ابھی سے تیری طرف نظریں لگاتے ہوئے ہیں۔
پروردگارا! ہمیں اس جہان میں اُس جہان میں اپنے بے پایاں لطف و کرم
سے محروم نہ کیجیو۔
بالہذا! ہر حالت میں حاکم مطلق تو ہے ہمیں وادیِ شرک میں محصور ہونے سے بچا اور
دوسروں کی پناہ لینے سے محفوظ رکھ۔

آمین یا رب العالمین
سورۃ انفطار کا اختتام

www.sirat-e-mustaqeem.net

سورۃ مطففین

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۳۶ آیتیں ہیں

www.sirat-e-mustaqeem.net

سورہ مطففين کے مضامین کا دائرہ کار

یہ سورہ مکہ میں نازل ہو یا مدینہ میں اس کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ شان نزول بتاتی ہے کہ اس سورہ کی ابتدائی آیات جن کا موضوع کم تولنا ہے، ان لوگوں سے متعلق ہیں جو مدینہ میں اس قبیح کام میں مشغول تھے۔

لیکن دوسری آیات کا لب و لہجہ مکی سورتوں کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے جس میں مختصر اور پُر جلال آیات میں پروردگار عالم قیامت اور حوادث قیامت کی خبر دیتا ہے خصوصاً اس سورہ کی آیات جو مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے بارے میں کفار کو موضوع گفتگو بناتی ہیں۔

یہ آیتیں مکہ کے ماحول کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہیں۔ وہاں مومنین اقلیت میں تھے اور کافروں کی قطعی اکثریت تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین سورہ کے ایک حصہ کو مکی اور ایک حصہ کو مدنی سمجھتے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ سورہ مکی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ بہر حال اس سورہ کے مباحث پانچ محروم کے گرد گھومتے ہیں۔

- ۱۔ کم تولنے والوں کے بارے میں شدید تنبیہ و تہدید۔
- ۲۔ اس مفہوم کی طرف اشارہ کہ بڑے بڑے گناہوں کا سرچشمہ قیامت کے بارے میں پختہ یقین کا نہ ہونا۔
- ۳۔ اس عظیم دن فجار کی سر نوشت کا ایک حصہ۔
- ۴۔ جنت میں نیکو کاروں کو ملنے والی عظیم اور روح پرور نعمتوں کا ایک حصہ۔
- ۵۔ کفار کا مومنین سے جاہلانہ مذاق اور اس کے برعکس قیامت کے ہونے کا بیان۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے کہ (من قرأ سورۃ المطففين سقاہ اللہ من الریح المخبوم یوم القیامۃ) جو شخص سورہ مطففين پڑھے خدا اسے خالص شراب سے جو کسی کو میسر نہیں ہوئی قیامت میں سیراب کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے: من قرأ فی فرائضہ "ویل للمطففين" أعطاه الا من یوم القیامۃ من النار ولم ترہ ولم یرہا... جو شخص اپنی فرائض نمازوں میں سورہ مطففين پڑھے، خدا قیامت میں اسے عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا نہ جہنم کی آگ اسے دیکھے گی نہ وہ جہنم کی آگ کو دیکھے گا۔

یہ سب ثواب فضیلت اور برکت اس شخص کے لیے ہے جو اس کے پڑھنے کو عمل کی تمہید اور مقدمہ قرار دے۔

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۵۱۴۔

۲۔ ثواب الاعمال مطابق نقل نور الثقلین جلد ۵ ص ۵۲۴۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝
۲. الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝
۳. وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْزَ نُوحُوا خِسْرُونَ ۝
۴. لَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝
۵. لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝
۶. يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

ترجمہ

۱. وائے ہے کم تولنے والوں پر۔
۲. وہ جب خود دیتے ہیں تو اپنا حق پورا لیتے ہیں۔
۳. لیکن جب چاہتے ہیں کہ دوسروں کے لیے تولیں تو کم تولتے ہیں۔
۴. کیا وہ باور نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔
۵. عظیم دن
۶. جس روز لوگ رب العالمین کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔

شان نزول

ابن عباس کہتے ہیں جس وقت پیغمبر اکرم مدینہ میں داخل ہوئے تو بہت سے لوگ کم تولنے کے مرض میں مبتلا تھے تو خدا نے ان آیتوں کو نازل کیا اور انہوں نے قبول کیا اور کم تولنا ختم کر دیا۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے اہل مدینہ تاجر تھے اور وہ کم تولنے کے عادی تھے اور وہ بہت سے حرام کام کرتے تھے تو ایسی صورت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیتیں اہل مدینہ کو سنائیں اس کے بعد آپ نے فرمایا:

(خمس بخمس)۔ پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے مقابلہ میں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا اے خدا کے رسول کونسی پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے مقابلہ میں ہیں تو آپ نے فرمایا:

(ما نقض قوم العهد الا سلط الله عليهم عدوهم وما حكموا بخير ما انزل الله الا فشا فيهم الفقر وما ظهرت فيهم الفاحشة الا فشا فيهم الموت ولا طفقوا الكيل الا منعوا النبات واخذوا بالسنين ولا منعوا الزكاة الا حبس عنهم المطر)

کسی قوم نے عہد شکنی نہیں کی مگر یہ کہ خدا نے اس کے دشمنوں کو اس پر مسلط کر دیا اور کسی جمیعت نے حکم خدا کے خلاف حکم نہیں دیا مگر یہ کہ ان میں فقر و فاقہ زیادہ ہو گیا۔ کسی ملت کے درمیان فحاشی اور برائیاں ظاہر نہیں ہوئیں مگر یہ کہ موت کا وقوع ان میں زیادہ ہو گیا۔ کسی قوم نے کم نہیں تولنا مگر یہ کہ ان کی زراعت ختم ہو گئی اور قحط سالی نے انہیں گھیر لیا اور کسی قوم نے زکوٰۃ نہیں روکی مگر یہ کہ بارش سے محروم ہو گئے۔

مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں ان آیتوں کی شان نزول کے سلسلہ میں نقل کیا ہے کہ مدینہ میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو جہنہ تھا جس کے پاس دو چھوٹے بڑے پیانے تھے۔ خریدتے وقت بڑا پیما استعمال کر کے فائدہ اٹھاتا اور بیچتے وقت چھوٹے پیمانے سے دیتا۔ (تو یہ سورہ نازل ہوا اور اسے خبردار کیا)۔

تفسیر کم تولنے والوں پر وائے

ان آیات میں ہر چیز سے پہلے کم تولنے والوں کو شدید عذاب کا سختی ٹھہرا کر فرماتا ہے: ”وائے ہے کم تولنے والوں پر“ (ویل للمطففین)۔ یہ حقیقت میں خدا کی جانب سے ان ظالم، ستمگر اور گندے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ ہے جو بزدلوں کی طرح لوگوں کا حق پامال کرتے ہیں۔

۱۔ تفسیر فخر رازی، جلد ۳۱ ص ۸۸۔

۲۔ مضمون کو ابوالفتح اور مراغی نے اپنی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ (۲) مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۵۲۔

کسی شکل میں ہے کہ خریدتے وقت پورا پورا حق لیتے ہیں اور بیچتے وقت کمی کرتے ہیں۔
یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہم کسی کی مذمت میں کہتے ہیں۔ ”جب کسی سے اس کو کوئی چیز لینا
ہوتی ہے تو وعدہ کے مطابق (جو وقت مقرر ہو عین اسی وقت) لیتا ہے لیکن کسی کو کچھ دینا ہو تو مہینوں تاخیر
کرتا ہے۔ حالانکہ اپنی طلب کا وعدہ کے مطابق لینا کوئی بُری بات نہیں ہے لیکن ان دونوں کے تقابل کا
جائزہ لینے کے نتیجے میں بُری بات ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ حق لینے کے معاملہ میں گفتگو کیل کے بارے میں ہے لیکن دینے کے معاملہ
میں گفتگو کیل و وزن دونوں کے حوالے سے ہے۔ تعبیر کا یہ فرق ہو سکتا ہے کہ، ذیل کی دو وجہ میں سے کسی
ایک کی بنا پر ہو۔

پہلی وجہ یہ کہ خریدار عام طور پر پہلے زمانے میں کیل سے استفادہ کرتے تھے اس لیے کہ بڑی تر از دو جو
زیادہ وزن تول سکے اس زمانے میں موجود نہیں تھی لیکن بڑے پیمانے آسانی سے مل سکتے تھے (”کر“ کے
بارے میں بھی علماء نے کہا ہے کہ یہ لفظ اصل میں ایک بڑے پیمانے کا نام ہے) بیچتے وقت وہ تھوک کا
کاروبار کیل سے کرتے تھے اور وزن کے ذریعہ خوردہ فروشی کرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ حق لینے کے وقت پیمانے سے استفادہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں دھوکے
کا امکان بہت کم ہے لیکن کم تولنے کے لیے وزن کا ذریعہ زیادہ مفید ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں دھوکہ
دینے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات اگرچہ صرف کیل و وزن کے حوالے سے کم تولنے کی
بات کرتی ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ آیت کا مفہوم وسیع ہے اور اس کا اطلاق کم تولنے کے سلسلہ
میں ان چیزوں پر بھی ہے جن کا لین دین گن کر ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ آیت اپنے مفہوم کی گہرائی
کے اعتبار سے موعودہ خدمت میں کمی کرنے کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لے۔

مثال کے طور پر کوئی کاریگر یا مزدور اپنا کام صحیح طور پر مکمل نہیں کرتا تو وہ بھی مطففین کا مصداق ہے
یعنی کم تولنے والوں کی صف میں ہے جن کی یہ آیتیں سختی سے مذمت کر رہی ہیں۔

بعض مفسرین اس آیت کو اور زیادہ وسیع معانی کا حامل سمجھتے ہیں اور حدودِ خداوندی سے ہر قسم کا
تجاوز اور اجتماعی و اخلاقی روابط میں کمی کو بھی اس کے مفہوم میں شامل سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس آیت کے الفاظ
سے ان معانی کا استفادہ واضح نہیں ہے لیکن غیر مناسب بھی نہیں ہے۔

اس لیے مشہور صحابی رسول عبد اللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ نماز میں ایک معقول پیمانہ
ہے جو شخص اس کا کیل مکمل طور پر ادا کرے تو خدا اس کو اس کا اجر مکمل دے گا اور جو شخص
اس میں کمی کرے تو اس کے بارے میں وہی کچھ جاری ہوگا جو خدا نے مطففین یعنی کم تولنے والوں کے

”مطففین“ ”تطفیف“ کے مادہ سے اصل میں ”طف“ سے لیا گیا ہے جو کسی چیز کے کناروں کے معنی میں ہے اور یہ جو سر زمین کر بلا کو وادی طف کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرات کے کنارے پر واقع ہے۔

اس کے بعد ہر کم چیز پر طفیف کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ پیمانہ جو لبریز نہ ہو، وہاں بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ لفظ کم تولنے کے لیے استعمال ہوا ہے خواہ وہ کسی شکل و صورت کا ہو ”ویل“ یہاں شر، غم و اندوہ، ہلاکت یا دردناک عذاب یا جہنم کی سخت جلانے والی وادی کے معنوں میں ہے۔ عام طور پر یہ لفظ نفیرین کرنے اور کسی چیز کی قباحت کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے یا یہ کہ ایک مختصر سی تعبیر ہے جو بہت سے مفہیم کو چاہتی ہے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے لفظ ویل قرآن میں کسی شخص کے لیے استعمال نہیں کیا مگر یہ کہ اس کو کافر کہا ہے (فویل للذین کفروا من مشہد یوم عظیم) ”وائے ہے کافروں پر عظیم دن کے مشاہدہ سے“ (مریم - ۳۷)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کم تولنے سے کفر کی بُرائی ہے۔ اس کے بعد مطففین یعنی کم تولنے والوں کے کام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے لیے تولتے ہیں تو اپنا حق مکمل طور پر وصول کرتے ہیں“ (الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون)۔

لیکن جب وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے لیے تولیں تو کم تولتے ہیں (واذا کالوہم او وزنوہم یخسرون)۔

مفسرین کی ایک جماعت نے مندرجہ بالا آیات سے اس طرح استفادہ کیا ہے کہ مطفف سے مراد وہ شخص ہے جو فرید تے وقت اپنا حق زیادہ لیتا ہے اور بچتے وقت مقابل کو اس کے حق سے کم دیتا ہے اسی لیے خدا نے دونوں پہلوؤں کے پیش نظر ان پر ویل رکھی ہے۔

لیکن یہ ایک اشتباہ ہے اور غلط ہے کیونکہ ”یستوفون“ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا حق مکمل طور پر وصول کرتے ہیں اور ایسا پہلو جس میں اپنے حق سے زیادہ لینے کی بات ہو اس عبارت میں موجود نہیں ہے اور یہ جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا نے ان کی مذمت کی ہے ان دونوں حالتوں کے ایک دوسرے سے تقابل

۱۔ اصول کافی مطابق نقل نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۷۔

۲۔ یہاں علی الناس کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ لوگوں پر وہ کوئی حق رکھتے ہیں اور تقدیر اذا کالوا علی الناس بھی اور اصولاً کال علیہ وہاں کہا جاتا ہے جہاں کیل کا مقصد حق لینا ہوتا ہے باقی رہا کال اور کال لہ اس جگہ سے مربوط ہے جہاں کیل سے مراد دوسرے کا حق دینا ہے۔ (غور کیجئے)۔

بارے میں فرمایا ہے یتلہ
اس کے بعد پروردگار عالم ایسے لوگوں کو تنبیہ یعنی استفہام توہین کے ذریعے متنبہ کرتے ہوئے
فرماتا ہے :

”کیا وہ باور نہیں کرتے کہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے“ (الا یظن اولئک انھم مبعوثون)
”عظیم دن“ (لیوم عظیم)۔ وہ دن جس کا حساب عذاب اور اس کی ہولناکی اور
سب عظیم ہیں۔ ”وہ دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے“
(لیوم یقوم الناس لرب العالمین)۔

یعنی وہ اگر قیامت کو باور کرتے اور جانتے کہ حساب کتاب ہونا ہے اور تمام اعمال ایک عظیم
عدالت میں محاکمہ کے لیے پیش ہوں گے اور جس شخص نے سوئی کی نوک کے برابر بھی اچھا یا بُرا کام کیا
ہے اس کا نتیجہ وہ اس عظیم دن دیکھے گا، پھر وہ کبھی اس قسم کا ظلم و ستم نہ کرتے اور لوگوں کے حقوق
پامال نہ کرتے۔

بہت سے مفسرین ”لظن“ کو جو ظن کے مادہ سے ہے یہاں یقین کے معنی میں سمجھتے ہیں۔ اس
تعبیر کی نظیر قرآن مجید میں موجود ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۹ (قال الذین یظنون انھم ملاقوا
اللہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ) جو مانتے تھے کہ خدا سے ملاقات کریں گے (او
وہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے تھے) ”انہوں نے کہا کہ کئی چھوٹے گروہ تھے جو حکم خدا سے بڑے گروہ
کے مقابلے میں کامیاب ہوئے“ (تو جو رکھیں کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے بارے میں ہے جس
نے ایمان و استقامت کا مختلف مراحل میں مظاہرہ کیا تھا)۔

اس بات کی شاہد و ناطق وہ حدیث ہے جو امیر المومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے آیہ
(الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم) کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ (الیس یوقنون
انھم مبعوثون)؟ کیا انہیں یقین نہیں ہے کہ وہ قبروں سے اٹھیں گے؟

انہی حضرت سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ظن کی دو قسمیں ہیں، ظن تردید اور ظن یقین۔ جو
قرآن میں معاد و قیامت کے بارے میں آیا ہے وہ ظن یقین ہے اور جو کچھ دنیا کے بارے میں آیا ہے
وہ ظن شک ہے یتلہ

ایک جماعت کی طرف سے یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ ظن سے یہاں مراد موجودہ دور کے مشور

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۵۲۔

۲۔ تفسیر برہان جلد ۴ ص ۳۸۔

۳۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۸۔

معانی نچان ہیں جو اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کی جان اور روح میں قیامت کی طرف توجہ کرنا اس طرح اثر کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا گمان بھی کرتا ہو اور اس کو اس دن کا احتمال بھی ہو تو وہ بڑے کاموں سے اجتناب کرے چہ جائیکہ اس کا یقین رکھتا ہو۔ یہ وہی چیز ہے جو علماء کے درمیان دفع غرر مظلون یا دفع ضرر محتمل کے عنوان سے مشہور ہے۔

اب اس بات کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ بے پرواہ اور بے باک گنہگار نہ صرف یہ کہ قیامت کا یقین نہیں رکھتے بلکہ اس کا گمان بھی نہیں رکھتے لیکن پہلی تفسیر، اُن وجہ کی بنا پر، جو بیان کی گئی ہیں مقدم ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ لفظ ظن راغب کے مفردات کی رو سے اصل میں اس حالت کا نام ہے جو چند قرائن کے ہونے کی وجہ سے فکر انسانی کو حاصل ہوتی ہے اگر نشانیاں قوی ہوں تو علم و یقین لے آتی ہے اور اگر نشانیاں کمزور ہوں تو پھر وہ گمان کی حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ اس بنا پر مذکورہ لفظ، اس کے برخلاف جو ہمارے زمانہ میں مشہور ہے، وسیع مفہوم رکھتا ہے جس میں علم اور گمان دونوں شامل ہیں اور دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ایک نکتہ

بحم تو ن فساد فی الارض کا ایک سبب ہے

قرآن مجید کی آیات میں کئی مرتبہ کم تولنے کی مذمت کی گئی ہے کبھی حضرت شعیبؑ کے واقعہ میں جہاں وہ قوم کو خطاب کر کے کہتے ہیں (اوفوا الکیل ولا تکنوا من المفسدین وذنوا بالقسطاس المستقیم ولا تبخسوا الناس اشیاءهم ولا تحشوا فی الارض مفسدین) ”پیمانے کے حق کو ادا کرو اور دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ وزن صحیح ترازو میں کرو اور لوگوں کے حق میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو“ (شعرا۔ ۱۸۱ تا ۱۸۳)۔

اس طرح وزن کرتے وقت اور چیز کو پیمانے سے ناپتے وقت تولنے کو اور انصاف کو نظر انداز کرنے کو فساد فی الارض بتایا گیا ہے اور یہ کام اجتماعی مفاسد میں سے ایک ہے۔ سورہ رحمن کی آیت ۷، ۸ میں وزن کرتے وقت انصاف سے کام لینے کو عالم ہستی کے نظام تخلیق میں جو عدالت کا فرما ہے، اس کے برابر قرار دیا گیا ہے فرماتا ہے: (والسما رفعها و وضع المیزان الا تطغوا فی المیزان) ”خدا نے آسمان کو بلند کیا اور ہر چیز میں میزان و حساب رکھا تا کہ تم وزن و حساب میں طغیان و سرکشی سے کام نہ لو“

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ناپ تول میں عدل کی رعایت کا مسئلہ کم اہم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اصل عدالت ہے اور سارے نظام ہستی پر حاکم نظم کلی کا ایک جز ہے۔

اسی بنا پر عظیم آئمہ اسلام نے اس مسئلہ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، یہاں تک کہ اصبح بن نباتہ کی مشہور روایت میں آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ سے سنا کہ آپ منبر پر فرما رہے تھے:

(یا معشر التجار! الفقہ نشوا المتجر) ”اے گروہ تجار پہلے فقہ کی تعلیم حاصل کرو اس کے بعد تجارت کرو“ اس بات کی امام نے تین بار تکرار کی اور اس کلام کے آخر میں فرمایا:

(التاجر فاجر والفاجر فی النار الا من اخذ الحق واعطى الحق) ”تجارت کرنے والا فاجر ہے اور فاجر دوزخی ہے سوائے اس کے جو صرف اپنا حق لوگوں سے لے اور لوگوں کا حق ادا کرے“

ایک اور حدیث میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جس وقت امیر المومنین علیؑ کو ذمہ میں تھے تو آپ ہر روز صبح کے وقت کوفہ کے بازاروں میں آتے اور ایک ایک بازار میں گشت کرتے اور تازیانہ آپ کے کاندھے پر ہوتا ہر بازار کے وسط میں کھڑے ہو جاتے اور بلند آواز سے کہتے اے گروہ تجار! خدا سے ڈرو۔

جس وقت حضرت علیؑ کی پکار کو سنتے تو جو کچھ تاجروں کے ہاتھ میں ہوتا رکھ دیتے اور پورے خلوص کے ساتھ آپ کی باتوں کو سنتے۔ اس کے بعد آپ فرماتے:

(قدموا الاستخارة وتبرکوا بالسهولة واقتربوا من البتاعین وتزینوا بالحلم وتناھوا عن الیمین وجانبوا الکذب وتجاؤا عن الظلم وانصفوا المظلومین ولا تقربوا الربا وادفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءهم ولا تعثوا فی الارض مفسدین)

”خدا سے خیر طلب کرو اور لوگوں کے ساتھ معاملہ آسان کر کے برکت چاہو اور خریداروں کے پاس جاؤ، حلم و بردباری کو اپنی زینت قرار دو، قسم کھانے سے پرہیز کرو، جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو، ظلم سے بچو اور مظلوموں کا حق ظالموں سے لے کر دو، سود کے قریب نہ جاؤ، پیمانے اور وزن کے معاملہ میں پورے پورے انصاف سے کام لو، لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں باعث فساد نہ بنو“

اس طرح آپ کوفہ کے بازاروں میں گردش کرتے، اس کے بعد دار الامارۃ کی طرف پلٹ آتے اور لوگوں کی داد خواہی اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھ جاتے۔

اور جیسا کہ ان آیات کی شان نزول میں بھی آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: ”جو گروہ کم تولے گا خدا

۱۔ کافی جلد باب آداب التجارة حدیث ۱۔

۲۔ کافی باب آداب التجارة حدیث ۳ (تھوڑے سے اختصار کے ساتھ)۔

اس کی زراعت اس سے چھین لے گا اور اسے قحط سالی میں مبتلا کر دے گا۔ جو کچھ اوپر کھایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گزشتہ اقوام کی بربادی اور ان پر عذاب نازل ہونے کے عوامل میں سے ایک عامل یہ ہے کہ وہ کم تولتے تھے۔ ان کا یہ اقدام ان کی اقتصادی بد حالی اور نزول عذاب خدا کا سبب بنا۔

یہاں تک اسلامی روایات میں آداب تجارت کے سلسلہ میں آیا ہے کہ مومنین کے لیے بہتر ہے کہ پیمانہ بھرتے اور وزن کرتے وقت کچھ زیادہ دیں اور لیتے وقت اپنا حق کچھ کم لیں (ان لوگوں کے کام کے بالکل برعکس جن کی طرف مندرجہ بالا آیات میں اشارہ ہوا ہے کہ وہ اپنا حق تو پورا پورا وصول کرتے تھے لیکن دوسروں کا حق کم دیتے تھے)۔

دوسرے جیسا کہ ہم نے اوپر والی آیت کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے، بعض مفسرین کے نظریہ کے مطابق وسیع معافی کا حامل ہے جو ہر قسم کی اجتماعی و انفرادی اور خدا سے خلق رخصنے والی ذمہ داریوں کے انجام دینے کے سلسلہ میں کمی ہو سکتی ہے اس کو بھی اپنے دامن میں لیے لے لے ہے۔

- ۷ کَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سَجِّينٍ ۝
 ۸ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِّينٌ ۝
 ۹ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝
 ۱۰ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

ترجمہ

- ۷ اس طرح نہیں ہے (جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں)،
 یقیناً فاجروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔
 ۸ تو کیا جانے کہ سجین کیا ہے؟
 ۹ رسم زدہ نامہ اور سر نوشت ہے۔
 ۱۰ داتے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں پر۔

تفسیر

تو کیا جانے کہ سجین کیا ہے؟

اس بحث کے بعد، جو گزشتہ آیات میں کم تو لے والوں کے بارے میں اور قیامت کے دن کے بارے میں گناہ اور ایمان راسخ نہ ہونے کے رابطہ کے سلسلہ میں آئی تھی، ان آیتوں میں اس روز بدکاروں اور فاجروں کا جو حال ہو گا، اس کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتا ہے پہلے فرماتا ہے:

”اس طرح نہیں ہے جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ حساب و کتاب نہیں ہو گا بلکہ فاجروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے“ (کَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سَجِّينٍ)۔ ”تو کیا جانے سجین کیا ہے“ (وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِّينٌ)۔ ”ایک مُرزدہ تحریر اور نامہ ہے“ (كِتَابٌ مَّرْقُومٌ)۔

ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں دو عمدہ نظریے ہیں:

۱۔ کتاب سے مراد انسان کا وہی نامہ اعمال ہے۔ کوئی چھوٹا یا بڑا ایسا کام نہیں ہے جس کا اس میں شمار

نیک کیا ہو۔ تمام باتیں بے گم و کاست اس میں درج ہیں۔
اور سچین سے مراد ایک جامع کتاب ہے جس میں تمام انسانوں کے نامہ ہائے اعمال جمع کیے گئے ہیں۔ سادہ اور عام تعبیر میں وہ ایک ایسے مکمل رجسٹر کے مانند ہے جس میں ہر ایک قرض خواہ اور مقروض کا حساب علیحدہ اور مستقل صفحہ پر تحریر ہے۔

البتہ ان آیات اور بعد کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بدکاروں کے اعمال سچین نامی کتاب میں ہیں اور تمام نیک افراد کے اعمال ایک دوسری کتاب میں درج ہیں جس کا نام علیین ہے۔
”سچین سچن کے مادہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی زندان کے ہیں۔ اس کے مختلف معانی ہیں۔ سخت و شدید زندان، محکم موجود، قعر جہنم میں ایک بہت ہی ہولناک وادی، وہ جگہ جہاں بدکاروں کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں اور جہنم کی آگ لے

طریقی مجمع البحرین میں سچن کے مادہ کے بارے میں کتا ہے: (رو فی التفسیر ہو کتاب جامع دیوان الشر و دن اللہ فیہ اعمال الکفرة والفسقة من الجن والانس) تفسیر میں آیا ہے کہ سچین ایک کتاب ہے جو برائیوں کے دیوان کا جامع ہے جس میں خدا نے جن و انس میں سے کافروں اور فاسقوں کے اعمال کو مدون کیا ہے طریقی نے واضح نہیں کیا کہ اس تفسیر سے مراد کونسی تفسیر ہے، آیا وہ معصوم سے منقول ہے یا کسی غیر سے۔

جو قرآن ان معانی کی تائید کرتے ہیں وہ درج ذیل سے عبارت ہیں

- ۱۔ قرآن مجید میں اس قسم کے مواقع پر کتاب کی تعبیر عام طور پر نامہ اعمال کے معنوں میں ہے۔
- ۲۔ آخری آیت جو سچین کی تفسیر کی شکل میں بیان ہوئی ہے کہتی ہے: ”وہ کتاب ہے مہرزہ اور یہ جو بعض نے آیت کو سچین کی تفسیر کے طور پر قبول نہیں کیا، یقیناً ظاہر کے برخلاف ہے۔
- ۳۔ بعض نے کہا ہے سچین و سچیل کے ایک ہی معنی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ سچل (سین اور جیم کے زیر اور لام پر تشدید کے ساتھ) بہت بڑی کتاب کے معنی میں ہے۔
- ۴۔ قرآن کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال چند کتابوں میں منضبط ہوتے ہیں، تاکہ حساب کے وقت کسی قسم کا عذر یا بہانہ کسی شخص کے لیے باقی نہ رہے۔
- ایک تو شخصی اعمال نامہ ہیں جو قیامت میں متعلقہ افراد کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ نیکو کاروں کو

دائیں ہاتھ میں اور بدکاروں کو ان کے بائیں ہاتھ میں۔ آیات قرآنی میں اس کی طرف بہت اشارہ ہوا ہے۔ دوسری کتاب وہ ہے جسے امتوں کے نامہ اعمال کا نام دیا جاسکتا ہے جس کی طرف سورہ جاثیہ کی آیت ۲۸ میں اشارہ ہوا ہے۔ (کل امة تدعی الی کتابہا) "قیامت کے دن ہر امت کو اس کے نامہ اعمال کی طرف پکارا جائے گا۔

تیسرا نامہ اعمال عمومی ہے وہ تمام نیکوکاروں اور بدکاروں کا نامہ اعمال ہے جس کا زیر بحث آیات اور آنے والی آیات میں سنجین اور علیین کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس تفسیر کے مطابق سنجین وہی دیوان کل ہے جس میں تمام بدکاروں کے نامہ اعمال جمع ہوں گے۔ اس کو سنجین اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دیوان کے مشتملات ان کے جہنم میں زندانی اور مقید ہونے کا سبب ہوں گے نیکوکاروں کی کتاب کے برعکس جو اعلیٰ علیین بہشت میں ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ سنجین اسی مشہور و معروف معنی یعنی دوزخ کے لیے استعمال ہوا ہے جو تمام بدکاروں کے لیے بہت بڑا زندان ہے یا دوزخ میں ایک سخت جگہ ہے۔

اور کتاب فجار سے مراد وہی سرفروشت ہے جو ان کے لیے تحریر ہوئی ہے اس بنا پر اس آیت کے یہ معنی ہوں گے "مقرر و مستم سرفروشت بدکاروں کی جہنم میں ہے"

اور لفظ کتاب کے استعمال قرآن میں اسی معنی میں بہت مقامات پر ہیں، مثلاً سورہ نساء کی آیت ۲۲، بعد اس کے کہ فرماتا ہے:

"مشوہر دار عورتیں تم پر حرام ہیں" مزید کہتا ہے:

(کتاب اللہ علیکم) یہ حکم (اور اس سے پہلے کے احکام) ایسے ہیں جو خدا نے تمہارے لیے مقرر کر دیئے ہیں

اور سورہ انفال کی آیت ۵، میں ہم پڑھتے ہیں:

(واولوا الارحام بعضہم اولى ببعض فی کتاب اللہ) "رشتہ دار ایک دوسرے کی بہ نسبت ان احکام میں جو خدا نے مقرر کیے ہیں (دوسروں سے) زیادہ سزا دار اور حقدار ہیں"

وہ مطلب جو اس تفسیر کی تائید کرتا ہے، یہ ہے کہ سنجین اپنے اسی مشہور معنی میں ہیں جو اخبار و آثار اسلامی میں بیان ہوا ہے یعنی اس کی تفسیر جہنم کی گئی ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں آیا ہے کہ "ان کتاب الفجار لفی سنجین" کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ان کے لیے عذاب مقرر کیا گیا ہے وہ سنجین (دوزخ) میں ہے۔

ایک حدیث امام محمد باقر سے بھی منقول ہے کہ (السجین الارض السابعة وعلیون السماء

السابعة) سچیں ساتویں زمین اور علیین ساتواں آسمان ہے (سب سے بخلی اور سب سے اوپر والی جگہ کی طرف اشارہ ہے)۔

جگہ کی طرف اشارہ ہے)۔
متعدد روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعمال جو قربِ خدا کے لائق نہیں ہیں ساقط ہوجاتے
گے اور سچین میں مترار پائیں گے جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے:
ان الملك لیصعد بعمل العبد مبتہجاً فاذا صعد بحسناتہ یقول

اللہ عزوجل اچلوہا فی سجن انہ لیس ایای اراد فیہا۔
 کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ بندہ کے عمل کو خوشی خوشی آسمان کی طرف لے جاتا
 ہے تو خداوند عزوجل فرماتا ہے اے سجن میں مت درود اس لیے کہ اس کا مقصد میری
 رضا نہیں تھا۔

ان تمام روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سچیں جہنم میں ایک بہت ہی پست جگہ ہے جس میں بدکاروں کے اعمال یا نامہ اعمال رکھے جائیں گے۔

بدکاروں کے اعمال یا نامہ اعمال دیکھے جائیں گے۔
یا ان کی سرفروشت یہ ہے کہ وہ اس زندان میں گرفتار رہیں گے۔ اس تفسیر کے مطابق
رکتاب مرقوم کا جملہ تاکید ہے ”ان کتاب الفجار لفی سجون“ کے جملے کی (نہ یہ کہ سجون کی تفسیر
ہے) یعنی یہ ان کے لیے لکھی ہوئی حتمی اور قطعی سزا ہے۔

”مرقوم“، رستم (بروزن زخم) واضح خط (تحریر) کے معنی میں ہے اور چونکہ خطوط یا تحریریں ابہام سے خالی ہوتی ہیں لہذا ممکن ہے کہ یہ تعبیر ابہام سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہو، وہ چیز جو نہ کبھی غلط ہوتی ہے نہ فراموش ہوگی۔

ہوتی ہے نہ فراموس ہوتی۔
یہ دونوں تفسیریں بھی صحیح ہو سکتی ہیں اس لیے کہ پہلی تفسیر میں سچین بدکاروں کے کل اعمال کے
دیوان کے معنی میں ہے اور دوسری تفسیر میں دوزخ کی گہرائی اور گڑھے کے معنوں میں ہے اور یہ ظاہر ہے
کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔

کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔
یعنی جس وقت انسان کا نامہ اعمال بدکاروں کے کل اعمال کا دیوان قرار دیا گیا تو یہی سبب بنے گا کہ اسے پست ترین مقام یعنی دوزخ کے گڑھے میں پھینچ کر لے جائیں۔
آخری اور زیر بحث آیت میں ایک دل ہلا دینے والے جملے سے منکرینِ معاد و قیامت کی منحوس عاقبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

۱۷ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۳۰ حدیث ۱۵۔

۲۷ ایضاً " " " " حدیث ۱۹-

”وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں پر“ (ویل یومئذ للمکذبین)۔
وہ تکذیب جو انواع و اقسام کے گناہوں کا سرچشمہ ہے جن میں سے ایک کم تو لگتا ہے
پہلی آیت میں فرماتا ہے:

(ویل للمطففین) اور یہاں فرماتا ہے: (ویل یومئذ للمکذبین)، وہ تعبیر مختصر
ہونے کے باوجود انواع و اقسام کے دردناک عذابوں اور ہولناک مصائب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔
قابل توجہ یہ کہ پہلی آیت میں گفتگو کم تو لینے والوں کے بارے میں ہے اس کے بعد بدکاروں کی بات
ہے، اور آخری آیت میں منکرین قیامت کا ذکر ہے اور اچھی طرح بتاتا ہے کہ اس اعتقاد اور ان اعمال
کے درمیان قریبی رابطہ ہے جو آنے والی آیات میں زیادہ واضح طور پر منعکس ہوا ہے۔

- ۱۱) الَّذِينَ يَكْذِبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝
 ۱۲) وَمَا يَكْذِبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝
 ۱۳) إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝
 ۱۴) كَلَّا بَلْ عَنَرَانِ عَلَىٰ قُلُوبِهِمَا مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝
 ۱۵) كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمْ حُجُّوْا ۝
 ۱۶) شَعَرَانَهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ۝
 ۱۷) شَعَرُ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝

ترجمہ

- ۱۱) وہی جو قیامت کے دن انکار کرتے ہیں۔
 ۱۲) صرف وہی لوگ اس کا انکار کرتے ہیں جو گنہگار اور تجباز و زحرے والے ہیں۔
 ۱۳) وہی شخص کہ جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ گزشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔
 ۱۴) اس طرح نہیں جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں بلکہ ان کے اعمال ان کے دلوں پر زنگ کی طرح ہیں۔
 ۱۵) ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ اس دن اپنے پروردگار سے محبوب ہوں گے۔

(۱۶)

اس کے بعد وہ یقیناً جہنم میں وارد ہوں گے۔

(۱۷)

پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی چیز ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

تفسیر

گناہ دلوں کا زنگ ہیں

گزشتہ آیات کی آخری آیت میں مکذبین اور جھٹلانے والوں کی منحوس سرنوشٹ کی طرف اشارہ تھا۔ زیر بحث آیات پہلے ان افراد کا تعارف کراتی ہیں اور کہتی ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو روز جزا کا انکار کرتے ہیں (الذین یکذبون بیوم الدین)۔ اور اس کے بعد مزید کہتا ہے:

”صرف وہ لوگ روز جزا کی تکذیب کرتے ہیں جو متجاوز اور گنہگار ہیں“ (وما یکذب بہ الا کل معتد اثیم)۔ یعنی انکار قیامت کا اصل سبب منطق، استدلال اور تفکر نہیں ہے، بلکہ جو افراد چاہتے ہیں کہ زیادتیاں کرتے رہیں اور گناہ کرتے رہیں وہ قیامت کا انکار کر دیتے ہیں (توجہ فرمائیں کہ اثیم صفت مشقیر ہے جو استمرار اور گناہ کو جاری رکھنے پر دلالت کرتی ہے)۔

وہ چاہتے ہیں کہ کسی قسم کے احساس ذمہ داری کے بغیر اپنے گمان کے مطابق انتہائی آزادی کے ساتھ اور ہر قسم کے دباؤ اور ذہنی پریشانی کے بغیر اپنی برائیوں اور قباحتوں کو جاری رکھیں اور کسی قانون کو قانون نہ سمجھیں۔

یہ چیز اس چیز کے مانند ہے جو سورہ قیامت کی آیت ۵ میں آئی ہے (بل یرید الانسان لیفجر اماما) ”بلکہ انسان چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ عمر میں مسلسل فسق و فجور کی راہ اختیار کیے (یعنی) اس لیے وہ قیامت کی تکذیب کرتا ہے۔“

جس طرح عقیدہ عمل پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح غلیظ اعمال عقائد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ دعائی بعد والی آیات کی تفسیر میں زیادہ واضح ہوں گے۔

بعد والی آیات میں قیامت کا انکار کرنے والوں کی تیسری صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

”جب ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: ”یہ گزشتہ لوگوں کے بے بنیاد مطالب اور افسانے ہیں“ (اذا تتلى علیه اياتنا قال اساطیر الاولین)۔“

یہ لوگ علاوہ اس کے کہ تجباز کرنے والے (معتد) اور گناہ گار ہیں، آیات الہی کا مذاق اڑاتے ہیں، انہیں کہانیاں اور موہوم قصے بتاتے ہیں، ایسے قصے جو انسان کے نادانی کے

زمانے کی یادگار ہیں بلکہ

اور اس بہانے سے چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو ان آیات کی سماعت سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس سے بچالیں۔ نہ صرف اس سورہ میں بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی ہم پڑھتے ہیں کہ جسارت کرنے والے مجرم دعوتِ خداوندی سے منحرف ہونے کا یہی بہانہ کرتے تھے۔

قرآن مجید کی نو آیتوں میں یہی مضمون واضح کیا گیا ہے کہ مشرکین قرآن مجید کی آیتوں کے مقابلہ میں اسی بہانے سے کام لیتے تھے (وقالوا اساطیر الاولین اکتبھا فہی تملى علیہ بکرة واصلًا) ”انہوں نے کہا یہ قرآن گزشتہ لوگوں کے افسانوں اور قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے، جسے اس نے لکھا ہے اور صبح و شام اسے لکھایا جاتا ہے“ (فرقان - ۵)۔

سورہ احقاف کی آیت ۱۷ میں ایک سرکش جوان کی زبانی جو اپنے مہربان اور مومن ماں باپ کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے ہم اس طرح سنتے ہیں کہ اپنے ماں باپ کی تمام نصیحتوں کا یہ کہہ کر مذاق اڑاتا ہے کہ (ما ھذا الا اساطیر الاولین)۔ یہ باتیں جو تم کرتے ہو گزشتہ لوگوں کی بے بنیاد باتوں اور افسانوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ زیر بحث آیت نصر بن حارث بن کلدہ، پیغمبر اسلام کی خالہ کے بیٹے کے بارے میں جو کفر و ضلالت کے سرغٹوں میں سے تھا، نازل ہوئی ہے۔

لیکن واضح رہے کہ آیت کا نزول کسی خاص مورد میں اس سے مانع نہیں ہے کہ دوسروں کے بارے میں صادق آئے، بہر حال سرکش لوگ وجدان کی تنبیہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے اور حق پسند لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے ہمیشہ فضول قسم کے بہانے بناتے رہتے ہیں تاکہ خود اس طرح سکون حاصل کریں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ عام طور پر ایک ہی انداز سے بات کرتے تھے، گویا تاریخ کے طویل دور میں ایک دوسرے کے کان میں کہہ جاتے تھے سحر، کمانت، جنون اور افسانہ وغیرہ۔ لیکن قرآن اس کے بعد آنے والی آیت میں ایک مرتبہ پھر ان کی سرکشی کے اصل سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے:

ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ ان کے بُرے اعمال ان کے دل پر زنگ بن کر لٹے ہوئے ہیں اور وہ حقیقت کے ادراک سے محروم ہو گئے ہیں (کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ مَا کَانُوا یَکْسِبُونَ)۔ عجیب دل بلا دینے والی تعبیر ہے ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے

۱۔ ”اساطیر“۔ ”اسطوره“ کی جمع ”سطر“ کے مادہ سے عام طور پر سوہوم قصوں اور جھوٹی باتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اور وہ نور جو خدا داد فطرت کی بنا پر تھا سلب کر لیا ہے۔ اس وجہ سے حقیقت کا چہرہ جو آفتاب عالم کی طرح درخشاں ہے ان کے دلوں پر ہرگز روشنی نہیں ڈالتا اور انوارِ وحی کا پر تو منعکس نہیں ہوتا۔

”دان“ ”دین“ (بروزن عین) کے مادہ سے جیسا کہ راغب نے کہا ہے، وہی رنگ ہے جو قیمتی چیزوں کو لگ جاتا ہے۔ اور بعض دوسرے ارباب لغت کے بقول سرخ رنگ کا چھلکا ہے جو ہوا کی رطوبت کے زیر اثر لوہے اور دوسری اسی قسم کی چیزوں پر چپک جاتا ہے جسے فارسی میں رنگ یا رنگار کہتے ہیں اور عام طور پر وہ اسی دھات کے پرانے اور بوسیدہ ہونے کی نشانی ہے اور طبعی طور پر اس کی شفافیت اور درخشندگی کے ختم ہونے کی علامت ہے۔

کبھی اس لفظ کی ایک چیز سے دوسری چیز پر غلبہ حاصل کرنے، یا کسی چیز میں اس طرح گرنے سے جس سے بچانہ جاسکے تفسیر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ سب چیزیں ان اصلی معانی کا لازمہ ہیں۔

دل کی نورانیت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں گناہ کے تباہ کن اثرات پر ہم بحث کریں گے جسے نکات کے عنوان کے ماتحت ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں فرماتا ہے: ”ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس دن وہ اپنے پروردگار سے محبوب ہوں گے“ (کَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ)۔ اور یہ کہ ان کی زیادہ دردناک سزا ہے۔ یہ اس بالاتر اور زیادہ لذت بخش نعمت کا بالکل تضاد ہے جو نیک لوگوں کو پروردگارِ عالم کی معنوی ملاقات اور اس کی بارگاہِ قرب میں حضور سے حاصل ہوگا۔

کَلَّا عام طور پر اس بات کی نفی کے لیے آتا ہے جو پہلے سے بیان شدہ ہو اور یہاں مفسرین نے کئی احتمال تجویز کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ کَلَّا اس کی تاکید ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے یعنی اس طرح نہیں ہے کہ جس طرح انہوں نے قیامت کے دن کا افسانے اور کہانی کے طور پر تعارف کرایا ہے۔

یابہ کہ اس طرح نہیں ہے کہ وہ رنگ جو ان کے دلوں پر لگ چکا ہے وہ اتر جائے۔ وہ اس جہان میں بھی جہاں حق کے مشاہدہ سے محروم ہیں اور دوسرے جہان میں بھی۔

یابہ کہ جس طرح قرآن کی دوسری آیات میں آیا ہے کہ وہ مدعی تھے کہ اگر بالفرض قیامت ہو بھی تب بھی وہ خدا کی انواع و اقسام کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں گے۔

۱۔ تفسیر خازن در ذیل آیت زیر بحث اور المنجد مادہ دین کی طرف رجوع فرمائیں۔

۲۔ سورہ کہف کی آیت ۳۶ میں آیا ہے (وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رَدَدْتَ اِلَى رَبِّ لَاجِدٌ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا) میں بالکل باہر نہیں کرتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹوں بھی اور قیامت ہو بھی پھر بھی اس جگہ سے بہتر جگہ وہاں پاؤں گا (ان معانی کی نظیر سورہ فصلت کی آیت ۵۰ میں بھی آئی ہے)۔

اس طرح نہیں ہے جس طرح وہ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ قیامت میں شدید ترین عذابوں اور سخت ترین شکنجوں میں گرفتار ہوں گے۔

جی ہاں! آخرت انسان کے اس دنیا کے اعمال کا عکس اور عظیم تجسم ہے۔ وہ لوگ جو یہاں مشاہدہ حق سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور ان کے اعمال زنگ بن کر ان کے دلوں پر لٹکے ہوئے ہیں وہاں بھی پروردگار سے محبوب ہوں گے اور جمال حق کے مشاہدہ کی طاقت ان میں نہیں ہوگی اور وہ محبوب حقیقی کے لٹائے معنوی سے محروم رہیں گے۔

اس کے بعد وہ یقیناً جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے (ثُمَّ اَنْهَضُوْا لِمَا لَوْا الْجَحِيْمُ)۔ یہ جہنم میں ورود پروردگار سے محبوب ہونے کا نتیجہ ہے اور ایک ایسا اثر ہے جو اس سے جدا نہیں ہے اور بحیثیت مسلم دیدار حق سے محرومیت کی آگ جہنم کی آگ سے بھی زیادہ جلانے والی ہے۔ اور آخری آیت میں فرماتا ہے: ”پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی چیز ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے“ (ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تَكْذِبُوْنَ)۔ یہ بات ان سے بطور توبیخ و ملامت و سرزنش کہی جائے گی اور یہ اس بیوقوف اور ہٹ دھرم کردہ کے لیے ایک روحانی عذاب ہے۔

چند نکات

۱۔ دل کے لیے گناہ کیوں زنگ ہے

نہ صرف اس سورہ کی آیات میں دل کو تار یک کرنے پر گناہ کی تاثیر کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے بلکہ قرآن مجید کی بہت سی دوسری آیتوں میں بھی ان معانی کی کئی مرتبہ تکرار کی گئی ہے اور بڑی صراحت کے ساتھ انہیں قابل توجہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے:

(كَذٰلِكَ يَطْبِعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ) ”اسی طرح خدا ہر متکبر جبار اور سرکش کے دل پر ٹھہر لگا دیتا ہے“ (مومن - ۳۵)۔ ایک دوسری جگہ ہٹ دھرم اور عناد رکھنے والے گناہ گاروں کے گردہ کے بارے میں فرماتا ہے:

(خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلَیْ سَمْعِهِمْ وَعَلَیْ اَبْصَارِهِمْ غَشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ) ”خدا نے ان کے دلوں پر ٹھہر لگا دی ہے اور اسی طرح ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے“ (بقرہ - ۷)۔ اور سورہ حج کی آیت ۴۶ میں ہم پڑھتے ہیں: (فَاَمَّا لَا تَعْمٰی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمٰی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ) ظاہری آنکھیں نابینا نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل ہیں جو سینوں میں اندھے اور نابینا ہو جاتے ہیں۔

جی ہاں! گناہ اور اس کو جاری رکھنے کا بدترین اثر دل کا تار یک ہو جانا ہے اور نورِ علم اور حس کا

سوچنے کے طریقہ اور فیصلہ کرنے کے انداز پر بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں۔
یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ انسان گناہ کو جاری رکھنے کے نتیجے میں رفتہ رفتہ روح کی تاریکی میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور ایسی منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو اپنے گناہ حسنت نظر آتے ہیں یعنی وہ اپنی برائیوں ہی کو اچھائیاں سمجھنے لگتا ہے۔ وہ بعض اوقات اپنے گناہ پر فخر کرتا ہے ایسی منزل پر پہنچ کر اس کے لیے واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا یہ ایک خطرناک ترین حالت ہے جو ایک انسان کو پیش آتی ہے۔

۲۔ روح و جان کے چہرہ پر عذاب

اگرچہ بہت سے مفسرین نے کوشش کی ہے کہ آیت (کَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحُجُونَ) میں کسی چیز کو مقدر قرار دیں اور کہیں کہ یہ گناہ گار خدا کی رحمت سے محبوب ہوں گے یا اس کے احسان کرامت اور ثواب سے محبوب ہوں گے لیکن بظاہر آیت کسی تقدیر کی محتاج نہیں ہے۔
وہ واقعتاً پروردگار سے محبوب ہوں گے جبکہ نیک اور پاک افراد قرب خداوندی کی منزل پر فائز ہوں گے اور دیدار محبوب اور اس کے شہود باطنی سے بہرہ مند ہوں گے۔
یہ بے ایمان اور گنہگار دوزخی ہیں جو اس فیض عظیم اور نعمت بے نظیر سے محروم ہیں۔ بعض پاک دل مومن اس جہان میں بھی اس دیدار سے فیضیاب ہوتے ہیں جبکہ کور دل مجرم اس جہان میں بھی اس فیض سے محروم ہوں گے۔ پاک دل ہمیشہ حضور خداوندی میں ہیں اور یہ بے بصیر تاریک دل اس سے دور ہیں۔
وہ اس کی مناجات سے اس قدر لذت حاصل کرتے ہیں جو کسی بیان کی محتاج نہیں ہے جبکہ یہ گنہگار اپنے گناہوں کی نحوست میں اس قدر غرق ہیں کہ ان کے لیے کوئی راہ نجات نہیں ہے۔

تو کھوسرائے طبیعت نمی روی بر لب سجاکو بے حقیقت گزر توانی کرد

جمال یار ندارد حجاب پردہ دلے غبار راہ نشاں تا نظر توانی کرد

تو مادہ کے گھر سے باہر نہیں نکلتا تو پھر حقیقت کے کوچہ میں تیرا گزر کیسے ہو سکتا ہے محبوب

کے جمال پر کوئی پردہ نہیں ہے لیکن غبار راہ کو بٹھانا کہ تو دیکھ سکے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ مشور دعائے جمیل میں فرماتے ہیں: ہبنی صبروت علی عذابک فکیف اصبر علی فراقک (بالفرض اگر میں تیرے دردناک عذاب پر صبر کر بھی لوں تو تیرے فراق پر کیسے صبر کر دوں گا۔

- ١٨ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيَّانٍ ۝
 ١٩ وَمَا آذْرِيكَ مَا عِلِّيُّونَ ۝
 ٢٠ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۝
 ٢١ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۝
 ٢٢ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝
 ٢٣ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ۝
 ٢٤ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۝
 ٢٥ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ۝
 ٢٦ خِتْمُهُ مِسْكَ ۝ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝
 ٢٧ وَمِمَّا رَجَعَهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ۝
 ٢٨ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝

ترجمہ

- ۱۸) ایسا نہیں ہے جیسا وہ (قیامت کے بارے میں) خیال کرتے ہیں؛ نیک لوگوں کا نامہ اعمال علیین میں ہے۔
- ۱۹) اور تو کیا جانے علیین کیا ہے؟
- ۲۰) تحریر ہے لکھی ہوئی اور سرِ نوشت ہے قطعی۔
- ۲۱) جس کے شاہد مقربین ہیں۔

- یقیناً نیک لوگ انواع و اقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ (۲۲)
- جنت کے خوبصورت پلنگوں اور تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے اور جنت کی خوبصورتی کو دیکھ رہے ہوں گے۔ (۲۳)
- ان کے چہروں پر تو نعمت کی طراوت اور نشاط دیکھے گا۔ (۲۴)
- وہ شراب زلال دست نخورده و سر بستہ سے سیراب ہوں گے۔ (۲۵)
- اس پر جو مہر لگائی گئی ہوگی وہ مشک و کستوری سے ہوگی اور ان جنت کی نعمتوں میں رغبت رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے سبقت لے جانی چاہیے۔ (۲۶)
- یہ شراب (طہور) تسنیم سے مخروج ہوگی۔ (۲۷)
- وہی چشمہ جس سے مقربین پئیں گے۔ (۲۸)

تفسیر

علیین ابرار کے انتظار میں ہے

اس توصیف کے بعد جو گزشتہ آیات میں فاجر لوگوں کے اعمال اور سرنوشت کے بارے میں آئی ہے ان آیات میں اس گروہ کے بارے میں گفتگو ہے جو ان کا مد مقابل ہے یعنی ابرار اور نیکوکار لوگ جن کا امتیاز، افتخار اور اعزاز فاجروں کے مقابلہ میں ملاحظہ کرنے سے دونوں کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”ایسا نہیں ہے جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں بلکہ نیک لوگوں کے نامہ ملتے اعمال علیین میں ہوں گے“ (کَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِي عَلَیِّیْنَ)۔

”علیین“ ”علی“ (بروزن ملی) کی جمع ہے بلند جگہ اور اس پر بیٹھنے والوں کے معنوں میں ہے۔ پہاڑوں کے بلند ترین حصوں پر رہنے والوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں مفسرین کی ایک جماعت نے آسمان کی افضل ترین جگہ یا جنت کی بہترین جگہ کے معنی میں اس کی تفسیر کی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا ذکر صیغہ جمع کے ساتھ جو ہے وہ تاکید کے لیے ہے اور علو فی علو بلندی در بلندی کے معنوں میں ہے۔

بہر حال وہ دو تفسیریں جو گزشتہ آیات میں سجین کے بارے میں ہم کر چکے ہیں انہی سے مشابہ یہ تفسیریں ہیں۔

پہلی یہ کہ کتاب الابرار سے مراد نیک، پاک اور مومنین کا نامہ اعمال ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کا نامہ اعمال ایک ایسے دیوان کل میں موجود ہے جو تمام مومنین کے اعمال کو بیان کرتا ہے۔ وہ دیوان بہت ہی بلند منزلت رکھتا ہے۔ یا یہ کہ ان کا نامہ اعمال بلند ترین مکان یا جنت کے فراز پر ہے۔ اور یہ سب معانی بتاتے ہیں کہ خود ان کا مقام بہت ہی بلند و بالا ہے۔

ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علیین سے مراد ساتواں آسمان اور عرش خدا کا پچھلا حصہ ہے۔

اور یہ نقطہ فجار کا عین نقطہ مقابل ہے جو دوزخ کے طبقوں میں پست ترین جگہ قرار پاتی ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد سر نوشت اور حکم قطعی ہے جو نیک لوگوں کو بہشت کے اعلیٰ درجوں میں مقرر کیے جوتے ہیں۔

ان دونوں تفسیروں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ ان کا نامہ اعمال ایک دیوان کل میں برقرار ہے اور اس دیوان کا مجموعہ آسمانوں کی بلندی پر ہے اور فرمان الہی بھی یہی قرار پایا ہے کہ وہ خود جنت کے بلند ترین مقامات میں ہوں۔

اس کے بعد علیین کی اہمیت و عظمت کو بیان کرنے کے لیے مزید کہتا ہے: ”تو کیا جانے کہ علیین کیا ہے“ (وما ادراک ما علیون)۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسا مقام ہے جو خیال و قیاس اور دہم و گمان سے بھی برتر ہے جسے کوئی بھی جتنی کہ پیغمبر اسلام بھی اس کی عظمت اور حدود و اربعہ کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد خود قرآن وضاحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ”علیین ایک لکھی ہوئی کتاب ہے“ (کتاب مرقوم)۔ یہ اس تفسیر کی بنا پر ہے جو علیین کو ابرار کے نامہ اعمال کے دیوان کل کے معنی میں پیش کرتی ہے باقی رہی دوسری تفسیر تو پھر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ حتمی سر نوشت ہے جس کے بارے میں خدا نے تحریر کیا ہے ان کی جگہ جنت کے افضل ترین درجات میں ہوگی۔ اس بنا پر کتاب مرقوم کتاب الابرار کی تفسیر ہے نہ کہ علیین کی۔ (غور کیجئے)۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”یہ ایسی کتاب ہے جس کا مقربین مشاہدہ کریں گے، یا اس کی گواہی دیں گے“ (یشہدہ المقربون)۔

الحرحہ مفسرین کی ایک جماعت اس آیت میں مقربوں سے مراد وہ فرشتے لیتی ہے جو بارگاہ الہی میں مقرب ہیں، وہ فرشتے جو نیک لوگوں کے اعمال کے یا یقینی سر نوشت کے ناظر ہیں لیکن بعد کی آیت اچھی طرح بتاتی ہے کہ مقربوں خاصاً خدا اور برگزیدہ مومنین کا ایک گروہ ہے جس کا مقام بہت اونچا ہے اور وہ دوسرے نیک افراد کے اعمال پر شاہد ہے جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیت ۱۰، ۱۱ میں اصحاب المینہ اور اصحاب المشمہ کے ذکر کے بعد فرماتا ہے :

والسابقون السابقون اولئك المقربون (اور سبقت کرنے والوں میں سے سبقت کرنے والے ہی مقربین ہیں۔ اور سورہ نحل کی آیت ۸۹ میں ہم پڑھتے ہیں (و یوم نبعث فی کل امۃ شہیداً علیہم من انفسہم وجئنا بک شہیداً علی هؤلاء) اور یاد کرو اس دن کو جب ہر امت میں سے ایک گواہ اس پر مقرر کریں گے اور تجھے ان پر گواہ قرار دیں گے۔ اس کے بعد نیک لوگوں کے عظیم ثواب کے ایک حصہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”یقیناً ابرار انواع واقسام کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہیں“ (ان الابرار لفی نعیم)۔ ”نعیم“ کا اصلی مفہوم، جو راغب کے بقول بہت زیادہ نعمت کے معنی میں ہے اور نمرہ کی شکل میں اپنے ذکر کے اضافہ کے ساتھ یہاں عظمت و اہمیت کی دلیل ہے، یہ بتاتا ہے کہ ابرار اس قسم کی برکتوں اور نعمتوں کے حامل ہیں جو حدود و توصیف و تعریف سے باہر ہیں اور یہ جنت کی تمام مادی و معنوی نعمتوں اور برکتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ایک جامع تعبیر ہے۔ اس کے بعد ان میں سے بعض کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”وہ جنت کے خوبصورت پلنگوں اور تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ان تمام نعمتوں اور مناظر کو دیکھ رہے ہوں گے اور لذت اٹھا رہے ہوں گے“ (علی الارائک ینظرون)۔ ”ارائک“ ”اریکھ“ کی جمع ہے اور خوبصورت تخت کے معنی میں ہے، یا پُر زینت پلنگ جو جملہ عروسی میں رکھتے ہیں۔ یہاں جنت کے بہت ہی خوبصورت تختوں اور پلنگوں کی طرف اشارہ ہے جن پر نیک اور صالح افراد متمکن ہوں گے۔

بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس لفظ کی اصل فارسی ہے اور یہ ”ارگ“ سے لیا گیا ہے جس کے معنی قصر سلطنت کے ہیں۔ (یہ لفظ اس قلعہ کے معنی میں بھی آیا ہے جو شہر کے اندر ہو، اور چونکہ شہر کے اندر والا قلعہ عام طور پر بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے لہذا اس پر اطلاق ہوتا ہے)۔

۱۔ اس جملہ میں مبتدا محذوف ہے اور تقدیر میں (ہم علی الارائک ینظرون) ہے اس جملہ میں ینظرون حال ہے یا یہ کہ علی الارائک گزشتہ آیت کے لفظ ”ان“ کی خبر کے بعد خبر ہے۔

بعض دوسرے مفسرین اراٹک کو مفرد اور فارسی لفظ "اراک" یا "ارایک" سے ماخوذ جاتے ہیں جس کے معنی شاہی تخت کے ہیں اور پایہ تخت اور اس صوبہ کے معنی میں ہیں جس میں پایہ تخت ہے اور عراق کو اراک کا معرب سمجھتے ہیں جو اس قسم کے صوبہ کے معنی میں ہے اور سمجھتے ہیں کہ لفظ اراٹک اور (ذرتشت کی مقدس کتاب) میں بھی بارگاہ اور تخت سلطنت کے معنی میں آیا ہے۔

لغت عرب کے بعض علماء اس کی اصل عربی کو سمجھتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ یہ لفظ اراک سے لیا گیا ہے جو مشہور درخت کا نام ہے جس سے تخت اور سائبان بنائے جاتے ہیں۔

لیکن قرآن مجید میں اس کے موارد استعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس زیبا خوبصورت اور مزین تخت کے معنوں میں ہے جس سے صاحبان قدرت و نعمت استفادہ کرتے ہیں۔

(بینظرون) دیکھیں گے کی تعبیر جو سربستہ شکل میں استعمال ہوئی ہے اس میں یہ نہیں فرماتا کہ کس چیز کی طرف دیکھیں گے تاکہ اس کے مفہوم میں وسعت رہے۔ وہ لطف خدا کی طرف دیکھیں گے۔ اس کے بے مثال جمال کی طرف، جنت کی انواع و اقسام کی نعمتوں کی طرف اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والی خوبصورتیوں کی طرف دیکھیں گے جو بہشت بریں میں ہوں گے، اس لیے کہ انسانی لذتوں میں سے اہم ترین لذت دیکھنے کی لذت ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

"جب تو ان کے چہروں کی طرف دیکھے تو نعمت کی طراوت خوشی اور نشاط ان میں دیکھے گا" (تعرف فی وجوہہم نضرة النعیم)۔ جو اس طرف اشارہ ہے کہ نشاط، سرور اور خوشی ان کے چہروں پر جھلک رہی ہوگی اور ان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس اگر دوزخیوں کے چہرہ پر نظر کرے تو ان سے غم درخ اور اندوہ و بدبختی اور بے چارگی نمایاں ہوگی۔

"نضرة" جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں تروتازگی اور نشاط کے معنی میں ہے جو اچھی زندگی گزارنے والوں کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔ تخت، نظارہ، آرام و سکون و نشاط کی نعمتوں کے بعد ایک اور نعمت یعنی بہشتیوں کی شراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

"انہیں ایسی پاک و پاکیزہ شراب پلائیں گے جس کو کسی کا ہاتھ نہیں لگا ہوگا" (یسقون من ریحق مختوم)۔ وہ شراب طہور جو دنیا کی شرابوں کی طرح گناہ پر آمادہ کرنے والی، جنون پیدا کرنے والی شیطانی شراب کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ ہوش و عقل اور نشاط و عشق و صفا پیدا کرتی ہے۔

زیادہ مفسرین نے ریحق کو خالص شراب کے معنی میں لیا ہے، ایسی شراب جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوگی۔

۱۔ "لغت نامہ"، "دعویٰ"، کتاب "دیوان دین"، "مفردات راغب"، اور برہان قاطع کی طرف رجوع کیا جائے۔

”مختوم“ کے معنی مہر لگی ہوئی۔ اس سے بھی اس کے خالص اور پاک و صاف ہونے کا اظہار ہے۔ اس کے علاوہ اس قسم کے برتنوں کا استعمال مہمان کے خاص احترام کی علامت ہے۔ ایسا ظرف جس کا منہ بند ہے اس پر مہر لگی ہوئی ہے اور اس کی مہر صرف مہمان کی خاطر توڑی جاتی ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے: ”اس کی مہر مشک اور کستوری سے لگائی گئی ہے“ (ختامہ مسک)۔ دنیا کے منہ بند برتنوں کی طرح نہیں جن کی مہر مٹی سے لگائی جاتی ہے تو مشک اور عطر کی خوشبو فضا میں پھیل جاتی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ آخر میں یعنی اس شرابِ طہور کے پینے کے اختتام پر انسان کے منہ سے مشک و عنبر کی خوشبو آئے گی، دنیا کی نجس شرابوں کے برخلاف جن کے پینے کے بعد منہ تلخ اور بدبودار ہو جاتا ہے لیکن اس تعبیر کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو گزشتہ آیت میں آتی ہے یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے۔ آیت کے آخر میں جنت کی شرابِ طہور کے اوصاف بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے: ”ان بہشتی نعمتوں میں اور خصوصیت کے ساتھ اس شرابِ طہور کی طرف رغبت کرنے والوں کو ایک دوسرے پر سبقت لے جانی چاہیے“ (رو فی ذالک فلیتنافس المتنافسون)۔ مفسر عظیم ”طبرسی“ ”مجمع البیان“ میں کہتے ہیں:

”تنافس“ کے معنی دو انسانوں کے ایک چیز کے لیے کوشش کرنے کے ہیں جن میں سے دونوں یہ چاہیں کہ یہ نفیس چیز میرے پاس ہو۔

مجمع البحرین میں ہے کہ تنافس کے معنی عظمت و عزت کے ساتھ ایک دوسرے پر سبقت لے جانا ہے۔ راغب مفردات میں کہتا ہے ”منافسہ“ کے معنی یہ ہیں کہ معزز افراد سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے ان سے ملحق ہو جانے کی اس طرح کوشش کرنا کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔

حقیقت میں اس آیت کا مضمون اُس آیت کے مشابہ ہے جو سورہ حدید کی آیت ۲۱ میں آتی ہے (سابقاً الی مغفرة من ربک وجنة عرضها كعرض السماء والارض) ”اپنے پروردگار کی مغفرت تک پہنچنے کے لیے اور اس جنت تک پہنچنے کے لیے جس کی وسعت آسمان و زمین جتنی ہے ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔“

گزشتہ زمانے میں معمول تھا اور موجودہ زمانے میں بھی معمول ہے کہ یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ اس چیز کو کسی کا ہاتھ نہیں لگا اس کو کسی برتن میں رکھتے اور اس کا منہ بند کرنے کے بعد کسی رسی یا بٹے ہوئے تار سے اس پر گرہ لگا دیتے تھے اور اس گرہ پر سخت مٹی یا لاکھ کو پچھلا کر رکھ دیتے اور اس پر اس طرح سے مہر لگا دیتے کہ برتن کے اندر مہر توڑے بغیر رسائی ممکن نہ ہوتی۔ عرب اس کو مختوم کہتے ہیں۔

یا جو کچھ سورہ آل عمران کی آیت ۳۳ میں آیا ہے: (وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ)۔ بہر حال اس آیت میں جو تعبیر آئی ہے وہ بہت ہی خوبصورت ہے اور جو ایمان و عملِ صالح کے ذریعہ ان بے نظیر نعمتوں تک پہنچنے کے سلسلہ میں انسانوں کو شوق دلائے کا سبب سمجھی جاتی ہے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کو عمدہ انداز میں ظاہر کرتی ہے۔ یہ اس کے بعد آخری نعمت جو اس سلسلہ آیات میں آئی ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ شراب طہور تسنیم میں ملی ہوئی ہے“ (وَمَزَاجُهُ مِّن تَسْنِيمٍ)۔ وہی چشمہ جس سے مقررین پیتے ہیں“ (عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ)۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تسنیم جنت کی افضل ترین شراب طہور ہے جسے خاص طور پر مقررین پیتے ہیں لیکن عام نیک لوگ اس میں سے ایک مقدارِ حقیقِ مختوم ملا کر پیتے ہیں جو جنت کی شراب طہور کی ایک اور قسم ہے۔

یہ کہ یہ شراب یا یہ چشمہ تسنیم کے نام سے کیوں موسوم ہے (اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ تسنیم لغت کے اعتبار سے چشموں کے معنوں میں ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف گرا رہا ہو) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ وہ شراب ہے جو بہشت کے آسمانوں سے گرا رہی ہے۔ حقیقت میں جنت کی شراب کئی قسم کی ہے بعض تو نہروں کی صورت میں بہہ رہی ہے جن کی طرف قرآن کی متعدد آیات میں اشارہ ہوا ہے۔

۱۔ جو کچھ آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ذالک کا اشارہ جنت کی سات نعمتوں کی طرف ہے خصوصاً مخصوص شراب طہور جس کے پرکشش اوصاف آیت میں آئے ہیں۔

۲۔ چونکہ ”واو“ اور ”فا“ (وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ) کے جملہ میں دونوں عطف کے لیے ہیں تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو عطف یکے بعد دیگرے کیوں آئے ہیں۔ زیادہ مناسب جواب یہ ہے کہ یہاں حرفِ شرط محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے (وَأَن ارِيدَ تَنَافُسٍ فِي شَيْءٍ فَلْيَتَنَافَسِ فِي ذَٰلِكَ الْمُتَنَافِسُونَ) اگر کسی چیز میں رغبت ہے تو رغبت کرنے والے اس میں رغبت محسوس کریں۔ اس طرح حرفِ شرط اور جملہ شرطیہ دونوں محذوف ہیں اور ذالک بھی مقدم رکھا گیا ہے۔ (غور فرمائیے)

۳۔ یہ کہ عیناً کیوں منصوب ہے اس کے لیے بہت سی وجوہ بیان ہوئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ تسنیم کے لیے حال یا اس کی تیسرے یا مدح و اختصاص کے عنوان کے ماتحت ہے اور تقدیر معنی (میری مراد ہے) اور ”بھاگی“ یا ”تو زائد“ سے یا ”من“ کے معنی میں ہے اور دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔

۴۔ سورہ محمد، آیت ۱۵۔

ان میں سے بعض منہ بند برتنوں میں ٹہر زدہ صورت میں ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں آیا ہے۔ سب سے زیادہ اہم وہ شراب ہے جو بہشت کے آسمان یا اوپر والے طبقوں سے گرتی ہے اور یہ وہی شراب تسنیم ہے کہ جنت کا کوئی مشروب اس کا ہم پلہ نہیں ہے اور جنتیوں کے جسم و جان میں جو تاثیر فطری طور پر وہ کرتی ہے وہ سب سے بہتر کپکپش اور عمیق ہے۔ اس کے پینے سے جو نشہ حاصل ہوتا ہے وہ تعریف و توصیف سے بالا ہے۔

البتہ اس حقیقت کو ہمیں دوبارہ بیان کرنا چاہیے کہ یہ سب دھندلے نقوش ہیں جو دور سے نظر آتے ہیں ورنہ جنت کی گراں قدر اور بے نظیر نعمتوں کی تعریف و توصیف زبان و قلم کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ حتیٰ کہ خود قرآن کے بقول اس کی طرف کسی شخص کی فکر اور اس کے ذہن میں نہیں آسکتی۔ (فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین) (الم سجدہ - ۱۷)۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی کونسی چیزیں ان کے لیے رکھی گئی ہیں۔

چند نکات

ابرار اور مقربین کون لوگ ہیں؟

قرآن مجید کی آیات میں ابرار، مقربین اور ان کے عظیم اجر و ثواب کے بارے میں بار بار گفتگو ہوئی ہے یہاں تک کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۳ کے مطابق اولوالالباب (قوی عقل و فکر والے) تقاضا کرتے ہیں کہ ان کی زندگی کا اختتام ابرار کے ساتھ ہو۔ (و توفنا مع الابرار) اور سورہ دہر کی آیات میں بھی ان کے لیے بہت اجر و ثواب بیان ہوئے ہیں، (دہر آیت ۵ تا ۲۲) اور سورہ انفطار کی آیت ۱۳ اور سورہ مطففين کی زیر بحث آیت بھی ان کے بارے میں بار بار خدا کی مہربانیوں کو بیان کرتی ہے۔ ابرار، جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں، ”بر“ کی جمع ہے یہ وہی لوگ ہیں جو وسیع روح، بلند ہمت، اچھے اعتقاد اور نیک عمل کے حامل ہیں اور مقربین وہ ہیں جو بارگاہِ خدا میں قرب مقام کے حامل ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ظاہری طور پر عام و خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی سب مقرب افراد ابرار ہیں، لیکن سب ابرار مقرب نہیں ہیں۔

ایک حدیث امام حسن مجتبیٰ سے منقول ہے کہ (کلاماً فی کتاب اللہ عزوجل من قوله ان الابرار فواللہ ما اراد بہ الا علی بن ابی طالب و فاطمۃ و انا والحسین)۔ جہاں ہمیں قرآن میں ان الابرار آیا ہے خدا کی قسم اس سے پروردگار کی مراد علی ابن ابی طالب، فاطمہ زہرا، میں اور حسین ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ خمسہ نجاوہ پانچ مقدس نور ابرار و مقربین کے سب سے زیادہ مصداق ہیں اور جیسا کہ ہم نے سورہ دھر میں کہا ہے کہ یہ عظیم سورہ امیر المؤمنین حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کی اٹھارہ آیات ان کے فضائل کی بحث میں ہیں اگرچہ ان کے بارے میں آیات کا نزول آیات کے مفہوم کی وسعت کی راہ میں مانع نہیں ہے۔

۲۔ جنت کی شرابیں

قرآن کی مختلف آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں کئی قسم کی شراب ہائے طور کئی ناموں اور کیفیتوں کے ساتھ موجود ہیں جو ہر لحاظ سے دنیا کی ناپاک شرابوں سے مختلف ہیں دنیا کی شرابیں عقل کو ختم کرتی ہیں، جنون پیدا کرتی ہیں اور عداوت و خونریزی اور فتنہ و فساد کا سرچشمہ بنتی ہیں۔ بدبودار و بدذائقہ اور نجس و ناپاک ہوتی ہیں۔

لیکن جنت کی شرابیں عقل، نشاط اور عشق پیدا کرتی ہیں۔ خوشبودار معطر اور پاک ہیں اور جو لوگ انہیں پیتے ہیں وہ ناقابل بیان روحانی نشہ سے سرور حاصل کرتے ہیں جس کی دو قسمیں اس سورت میں آچکی ہیں۔ ریحی و مختم اور تسنیم اور اس کی دوسری اقسام سورہ دھر اور قرآن کی دوسری آیات میں بیان ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک کی اس جگہ ہم نے تصریح کی ہے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ متعدد روایات میں یہ جنت کی شراب ان لوگوں کا اجر قرار دی گئی ہے جو دنیا کی شراب کی طرف توجہ نہ کریں، پیاسوں کو سیراب کریں اور مومنین کے دلوں میں جو غم و اندوہ کی آگ جل رہی ہے اسے بجھا دیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: (یا علی من ترک الخمر للہ سقاہ اللہ من الوحیق المختوم) اے علی! جو شخص خدا کی خاطر شراب کو ترک کرے تو خدا اُسے جنت کی منہ بند مہر شدہ شرابِ زلال سے سیراب کرے گا۔

زیادہ جاذب توجہ یہ بات ہے کہ ایک اور حدیث میں انہی جناب سے آیا ہے کہ اگر دنیا کی شراب خدا نہیں بلکہ غیر خدا کی خاطر بھی ترک کرے تو بھی خدا اسے اس شراب سے سیراب کرے گا۔

حضرت علیؑ کہتے ہیں: ”میں نے عرض کیا غیر خدا کے لیے؟“

فرمایا ہاں! جو شخص اپنی جان کی حفاظت کے لیے بھی دنیا کی شراب کو چھوڑے تو خدا اسے ریحی و مختم سے سیراب کرے گا۔

۱۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۳۴ حدیث ۳۷، ۴۰۔

۲۔ ایضاً ” ” ” ” ” ” ”

جی ہاں وہ افراد جو شراب کو اپنی سلامتی کی حفاظت کی خاطر ترک کریں وہ حقیقت میں اولوالالباب ہیں اور جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۳ سے معلوم ہوتا ہے۔ اولوالالباب بھی ابرار کے زمرہ میں ہیں جو جنت کی شراب لائے طور سے بہرہ مند ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں علی بن حسین سے منقول ہے (من سقى مؤمناً من ظمأ سقاہ اللہ من الرحیق المختوم) جو شخص کسی پیاسے مومن کو سیراب کرے خدا اسے رحیق مختوم سے سیراب کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے: (من صام لله فی یوم صائف سقاہ اللہ من الظمأ من الرحیق المختوم) جو شخص موسم گرما کے دنوں میں روزہ رکھے تو خدا اسے قیامت کی تشنگی کی حالت میں رحیق مختوم سے سیراب کرے گا۔

- ۲۹ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝
 ۳۰ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝
 ۳۱ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝
 ۳۲ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝
 ۳۳ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ۝
 ۳۴ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝
 ۳۵ عَلَىٰ الْأَرَائِكِ يُنظَرُونَ ۝
 ۳۶ هَلْ تُؤِيبُ الْكَفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

ترجمہ

- ۲۹ بدکار دنیا میں ہمیشہ مومنین پر ہنستے تھے۔
 ۳۰ اور جب مومنین کے پاس سے گزرتے تو اشاروں سے ان کا مذاق اڑاتے
 ۳۱ اور جب اپنے خاندان کی طرف پلٹتے تو مسرور پلٹتے۔
 ۳۲ اور جس وقت مومنین کو دیکھتے تو کہتے یہ گمراہ ہیں۔
 ۳۳ حالانکہ وہ مومنین کی نگرانی پر کبھی مامور نہیں رہے اور نہ ان کے مشغل تھے
 ۳۴ لیکن آج مومنین کفار پر ہنستے ہیں۔
 ۳۵ جبکہ جنت کے مزین تختوں (اور پلنگوں) پر بیٹھے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔
 ۳۶ کیا کفار نے اپنے اعمال کا اجر لے لیا ہے؟

شان نزول

مفسرین نے ان آیات کے لیے دو شان ہائے نزول نقل کی ہیں۔ پہلی یہ کہ ایک دن حضرت علیؑ اور مومنین کی ایک جماعت کفار مکہ کے قریب سے گزری تو وہ حضرت علیؑ اور ان مومنین پر ہنسنے لگے اور ان کا مذاق اڑایا، تو مندرجہ بالا آیتیں نازل ہوئیں اور ان مذاق اڑانے والے کافروں کی جو قیامت میں حالت ہوگی اس کو واضح کیا۔

حاکم ابو القاسم حسانی شواہد التنزیل میں ابن عباس سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "ان الذین اجرّموا" سے مراد قریش کے منافقین ہیں اور "الذین امنوا" سے مراد علی بن ابی طالب اور ان کے یار و انصار ہیں۔

دوسری شان نزول یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات عمار، صیب، جناب بلال اور اسی قسم کے دوسرے غریب مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل جیسے مشرکین قریش کے شر کا نشانہ بنے تھے۔

تفسیر

اس دن وہ مومنین کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آج

گزشتہ آیات کے بعد، جو نیک لوگوں کو ملنے والی نعمتوں اور ثواب کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں، زیر بحث آیات میں ان مصائب اور زحمات کے ایک گوشہ کی طرف، جس سے اس جہان میں ایمان و تقویٰ کی بنا پر ان کا واسطہ پڑا تھا، اشارہ کرتا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ عظیم اجر و ثواب حساب کتاب کے بغیر نہیں ہے۔

ان آیات میں کفار کی قبیح اور دل دکھانے والی تنقید اور ان سے آئنا سامنا ہونے کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور کفار کے چار قسم کے رد عمل کو بیان کرتا ہے پہلے فرماتا ہے:

"بدکار اور کفار ہمیشہ مومنین پر ہنستے تھے" (ان الذین اجرّموا کانوا من الذین امنوا یضحکون) تمہارا تمیز اور مبنی بر ہتھارت ہنسی، ایسی ہنسی جو سرکشی و تکبر اور غرور و غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور ہمیشہ چھوٹے دماغ کے مغرور افراد متقی مومنین کے مقابلہ میں اس قسم کی بے وقوفانہ ہنسی سے کام لیتے ہیں۔

مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۵۵۔ حضرت علیؑ اور مشرکین مکہ کے بارے میں ان آیات کا نازل ہونا بہت سی کتب تفسیر مثلاً قرطبی، روح المعانی، کشاف اور تفسیر خازن میں آیا ہے۔

ضمنی طور پر ”کفر“ کی بجائے ”اجرموا“ کی تعبیر یہ بتاتی ہے کہ کافرو بے ایمان افراد اپنے گناہ آلود اعمال سے پہچانے جاتے ہیں اس لیے کہ کفر ہمیشہ سے عھیان و جرم کا سرچشمہ ہے۔

بعد والی آیت میں ان کے قبیح طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”جس وقت کفار مومنین کی جماعت کے قریب ہوں تو اشاروں سے ان کا مذاق اڑاتے ہیں“

(واذا متروا بھم یتغامزون) ، اور اشاروں اشاروں میں کہتے ہیں کہ ان بے سرو پا افراد کو دیکھتے ہو کہ یہ مقررین بارگاہ خدا ہو گئے ہیں ان ننکے پاؤں اور بُرے حال لوگوں کو دیکھو کہ یہ اپنے اوپر وحی کے نزول کے مدعی ہیں اور نادان لوگوں کو دیکھو کہ یہ کہتے ہیں کہ بوسیدہ اور خاک شدہ ہڈیاں دوبارہ زندگی کی طرف پلٹ آئیں گی اور یوں وہ اسی قسم کی دوسری کھوکھلی باتیں کرتے ہیں۔

ایسا نظر آتا ہے کہ مشرکین واضح طور پر اس وقت ہنسی اڑاتے تھے جب مومنین کی کوئی جماعت ان کے پاس سے گزرتی تھی اور ان کے مسخر آمیز اشارے اس وقت ہوتے جب وہ مومنین کی جماعت کے نزدیک سے گزرتے اور چونکہ مومنین کی جماعت کے قریب رہ کر آسانی سے ان کا مذاق نہیں اڑا سکتے تھے، لہذا آنکھوں کے اشاروں سے کام لیتے تھے لیکن جہاں خود ان کا جھگڑا ہوتا اور مومنین ان کے پاس سے گزرتے وہاں وہ زیادہ آزادی اور جسارت سے کام لیتے۔

”یتغامزون“ ”غمز“ (بروزن طنز) کے مادہ سے آنکھ اور ہاتھ سے ایسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے معنی میں ہے جس سے عیب جوئی کا پہلو نکلتا ہو اور بعض اوقات یہ لفظ ہر قسم کی عیب جوئی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، خواہ زبان ہی سے کیوں نہ ہو۔

اور تغامز (باب تفاعل سے) کی تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سب کے سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یہ حرکت کرتے تھے اور ہر کوئی اشارہ کر کے دوسرے کو کچھ بتاتا، جس میں مذاق کا پہلو ہوتا۔ یہ تو مومنین سے آمناسا منا ہونے پر ہوتا تھا۔ خصوصی جلسوں میں بھی یہی طریق کار اختیار کیے رکھتے اور علیحدگی میں بھی اس سلسلہ کو جاری رکھتے، جیسا کہ بعد والی آیت کہتی ہے:

”جس وقت وہ اپنے گھروں کی طرف پلٹ جاتے تو خوش ہوتے اور جو کچھ انجام دیا ہوتا اس پر پھولے نہ سماتے“ (واذا انقلبوا الی اھلھم انقلبوا فکھین)۔ گویا انہیں فتح و کامیابی نصیب ہوتی ہے جس کی وجہ سے فخر و مباہلات کر رہے ہیں اور پھر مومنین سے علیحدگی کی صورت میں بھی اس مذاق

لے ”متروا“ اور ”بھسو“ کی ضمیروں کے مرجع کے بارے میں مفسرین نے دو احتمال تجویز کیے ہیں بعض نے پہلی ضمیر پر مشرکین کی طرف اور دوسری مومنین کی طرف پٹائی ہے اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے لیکن ہم نے جو کچھ اوپر کہا ہے اس کے مطابق پہلا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

موجہ جاری رکھتے۔

”فکھین“ جمع ہے ”فکھ“ کی، یہ صفت ہے مشبہ (اور بروزن خشن ہے) ”فکاکھہ“ (بروزن قبائل) مذاق اڑانے کے معنی میں ہے اور اصل میں فاکھہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی پھل کے ہیں۔ گویا یہ شوخیوں پھلوں کے مانند ہیں جن سے وہ لذت حاصل کرتے ہیں اور شیریں اور دستانہ گفتگو کو فکاکھہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اہل کا لفظ عام طور پر خاندان اور قریبی رشتہ داروں کے معنی میں ہے لیکن ممکن ہے کہ یہاں زیادہ وسیع معنی رکھتا ہو اور قریبی دوستوں کا بھی احاطہ کرے۔

مومنین کے مقابلہ میں ان کا چوتھا شرارت آمیز طرز عمل یہ تھا کہ وہ جب انہیں دیکھتے تو کہتے یہ گمراہ ہیں (واذا راؤہم قالوا ان هؤلاء لضالون) اس لیے کہ وہ بت پرستی اور خرافات، جو کفار میں رائج تھیں، انہیں یہ گمراہ رام ہدایت خیال کرتے تھے جبکہ مومنین نے انہیں چھوڑ دیا تھا اور توحید کی طرف پلٹ آئے تھے اور کفار کے گمان میں نقد دنیا کی لذت کو مومنین نے آخرت کی خاطر ادھار بیچ دیا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ یہ تعبیر ان مراحل میں ہو جہاں بات مذاق سے آگے بڑھ چکی ہو اور کفار اپنے آپ کو ناچار مجبور دیکھتے ہوں کہ زیادہ سے زیادہ شدت عمل دکھائیں اس لیے کہ ہمیشہ عظیم پیغمبروں اور نئے دین و آئین کے ظہور کے وقت دشمنوں اور مخالفوں کا یہی طرز عمل ہوتا ہے کہ وہ مذاق اڑاتے تھے۔ گویا وہ نئے دین کو اس قابل نہ سمجھتے تھے کہ سنجیدگی سے اس کا سامنا کریں۔ لیکن جب دین خدا آمادہ افراد کے دلوں میں نفوذ کر جاتا اور اس کے بہت سے پیروکار ہو جاتے تو کفار خطرہ محسوس کر کے اس پر سنجیدگی سے اپنا رد عمل ظاہر کرتے اور لڑائی پر شدت سے آمادہ رہتے اور مرحلہ بہ مرحلہ زیادہ شدت اختیار کرتے۔

مندرجہ بالا آیت ان کی انتہائی کوشش کا پہلا مرحلہ ہے جس کی بعد فوجیں خوں ریز جنگوں تک پہنچ گئی۔ چونکہ مومنین عام طور پر ایسے افراد میں سے تھے جن کی کوئی اجتماعی حیثیت نہ تھی اور وہ دولت مند بھی نہیں تھے، اس بنا پر کفار انہیں جہنم حقارت سے دیکھتے تھے اور ان کے ایمان کو بے قیمت شمار کرتے تھے اور ان کے دین کا مذاق اڑاتے تھے۔ بعد والی آیت میں قرآن کہتا ہے:

”یہ گروہ کفار ان کی زندگی کا (مومنین کی) کبھی بھی محافظ و نگہبان اور متکفل نہیں تھا (وما ارسلوا علیہم حافظین) تو پھر کس حق کی بنا پر اور کون سی منطق کی رُو سے ان پر تنقید اور اعتراض کرتے تھے؟ سورہ ہود کی آیت ۲۷ میں ہم پڑھتے ہیں کہ قوم نوح کے دولتمندوں اور متکبر لوگوں نے آپ سے کہا (وما نراک اتبعک الا الذین ہم اراذلنا بادی الرأی) ”ہم ان لوگوں کو جنہوں نے تیرا اتباع کیا ہے ذلیل اور سادہ لوح ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتے“ تو ان جناب نے

کفار کے جواب میں کہا: (ولا اقول للذين تزددى اعينكم لن يؤتيهم الله خيرا) (اعلم بما في انفسهم) ”میں بالکل نہیں کہتا کہ وہ لوگ جو تمہاری نظر میں ذلیل و خوار ہیں خدا انہیں خیر نہیں دے گا خدا ان کے دلوں سے زیادہ آگاہ ہے۔“ (ہود-۳۱)۔

یہ حقیقت میں ان خود پرست اور متکبر افراد کا جواب ہے اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اس کام میں کوئی تعلق نہیں ہے کہ مومنین کس گروہ سے وابستہ ہیں، تم اپنے طور پر روح دعوت دین اور پیغمبر اسلامؐ کے آئین اور ان کے مجموعہ قوانین کو دیکھو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

قیامت میں صورت حال بالکل برعکس ہو جائے گی جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ”آج مومنین کفار پر نہیں گئے“ (فاليوم الذين امنوا من الكفار يضحكون)۔ چونکہ قیامت انسان کے دنیاوی اعمال کا رد عمل ہے اور وہاں عدالت الہی کا اجر ہونا ہے اور عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں پاک دل مومن ہٹ دھرم اور مذاق اڑانے والے کافروں پر نہیں۔ یہ ان مغرور لوگوں پر ایک قسم کا دردناک عذاب ہے۔

بعض روایات میں رسول خداؐ سے منقول ہے کہ اس روز جنت کا ایک در کفار کے سامنے کھلے گا اور وہ اس خیال سے کہ جہنم سے آزادی اور جنت میں ورود کا حکم انہیں دے دیا گیا ہے، اس دروازے کی طرف چل پڑیں گے جس وقت اس کے قریب پہنچیں گے وہ دروازہ اچانک بند ہو جائے گا۔ اور یہ کئی مرتبہ ہوگا اور وہ مومنین جو جنت سے ان کا نظارہ کر رہے ہوں گے ان پر نہیں گئے یہ لہذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:

وہ مزین پلنگوں اور تختوں پر بیٹھے ہوتے ہوں گے اور ان مناظر کو دیکھیں گے (على الارائك ينظرون)۔ وہ کن چیزوں کی طرف دیکھیں گے؟ خدا کی لامحدود نعمتوں کی طرف، جی ہاں! بے کراں الطاف و کرم کو دیکھیں گے، اس آرام و سکون و عظمت و احترام کو دیکھیں گے (جو انہیں حاصل ہوگا) اور ان دردناک عذابوں کی طرف دیکھیں گے جن میں مغرور و خود پرست کفار انتہائی ذلت اور زبوں حالی کے ساتھ گرفتار ہوں گے۔

اور پھر اس سورہ کی آخری آیت میں ایک استفہامیہ جملے کی شکل میں فرماتا ہے: ”کیا کفار نے اپنے اعمال کا اجر اور کاموں کا ثواب لے لیا ہے؟“ (هل ثوب الكفار ما كانوا يفعلون)۔

۱۔ در المنثور، جلد ۶ ص ۳۲۸ (مختصر سے فرق کے ساتھ)۔

۲۔ اس آیت میں استفہام تقریری ہے۔

یہ بات چاہیے خدا کی جانب سے ہو، یا فرشتوں کی طرف سے، یا مومنوں کی طرف سے، یہ ایک قسم کا طعن و استہزا ہے ان مغرور و متکبر افراد کے افکار اور دعووں پر جنہیں توقع تھی کہ اپنے بُرے اعمال کے بدلے میں خدا کی طرف سے انعام و اکرام انہیں ملے گا۔ اس غلط گمان اور خیالِ خام کے مقابلہ میں فرماتا ہے :

”کیا انہوں نے اپنے اعمال کا ثواب اور اجر لے لیا ہے“ بہت سے مفسرین نے اس جملے کو ایک مستقل جملہ سمجھا ہے جبکہ بعض کا نظریہ ہے کہ یہ گزشتہ آیت کا حصہ ہے یعنی مومنین مرنے پر اپنے اعمال کا اجر دیکھ رہے ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ کیا کفار نے اپنے غلط اعمال کا اجر لے لیا ہے۔

جی ہاں ! وہ اگر اجر لیں تو شیطان سے لیں، کیا وہ بے نوا گرفتار انہیں کوئی اجر دے سکتے ہیں۔

”ثوب“ (برد زن جوف) ثوب کے مادہ سے اصل میں کسی چیز کا اپنی پچھلی حالت کی طرف پلٹنا ہے اور ثواب اس اجر کو کہا جاتا ہے جو انسان کو اس کے اعمال کے مقابلہ میں دیتے ہیں، اس لیے کہ اس کے اعمال کا نتیجہ اس کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ لفظ اچھی یا بری جزا کے لیے استعمال ہوتا ہے، اگرچہ عام طور پر موردِ خبر میں استعمال ہوتا ہے۔

اس لیے اوپر والی آیت ایک قسم کا کفار پر طنز کرتی ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے اس لیے کہ وہ ہمیشہ مومنین اور آیاتِ خدا کا مذاق اڑاتے تھے لہذا ضروری ہے کہ اس دن اپنے مذاق کی سزا بھگتیں۔

ایک نکتہ

دشمنانِ حق کا مذاق اڑانے کا بزدلانہ حربہ

انبیاء کی طویل تاریخ میں ہم بار بار دیکھتے ہیں کہ دشمنانِ خدا کا ایک حربہ مومنین کے مقابلہ میں تمسخر و استہزا ہوتا ہے اور آیاتِ قرآنی نے اس موضوع کو بار بار ہمیشہ کیا ہے اور چونکہ تمسخر و استہزا عام طور پر ایسے لوگوں سے صادر ہوتا ہے جو مغرور ہوتے ہیں اور خود کو دوسروں سے بہتر و برتر سمجھتے ہیں اور دوسروں کو چشمِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ کافر، ظالم، ہٹ دھرم اور خود پرست اہل ایمان کے مقابلہ میں اس قسم کا حربہ استعمال کریں۔

موجودہ زمانے میں بھی یہی صورت حال ہے۔ دنیا کے افسوس ناک گرد ہی معاملات میں کئی شکلوں میں طعن و طنز اور مذاق کی صورت حال کو جاری رکھا جاتا ہے۔ اب بھی کوشش کی جاتی ہے کہ حق کے طرفداروں کو اس قدیمی حربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میدان چھوڑنے پر مجبور کریں۔ لیکن مومنین ان کے مقابلہ میں خدائی دعووں کی طرف توجہ کر کے، جن کا ایک نمونہ اوپر والی آیت میں آیا ہے آرام و سکون محسوس کرتے ہیں اور تاریک دل مخالفوں کے مقابلہ میں مومنین کے دلوں میں روحِ مقاومت پیدا ہوتی ہے۔

اصولی طور پر استہزاء، تمسخر، غمزہ (اشارے) ضحک اور ہنسنا، حق کے مقابلہ میں، جس کی طر مندرجہ بالا آیت میں اشارہ ہوا ہے، یہ سب گناہانِ کبیرہ میں سے ہیں اور جہالت و غرور کی علامت ہیں ایک فہیم، عاقل اور ہشیار انسان بفرضِ محال کسی مکتب فکر سے متعلق نہ بھی ہو، کبھی اپنے آپ کو اجازت نہیں دیتا کہ اس قسم کے حربوں سے کام لے وہ مقابل سے صرف منطقی حربوں سے مقابلہ کرتا ہے۔

خداوند! ہم سب کو غرور و جہالت اور کبر و نخوت سے محفوظ فرما۔

پروردگارا! ہمیں حق طلبی، حق جوئی اور تواضع کی روح مرحمت فرما۔

بارالہ! چار انا میرا اعمالِ علیین میں قرار دے اور سچائیوں کے زمرہ سے خارج کر دے۔

آمین یا رب العالمین

سورہ مطففین کا اختتام

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس کی ۲۵ آیتیں ہیں

تاریخ ابتدا شعبان المعظم ۱۴۰۴ بروز ولادت امام حسینؑ

www.siraat-e-irfan.net

سورۃ انشقاق کے مضامین اور اس کی تلاوت کی فضیلت

یہ سورہ قرآن مجید کے آخری پارے کی بہت سی دوسری سورتوں کے مانند معاد و قیامت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ شروع میں دنیا کے اختتام اور قیامت کے شروع ہونے کے ہولناک اور دل ہلا دینے والے حوادث کی طرف کچھ اشارے کرتا ہے اور بعد والے مرحلہ میں قیامت، نیکو کاروں اور بدکاروں کے اعمال کا حساب اور ان کی سرفروشت کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے۔

تیسرے مرحلہ میں چند ایسے اعمال و عقائد جو موجب عذاب الہی ہیں، اُن کو پیش کرتا ہے اور چھوٹے مرحلہ میں چند قسموں کے بعد انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے مرحلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آخر کار پانچویں مرحلہ میں دوبارہ نیک و بد اعمال اور ان کی سزا و جزا کے بارے میں بات کرتا ہے۔ اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ایک حدیث پیغمبر اسلام سے منقول ہے (من قرأ سورۃ انشقت اعادہ اللہ ان یؤتیہ کتابہ وراء ظہرہ)، جو شخص سورہ انشقاق کو پڑھے تو خدا قیامت میں اس شر سے اس کو امان میں رکھے گا کہ اس کا نامہ اعمال پس پشت سے دیا جائے۔ کتاب ثواب الاعمال میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جو شخص ان دونوں سورتوں (انفطار و انشقاق) کو پڑھے اور نمازِ فریضہ و نافلہ میں اپنا نصب العین بنالے تو خدا اس کو اس کی خواہشات تک پہنچائے گا، کوئی چیز اس کے اور خدا کے درمیان حائل نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ لطفِ خدا پر نظر رکھے گا اور خدا اس پر نظر رکھے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے حساب سے فارغ ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱ اِذَا السَّمَاءُ اُنْشَقَّتْ ۝
- ۲ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝
- ۳ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝
- ۴ وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۝
- ۵ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝
- ۶ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَى رَبِّكَ كَدًا فَمُلْقِيْهِ ۝
- ۷ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ بِيَمِيْنِهٖ ۝
- ۸ فَسَوْفَ يُحٰسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝
- ۹ وَيُنْقَلَبُ اِلَى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝

ترجمہ رحمن ورحیم خدا کے نام سے

- ۱ جس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔
- ۲ اور اپنے پروردگار کے فرمان کو تسلیم کرے گا اور سزاوار ہے کہ ایسا ہی ہو۔
- ۳ اور جب زمین میں وسعت پیدا ہوگی۔
- ۴ اور جو کچھ اس کے اندر ہے اُسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔

- ۵ اور اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم کرے گی اور ایسا ہی ہونے کے لائق ہے
- ۶ اے انسان! تو رنج و تکلیف اور سعی و کوشش کے ساتھ اپنے پروردگار کے طرف جاتے گا اور اس سے ملاقات کرے گا۔
- ۷ لیکن وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے
- ۸ عنقریب اس کے لیے آسان حساب ہوگا۔
- ۹ اور وہ خوشحالی کے ساتھ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ جائے گا۔

تفسیر

کمال مطلق کی طرف رنج آمیز سعی و کوشش

جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے مضامین کی تشریح میں کہا ہے اس سورہ کے آغاز میں ہی عظیم اور عجیب دنیا کے اختتام کے حوادث کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے:

”جب آسمان میں شکاف پڑ جائیں گے اور آسمانی اجرام پراگندہ ہو جائیں گے اور نظام کو الٹ دہم و برہم ہو جائے گا۔“ (اذا السماء انشقت)۔

اس کی نظیر سورہ انفطار میں آئی ہے اس میں فرماتا ہے: (اذا السماء انفطرت و اذا الارض فطرت)۔ جس وقت آسمان میں شکاف پڑ جائیں گے اور ستارے پراگندہ ہو جائیں گے اور بکھر جائیں گے (انفطار - ۲۰۱)۔ اور یہ اختتام دنیا اور اس کی خرابی و فنا کا اعلان ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”اور اس کے پروردگار کا حکم تسلیم کیا جائے گا اور حقیقت میں ایسا ہی ہونا چاہیے“ (واذنت لربها و حققت)۔ مبادیہ تصور ہو کہ انسان اس عظمت کے باوجود حکم الہی کا معمولی سا مقابلہ بھی کرتے وہ مطیع و فرمانبردار بندے کی طرح ہے جس کا اس کے حکم کے سامنے مکمل طور پر تسلیم خم ہے۔

”اذنت“ اصل میں ”اذن“ (بروزن افق) سے جو کان کے معنی میں ہے لیا گیا ہے اور (کان) کے

۱۔ اذا حرف شرط ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے: اذا السماء انشقت...

لاقی الانسان ربه فحاسبه و جازاه۔

معنی کان لگا کر سننا ہیں اور یہاں اطاعت فرمان کا کنایہ ہے۔ ”حقت“ حق کے مادہ سے شائستہ لائق اور سزاوار کے معنی میں ہے کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ تسلیم خم نہ کرے جبکہ لمحہ بہ لمحہ وجود خدا ہی سے اس کو فیض پہنچ رہا ہو۔ اگر ایک لمحے کے لیے بھی یہ رابطہ منقطع ہو جائے تو ہمیں ختم ہو کر رہ جائے۔ جی ہاں! آسمان و زمین نہ صرف آغاز خلقت میں، سورہ خم سجدہ کی آیت ۱۱ (قَالُوا اتَيْنَا طَائِعِينَ) کے مطابق، حق تعالیٰ کے فرمان کے مطیع تھے بلکہ عمر کے اختتام میں بھی ایسے ہی ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ”حقت“ کے جملے سے مراد یہ ہے کہ قیامت کی وحشت اور اس کا خوف ایسا ہے کہ سزاوار ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور شکاف ہو جائیں لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اور بعد والے مرحلہ میں زمین کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اور جس وقت زمین کھینچی جائے گی اور وسیع کی جائے گی“ (وَإِذَا الْأَرْضُ مَدَّتْ)۔ پہاڑ قرآن کی بہت سی آیات کی شہادت کے مطابق مکمل طور پر پر اگندہ ہو جائیں گے اور تمام بلندیاں او پستیاں ختم ہو جائیں گی، زمین صاف و شفاف، وسیع و عریض اور اپنے صحن میں تمام بندوں کے حضور کے لیے آمادہ ہو جائے گی۔

جیسا کہ سورہ طہ کی آیت ۱۰۵ تا ۱۰۷ میں فرماتا ہے: (وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا)۔ تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دے میرا پروردگار انہیں ہوا میں اڑائے گا اور برباد کر دے گا پھر زمین کو ہموار اور صاف کرے گا، اس طرح کہ تو اس میں کوئی بلندی و پستی نہیں دیکھے گا اور اس قسم کی داد گاہ و عدالت جس میں اولین و آخرین جمع ہوں اس کے لیے ایسے میدان کی ضرورت ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا اسی زمین کو قیامت میں اس سے کہیں زیادہ وسیع کر دے گا کہ جس حالت میں اب ہے تاکہ مخلوق کے حشر کے لیے اس میں زیادہ سے زیادہ آمادگی ہو سکے۔

تیسرے مرحلہ میں مزید کہتا ہے: ”زمین اس چیز کو جو اس کے اندر ہے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی“ (وَالْقَتْلَ مَا فِيهَا وَتَحْدَتِ)۔ مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام وہ مُردے جو مٹی اور قبروں میں آرام کر رہے ہیں، اچانک باہر پھینک دیئے جائیں گے اور وہ لباس زندگی زیب تن کریں گے۔

یہ اس کے مشابہ ہے جو سورہ زلزال میں آیا ہے (وَأَخْرِجَتِ الْأَرْضُ ثِقَالَهَا)۔ زمین اپنے

وزنی بوجھ باہر نکالے گی۔ یا جو کچھ سورہ نازعات کی آیہ ۱۳، ۱۴ میں آیا ہے (فانما ہی زجوة واحدة فاذا هم بالساهرة)۔ صرف ایک صبح ہوگا اور اس کے بعد سب کے سب صفحہ زمین پر ظاہر ہو جائیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انسانوں کے علاوہ معدنیات اور خزانے جو زمین میں پوشیدہ ہیں سب کے سب زمین سے باہر آجائیں گے۔

آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ زمین کے اندر پگھلا ہوا مواد ہولناک اور وحشت ناک زلزلوں کی وجہ سے کئی طور پر باہر آکر گرے گا اور وہ تمام پستیوں کو پُر کر دے گا اس کے بعد زمین کے اندر کا حصہ بالکل خالی اور ساکن ہو جائے گا۔

ان معانی کے درمیان جمع میں بھی کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے:

”اس کے بعد زمین اپنے پروردگار کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گی اور شائستہ و لاغنی ہے کہ سر تسلیم خم کرے“ (واذنت لربها وحقت)۔ یہ عظیم حوادث جو تمام موجودات کے سر تسلیم خم کرنے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، ایک طرف تو اس دنیا کے فنا ہونے کو بیان کرتے ہیں، زمین و آسمان، انسانوں، خزانوں اور گنجینوں کی فنا، اور دوسری طرف عالم آفرینش میں نئے عالم ہستی کے ایجاد کی دلیل ہیں۔ اور تیسرے خداوند عظیم و بزرگ کی ہر چیز پر خصوصاً معاد و قیامت پر قدرت کی نشانی ہیں جی ہاں! جب یہ حوادث واقع ہوں تو انسان اپنے نیک و بد اعمال کا نتیجہ دیکھ لیتا ہے۔ (یہ ایسا جملہ ہے جو تقدیر میں ہے)۔ اس کے بعد انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اور اس راہ میں چھو ان کی سرنوشت ہے، ان کے لیے واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اے انسان توجہ و کوشش اور رنج و تکلیف کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف بڑھ رہا ہے اور آخر کار اس سے ملاقات کرے گا“ (یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فاعمل لقیہ)۔ ”کدح“ (بروزن مدح) سعی و کوشش کے معنی میں ہے جو رنج و تعب کے ہمراہ ہو اور جسم و جان پر اثر انداز ہو۔ اسی لیے سخت محنت کرنے والے بیل کو جس میں کام کرنے کے آثار ظاہر ہوں، ”ثورینہ کدوح“ کہتے ہیں۔

تفسیر کشاف، فخر رازی اور روح المعانی میں آیا ہے کہ یہ لفظ اصل میں اس خراش کے معنی میں ہے جو کھال پر لگ جاتی ہے۔ اسی مناسبت سے ان کوششوں پر جو روح انسانی پر اثر انداز ہوں اس کا اطلاق ہوا ہے۔

یہ آیت ایک بنیادی اصل کی طرف اشارہ ہے جو تمام انسانوں کی حیات میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی ہمیشہ زحمت اور رنج و تعب اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اگر مقصود صرف متاع دنیا تک

پہنچنا ہی ہو تب بھی چہ جائیکہ مقصود آخرت، سعادت جاوداں اور قرب پروردگار ہو۔
دنیاوی زندگی کی یہ طبیعت اور اس کا یہ مزاج ہے۔ یہاں تک کہ وہ افراد جو انتہائی خوش حالی سے عمر گزارتے ہیں وہ بھی رنج و زحمت اور درد و تکلیف سے بچے ہوئے نہیں۔
پروردگار کی ملاقات کی تعبیر سے یہاں مراد چاہے قیامت کے منظر کا دیکھنا ہو، جو اس کی حاکمیت مطلقہ کا مظہر ہے، یا اس کی جزا و سزا کا آئنا سامنا ہو، یا شہود باطن کے طریقہ سے خود اس کی ملاقات ہو۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ رنج و تعب اس دن تک جاری رہے گا اور اس وقت ختم ہوگا جب اس دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور انسان پاکیزہ عمل کے ساتھ اپنے خدا سے ملاقات کرے گا۔
جی ہاں رنج و تعب کے بغیر راحت و آرام صرف وہم ہے۔ ”انسان“ کے لفظ سے خطاب جو ساری نوع انسانی پر حاوی ہے، (انسان کی انسانیت پر انحصار کی طرف توجہ کرتے ہوئے) اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ خدا نے ضروری یہ توانائیاں اس اشرف المخلوقات میں پیدا کی ہیں اور عزوان رب پر انحصار اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سعی و کوشش انسانیت کے تکامل و تربیت کے نظام الاوقات کا ایک جز ہے۔

جی ہاں ہم سب مسافر ہیں جنہوں نے سرحدِ عدم سے رخصت سفر باندھا ہے اور اقلیم وجود میں قدم رکھا ہے۔ ہم سب اس کی راہِ عشق کے راہِ رو ہیں اور دوست کے رُخِ انور کی مقناطیسی کشش کی بنا پر آئے ہیں۔

اس تعبیر کی نظر قرآن کی دوسری آیات میں بھی آتی ہے مثلاً (وان الی ربك المنتہی) اور یہ کہ تمام امور تیرے پروردگار کی طرف لوٹتے ہیں اور تمام خطوط اسی پر منتهی ہوتے ہیں (نجم - ۲۲) نیز فرماتا ہے:

(والی اللہ المصیر) ”سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے“ (فاطر - ۱۸)۔ اور دوسری آیات سب یہ بتاتی ہیں موجودات کے تکامل کا یہ راستہ خداوند متعال کی طرف جاتا ہے لیکن یہاں تمام انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے:

”لیکن یہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا، عنقریب اس کا آسان حساب کتاب ہوگا“ (فاما من اوتی کتابہ بيمينہ فسوف يحاسب حسابًا يسيرًا)۔ اور وہ مسرور ہو کر اپنے اہل خانہ کی طرف پلٹ جائے گا (وینقلب الی اہلہ مسرورًا)۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو آفرینش کے مدارِ اصلی میں، وہی مدار جو خدا نے اس انسان کے لیے اس کے سرمایوں، طاقتوں اور توانائیوں کے لیے معین کیا ہے، حرکت کرتے ہیں اور ان کی سعی و کوشش ہمیشہ خدا کے لیے ہے اور ان کی حرکت خدا کی طرف ہے۔

وہاں ان کا نام اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیں گے۔ ان کے اعمال کی پاکیزگی، ایمان کی صحت اور قیامت میں نجات کی علامت ہے اور اہل محشر کے مقابلہ میں سرفرازی و سر بلندی کا سبب ہے۔

جس وقت میزانِ عدل کے نیچے کھڑے ہوں گے، وہ میزانِ جو کم سے کم میزان کو تولتی ہے تو خدا ان کا حساب کتاب آسان کر دے گا، ان کی لغزشوں سے درگزر کرے گا اور ایمان و عملِ صالح کی وجہ سے ان کی سیتات کو حسنات میں تبدیل کر دے گا۔

یہ کہ حسابِ یسیر سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد سہل و آسان حساب ہے جس میں سخت گیری و دقت نہ ہو، برائیوں سے درگزر اور حسنات کا اجر ہو۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے: (ثلاث من كن فيه حاسبه الله حساباً يسيراً و ادخله الجنة برحمته قالوا ما هي يا رسول الله؟ قال تعطي من حرمك و تفصل من قطعك و تعفو عن ظلمك) تین چیزیں جس شخص میں موجود ہوں خدا اس کے حساب کو آسان کر دے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسی چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا تو اس کو عطا کرے جو تجھے محروم کرے، اس سے صلہ رحم کرے جو تجھ سے قطع رحم کرے اور اس کو معاف کرے جو تجھ پر ظلم کرے۔

یہ مفہوم روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت میں حساب و کتاب میں دقت و سخت گیری انسانوں کی عقل و دانش کی میزان سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ امام محمد باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں (انما يراق الله العباد في الحساب يوم القيامة على ما اتاهم من العقول في الدنيا) خدا قیامت میں بندوں کے حساب کتاب میں اس عقل کی مقدار کے مطابق جو دنیا میں بندہ کو دی گئی ہے، سخت گیری کرے گا۔

لفظ اہل کے لیے مندرجہ بالا آیات میں مختلف تفسیریں بیان ہوئی ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس کی بیوی اور ایمان دار اولاد ہے۔ مومنین جنت میں ان کے پاس پہنچیں گے اور یہ خود ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان جن سے محبت رکھتا ہے انہیں جنت میں دیکھے اور ان سے قریب رہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے اہل کو جنت کی حوروں کے معنی میں لیا ہے جو مومنین کے لیے ہیں۔

۱۔ مجمع البیان، زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

۲۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۳۷۔

ہوتی ہیں بعض نے اسے صاحبان ایمان افراد کے معنی میں لیا ہے جن سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا۔
ان تمام معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

چند نکات

۱۔ ایک ایسی حدیث جس میں اعجاز ہے

ایک حدیث میں اذا السماء انشقت کی تفسیر کے سلسلے میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا (انھا تنشق من المجرۃ) (ستارے) کھکشاؤں سے الگ ہو جائیں گے بلکہ یہ حدیث پر معنی اور قابل وقعت ہے اور علمی معجزات میں شمار ہوتی ہے اور ایسی حقیقت پر سے پردہ اٹھاتی ہے کہ اس زمانہ کے ماہرین و علماء میں سے کوئی اس تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ یہ کہ موجودہ زمانے کے ماہرین فلکیات نے اپنے نجوم سے متعلق مشاہدات اور دوربینوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ عالم کھکشاؤں کا مجموعہ ہے اور ہر کھکشاں شمسی نظاموں اور ستاروں کا مجموعہ ہے اسی بنا پر انہیں ستاروں کے شہر کا نام دیتے ہیں۔

کھکشاں مشہور شہر کا راستہ ہے جو آنکھ سے نظر آ سکتا ہے اور نظام ہائے شمسی اور ستاروں کے عظیم مجموعہ اور دائرہ کی مانند ہے۔ اس کی ایک سمت ہم سے اس قدر دور ہے کہ اس کے ستارے ہم کو سفید بادل کی شکل میں نظر آتے ہیں لیکن وہ درحقیقت ایک دوسرے سے نزدیک نورانی نقطوں کا مجموعہ ہیں۔ وہ سمت جو ہم سے نزدیک ہے اس کے ستارے قابل رویت ہیں۔ یہ وہی ستارے ہیں جو رات کے وقت ہم آسمان پر دیکھتے ہیں اور اس طرح ہمارا نظام شمسی سوائے اس کھکشاں کے اور کچھ نہیں ہے۔

مندرجہ بالا روایت کے مطابق حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ قیامت کے برپا ہونے کے وقت یہ ستارے جنہیں تم دیکھتے ہو کھکشاں سے جدا ہو جائیں گے اور سب کا نظام درہم درہم ہو جائے گا۔
اس زمانے میں کون جانتا تھا کہ یہ ستارے جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں واقعی اس کھکشاں کا جز ہیں سوائے اس شخص کے جس کا دل عالم غیب سے مربوط ہو اور علم خدا کے سرچشمے سے سیراب ہوا ہو۔

۲۔ دنیا رنج و تکلیف اور دکھ درد کا گھر ہے

”کادح“ کی تعبیر جو مندرجہ بالا آیت میں آئی ہے اور اس سعی و کوشش کی طرف اشارہ ہے جس

میں رنج و زحمت کی آمیزش ہو، اس طرف توجہ رکھتے ہوئے کہ اس کے مخاطب تمام انسان ہیں اس واقعیت کو پیش کرتی ہے کہ اس جہان کی زندگی کی طبیعت کسی مرحلہ میں بھی مشکلات، تکالیف اور رنج و مشقت سے خالی نہیں ہے۔

چاہے یہ مشکلات و تکالیف جسمانی ہوں چاہے روحانی اور فکری یا دونوں کسی فرد کو اس سے منہ نہیں ہے حضرت علی ابن الحسین کی ایک بہت ہی پُر معنی حدیث ہے: (الراحة تخلق في الدنيا ولا لاهل الدنيا انما خلقت الراحة في الجنة ولا لاهل الجنة والتعب والنصب خلقا في الدنيا ولا لاهل الدنيا وما اعطى احد منها جفنة الا اعطى من الحرص مثليها ومن اصاب من الدنيا اكثر كان فيها اشد فقرا لانه يفتقر الى الناس في حفظ امواله وتفتقر الى كل آلة من آلات الدنيا فليس في غنى الدنيا الراحة) راحت و آرام دنیا میں اہل دنیا کے لیے نہیں ہے راحت و آسائش صرف جنت میں ہے اور اہل جنت کے لیے ہے۔ رنج و تعب دنیا میں ہیں اور اہل دنیا کے لیے پھیرا کیے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے جو ایک پیمانہ اس میں سے حاصل کر لیتا ہے تو دُکھا لالچ اس کے نصیب میں شامل ہو جاتا ہے اور جس کے پاس مالی دنیا کافی ہے وہ زیادہ فقیر ہے، کیونکہ وہ اپنے مال کی حفاظت کے سلسلہ میں دوسروں کا محتاج ہے اور زیادہ وسائلِ حفاظت کا محتاج ہے لہذا دنیا کے مال و دولت میں کوئی راحت و آرام نہیں ہے۔

اس کے بعد امام نے اس حدیث کے ذیل میں فرمایا: (كَلَّا مَا تَعْبُ اُولِيَاءُ اللّٰهِ فِي الدُّنْيَا لِلدُّنْيَا بَلْ تَعْبُوا فِي الدُّنْيَا لِلْآخِرَةِ) اویائے خدا دنیا میں دنیا کی خاطر رنج و تعب میں نہیں مبتلا ہوتے بلکہ دنیا میں ان کا رنج و تعب آخرت کے لیے ہے۔

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝

۱۰

فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۝

۱۱

وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝

۱۲

إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝

۱۳

إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ۝

۱۴

بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝

۱۵

ترجمہ

۱۰ اور رہا وہ شخص جس کو اس کا نامہ اعمال اس کے پیچھے کی طرف سے دیا گیا۔

۱۰

۱۱ تو عنقریب اس کی فریاد بلند ہوگی کہ دلتے ہو مجھ پر میں ہلاک ہو گیا۔

۱۱

۱۲ اور وہ جہنم کی آگ کے جلانے والے شعلوں میں جلے گا۔

۱۲

۱۳ وہ اپنے گھروالوں کے درمیان (کفر و گناہ کے سبب) مسرور تھا۔

۱۳

۱۴ وہ گمان کرتا تھا کہ کبھی پلٹ کر نہیں آئے گا۔

۱۴

۱۵ جی ہاں! اس کا پروردگار اس کے مقابلہ میں بینا تھا۔

۱۵

تفسیر

وہ جو شرم و حیا کے باعث اپنا نامہ اعمال پشت کی طرف سے لیں گے

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں اصحاب الیمین (وہ مومنین جن کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا) کے بارے میں گزر چکی ہے ان آیات میں کفار مجریمین اور ان کے نامہ اعمال کی کیفیت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”باقی رہا وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کی پشت کی طرف سے دیا جائے گا“ (واما من ادق کتابہ وراء ظہرہ)۔ عنقریب وہ فریاد کرے گا کہ واے ہو مجھ پر کہ میں ہلاک ہو گیا (فسوف یدعوا ثبوراً)۔ ”اور آگ کے جلانے والے شعلوں میں جلے گا“ (ویصلی سعیراً)۔

یہ کہ ان کے نامہ اعمال کس طرح ان کے پس پشت سے دیں گے اور کس طرح یہ آیت اور وہ آیات جو کہتی ہیں کہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے، ایک جگہ جمع ہوں گی، اس سلسلہ میں مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں بعض نے کہا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ گردن کے ساتھ زنجیر سے بندھے ہوں گے اور ان کے نامہ ہائے اعمال بائیں ہاتھ اور پشت کے پیچھے سے ٹیس کے جو ذلت و خواری سر نیچے رکھنے اور شرمساری کی علامت ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ قیدیوں کی طرح پیچھے باندھ دیئے جائیں گے بعض دوسروں نے کہا ہے کہ سورہ نسا کی آیت ۷۴ کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو کہتی ہے: (من قبل ان نطمس وجوهاً فنر دھا علی اذبارھا)۔ ”اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں اور پشت کی طرف پھیر دیں“ اس طرح گروہ مجرمین کے منہ عقب کی جانب مڑ جائیں گے اور ضروری ہے کہ وہ اپنے نامہ ہائے اعمال خود پڑھیں۔ لہذا وہ ان کے بائیں ہاتھ میں پشت کی جانب انہیں دیں گے۔

لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اصحاب الیمین سرفرازی اور فخر و مباہات کے ساتھ اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں لے کر پڑھیں گے (ہاؤم اقروا واکتابہ) ”اے اہل محشر آؤ اور میرا نامہ اعمال لے کر پڑھو“ (حاقہ - ۱۹)۔ لیکن جب گنہگاروں کو ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ شرمساری اور ذلت سے اپنا ہاتھ پشت کے پیچھے کر لیں گے تاکہ جرم کی سند کم تر دیکھی جاتے۔

لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوگا اس لیے کہ وہاں کوئی چیز پوشیدہ رہنے والی نہیں ہے (یدعوا ثبوراً) اس تعبیر کی طرف اشارہ ہے جو عرب کسی خطرناک حادثہ کے موقع پر کرتے ہیں اور فریاد بلند کرتے ہیں (وا ثبوراً)، یعنی اے واے کہ میں ہلاک ہو گیا۔

توجہ فرمائیں کہ ”ثبور“ ہلاکت کے معنی میں ہے لیکن یہ آہ و نالہ و فریاد کسی کے کان تک نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد (ویصلی سعیراً) ہے یعنی وہ جہنم کی جلانے والی آگ میں داخل ہوگا۔ اس کے بعد اس منحوس سرنوشت کی علت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے گھر والوں میں ہمیشہ اپنے (کفر و گناہ کی وجہ سے) خوش رہتا تھا (انہ کان فی اہلہ مسروراً)، ایسا سرور جس میں غرور کی آمیزش تھی اور ایسا غرور جو غفلت اور خدا سے بے خبری کو اپنے ساتھ لیے ہوئے تھا، ایسا غرور جو دنیا کے ساتھ شدید وابستگی اور موت کے

بعد والے جہان سے بے پرواہی کی نشانی تھا۔

واضح رہے کہ ذاتی طور پر سرور و خوش حالی مذموم چیز نہیں ہے بلکہ مومن کو چاہیے کہ لطفِ خدا سے سرور ہو اور رہنے سمنے کے انداز میں ہشاش بشاش ہو۔ وہ سرور و خوشی مذموم ہے جو انسان کو یادِ خدا سے غافل کر دے اور خواہشات کا اسیر بنا کر رکھ دے۔

اس لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”یہ اس بنا پر ہے کہ وہ گمان کرتا تھا کہ کبھی واپس نہیں لوٹے گا اور معاد و قیامت کا کوئی امکان نہیں ہے“ (انہ ظن ان لن یحور) بحقیقت میں اس کی بدبختی کا سبب اصلی اس کا اعتقادِ فاسد اور گمانِ باطل تھا جس کا دار و مدار انکارِ قیامت پر تھا۔ یہی اعتقاد اس کے غرور و سرور کا باعث ہوا۔ اس نے اس کو خدا سے دور کیا اور خواہشات کا اسیر بنا کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وہ انبیاء کی دعوتِ فکر کا مذاق اڑاتا اور جب اپنے گھر والوں کے پاس آتا تو اس مذاق سے خوش ہوتا۔

یہی مفہوم سورہ مطففین کی آیت ۳۱ (واذا انقلبوا الی اہلہم انقلبوا فکھین) میں بھی آیا ہے۔ اسی طرح قارون، اس مغرور دولت مند اور خدا سے بے خبر انسان کی داستان میں بیان ہوا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے باخیر افراد اس سے کہتے تھے (لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین) اس قدر متکبرانہ طور پر خوش نہ ہو کیونکہ خدا خوش ہونے والے مغروروں کو دوست نہیں رکھتا (قصص-۶) ”لن یحور“ کبھی واپس نہیں لوٹے گا، ”یحور“ (بروزن غور) کے مادہ سے تردد اور آمد و رفت کے معنی میں ہے، خواہ یہ آمد و رفت عمل میں ہو یا فکر و نظر میں۔ اسی لیے پانی کے حوض اور تالاب میں گردش کرنے کے سلسلہ میں اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور محور اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے گرد چرخ گھومتا ہے۔ محاورہ بحث کی آمد و رفت اور رد و بدل کے معنی سے ہے اور ”حوار“ بھی انہی معانی میں ہے اور کبھی اس داد کے معنی میں بھی آتا ہے جو بحث کے دوران بلند ہوتی ہے اور تحیر بھی کسی مسئلہ میں فکر کی آمد و رفت کا نتیجہ ہے جس کا لازمہ عمل میں سرگردانی ہے۔

بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس لفظ کی اصل حبشی ہے۔ اور ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ میں قرآن کے اس جملے کے معنی نہیں جانتا تھا، یہاں تک کہ ایک بیا بانی عرب سے میں نے سنا کہ وہ اپنی لڑکی سے کہہ رہا تھا ”حوری“ یعنی واپس آ جا رہا ہے۔

حواری کی تعبیر حضرت عیسیٰؑ کے نزدیک رہنے والوں کے بارے میں ہے، یا ہر شخص کے قریب بیٹھنے والوں کے متعلق بھی شاید اسی مناسب سے ہے کہ وہ اس کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ بعض نے

اسے "حور" کے مادہ سے دھونے اور سفید کرنے کے معنی میں سمجھا ہے کیونکہ وہ لوگوں کے دلوں کو شرک و گناہ کے زنگ سے پاک و صاف کرتے تھے اور جنت کی حوروں کو اسی لیے یہ نام دیا گیا ہے کہ ان کا رنگ سفید ہے، یا ان کی آنکھوں کی سفیدی بہت زیادہ ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ جنت کی حوروں کے لیے اس لیے بولا جاتا ہے کہ وہ اس قدر خوبصورت ہیں کہ آنکھ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ لیکن بہر حال یہ لفظ زیر بحث آیت میں بازگشت اور معاد کے معنی میں ہے۔

یہ آیت ضمنی طور پر یہ بھی بتاتی ہے کہ قیامت پر ایمان نہ رکھنا، غفلت، غرور اور انواع و اقسام کے گناہوں میں آلودہ ہونے کا سرچشمہ ہے اور آخری زیر بحث آیت میں ان کے باطل عقائد کی نفی میں فرماتا ہے :

"جی ہاں اس کا پروردگار اس کے بارے میں بیٹھا تھا (بلیٰ ان ربہ کان بہ بصیر)۔ اس کے تمام اعمال کو لکھوایا اور روز حساب کے لیے ایک نامہ اعمال میں انہیں محفوظ کیا۔ اس آیت کی تعبیر گزشتہ آیت (یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملاقیہ) کی مانند عقیدہ و معاد پر دلیل و حجت شمار ہو سکتی ہے۔

خصوصاً دونوں آیات میں رب یعنی پروردگار کے عنوان پر انحصار ہوا ہے، اس لیے کہ انسان کی سیرا تقابل یعنی پروردگار تک پہنچنے کا عمل موت کے آنے پر منقطع نہیں ہوتا اور دنیاوی زندگی ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ خود مقصود تکامل ہو نیز انسان کے اعمال کے بارے میں خدا کا بصیر ہونا اور ان اعمال کو تحریر کیا جانا حساب و سزا و جزا کی تمہید ہی بن سکتا ہے، ورنہ فضول ہے۔

- ۱۶ فَلَا أَقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝
۱۷ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝
۱۸ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝
۱۹ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝
۲۰ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝
۲۱ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۝
۲۲ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ ۝
۲۳ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝
۲۴ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝
۲۵ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

ترجمہ

- ۱۶ شفق کی قسم۔
۱۷ اور رات کی قسم اور جسے وہ جمع کرتی ہے۔
۱۸ اور قسم ہے چاند کی جبکہ وہ بدرِ کامل ہوتا ہے۔
۱۹ تم سب ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہو۔
۲۰ پس وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟
۲۱ اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے۔

- ۲۲) بلکہ کفار ہمیشہ آیات الہی کی تکفیر کرتے ہیں۔
- ۲۳) خدا اس چیز کو جسے وہ دل میں چھپائے رکھتے ہیں، اچھی طرح جانتا ہے۔
- ۲۴) پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے۔
- ۲۵) مگر وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے۔
- ہیں تو ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

تفسیر

تم ہمیشہ دگرگوں ہوتے رہتے ہو

اس بحث کے بعد جو گذشتہ آیات میں خدا کی طرف سے انسان کی سیر تکامل کے بارے میں آئی تھی ان آیات میں اس مفہوم کی تاکید اور مزید توضیح کے لیے فرماتا ہے :

”قسم ہے شفق کی“ (فلا اقسام بالشفق)۔ اور قسم ہے ان پر اگندہ امور کی جنہیں وہ اکٹھا کر کی ہے (واللیل وما وسق)۔ اور قسم ہے چاند کی جبکہ وہ کامل ہوتا ہے اور چودھویں کے چاند کی صورت اختیار کر لیتا ہے (والقمر اذا تسق) ، کہ تم سب ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہو (لترکبن طبقاً عن طبق)۔

فلا اقسام کے جملے میں لا کا لفظ، جیسا کہ پہلے بھی ہم نے اشارہ کیا ہے، زائد ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ اگرچہ بعض کا خیال ہے کہ نفی کے لیے ہو یعنی میں قسم نہیں کھاتا اس بنا پر کہ مفہوم عیاں ہے۔ قسم کی ضرورت نہیں ہے، یا یہ کہ مطلب اس قدر اہم ہے کہ ان قسموں کی ضرورت نہیں ہے، یا یہ کہ امور جن کی قسم کھائی گئی ہے اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے لیکن پہلے معنی (زائد اور تاکید کے لیے ہونا) زیادہ مناسب ہیں۔

”شفق“ مفردات میں راعب کے بقول دن کی روشنی کا رات کی تاریکی سے آمیختہ ہونا ہے اس لیے لفظ اشفاق اس توجہ اور عنایت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس میں خوف کا عنصر پایا جاتا ہو۔ مثلاً اگر کوئی فرد کسی شخص کے لیے محبت کے جذبات رکھتا ہو اور اس کے بارے میں کچھ حادثہ سے ڈرتا ہو تو اس حالت کو اشفاق اور ایسے شخص کو مشفق کہتے ہیں۔

لیکن فخر رازی کا نظریہ ہے کہ شفق کا لفظ اصل میں رقت اور نازک ہونے کے معنی میں ہے۔ رقت

کے معنی پتلا ہونا ہے۔ اسی لیے بہت ہی نازک اور پتلے لباس کو شفق کہتے ہیں اور شفقت کا لفظ رقت قلب کی حالت کے لیے بولا جاتا ہے (لیکن راغب کا قول زیادہ صحیح نظر آتا ہے)۔

بہر حال شفق سے مراد وہی روشنی ہے جو آغاز شب کی تاریکی کی آمیزش رکھتی ہو اور چونکہ ابتدائے شب میں ایک کم رنگ کی سرخی افق مغرب پر پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کی جگہ سفیدی لے لیتی ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ شفق کا اطلاق اس سرخی پر ہے یا سفیدی پر۔

علماء و مفسرین کے درمیان مشہور و معروف وہ پہلے ہی معنی ہیں اور اشعار عرب میں بھی اسی پر انحصار کیا گیا ہے اور شفق کو شیدوں کے خون سے تشبیہ دیتے ہیں اور (دماء الشہداء) کہتے ہیں۔
لیکن بعض مفسرین نے دوسرے معنی کو منتخب کیا ہے جو بہت ضعیف نظر آتے ہیں خصوصاً یہ کہ اگر اس کی لغوی اصل کے معنی ہم رقت سمجھیں تو پھر اس کم رنگ کی سرخی سے مناسبت رکھتے ہیں جو سورج کی رقیق اور پتلی روشنی اور نور ہے۔

بہر حال چونکہ شفق کا ظہور دنیا میں ایک گہری تبدیلی اور دگرگونی کی حالت کی خبر دیتا ہے اور دن کے اختتام اور رات کے آغاز کا اعلان کرتا ہے، اس کے علاوہ اس میں ایک خاص قسم کا جلوہ زیبائی اور خوبصورتی ہے اور ان سب سے قطع نظر نماز مغرب کا وقت ہے، لہذا خدا نے نماز مغرب کے وقت کی قسم کھائی ہے تاکہ سب لوگوں کو خبردار اور آمادہ کرے کہ وہ اس خوبصورت آسمانی وجود کے بالے میں غور و فکر کریں۔

باقی رات کی قسم کھانا تو وہ ان بہت سے آثار و اسرار کی بنا پر ہے جو اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس پر ہم پہلے مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔

”ما و سق“ کی تعبیر اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”وسق“ بکھری ہوئی چیزوں کے جمع کرنے کے معنی میں ہے، اور مختلف قسم کے جانوروں، پرندوں، یہاں تک کہ انسانوں کے اپنے گھروں، آشیانوں اور گھونسلوں کی طرف رات کے وقت لوٹنے کی طرف اشارہ ہے جس کا نتیجہ جانوروں کا عمومی آرام و سکون اور آسائش ہے اور یہ رات کے اہم آثار و اسرار میں سے ایک شمار ہوتا ہے جیسا کہ سورہ مؤمن کی

۱۔ تفسیر نمونہ، جلد ۹ ص ۱۴۳ سورہ قصص کی آیت ۱ تا ۳۷ سے رجوع فرمائیں۔

۲۔ ”ما و سق“ میں ما موصولہ ہے اور اس کے مصدر یہ ہونے کا احتمال ضعیف ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی محذوف ہے اور تقدیر میں ”وما و سقہ“ ہے۔

۳۔ ”وسق“ (بروزن غضب) اونٹ کے ایک باریا ساٹھ صاع جس کا ہر صاع تقریباً تین کلو ہے کے معنی میں آیا ہے اور وہ بھی ان سب کے مجتمع ہونے کے معنی میں ہے۔

آیت ۶۱ میں ہم پڑھتے ہیں (اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیہ) ، خدا وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لیے خلق کیا ہے تاکہ تم اس میں آرام و سکون حاصل کرو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اذا اتسق کی تعبیر اسی مادہ سے ہے اور مختلف وجودوں کے جمع ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں چودھویں رات کے چاند کی روشنی کے کمال کے معنی میں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ چاند اس حالت میں بہت ہی خوبصورت لگتا ہے اور ہر دیکھنے والی آنکھ کو دل کش نظر آتا ہے اس کا نور صفحہ زمین کو روشن کرتا ہے۔ اس کے ہلکے رنگ کی روشنی جو رات کے آرام و سکون کو خراب نہیں کرتی، رات کے مسافروں کو راستہ دکھاتی ہے اسی لیے وہ خدا کی عظیم آیات میں سے ایک آیت ہے۔ اسی بنا پر اس کی قسم کھائی گئی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ چاروں موضوعات جن کی ان آیات میں قسم کھائی گئی ہے (شفق، رات اور وہ موجودات جنہیں رات جمع کرتی ہے اور چودھویں رات کا چاند)۔

یہ سب ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ایک ایسے خوبصورت مجموعہ کو تشکیل دیتے ہیں جو انسانی فکر میں تحریک پیدا کرتا ہے تاکہ وہ تخلیق کی عظیم قوت پر غور و فکر کرے اور ان تیز تبدیلیوں سے وقوع قیامت اور قدرت خدا کے بارے میں آشنائی حاصل کرے قابل توجہ بات یہ ہے کہ مختلف امور کا یہ حصہ ایسے حالات اور تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہے جو عالم آفرینش میں ایک دوسرے کے ساتھ رونما ہوتی ہیں۔

سورج چہرہ پر نقاب ڈالتا ہے تو شفق ظاہر ہو جاتی ہے جو اس کے نور کا بقیہ ہے۔ انسان پرند چرند بڑی تیزی سے اپنے ٹھکانوں اور آشیانوں کی طرف لوٹتے ہیں اور چاند بدرکامل کی شکل میں بلند ہوتا ہے۔

توجہ فرمائیے کہ چودھویں کا چاند رات کے اسی ابتدائی حصے میں طلوع ہوتا ہے اور ان قسموں کو "لترکبن طبقاً عن طبق" کے اس جملے کی تمہید قرار دیتا ہے جو مختلف ایسے حالات کو بیان کرتا ہے جو انسان اپنی راہ حیات میں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا ہے۔ اس جملے کے لیے مفسرین نے مختلف تعبیریں بیان کی ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے۔

۱۔ مراد وہ گونا گوں حالات ہیں جو انسان خدا اور کمال مطلق کی جانب سفر کرنے کے پرمشقت راستے میں پیدا کرتا ہے۔ پہلے عالم دنیا ہے پھر عالم برزخ ہے اور پھر قیامت اور اس کے مختلف حالات ہیں۔ (توجہ فرمائیے کہ "طبق" "مطابقہ" کے مادہ سے ایک چیز کو دوسری چیز کے اوپر قرار دینے کے معنی میں ہے اور ان منزلوں کے معنی میں ہے جنہیں انسان اپنی سیر صعودی میں طے کرتا ہے)۔

۲۔ مراد وہ حالات ہیں جنہیں انسان کو نطفہ سے لے کر موت تک کے سفر میں سامنا کرنا ہوتا ہے

بعض محققین نے ایسی ۳۷ حالتیں شمار کی ہیں۔

۳۔ مراد وہ مختلف حالات و شدائد ہیں جن سے انسان دنیاوی زندگی میں صحت و بیماری، غم و اندوہ، سرور و مسرت، سختی و آرام اور صلح و جنگ کی صورت میں دوچار ہوتا ہے۔

۴۔ مراد وہ مختلف حالات و شدائد ہیں جن سے انسان قیامت میں دوچار ہوگا یہاں تک کہ حساب سے فارغ ہو کر ہر شخص اپنے اعمال کے نتیجے میں دوزخ اور جنت کی طرف جائے گا۔

۵۔ مراد وہ حالات ہیں جو گزشتہ قوموں کو پیش آئے یعنی وہی تلخ و شیریں حوادث اور انواع و اقسام کی تردیدیں اور مخالفین کے انکار اس امت میں بھی واقع ہوں گے۔ یہ مضامین ایک روایت میں امام جعفر صادقؑ سے بھی نقل ہوئے ہیں۔

ان تفسیروں کا جمع ہونا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہو سکتا ہے کہ آیت ان تمام تبدیلیوں، تغیرات اور مراحل کی طرف اشارہ کر رہی ہو جنہیں انسان اپنی زندگی میں دیکھتا ہے۔ بعض مفسرین یہاں مخاطب خود پیغمبر کو سمجھتے ہیں اور آیت کو ان آسمانوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جن سے پیغمبر اسلامؐ معراج کی شب گزرے ہیں۔

لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”لتوکلن“ میں جو ”ب“ ہے اس پر پیش ہے اور جمع کے معنی دیتا ہے، اس لیے یہ تفسیر مناسب ہے۔ خصوصاً یہ کہ گزشتہ آیات میں بھی مخاطب کل انسان تھے۔ بہر حال ان حالات کا حدوث اور آدمی کا ایک حالت پر قیام نہ کرنا، ایک تو اس کے مخلوق ہونے اور محتاج خالق ہونے کی دلیل ہے، اس لیے کہ ہر متغیر حادثہ ہے اور ہر حادثہ کو خالق کی ضرورت ہے، دوسرے اس جہان کے ناپائیدار ہونے کی دلیل ہے۔

تیسرے انسان کی پروردگارِ عالم کی طرف حرکتِ مستمر مسئلہ معاد و قیامت کی نشانی ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں آیا تھا (یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملاً قیہ) اس کے بعد گزشتہ مباحث سے ایک نتیجہ کلی اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ ایمان کیوں نہیں لاتے“ (فما لہم لا یؤمنون)۔ اس کے باوجود کہ حق کے دلائل واضح و آشکار ہیں، توحید و خدا شناسی کے بھی اور معاد و قیامت کے بھی۔

آیاتِ آفاقی بھی جو رات دن کی خلقت اور چاند سورج، نور و ظلمت، طلوع و غروب، آفتاب و شفق، رات کی روشنی اور رات کی روشنی کے تکامل میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور آیاتِ انفسی بھی۔ اس لمحے سے لے کر جب انسان کا نطفہ رحم میں قرار پاتا ہے اور یکے بعد دیگرے مختلف مراحل طے کرتا ہے یہاں تک کہ عالم جنین میں اپنے اوج کمال کو پہنچتا ہے، اس کے بعد ولادت کے لمحے سے لے کر موت تک دوسرے مراحل طے کرتا ہے تو ان واضح نشانیوں کے باوجود نوع بشر ایمان کیوں نہیں لاتی۔

اس کے بعد کتابِ تحوین سے کتابِ حق کی طرف رُخ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ خضوع اختیار کیوں نہیں کرتے؟“ (واذا قرئ علیہم القرآن لا یسجدون)۔

قرآن جو آفتاب کے مانند اپنی دلیل آپ ہے، نورِ اعجاز اس کے مختلف پہلوؤں سے عیاں ہے، پھر اس کے مضامین و شمولات یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اسے وحی کے سرچشم سے لیا گیا ہے۔

قرآن کے بارے میں ہر غیر جانبدار یہ جانتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآن کسی انسان کے دماغ کی تخلیق ہو۔ پھر انسان بھی ایسا جس نے کبھی کوئی سبق نہ پڑھا ہو اور ایک ایسے ماحول میں اس نے زندگی بسر کی ہو جو خرافات و ظلمات سے پُر ہو۔ یہاں سجدہ سے مراد خضوع، تسلیم اور اطاعت ہے۔ اور وہ مشہور سجدہ جس میں پیشانی کو زمین پر رکھتے ہیں، اس مفہوم کلی کا ایک مصداق ہے۔ اور شاید اسی بنا پر بعض روایات میں آیا ہے کہ جب پیغمبر نے ان آیات کی تلاوت فرمائی تو سجدہ کیا۔

البتہ فقہائے اہلبیت کے مشہور فتوے کے مطابق یہ سجدہ قرآن کے مستحب سجدوں میں سے ہے اور اہل تسنن کے چاروں مذاہب اس آیت کی تلاوت کے وقت سجدہ کرنا واجب سمجھتے ہیں، سوئے امام مالک کے جن کا نظریہ ہے کہ سورہ کے ختم ہونے کے بعد سجدہ کرنا چاہیے۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”بلکہ کفار ہمیشہ آیاتِ الہی اور معاد و قیامت کی تکذیب کرتے ہیں“ (بل الذین کفروا یکذبون)۔ یہاں فعل مضارع کا استعمال جو عام طور پر استمرار کے لئے ہوتا ہے، ان معانی کا گواہ ہے کہ وہ اپنی تکذیب پر مصر تھے اور یہ ایسا اصرار تھا جو محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے تھا۔ ان کی تکذیب ایسی نہیں تھی کہ انہیں اس کے لیے دلیلیں نہیں مل سکی تھیں بلکہ تعصب، اندھی تقلید، مادی منفعتوں کی حفاظت اور شیطانی خواہشات کی تسکین کے لیے تھی۔

اس کے بعد تہدید آمیز لہجے میں فرماتا ہے: ”خدا اسے اچھی طرح جانتا ہے جسے وہ اپنے دل کے اندر پنہاں رکھتے ہیں“ (واللہ اعلم بما یوعون)۔ خدا ان کی نیتوں، مقاصد اور ایسی ترغیبات سے جو مسلسل تکذیبوں کا سبب بنتی ہیں، باخبر ہے۔ وہ چاہے کتنی ہی پردہ پوشی کیوں نہ کریں، انجام کار اس

ان معانی کے شواہد میں سے گزشتہ اور آئندہ آیات کی شہادت کے علاوہ ایک یہ ہے کہ سجدہ جس کے معنی تلاوتِ قرآن کے زمین پر پیشانی رکھنا ہے ہوائے چند آیات کے نہ واجب ہے نہ مستحب اس لیے یہ جو کہہ رہا ہے کہ قرأتِ قرآن کے وقت وہ سجدہ کیوں نہیں کرتے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ سے مراد سارے قرآن کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

اس کی سزا ملے گی۔

”یوعون“ ”وعاء“ کے مادہ سے ظرف اور برتن کے معنی میں ہے، جیسا کہ حضرت علیؑ کی مشہور عبارت سے بیچ البلاغہ میں منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”ان هذه القلوب اوعیة فخيرها اوعاها“ یہ دل ظروف ہیں اور ان میں سے بہترین

دل وہی ہے جس کی حفاظت اور ظرفیت زیادہ ہو۔

بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ”پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے“ ”رفبشرهم بعذاب الیوم“۔ بشارت کی تعبیر جو عام طور پر خوشخبری کے لیے استعمال ہوتی ہے یہاں ایک قسم کے طعن اور سرزنش کے طور پر ہے۔

درحقیقت وہ اس طرح مومنین کو جنت کی وسیع نعمتوں کی بشارت دیتا ہے تاکہ تکذیب کرنے والے دوزخی حسرت و اندوہ میں ڈوب جائیں۔ اس سورہ کی آخری آیت میں ایک استثناء کی شکل میں ایک مرتبہ پھر نیک عمل مومنین کی سرنوشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالح انجام دیئے ان کے لیے اجر و ثواب ہے“ ایسا اجر جو ثابت شدہ اور منقطع نہ ہونے والا اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے۔ ”الا الذین امنوا و عملوا الصالحات لهم اجر غیر ممنون“۔

”ممنون“ ”من“ کے مادہ سے نقصان و انقطاع کے معنی میں آیا ہے اور منت کے معنوں میں بھی۔ (لفظ ممنون جو موت کے معنوں میں ہے وہ بھی اسی مادہ سے ہے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سب معانی یہاں جمع ہوں، اس لیے کہ آخرت کی نعمتیں دنیاوی نعمتوں کے برعکس، جو ناپائیدار اور نقصان پذیر بھی ہیں اور عام طور پر غیر مطلوب عوارض کی آمیزش رکھتی ہیں، کسی قسم کی منت نقصان، فنا اور غیر مطلوب عوارض نہیں رکھتیں۔ وہ جاودانی ہیں، نقصان ناپذیر ہیں اور ہر قسم کے نامناسب امور اور منت و احسان سے مبتلا ہیں۔ یہ استثناء متصل ہے یا منقطع، مفسرین کے درمیان اس میں اختلاف ہے۔

بعض نے یہ احتمال تجویز کیا ہے کہ استثنائے منقطع ہے یعنی کفار کے حالات کی تشریح جو گزشتہ آیات میں تھی اس کو چھوڑ کر مومنین کے جاودانی اجر کی بات کرتا ہے لیکن زیادہ مناسب یہی ہے کہ استثناء متصل ہو اور مقصد یہ ہو کہ کفار کے سامنے بازگشت کی راہ کھولے اور انہیں یہ بتائے کہ جو لوگ توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور اعمال صالح انجام دیں، ان سے عذاب دائمی اٹھایا جائے گا اور انہیں ایسا اجر دیا جائے گا جو دائمی ہوگا اور جس میں نقصان کا کوئی پہلو نہ ہوگا۔

ایک نکتہ

مروجہ طبری مجمع البیان میں اس سورہ کی آخری آیات سے پہلے تو اختیار اور ارادہ کی آزادی کی

اصل کا فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے کہ مجبور افراد کے بارے میں ترکِ سجدہ اور ترکِ ایمان پر ملامت کرنا خداوند حکیم کے لیے ایک امر قبیح ہے اور وہ جو یہ فرماتا ہے: (فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ) مسئلہ اختیار پر واضح دلیل ہے۔ اور پھر ترکِ سجدہ پر ملامت کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ کفار جس طرح اصولِ دین کے مکلف ہیں اسی طرح فروعِ دین کے بھی مکلف ہیں۔ (یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب لفظِ سجدہ مذکورہ بالا آیت میں نماز والے سجدے کے معنی میں ہو یا کم از کم وسیع معانی رکھتا ہو جس میں سجدہ نماز بھی شامل ہے)۔

خداوندا! جس دن سب لوگ تیری داد گاہِ عدل میں حاضر ہوں گے ہم پر حساب آسان کر دیجو۔

پروردگارا! اس راہ میں جہاں تمام بندے تیری طرف سفر کرتے ہیں صراطِ مستقیم طے کرنے میں ہماری مدد فرما۔

بار الہا! ہم تیرے قرآنِ کریم کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوتے ہیں ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

آمین یا رب العالمین
اختتام سورۃ الانشقاق۔

www.sirat-e-mustaqim.net

سُورَةُ بُرُوج

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۲۲ آیتیں ہیں

www.sirat-mustaqim.net

سورہ بروج کے مضامین اور اس کی فضیلت

ابتداءً بعثت کے زمانے میں مومنین (مکہ میں) بہت سخت رنج و تکلیف اور دباؤ کی حالت میں تھے اور ہمیشہ دشمنوں کی طرف سے جسمانی اور روحانی اذیتوں میں گرفتار رہتے تھے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ راہ ایمان کو خیر باد کہہ دیں۔

اس سلسلہ میں ایک گروہ نے صورت حال کا مقابلہ کیا لیکن بعض کمزور افراد دشمنوں کے مقت بلکہ مبین شکستہ دل ہو کر راہ ایمان سے ہٹ گئے۔ اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ مکی ہے یوں نظر آتا ہے کہ اس کا مقصد اصلی مومنین کے قلب و روح میں تقویت پیدا کرنا ہے۔ یہ سورہ ان مومنین کو پامردی اور استقامت کا شوق دلاتا ہے۔

اس صورت حال کے حوالے سے پروردگار عالم اس سورہ میں اصحاب اخذود کے واقعہ کو نقل کرنا ہے وہی لوگ جنہوں نے خندق کھودی، اس میں بہت زیادہ آگ جلائی اور مومنین کو اس آگ میں جلاسنے کی دھمکی دی اور ایک گروہ کو اس آگ میں جلایا لیکن انہوں نے راہ ایمان کو خیر باد نہیں کہا۔ پھر اس سورہ کے دوسرے حصہ میں ان کافروں کو تنبیہ کرتا ہے جنہوں نے مومنین پر دباؤ ڈال رکھا تھا اور انہیں جہنم کے جلائے والے عذاب کی خبر دیتا ہے جبکہ جنت کے پُر نعمت باغات کی مومنین کو بشارت دیتا ہے۔

بعد والے حصہ میں انہیں گزشتہ تاریخ کی طرف لے جاتا ہے اور فرعون و ثمود اور دیگر ظالم اقوام کی داستانیں ان کی نگاہوں کے سامنے مجسم کر کے پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ عذاب الہی نے انہیں کس طرح نابود کر دیا لہذا کفار مکتہ جو ان کی نسبت بہت کمزور تھے اپنا اندازہ لگا لیں نیز یہ کہ یہ صورت حال پیغمبر اور مومنین کے دلوں کی تسلی کا سبب بھی ہو۔

اس سورہ کے آخری حصہ میں قرآن مجید کی عظمت اور وحی الہی کی سب سے زیادہ اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اسی مفہوم پر سورہ کو ختم کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ سورہ مومنین کو ظالموں کے مقابلہ میں پامردی، استقامت اور صبر و شکیبائی کا درس دیتا ہے۔ اس کی آیتوں کے اندر نصرت الہی کا وعدہ بھی چھپا ہوا ہے۔ اس سورہ کا جو بروج نام رکھا گیا ہے وہ اس لفظ کی وجہ سے ہے جو اس کی پہلی آیت میں آیا ہے۔

اس سورہ کی فضیلت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ پیغمبر اسلام کی ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ :

(من قرأ هذه السورة اعطاه الله من الاجر بعدد كل من اجتمع في جمعة وكل

من اجتمع في يوم عرفة عشر حسنات وقراءتها تنجي من المخاوف والشدائد)

”جو شخص اس سورہ کو پڑھے تو خداوند عالم اسے ان افراد کی تعداد سے جو نماز جمعہ میں جمع

ہوتے ہیں اور ان کی تعداد سے جو یوم عرفہ میں عرفات میں جمع ہوتے ہیں، دس گنا حسنت دیتا ہے اور اس کی تلاوت انسان کو خوف و ہراس اور مصائب سے رہائی بخشتی ہے۔
اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”شاہد و مشہود“ کی ایک تفسیر روز جمعہ اور روز عرفہ ہے، نیز اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ گزشتہ سورہ مصیبتوں کے مقابلہ میں مومنین کی مقادمت کو بیان کرتی ہے، لہذا اس احبد و ثواب کی مناسبت سورہ کے مضامین سے واضح ہو جاتی ہے اور حتمی طور پر یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمام احبد و ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جو اسے پڑھیں، اس میں غرور و منکر کریں اور پھر اس پر عمل کریں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ (۱)

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ (۲)

وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۝ (۳)

قَتَلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۝ (۴)

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۝ (۵)

إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝ (۶)

وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝ (۷)

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ

الْحَمِيدِ ۝ (۸)

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ

شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ (۹)

ترجمہ رحمن و رحیم خدا کے نام سے

(۱) قسم ہے آسمان کی جس کے بہت سے بروج ہیں۔

(۲) اور قسم ہے اس موعود دن کی۔

(۳) اور شاہد و مشہود کی (شاہد سے مراد پیغمبر اور اعمال کے گواہ ہیں اور مشہود سے

مراد اعمال ہیں)۔

- ۴ موت اور عذاب ہو ایذا دینے والے اصحابِ اخذ و دپر (آگ کی خندق)۔
- ۵ شعلہ اور آگ سے پُر خندقیں۔
- ۶ جس وقت وہ اس کے کنارے پر بیٹھے تھے۔
- ۷ اور جو کچھ وہ مومنین کی نسبت انجام دیتے تھے (سرد مہری سے) اسے دیکھ رہے تھے۔
- ۸ انہیں کوئی اعتراض ان (مومنین) پر نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ خداوند عزیز و حمید پر ایمان لاتے تھے۔
- ۹ وہی خدا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت جس کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

تفسیر

مومنین انسانوں کو جلانے والی بھٹیوں کے سامنے

ہمیں معلوم ہے کہ مجھے کے مسلمان ابتدا میں سخت فشار اور دباؤ میں تھے اور دشمن ان کے لیے ہر قسم کی تکلیف کو جائز سمجھتے تھے اور جیسا کہ ہم نے سورہ کے مضامین کی تشریح میں کہا ہے اس سورہ کے نزول کا مقصد ان ایذا پہنچانے والے کفار کو خبردار کرنا ہے کہ وہ ماضی کی اپنے سے مشابہت رکھنے والی اقوام کے لوگوں کی سرفروشت کو پیش نظر رکھیں، اور ساتھ ہی یہ سورہ موجودہ مومنین کی تسلی، دلداری اور تقویتِ روحانی کا باعث اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک درس بھی ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”قسم ہے آسمان کی جس کے ثبوت سے بروج ہیں“ (والسما ذات البروج) ”بروج“ ”برج“ کی جمع ہے جس کے معنی اصل میں قصر اور محل کے ہیں۔

بعض مفسرین نے اسے ظاہر و آشکار شے کے معنوں میں لیا ہے اور بلند و بالا عمارات کو اس نام سے منسوب کرنے کا سبب ان کے ظاہر ہونے کو قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر شہر کے اطراف کی دیوار کے ایک خاص حصہ کو اور لشکر کے جمع ہونے کی جگہ کو جو نمایاں ہوتی ہے برج کا نام دیا جاتا ہے اور جب عورت اپنی زینت کا

اظهار کرے تو اسے تہجرت المراء کہا جاتا ہے بلکہ

آسمانی برج یا تو آسمان کے درخشاں اور روشن ستاروں کے معنی میں ہے یا آسمانی شکلوں اور صورتوں کے معنی میں ہے یعنی ستاروں کا ایسا مجموعہ جو ہماری نظروں کے اعتبار سے موجودات زمین میں سے کسی ایک سے مشابہت رکھتا ہے اور بارہ برج بارہ فلکی شکلیں ہیں۔ سورج اپنے سالانہ سفر میں سے ہر ماہ ان میں سے ایک برج کی حدود میں گزارتا ہے البتہ سورج حرکت نہیں کرتا۔ زمین اس کے گرد گردش کرتی ہے لیکن نظر آتا ہے کہ سورج حرکت کر رہا ہے اور ان فلکی صورتوں میں سے کسی ایک کے سامنے آگیا ہے۔ ان معانی میں سے جو بھی ہوں وہ عظیم ہیں اور پھر ان کی عظمت بھی ایسی ہے جو غالباً اس زمانے میں عربوں پر واضح نہیں تھی لیکن موجودہ زمانے میں ہمارے لیے جانی پہچانی ہے۔ اگرچہ زیادہ ہی نظر آتا ہے کہ مراد وہی آسمانی ستارے ہوں۔ ایک حدیث میں منقول بھی ہے کہ لوگوں نے پیغمبر اسلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے: ”اور قسم ہے اس موعود دن کی“ (قیامت کا ذکر ہے) کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (والیوم الموعود)۔ وہی دن جس کی تمام انبیاء اور پیغمبروں نے خبر دی ہے اور قرآنی آیتیں جس کے ثبوت کے طور پر ہیں وہی دن جو اولین و آخرین کی وعدہ گاہ ہے اور وہی دن کے حساب کا فیصلہ ہونا ہے۔

تیسری اور چوتھی قسم میں فرماتا ہے: ”اور قسم ہے شاہد و مشہود کی“ (روشاہد و مشہود)۔ یہ شاہد و مشہود سے کیا مراد ہے اس کی علماء نے بہت سی تفسیریں کی ہیں جو تعداد میں تیس سے زیادہ ہیں جن میں سب سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

۱۔ شاہد سے مراد پیغمبر اسلام کی ذات گرامی ہے جیسا کہ قرآن مجید کہتا ہے: (یا ایہا النبی اننا ہلکنا و ما کنا ندرک) (شاہد و مبشر و نذیر) ”اے پیغمبر ہم نے تجھے شاہد، بشارت دینے والے اور ڈرانے والے کی حالت سے بھیجا ہے“ (احزاب - ۴۵)۔ اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: (ذالک یوم یجمعون) (الناس و ذالک یوم مشہود) قیامت کا دن وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع ہوں گے وہ دن کے طور پر ”مشہور“

بعض محققین کا نظریہ ہے کہ یہ لفظ فارسی لفظ ”بزر“ سے لیا گیا ہے جو بلندی بزرگی اور شکوہ کے معنی رکھتا ہے پران قاطع اور اس کے حاشیہ کی وجہ سے یہ بارہ صورتیں عبارت ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حمل سے جو اس کے ترتیب سے گوسفند، بیل، دھبے جو اخروٹ کھیل رہے ہیں، کیکڑا، شیر، خوشہ، ترازو، بھجھو، کمان، بکری، بول اور مچھلی کی شکلیں ہیں۔

اور آشکار دن ہے۔ (ہود۔ ۱۰۳)۔

۲۔ شاہد سے مراد انسان کے اعمال کے گواہ ہیں مثلاً اس کے جسم کے اعضاء و جوارح جیسا کہ سورہ نور کی آیت ۲۴ میں ہمیں ملتا ہے (یوم تشهد علیہم السنتہم وایدیہم وارجلہم بما كانوا یعملون) وہ دن جس میں ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ لہذا مشہود سے مراد انسان اور اس کے اعمال ہیں۔

۳۔ شاہد کے معنی جمعہ کا دن ہے جو نماز کے بہت ہی اہم مراسم کے سلسلہ میں مسلمانوں کے اجتماع کا شاہد ہے اور "مشہود" عرفہ کا دن ہے کہ بیت اللہ الحرام کے زائرین اس دن کے شاہد و ناظر ہیں۔ ایک روایت میں پیغمبر اسلام، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے یہ تفسیر منقول ہے۔

۴۔ شاہد عید قربان کا دن ہے اور "مشہود" عرفہ کا دن ہے (جو عید قربان سے ایک دن پہلے ہے)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اس نے کسی کو دیکھا کہ بیٹھا ہوا ہے اور رسول اللہؐ سے حدیث نقل کر رہا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اس شخص سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو اس نے کہا: شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں وہاں سے ہٹ کر ایک دوسرے شخص کے پاس گیا وہ بھی رسول اللہؐ سے حدیث نقل کر رہا تھا تو میں نے اس آیت کی تفسیر اس سے بھی پوچھی تو اس نے کہا کہ شاہد جمعہ کا دن اور مشہود عید قربان کا دن ہے۔ اس سے ہٹ کر میں ایک نوجوان کے پاس گیا جو خوبصورت تھا اور رسول خداؐ ہی سے حدیث بیان کر رہا تھا۔ میں نے کہا اس آیت کی تفسیر کے بارے میں مجھے بتا، تو اس نے کہا: "شاہد محمد ہیں اور مشہود قیامت کا دن ہے۔ کیا تو نے سنا نہیں کہ خدا کہتا ہے:"

(یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہداً و مبشراً و نذیراً) اور یہ بھی نہیں سنا کہ خدا کہتا ہے: (ذالک یوم

مجموع لہ الناس و ذالک یوم مشہود)

میں نے سوال کیا کہ پہلا شخص کون تھا یوگوں نے بتایا ابن عباس، دوسرے کے متعلق پوچھا تو بتایا عبداللہ بن عمر اور تیسرے کے متعلق پوچھا تو بتایا کہ وہ حنین بن علی علیہ السلام تھے۔

۵۔ شاہد سے مراد راتیں اور دن ہیں اور مشہود سے مراد اولاد آدم جن کے اعمال کی وہ گواہی دیں گے جیسا کہ امام زین العابدینؑ کی صبح و شام کی دعا میں ہم پڑھتے ہیں (ہذا یوم حادث جدید و هو علینا شاہد عتید ان احسنّا و دعنا بحمد و ان اسأنا فارقتنا بذنب) یہ نیا دن ہے جو ہمارے اعمال کا شاہد ہے اگر ہم نیکی کریں تو

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۶۶۔

۲۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۴۳۔ یہی مضمون ابوالفتح رازی اور طبرسی نے بھی اپنی تفسیروں میں نقل

کیا ہے۔

حمد و سپاس کے ساتھ ہم کو الوداع کے گا اور اگر برائی کریں تو مذمت کرتا ہوا ہم سے جدا ہوگا۔

۶۔ شاہد سے مراد ملائکہ اور مشہود سے مراد قرآن ہے۔

۷۔ شاہد سے مراد حجر الاسود اور مشہود سے مراد حجاج حرم ہیں جو اس کے پاس آتے ہیں اور اس پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

۸۔ شاہد مخلوق اور مشہود حق تعالیٰ ہے۔

۹۔ شاہد سے مراد امت اسلامی اور مشہود سے مراد دوسری امتیں ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۴۳ میں آیا۔
(لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) مقصد یہ ہے کہ تم دوسری امتوں پر گواہ بنو۔

۱۰۔ شاہد پیغمبر اسلام ہیں اور مشہود باقی تمام انبیاء ہیں۔ سورہ نسا کی آیت ۴۱ میں گواہی ہے (وَجُنَّابُكُ عَلَى هَؤُلَاءِ شُهَدَاءُ) اس دن ہم تجھے دوسرے انبیاء کا گواہ بنا کر لائیں گے۔

۱۱۔ شاہد پیغمبر اور مشہود حضرت علی ہیں۔

البتہ اس آیت کی گزشتہ آیتوں سے مناسبت اس کو قبول کرتی ہے کہ روز قیامت کے مشہود اور گواہوں کی طرف اشارہ ہو عام اس سے کہ وہ پیغمبر اسلام ہوں یا باقی انبیاء اپنی امتوں کے مقابلہ میں، یا ملائکہ ہوں یا بدلتی انسانی کے اعضاء و جوارح یا رات دن یا کچھ امور اور مشہود سے مراد انسان ہوں یا ان کے اعمال۔

اسی طرح بہت سی تفسیریں ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتی ہیں اور ایک مجموعی مفہوم میں ان کا خلاصہ ہو جائے گا۔ لیکن روز جمعہ، روز عرفہ اور روز عید جیسی تفسیریں ان معانی سے الگ ہیں اگرچہ وہ بھی روز محشر کے مشہود اور انسانوں کے اعمال کے گواہ ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک ایسا پُرہجوم دن ہے جو اس دنیا میں قیامت کا ایک منظر شمار ہوتا ہے۔

اس بیان کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ ان تفسیروں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ شاہد و مشہود کے وسیع مفہوم میں یہ سب شامل ہوں۔ اور یہ قرآن کی عظمت کی ایک نشانی ہے کہ اس میں اس قسم کے وسیع مفاہیم ہیں جو مختلف اور کافی تفسیروں کو اپنے اندر جگہ دیتے ہیں، اس لیے کہ شاہد ہر قسم کے گواہ کو کہتے ہیں اور مشہود ہر اس چیز کو جس کی گواہی دی جائے۔ پھر یہ دونوں نکرہ کی شکل میں بیان ہوئے ہیں جو اس شاہد اور مشہود کی عظمت کی طرف اشارہ ہے جو اوپر والی تفسیروں میں منعکس ہوا ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ایک لطیف و عمدہ تعلق ان چار حصوں کے درمیان اور اس مطلب کے درمیان، جس کی قسم کھائی گئی ہے، موجود ہے۔ آسمان، درختاں ستارے اور اس کے موزوں برج سب کے سب نظم و حساب کی نشانی ہیں اور یوم موعود حساب و کتاب کا واضح منظر ہے شاہد و مشہود بھی اسی حساب کی نکتہ رسی کا ذریعہ ہیں۔

پھر یہ تمام قسمیں اس لیے ہیں کہ ایذا پہنچانے والے ظالموں کو خبردار کرے کہ سچے مومنین کے ساتھ کیے جانے والے ان کے تمام مظالم مثبت و ضبط ہیں اور یوم موعود کے لیے انہیں محفوظ کیا گیا ہے اور وہ مشہود جنہوں نے تمہارے جسم کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، عام اس سے کہ وہ فرشتے ہوں یا تمہارے جسم کے اعضاء و جوارح یا رات دن یا اور اس قسم کی اشیاء، وہ سب ان کاموں کو نظر میں رکھے ہوئے ہیں اور قیامت میں وہ گواہی دیں گے۔
اس لیے ان قسموں کے بعد فرماتا ہے: ”موت اور عذاب تشدد کرنے والوں پر ہو“ (قتل اصحاب الاخذود)۔ ”وہی خندق جو آگ اور لکڑیوں سے پُر تھیں جن میں سے بڑے بڑے شعلے نکل رہے تھے“ (النار ذات الوقود)۔ ”جس وقت وہ اس آگ کی خندق کے پاس بیٹھے ہوئے تھے (سرد مہری سے) (اذہم علیہما تعود)۔“ اور جو کچھ وہ مومنین کے بارے میں انجام دے رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔ (وہم علی ما يفعلون بالمؤمنین شہود)۔

”اخذود“ مفردات میں، راغب کے بقول زمین وسیع و عمیق اور کھلے ہوئے شکاف کے معنی میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں بڑی بڑی خندقیں اور گڑھوں کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع ”اخاذید“ ہے اور اصل انسان کے خد سے لی گئی ہے جو انسان کی ناک کے دونوں طرف دائیں اور بائیں دو دھنسی ہوئی جگہوں کے معنی میں ہے۔ (رخسار) اور گریہ کرتے وقت اس پر آنسو جاری ہوتے ہیں۔

اس کے بعد بطور کنایہ اس گڑھے پر اس کا اطلاق ہوا ہے جو زمین پر ظاہر ہو (پھر ایک حقیقی معنی کی شکل اختیار کر گیا ہے)۔ یہ کہ یہ اذیت دینے والا گروہ کون تھا اور کس زمانے میں تھا، مفسرین اور ارباب تاریخ اس سلسلہ میں مختلف نظریات کے حامل ہیں جن کی تشریح انشاء اللہ آیات کے ذیل میں نکات کی بحث میں آئے گی۔ لیکن یہ طے شدہ بات ہے کہ انہوں نے آگ کی بہت بڑی بڑی خندقیں بنا رکھی تھیں۔

وہ مومنین کو مجبور کرتے تھے کہ اپنے ایمان سے دستبردار ہو جائیں۔ مومنین جس وقت ان کے سامنے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو وہ انہیں جلانے والی ان بھٹیوں میں ڈال کر آگ لگا دیتے تھے۔

”وقود“ اصل میں اس مادہ کے معنی میں ہے جس سے وہ آگ لگاتے تھے (لکڑیاں وغیرہ) اور ذات الوقود کی تعبیر اگرچہ ایندھن کی محتاج ہوتی ہے لیکن یہاں اسے آگ بھڑکانے والے مواد کی کثرت کی طرف اشارہ ہے، جسے وہ استعمال کرتے تھے اور جس کی آگ طبعی طور پر بہت زیادہ اور تیز ہوتی تھی۔

۱۔ اس بنا پر جواب قسم یہاں محذوف ہے اور قتل اصحاب الاخذود کا جملہ یا ان الذین فتنوا المؤمنین و المؤمنات اس پر دلالت کرتے ہیں اور تقدیر میں اس طرح ہے اقسام بھذہ الامور ان الذین فتنوا المؤمنین و المؤمنات معذبون ملعونون کما لعن اصحاب الاخذود۔ میں ان امور کی قسم کھاتا ہوں جن لوگوں نے مومنین مرد و عورت کو مصیبت میں ڈالا وہ ملعون و معذب ہیں جس طرح خندق والے معذب تھے۔

یہی وجہ ہے، کہ جسے بعض مفسرین نے سمجھا ہے کہ وقود کے دو معنی ہیں، ایک ایندھن اور دوسرے شعلہ اور انہوں نے افسوس کیا ہے کہ مفسرین و مترجمین نے اس نکتہ کی طرف توجہ کیوں نہیں کی۔ اس آیت (اذہم علیہما قعود) اور اس کے بعد کی دوسری آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک گروہ انتہائی سردہری سے بیٹھا ہوا تھا اور اس تشدد کو دیکھ رہا تھا اور لذت حاصل کر رہا تھا جو خود ان کی انتہائی قسادت اور سخت دل ہونے کی نشانی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ گروہ مذہب حق سے مومنین کو روگرداں کرنے پر مامور تھا۔ بعض نے انہیں دو گروہوں پر مشتمل سمجھا ہے، ایک اذیت دینے والا اور دوسرا تماشہ دیکھنے والا اور چونکہ دیکھنے والے تشدد کرنے والوں کے اعمال سے راضی تھے لہذا اس فعل کی ان سب کی طرف نسبت دی گئی ہے اور یہ فطری بات ہے کہ اس قسم کے کام میں ایک گروہ ہمیشہ کام کرنے والا ہوتا ہے اور ایک دیکھنے والا۔ علاوہ ازیں ان کے سرغننے عام طور پر حکم دیتے ہیں اور کارندے نچلے طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا اور تشدد کے عمال کی نگرانی کر رہا تھا کہ وہ متعلقہ کام سے کسی قسم کی روگردانی نہ کریں اور بادشاہ کے سامنے گواہی دیں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو ابھی طرح نبھایا ہے۔ اس گروہ کی تشکیل ان مختلف گروہوں سے بھی بعید نظر نہیں آتی۔ لہذا ان تمام تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

بہر حال یفعلون کا جملہ فعل مضارع کی شکل میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل ایک مدت تک استمرار رکھتا تھا اور کوئی یک محنت ہونے والا حادثہ نہیں تھا۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے، ”وہ تشدد کرنے والے ان مومنین پر سواتے اس کے اور کوئی اعتراض نہیں رکھتے تھے کہ وہ خداوند عزیز و حکیم پر ایمان لائے ہوئے تھے“ (وما نقموا منهم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید)۔

جی ہاں! ان کا جرم اور گناہ صرف خدائے واحد و یگانہ دیکتا پر ایمان تھا۔ خداوند قادر جو ہر قسم کی ستائش کے لائق اور ہر قسم کے کمال کا جامع ہے، تو کیا اس قسم کے خدا پر ایمان لانا جرم و گناہ ہے یا ہر قسم کے شعور و شائستگی۔ محروم بتوں پر ایمان رکھنا کوئی گناہ یا جرم ہے؟

”نقمو“، ”نقم“ (بروزن قلم) کے مادہ سے کسی چیز کا انکار کرنے یا اسے عیب لگانے کے معنی میں ہے۔ زبانی طور پر عیب لگانا یا کسی قسم کی عملی طور پر سزا دینا، یہ دونوں پہلو اس کے معنی میں داخل ہیں۔ اسی مادہ سے انتقام چلے یہ بات طے شدہ ہے کہ اس قسم کا کام ایک بڑے اور واضح گناہ کے مقابلہ میں سرانجام پاتا ہے، نہ کہ پروردگار عالم پر ایمان لانے کے سلسلہ میں۔

اس قسم کے اقدام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ قوم جو یہ کام کر رہی تھی اس کا تمدن نہایت پست اور بگڑا ہوا تھا، جیسا کہ ان کے نزدیک ایک افتخار و اعزاز والا کام عظیم ترین جرم و گناہ تھا۔ بہر حال یہ چیز سورہ مائدہ کی آیت ۵۹ میں آئی ہے کہ جادوگروں نے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے اور

فرعون کی طرف سے تشدد اور قتل کی دھمکی کے بعد اس سے کہا کہ (هل تنفون منا الا ان امنا بالله) تو تم سے صرف اس وجہ سے انتقام لے رہا ہے کہ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں۔

”عزیز“ طاقتور اور شکست نہ کھانے والے اور حمید ہر قسم کی تعریف و توصیف کے قابل اور ہر قسم کے کمال کے حامل کی تعبیر حقیقت میں ان کے جرائم کا جواب ہے اور ان کے برخلاف ایک دلیل ہے یعنی کیا اس قسم کے خدا پر ایمان لانا جرم و گناہ ہے۔

ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہے کہ یہ بات تشدد کرنے والے کے لیے پورے دور تاریخ میں ایک قسم کی تہدید و تنبیہ بھی ہے کہ خداوند عزیز و حمید ان کی تحین گاہ میں ہے۔ اس کے بعد وہ عظیم معبود اپنے دو اور اوصاف کو بیان کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

”وہی خدا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت جس کے لیے ہے اور جو ہر چیز کا گواہ ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے (الذی له ملک السموات والارض واللہ علی کل شئیء شہید)۔

حقیقت میں یہ چار اوصاف ایسے ہیں جو عبودیت کے لیے قابلیت کو مسلم کر دیتے ہیں اور یہ بتا دیتے ہیں کہ خدا وہ ہے جو قادر و توانا ہے ہر قسم کے کمال کا حامل ہے وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔ یہ چیز مومنین کے لیے بشارت بھی ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں وہ ان کے صبر و استقامت کو دیکھتا ہے اور ان کے ایثار و قربانی اور فداکاری کا اسے علم ہے۔

ایسی صورت حال ان کو قوت، توانائی اور احساس نشاط عطا کرتی ہے دوسرے یہ ان کے دشمنوں کے لیے تہدید اور دھمکی ہے کہ اگر خدا ان کے کام میں مانع نہیں ہوتا تو یہ اس کی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ آزمائش اور امتحان کی وجہ سے ہے اور انجام کار یہ ظالم اپنے گناہ کے نتیجے میں دردناک عذاب کا تلخ مزہ چکیں گے۔

چند نکات

۱۔ اصحاب اُخذ و د کون لوگ تھے؟

ہم بتا چکے ہیں اُخذ و د عظیم گڑھے اور خندق کے معنی میں ہے اور یہاں بڑی بڑی خنقیں مراد ہیں جو آگ سے پڑھتیں تاکہ تشدد کرنے والے اس میں مومنین کو پھینک کر جلائیں۔ یہ حقیقت کہ یہ واقعہ کس قوم سے متعلق ہے اور کس وقت معرض وجود میں آیا اور کیا یہ ایک خاص معین و مقرر واقعہ تھا یا دنیا کے مختلف علاقوں کے اسی قسم کے متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے،

مفسرین و مورخین کے درمیان اس موضوع پر اختلاف ہے سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ سرزمین مین کے قبیلہ حمیر کے ذونواس نامی بادشاہ کے دور کا ہے۔

لے حمیرین کے مشہور قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ذونواس جو حمیر نامی قبیلہ سے متعلق تھا یہودی ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا پورا قبیلہ بھی یہودی ہو گیا۔ اس نے اپنا نام یوسف رکھا۔ ایک عرصہ تک یہی صورت حال رہی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ کسی نے اسے خبر دی کہ سرزمین بخران (بین کا شمالی حصہ) میں ابھی تک ایک گروہ نصرانی مذہب پر قائم ہے۔ ذونواس کو ہم مسلک لوگوں نے اُسے اس بات پر ابھارا کہ اہل بخران کو دین یہود کے قبول کرنے پر مجبور کرے۔

وہ بخران کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے وہاں کے رہنے والوں کو اکٹھا کیا اور دین یہود ان کے سامنے پیش کیا اور ان سے اصرار کیا کہ وہ اس دین کو قبول کریں۔ لیکن انہوں نے انکار کیا اور شہادت قبول کرنے پر تیار ہو گئے۔ انہوں نے اپنے دین کو خیر باد نہ کہا۔ ذونواس کے حکم پر اس کے حامیوں نے ایک بہت بڑی فوج بھودی اس میں لکڑیاں ڈالیں اور آگ لگا دی۔ ذونواس اور اس کے ساتھیوں نے ایک گروہ کو پکڑ کر اس آگ میں زندہ جلایا اور ایک گروہ کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اس طرح آگ میں جلنے والوں اور مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سلسلہ بردار و گیر سے پنج کر نصاریٰ بنی بخران کا ایک آدمی قیصر روم کے دربار میں جا پہنچا۔ اس نے وہاں ذونواس کی شکایت کی اور اس سے مدد طلب کی۔ قیصر نے کہا تمہاری سرزمین بخران سے دور ہے بادشاہ حبشہ کو خط لکھتا ہوں جو عیسائی ہے اور تمہارا ہمسایہ ہے میں اس سے کہتا ہوں کہ وہ تمہاری مدد کرے۔

پھر اس نے خط لکھا اور حبشہ کے بادشاہ سے نصاریٰ بخران کے عیسائیوں کے خون کا انتقام لینے کی خواہش کی وہ بخرانی شخص بادشاہ حبشہ نجاشی کے پاس گیا۔ نجاشی اس سے یہ تمام ماجرا سن کر بہت متاثر ہوا اور سرزمین بخران میں شعلہ دین مسیح کے خاموش ہو جانے کا اسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے ذونواس سے شہیدوں کے خون کا بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اس مقصد کے پیش نظر حبشہ کی فوج بین کی طرف روانہ ہوئی اور ایک گھسان کی جنگ کے نتیجے میں اس نے ذونواس کو شکست فاش دی اور ان میں سے بہت سے افراد کو قتل کیا۔ جلد ہی بخران کی حکومت نجاشی کے قبضہ میں آگئی اور بخران حبشہ کا ایک صوبہ بن گیا۔

بعض مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ اس خندق کا طول چالیس ذراع (ہاتھ) تھا اور اس کا عرض بارہ ذراع تھا (ایک ذراع تقریباً آدھا میٹر ہے اور بعض اوقات گز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو تقریباً ایک میٹر ہے) بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سات گڑھے تھے جن میں سے ہر ایک کی وسعت اتنی ہی تھی جتنی اوپر بیان ہوئی ہے۔

۱۔ تفسیر علی بن ابراہیم فی جلد ۲ ص ۴۱۴۔

۲۔ قصص قرآن بلاغی، ص ۲۸۸۔

۳۔ تفسیر روح المعانی اور ابوالفتح رازی زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

مندرجہ بالا واقعہ تاریخ و تفسیر کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔ منجملہ دیگر کتب کے عظیم مفسر طبری نے مجمع البیان میں، ابو الفتوح رازی نے اپنی تفسیر میں، فخر رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں، آلوسی نے روح المعانی میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں زیر بحث آیات کے ذیل میں اسی طرح ہشام نے اپنی سیرۃ (جلد اول ص ۳۵) میں اور ایک دوسری جامعہ نے اپنی کتب میں اس واقعہ کو تحریر کیا ہے۔

جو کچھ ہم نے تحریر کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ تشدد کرنے والے بے رحم افراد آخر کار عذاب الہی میں گرفتار ہوئے اور ان سے اس خونِ ناحق کا انتقام دنیا ہی میں لیا گیا اور عاقبت کا عذاب جہنم ابھی ان کے انتظار میں ہے۔

انسانوں کو جلانے والی یہ بھٹیاں جو یہودیوں کے ہاتھ سے معرضِ وجود میں آئیں، احتمال اس امر کا ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں یہ پہلی آدم سوز بھٹیاں تھیں لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اسی قسم کی قساوت ادبے رحمی کا خود یہودی بھی شکار ہوئے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے بہت زیادہ لوگ مہلک کے حکم سے آدم سوز بھٹیوں میں جلاتے گئے اور اس جہان میں بھی عذابِ حریق کا شکار ہوئے۔

علاوہ ازیں ذونواس یہودی، جو اس منحوس اقدام کا بانی تھا، وہ بھی اپنی بد اعمالی کے انجام سے نہ بچ سکا۔ جو کچھ اصحابِ اخدود کے بارے میں درج کیا گیا ہے یہ مشہور و معروف نظریات کے مطابق ہے لیکن اس ضمن میں کچھ اور روایات بھی موجود ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اصحابِ اخدود صرف یمن میں ذونواسی ہی کے زمانے میں نہیں تھے۔ بعض مفسرین نے تو ان کے بارے میں دس قول نقل کیے ہیں۔

ایک روایت حضرت امیر المومنین علیؑ سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا ہے کہ وہ اہل کتاب مجوسی تھے جو اپنی کتاب پر عمل کرتے تھے۔ ان کے بادشاہوں میں سے ایک نے اپنی بہن سے مباشرت کی اور خواہش ظاہر کی کہ بہن سے شادی کو جائز قرار دے لیکن لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ بادشاہ نے ایسے بہت سے مومنین کو جنہوں نے یہ بات قبول نہیں کی تھی چلتی ہوئی آگ کی خندق میں ڈلوادیا۔

یہ فارس کے اصحابِ الاخدود کے بارے میں ہے۔ شام کے اصحابِ الاخدود کے بارے میں بھی علماء نے لکھا ہے کہ وہاں مومنین رہتے تھے اور آنتیا حوس نے انہیں خندق میں جلوایا تھا۔

بعض مفسرین نے اس واقعہ کو بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر حضرت دانیالؑ کے اصحاب و انصار کے ساتھ مربوط سمجھا ہے جس کی طرف تورات کی کتاب دانیال میں اشارہ ہوا ہے اور تعلیمی نے بھی اخدود فارسی کو انہی پر منطبق کیا ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ اصحابِ اخدود میں یہ سب کچھ اور ان جیسے دوسرے لوگ شامل ہوں اگرچہ اس کا مشہور و معروف مصداق سر زمین یمن کا ذونواس ہی ہے۔

۲۔ حفظ ایمان کے سلسلہ میں استقامت

ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں ماضی و حال دونوں میں خداکاری کی بہت درخشاں مثالیں ہیں۔ تاریخ انسانی بہت سے ایسے افراد کا پتہ دیتی ہے جنہوں نے اس راستے میں جام شہادت نوش کیا ہے اور سولی کی رسی اور جلادوں کی تلواروں کو بوسہ دیا ہے اور پروانہ وار تشدد کرنے والوں کی روشن کی ہوئی آگ میں جلے ہیں جن میں سے صرف ایک گروہ کا نام و نشان تاریخ میں محفوظ ہے۔

آسیہ زن فرعون کی داستان ہم نے سنی ہے جو موسیٰ بن عمران پر ایمان لانے کی وجہ سے ان تمام شدائد سے دوچار ہوئی اور جس نے انجام کار اس راہ میں اپنی جان جان آفرین کی بارگاہ میں پیش کی۔ ایک حدیث میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ خدا نے حبشہ کے لوگوں میں سے ایک پیغمبر ان پر مبعوث کیا وہ لوگ اس پیغمبر کی تکذیب پر آمادہ ہوئے۔ ان کے درمیان جنگ ہوئی۔ آخر کار ان لوگوں نے اس پیغمبر کے اصحاب میں سے ایک گروہ کو قتل کیا اور ایک گروہ کو اس پیغمبر سمیت گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ایک جگہ آگستار کی اور لوگوں کو اس کے قریب بلایا اور کہا جو شخص ہمارے دین پر ہے وہ ایک طرف ہو جائے اور جو اس گروہ کے دین پر ہے وہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے۔ پیغمبر کے وہ مقید ہمراہی آگ میں کودنے پر ایک دوسرے سے منع کرتے تھے۔ اس موقع پر ایک عورت آئی جس کی گود میں ایک بیٹے کا بچہ تھا۔ جس وقت عورت نے چاہا کہ اس آگ میں چھلانگ لگاتے تو شفقتِ مادی جوش میں آئی اور سدا راہ ہوئی تو اس بچے نے کہا اے مادرِ گرامی خوف نہ کھائیں آپ خود بھی اس آگ میں کود جائیں اور مجھ کو بھی ڈال دیں۔ خدا کی قسم یہ چیز راہِ خدا میں بہت معمولی ہے

ان لهذا والله فی اللہ قلیل... اور یہ بچہ بھی ان افراد میں سے تھا جنہوں نے گوارہ میں کلام کیا۔ اس داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھا گروہ اصحاب الاذود کا حبشہ میں تھا۔ حضرت عمارؓ یا سر کے ماں باپ اور ان جیسے دوسرے افراد کی داستان اور اس سے بڑھ کر حضرت امام حسینؑ کا واقعہ جاں بازی اور میدانِ کربلا میں ایک دوسرے سے بڑھ کر جام شہادت نوش کرنا اسلام میں مشہور و معروف ہے۔

ہم نے اپنے اس زمانے میں بھی بہت زیادہ نمونے اس موضوع کے اپنے کانوں سے سنے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں کہ بوڑھوں اور جوانوں نے دین و ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنی جان بھیلی پر رکھ کر نہایت الوہانہ انداز میں منزل شہادت کی طرف قدم بڑھائے۔ کتنا یہ چاہیے کہ خدا کے دین کی بقا گزشتہ اور موجودہ زمانہ میں اس قسم کی قربانیوں کے بغیر ممکن نہ تھی۔

- ۱۰ إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝
- ۱۱ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝
- ۱۲ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝
- ۱۳ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِي وَيُعِيدُ ۝
- ۱۴ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ۝
- ۱۵ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝
- ۱۶ فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ ۝

ترجمہ

- ۱۰ جنہوں نے صاحب ایمان مردوں اور عورتوں پر تشدد کیا، پھر انہوں نے توبہ نہ کی ان کے لیے دونوں کا عذاب ہے اور آگ کا جلانے والا عذاب ہے۔
- ۱۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔
- ۱۲ تیرے پروردگار کی قہر آمیز گرفت اور سزا بہت ہی شدید ہے۔
- ۱۳ وہی ہے جو خلقت کا آغاز کرتا ہے اور وہی ہے جو دوبارہ پلٹاتا ہے۔

(۱۲) اور بخشے والا اور مومنین کا دوست رکھنے والا ہے۔

(۱۵) صاحب عرش مجید ہے۔

(۱۶) اور جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔

تفسیر

تشدد کرنے والے عذاب الہی کے سامنے

گزشتہ اقوام میں سے تشدد کرنے والوں کی عظیم بے رحمی کے بیان کے بعد جو صاحب ایمان لوگوں کو آگ میں زندہ جلاتے تھے ان آیات میں ان تشدد کرنے والوں کے متعلق خدا کے سخت عذاب اور مومنین کیلئے عظیم ثواب کی طرف نوید ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”وہ جنہوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو مورد آزار و عذاب قرار دیا اور پھر توبہ نہیں کی ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور اسی طرح جلاتے والی آگ کا عذاب ہے“ (ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات ثم لم يتوبوا فلهم عذاب جہنم ولهم عذاب الحریق)۔

”فتنوا“ ”فتن“ (بروزن متن) اور فتنہ کے مادہ سے اصل میں سونے کو آگ میں ڈالنے کے معنی میں ہے تاکہ اس کو پرکھا جاسکے اور کھرا کھوٹا قرار دیا جاسکے۔ اس کے بعد یہ مادہ (فتنہ) آزمائش، عذاب و محابہ گراہی اور شرک کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور زیر بحث آیت میں عذاب، آزار اور تشدد کا معنی میں ہے۔

اس کی نظیر سورہ ذاریات کی آیت ۱۳، ۱۴ میں بھی آئی ہے (یوم ہم علی النار یفتنون ذوقوا فتنکم هذا الذی کنتم بہ تستعجلون) ”وہی دن جس دن وہ آگ میں جلائے جائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تمہیں جلدی تھی“ ”ثم لم يتوبوا“ کا جملہ بتاتا ہے کہ توبہ کا راستہ اس قسم کا تشدد کرنے والوں کے لیے بھی کھلا ہوا ہے اور یہ چیز یہ بتاتی ہے کہ پروردگار عالم گناہ گاروں پر کتنا رحم کرنا چاہتا ہے۔

صننا یہ سچے کے لوگوں کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ جلد از جلد مومنین کو آزار پہنچانے اور تکلیف دینے سے باز آجائیں اور خدا کی طرف رجوع کریں۔ قرآن اصولی طور پر بازگشت کی راہ کسی پر بند نہیں کرتا اور یہ چیز بتاتی ہے کہ دردناک عذاب دنیا بھی مفسدین کی اصلاح کے لیے ہے اور ان کے حق کی طرف لوٹ آنے کے لیے ہے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان کے لیے دو قسم کے عذاب بیان ہوئے ہیں ایک عذاب جہنم دھوکا

عذابِ حریق (جلانے والی آگ کا عذاب) ان دو عذابوں کا ذکر ہو سکتا ہے کہ اس بنا پر ہو کہ چونکہ جہنم میں کئی قسم کی سزائیں اور عذاب ہیں، جن میں سے ایک جلانے والی آگ ہے۔ اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس بنا پر ہے کہ تشدد کرنے والے مذکورہ افراد مومنین کو آگ میں جلاتے تھے لہذا وہاں انہیں آگ کی سزا ملنی چاہیے۔ لیکن یہ آگ کہاں اور وہ آگ کہاں۔ وہ آگ خدا کے قہر و غضب کے شعلوں سے بھڑکائی گئی ہے اور وہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہے، نیز ذلت و خواری اپنے ہمراہ لیے ہوئے ہے۔ جبکہ دنیا کی آگ ناپائیدار ہے جو کمزور مخلوق کی جلائی ہوئی ہے اور جو مومنین اس میں جلے ہیں وہ سر بلند و پُرافتخار ہوں گے اور راہِ حق کے شہیدوں کی پہلی صف میں ان کی جگہ ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ عذابِ جہنم ان کے کفر کی سزا تھا اور عذابِ حریق ان کے تشدد اعمال کے نتیجے میں ہے۔ اس کے بعد مومنین کے اجر کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمالِ صالح انجام دیئے ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی و نجات ہے“ (ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات لهم جنات تجری من تحتها الانهار ذالک الفوز الکبیر)۔

اس سے بہتر کونسی کامیابی ہوگی کہ پروردگار کے جوارِ قدس میں انواع و اقسام کی پائیدار نعمتوں کے درمیان سر بلندی و افتخار کے ساتھ ان کو جگہ ملے لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس فوزِ کبیر اور کامیابی کی اصل کلید ایمان اور عملِ صالح ہے۔ اس راہ کا اصلی سرمایہ یہی ہے، باقی جو کچھ ہے وہ اس کی شاخیں ہیں۔ ”عملوا الصالحات“ کی تعبیر (اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ صالحاتِ صالح کی جمع ہے) بتاتی ہے کہ صرف ایک یا چند عملِ صالح کافی نہیں ہیں، بلکہ ضروری ہے کہ انسان ہر قدم پر عملِ صالح انجام دے۔

”ذالک“ کی تعبیر جو عربی زبان میں دُور کے اشارے کے لیے ہے، اس قسم کے مقامات پر اہمیت اور بلندی کو ظاہر کرتی ہے یعنی ان کے کامیابی، نجات اور اختیارات و اعزازات اس قابل ہیں کہ ہماری فکر کی دسترس سے خارج ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ تشدد کرنے والوں اور کفار کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ یقینی بات ہے کہ تیرے پروردگار کی قہر آمیز گرفت اور سزا بہت ہی شدید ہے“ (ان بطش ربک لشدید)۔ اس کے بعد فرماتا ہے: ”یہ گمان نہ کرو کہ درمیان میں قیامت نہیں ہے یا تمہاری بازگشت مشکل ہے، وہی ہے جو خلقت کا آغاز کرتا ہے اور وہی ہے جو واپس لوٹائے گا“ (انہ هو یبدئ و یعید)۔

”بطش“ کے معنی ایسی گرفت کے ہیں جس میں قہر و قدرت کا دخل ہو۔ چونکہ عام طور پر یہ کام سزا کی تہدید ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ سزا کے معنی میں بھی آیا ہے۔

”ربک“ تیرا پروردگار کی تعبیر پیغمبر کے دل کی تسلی اور خدا کی طرف سے ان کی حمایت کی تاکید ہے۔ قابلِ توجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت کسی قسم کی تاکیدوں کو لیے ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو لفظ بطش خود قہر آمیز گرفت کے معنی میں ہے اور اس میں شدت پوشیدہ ہے، دوسرے جملہ اسمیہ ہے جو عام طور پر تاکید کے لیے آتا ہے، تیسرے شدید کی تعبیر اور

چوتھے لفظ ”ان“، پانچویں ”لام تاکید“ یہ سب اسی ایک آیت میں جمع ہیں اس بنا پر قرآن مجید چاہتا ہے کہ انہیں (تسائی قطعی انداز میں سزاؤں کے بیان پہلے تہدید کرے اور دھمکائے اور انہ ہو یبدئی و یعید کا جملہ جس میں معاد کی اجمالی دلیل پوشیدہ ہے کہہ کر ایک اور تاکید کا اضافہ کرتا ہے یہ

اس کے بعد خدائے عظیم و برتر کے اوصاف میں سے پانچ اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ”وہ توبہ کرنے والے بندوں کو بخشے والا اور مومنین کو دوست رکھنے والا ہے“ (وہو الغفور الودود)۔

”وہ تخت قدرت والا، عالم ہستی پر حکومت مطلقہ رکھنے والا اور صاحب مجد و عظمت ہے“ (ذوالعرش الجید) ”وہ کام کا ارادہ کر کے اسے انجام دیتا ہے“ (فعال لما یرید)۔

”غفور“ و ”ودود“ دونوں مبالغہ کے صیغہ ہیں اور اس کی انتہائی بخشش اور محبت کی طرف اشارہ ہیں گناہگار توبہ کرنے والوں کا بخشنے والا اور بندگان صالح کے بارے میں شفیق و مہربان۔

حقیقت میں ان اوصاف کا ذکر اس تہدید کے مقابلہ میں جو گزشتہ آیات میں آئی ہے اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ بازگشت کا راستہ گناہ گاروں کے سامنے کھلا ہے اور خدا شدید العقاب ہونے کے باوجود غفور و ودود و رؤف و مہربان ہے۔

جو کچھ کہا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ودود یہاں فاعل کے معنی رکھتا ہے، نہ کہ مفعول کے۔ اور یہ جو بعض مفسرین نے ودود کے لفظ کو اسم مفعول کے معنوں میں سمجھا ہے، مثل رکوب کے جو مرکوب کے معنی میں آتا ہے یعنی خدا سے بہت زیادہ محبت و دوستی کی گئی ہے، غفور کی صفت کے ساتھ جو اس سے پہلے آئی ہے کوئی عمناسبت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ خدا کا ہر طرف و مقصد بندوں سے محبت کرنا اور انہیں دوست رکھنا ہے نہ کہ مہذبوں کا اس کی نسبت دوست رکھنا اور محبت کرنا ہے۔

تیسری صفت یعنی ذوالعرش، اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ عرش بلند تخت شاہی کے معنی میں ہے، اس قسم کے موارد میں قدرت و حاکمیت کا کنایہ ہے اور اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ جہاں ہستی کی حکومت اسی کیلئے ہے اور جو کچھ وہ ارادہ کرے وہ انجام پا جاتا ہے۔

اس بنا پر حقیقت میں ”فعال لما یرید“ کا جملہ اس حاکمیت مطلقہ کے لوازم میں سے ہے اور ان سب میں مسئلہ معاد اور مردوں کو موت کے بعد زندہ کرنے اور تشدد کرنے والے جباروں کو سزا دینے اور کیفر کرنا اور

معاد کے بارے میں مندرجہ بالا خوب صورت دلیل دہی ہے جو سورہ یسین کے آخر میں آیہ ۹ میں بھی آئی ہے (قل یحییٰ الذی انشاھا اول مرۃ و هو بکل خلق علیم) کہ دے دی ذات جس نے اسے ابتدا میں خلق کیا ہے، دوبارہ زندہ کرے گی اور وہ اپنی پوری مخلوق سے آگاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ فارابی کی آرزو تھی کہ کاش مشہور یونانی فیلسوف ارسطو زندہ ہوتا تاکہ وہ حکم اور خوب صورت دلیل معاد و قیامت کے بارے میں قرآن مجید کی طرف سے سنا۔

پہچانے کے سلسلہ میں اس کی طاقت و قدرت کی نشاندہی کرتا ہے۔
 ”مجید“ ”مجد“ کے مادہ سے کرم و شرافت و جلالت کی وسعت کے معنی میں ہے اور یہ ایسی صفات
 میں سے ہے جو خدا کی ذات سے مخصوص ہیں اور دوسروں کے بارے میں بہت کم استعمال ہوتی ہیں۔
 یہ پانچوں صفتیں ایک واضح انجام اور ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے کہ غفور و ودود ہونا
 اس وقت مفید ہے جب قدرت حاصل ہو اور کرم و وسیع اور نعمت بے پایاں ہوتا کہ وہ جو کچھ ارادہ کرے
 انجام دے سکے۔ نہ کوئی چیز اس کے کام میں مانع ہو اور نہ کوئی مقابلہ کی قدرت رکھتا ہو اور اس کے ارادہ
 میں صغف و نقاہت و شک اور تردید و فسخ کا امکان نہ ہو۔

۱۔ توجہ رکھنی چاہیے کہ اوپر والی آیت میں مجید مشہور قرأت کی بنا پر مرفوع ہے اور خدا کے اوصاف میں سے ہے نہ کہ
 مجرد اور عرش کے اوصاف میں سے۔

- ۱۷ (هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۝
 ۱۸ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ۝
 ۱۹ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۝
 ۲۰ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۝
 ۲۱ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ۝
 ۲۲ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ۝)

ترجمہ

- ۱۷ کیا لشکروں کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟
 ۱۸ فرعون و ثمود کے لشکر۔
 ۱۹ بلکہ کفار ہمیشہ حق کی تکذیب میں مصروف رہتے ہیں۔
 ۲۰ اور خدا ان سب پر احاطہ رکھتا ہے۔
 ۲۱ (یہ کوئی جادو اور جھوٹ نہیں ہے) بلکہ با عظمت قرآن ہے۔
 ۲۲ جو لوح محفوظ میں موجود ہے۔

تفسیر

تُو نے دیکھا کہ خدا نے فرعون و ثمود کے لشکروں کے ساتھ کیا کیا؟

گزشتہ آیات خدا کی قدرت مطلقہ اس کی قطعی حاکمیت اور تشدد کرنے والے کفار کی ہمدید کے طور پر تفسیر
 یہ بتانے کے لیے کہ یہ ہمدیدیں عمل میں باقوں اور نفروں کی حد تک محدود نہیں ہیں، زیر بحث آیات میں روشناس
 سخن پیغمبر کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”کیا لشکروں کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟“ (ہل اتاک حدیث الجنود)۔ وہ عظیم لشکر جنوں نے خدائی پیغمبروں کے مقابلہ میں صف آرائی کی اور لڑنے کے لیے مستعد ہو گئے، اس گمان میں کہ وہ خدائی قدرت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے دو بہت ہی واضح اور آشکار نمونوں کی طرف جن میں سے ایک قدیم الایام میں اور دوسرا بہت ہی نزدیک کے زمانہ میں وقوع میں آیا، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہی فرعون اور ثمود کے لشکر“ (فرعون و ثمود)۔ ”وہی جن میں سے بعض نے دنیا کے مشرق و مغرب کو اپنے زیر تسلط کر لیا تھا اور بعض نے پہاڑوں کو چیر کر بڑے بڑے پتھر کاٹ کر ان سے بڑے بڑے مکانات، قصر اور محل بنائے اور کسی میں بھی ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں تھی لیکن خدا نے پہلے گردہ کو پانی کے ذریعہ اور دوسرے کی آندھی کے وسیلے سے، جو دونوں انسانی زندگی کا ذریعہ ہیں اور زیادہ لطیف موجودات شمار ہوتے ہیں، سرکوبی کی۔ دریا تے نیل کی موحیں فرعون اور اس کے لشکر کو نکل گئیں اور ٹھنڈی اور سرکوبی کرنے والی ہوا قوم ثمود کو پرکھ کر طرح اٹھاتی اور تھوڑے وقفہ کے بعد ان کے بے جان جسموں کو سطح زمین پر پھینک دیتی تھی تاکہ مشرکین عرب جان لیں کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔“

جب خدا نے ان عظیم اور طاقتور لشکروں سے اس طرح انتقام لیا تو ان لوگوں کی کیا ہستی ہے جو ان کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور و ناتواں ہیں، اگرچہ اس کی قدرت کے مقابلہ میں ضعیف و قوی سب برابر ہیں۔ گزشتہ عام اقوام میں سے قوم ثمود و فرعون کا انتخاب سرکش قوموں کے نمونہ کے طور پر اس بنا پر ہے کہ وہ دونوں قومیں انتہائی طاقتور تھیں۔ ایک گزشتہ ادوار سے متعلق تھی (قوم ثمود) اور دوسری زیادہ نزدیک ماضی سے تعلق رکھتی تھی (قوم فرعون) علاوہ ازیں قوم عرب ان ناموں سے باخبر تھی اور اجمالی طور پر ان کی تاریخ سے آشنا تھی۔

بعد والی آیت میں مزید کتا ہے: ”بلکہ وہ لوگ کافر ہو گئے وہ ہمیشہ حق کی تکذیب میں گرفتار و مبتلا ہیں“ (بل الذین کفروا فی تکذیب)۔ اس طرح نہیں ہے کہ حق کی نشانیاں کسی سے مخفی ہیں۔ عناد اور ہٹ دھرمی اجازت نہیں دیتے کہ بعض لوگ راہ نکال کر منزل حق کی طرف قدم بڑھائیں۔

”بل“ کی تعبیر جو اصطلاح کے مطابق ”اضراب“ (رایک چیز سے دوسری چیز کی طرف عدول کرنے کے لیے ہے، گویا اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مشرک گردہ قوم فرعون و ثمود سے بھی بدتر اور زیادہ ہٹ دھرم ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ قرآن کے انکار اور تکذیب میں لگے رہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ہر ذریعہ اور وسیلہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن انہیں جان لینا چاہیے کہ خدا ان سب پر احاطہ رکھتا ہے اور وہ سب اس کی قدرت کی گرفت میں ہیں (واللہ من وراہم محیط)۔

اگر خدا انہیں مہلت دیتا ہے تو عجز و ناتوانی کی بنا پر نہیں ہے اور اگر انہیں سزا نہیں دیتا تو وجہ یہ نہیں

ہے کہ وہ اس کی اقلیم قدرت سے باہر ہیں (وراثہم) ان کے پیچھے اور پس پشت کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر جہت سے قدرت الہی کے قبضہ میں ہیں اور قدرت تمام اطراف سے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس بنا پر ممکن نہیں ہے کہ اس کی عدالت اور سزا سے راہ فرار اختیار کر سکیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ان کے اعمال پر تمام جہات سے خدا کا علی احاطہ ہو اس طرح سے کہ ان کی کوئی گرفتار، ان کا کوئی کردار اور ان کا کوئی کام اس سے مخفی نہیں ہے۔ بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے "ان کا قرآن کی تکذیب پر اصرار اور اسے سحر، جادو، شعوہ اور کمانت سے تشبیہ دینا، بیہودہ اور فضول بہت ہے بلکہ وہ قرآن مجید با عظمت اور بلند مرتبہ ہے" (بل هو قرآن مجید)۔ "ایسا کلام ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے اور نا اہل شیاطین اور کاهنوں کا ہاتھ ہرگز اس تک نہیں پہنچتا، اور ہر قسم کے تغیر، تبدیلی، اضافہ اور نقصان سے محفوظ ہے (فی لوح محفوظ)۔

اس بنا پر اگر وہ ناروا نسبتیں تیری طرف دیتے ہیں اور تجھے شاعر، ساعر، کاہن اور مجنوں کہتے ہیں تو تو اس سے ہرگز غلگین نہ ہو۔ تیری نیکہ گاہ محکم، تیری راہ روشن و واضح اور تیرا حایتی صاحب قدرت ہے۔

"مجید جیسا کہ ہم نے کہا ہے" "مجید" کے مادہ سے شرافت و جلالت کی وسعت کے معنی میں ہے اور یہ معنی قرآن کے بارے میں پورے طور پر صادق آتے ہیں، اس لیے کہ قرآن کے مشمولات و مضامین وسیع و عظیم ہیں اور اس کے معانی بلند و پرمایہ ہیں۔

معارف و عقائد کے سلسلہ میں بھی اور اخلاق و مواعظ و احکام و تسنن کے بارے میں بھی۔ (لوح، لام کے زبر کے ساتھ) عربی و وسیع صفحہ کے معنی میں ہے جس پر کوئی چیز لکھتے ہیں اور لوح (لام کے پیش کے ساتھ) پیاس کے معنی میں ہے۔ اس ہوا کو بھی کہتے ہیں جو زمین و آسمان کے درمیان موجود ہے۔ وہ فعل جو پہلے تلفظ سے مشتق ہوا ہے آشکار ہونے اور چمکنے کے معنوں میں ہے۔

بہر حال یہاں مراد وہ صفحہ ہے جس پر قرآن مجید تحریر ہے۔ لیکن وہ صفحہ نہیں جو ہمارے درمیان رائج ہے جو الواح کی مانند ہے بلکہ ایک تفسیر کے مطابق جو ابن عباس سے منقول ہے کہ:

لوح محفوظ کا طول زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور عرض مغرب و مشرق کے فاصلے کے برابر ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں محسوس ہوتا ہے کہ لوح محفوظ وہی علم خدا کا ایک صفحہ ہے جس نے عالم کے شرق و غرب کو گھیر رکھا ہے اور وہ ہر قسم کی دیگر کوئی، تغیر اور تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہے۔

جی ہاں! قرآن کا سرچشمہ حق تعالیٰ کا علم بے پایاں ہے۔ یہ انسانی فکر کی پیداوار نہیں ہے نہ یہ القائے شیاطین کا نتیجہ ہے۔ اس کے مشمولات و مضامین اس حقیقت کے گواہ ہیں۔

یہ احتمال وہی چیز ہے جسے قرآن مجید میں کبھی کتاب مبین سے اور کبھی ام الکتاب سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ سورہ رعد کی آیت ۳۹ میں ہم پڑھتے ہیں (یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب) خدا جسے چاہتا

ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ اور سورہ انفام کی آیت ۵۹ میں آیا ہے (ولا رطب ولا يابس الا في كتاب مبين) خشک و تر کی کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ واضح کتاب میں ثبت ہے۔

خداوند! ہمیں اپنی اس عظیم آسمانی کتاب کی حقیقت سے زیادہ آشنا فرما۔

پروردگارا! اس دن جس میں مومنین صالح فوز کبیر حاصل کریں گے اور کافرین مجرم عذاب عریق

میں گرفتار ہوں گے ہمیں اپنے دامن عافیت میں پناہ دیجیو۔

بارالہ! تو عفو و درود و مہربان ہے، تو ہم سے وہ سلوک کر جو تیرے ان اسمائے

صفات سے ہم آہنگ ہے۔ وہ سلوک نہ کیجو جس کا ہمارے اعمال تقاضا کرتے ہیں۔

آمین یا رب العالمین

سورہ بروج کا اختتام

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ طَارِقِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اور اس میں ۷ آیتیں ہیں

www.sirat-e-mustaqeem.net

سورۃ طارق کے مضامین اور ان کی فضیلت

اس سورہ کے مطالب نہایت عمدہ طریقہ سے دو محوروں کے گرد گھومتے ہیں۔

۱۔ معاد و قیامت کا محور۔

۲۔ قرآن مجید اور اس کی قدر و قیمت و اہمیت کا محور۔

لیکن سورہ کے آغاز میں فکر آفریں قسموں کے بعد ان نگہبانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو خدا کی طرف سے بندوں پر مقرر ہیں اور معاد و قیامت کے امکان کو ثابت کرنے کے بعد پہلی زندگی، یعنی انسان کے نقطہ کے پانی سے پیدا ہونے کی طرف اشارہ کر کے نتیجہ اخذ کرتا ہے اور فرماتا ہے:

”وہ خدا جو قدرت رکھتا ہے کہ اسے اس قسم کے بے قیمت اور ناچیز پانی سے پیدا کرے، وہ نئے سرے سے اس کی بازگشت کی توانائی اور وقت بھی رکھتا ہے۔ بعد کے مرحلے میں روز قیامت کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے بعد متعدد پر معنی قسموں کے حوالہ سے قرآن کی اہمیت کو گوش گزار کرتا ہے اور آخر کار سورہ کو خدائی عذاب کی اس شدید پر ختم کرتا ہے جو کافروں کے لیے ہے۔

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں ہمیں پیغمبر اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ (من قرأھا اعطاه اللہ بعد دکل نجم فی السماء عشر حسنات) جو شخص اس کی تلاوت کرے خدا اسے ہر اس ستارے کی تعداد کے مقابلہ میں، جو آسمان میں ہے، دس نیکیاں عطا کرتا ہے۔

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے (من کان قرائتہ فی الفریضۃ والسماء والطارق کان لہ عند اللہ یوم القیامۃ جاہ و منزلۃ وکان من رفقاء النبیین واصحابہم فی الجنۃ) جو شخص نماز فریضہ و واجب میں سورہ والسماء والطارق کی تلاوت کرے وہ روز قیامت خدا کے ہاں عظیم مقام و منزلت کا حامل ہوگا اور جنت میں پیغمبروں کے رفقاء اور ان کے اصحاب میں سے ہوگا۔

واضح رہے کہ سورہ کے مضامین پر عمل کرنا ہی ایسی چیز ہے جس کا یہ اجر عظیم ہے، نہ کہ وہ تلاوت جو عمل

اور غور و فکر سے خالی ہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝
- ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝
- ۳ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝
- ۴ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝
- ۵ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝
- ۶ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝
- ۷ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝
- ۸ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝
- ۹ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝
- ۱۰ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۝

ترجمہ

- رحمن ورحیم خدا کے نام سے۔
- ۱ قسم ہے آسمان کی اور رات کے کھٹکھٹانے والے کی۔
 - ۲ اور تو نہیں جانتا کہ رات کو کھٹکھٹانے والا کیا ہے؟
 - ۳ وہی درخشاں ستارہ اور تاریکیوں کو چیرنے والا۔
 - ۴ (اس عظیم خدائی آیت کی قسم) ہر شخص کا ایک مراقب و محافظ ہے۔
 - ۵ انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟
 - ۶ وہ اچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا ہوا ہے۔

۷ وہ پانی جو پشت اور سینوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے۔
۸ (وہ جس نے اسے اس قسم کی ناچیز شے سے پیدا کیا ہے) اسے واپس لوٹا سکتا ہے۔

۹ جس دن اسرار کھلیں گے۔
۱۰ اور اس کے لیے کوئی قوت اور مددگار نہیں ہے۔

تفسیر

اے انسان دیکھ کہ تو کس چیز سے پیدا ہوا ہے؟

یہ سورۃ بھی قرآن کے آخری پارہ کی بہت سی دوسری سورتوں کی طرح خوبصورت اور فکر انگیز قسموں کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔ ایسی قسمیں ایک عظیم حقیقت کے بیان کی تمہید ہیں۔
”قسم ہے آسمان کی اور رات کو کھٹکھٹانے والے کی“ (والسما والطارق)۔ ”اور تو نہیں جانتا کہ رات کو کھٹکھٹانے والا کیا ہے“ (وما ادراک ما الطارق)۔ ”بلند و درخشاں اور رات کی تاریکیوں کو چیرنے والا ستارہ ہے“ (النجم الثاقب)۔

”طارق“ طرق (بروزن برق) کے مادہ سے کوٹنے کے معنی میں ہے۔ راستے کو اس لیے طریق کہتے ہیں کہ وہ چلنے والے لوگوں کے قدموں سے روندنا جاتا ہے اور مطر اس ہتھوڑے کے معنوں میں ہے جسے دھاتوں وغیرہ کو کوٹنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ رات کو گھروں کے دروازے بند کر دیتے ہیں اس لیے وہ شخص جو رات کو آتا ہے دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہوتا ہے لہذا رات کو آنے والے شخص کو طارق کہتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی اشعث بن قیس منافی کے بارے میں، جو رات کے وقت آپ کے دروازہ پر آیا تھا اور حلوہ اپنے ساتھ لایا تھا کہ اپنے خیال ناقص میں حضرت علیؑ کو اپنی طرف متوجہ کرے اور کسی محلے میں آپ سے اپنے موافق حکم حاصل کرے، فرماتے ہیں (واعجب من ذالک طارق طوقنا بملفوظہ وعائثنا) اور اس سے زیادہ تعجب کی بات تو اس شخص کی ہے جس نے رات کے وقت دروازہ کھٹکھٹایا تھا اور وہ لذیذ حلوہ سے بچے ڈھکا ہوا برتن اپنے ہمراہ لایا تھا۔

لیکن قرآن یہاں طارق کی خود تفسیر کرتا ہے اور کہتا ہے یہ رات کا مسافر وہی درخشاں ستارہ ہے جو آسمان پر ظاہر ہوتا ہے اور اس قدر بلند ہے گویا چاہتا ہے کہ آسمان کی چھت میں سوراخ کر دے۔ اس کی روشنی آنکھوں کو اس قدر خیرہ کرنے والی ہے کہ تاریکیوں میں شکاف ڈال دیتی ہے اور انسان کی آنکھوں کے اندر نفوذ کرتی ہے۔ (توجہ فرمائیں کہ ثاقب ثقب کے مادہ سے سوراخ کرنے کے معنی میں ہے)۔

یہ بات کہ اس سے مراد کوئی معین ستارہ ہے، مثلاً ثریا نامی ستارہ (آسمان میں بلندی اور دوری کے لحاظ سے) یا زحل، پھر زہرہ یا شنب (خیرہ کرنے والی روشنی کے لحاظ سے) یا آسمان کے تمام ستاروں کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بعد کی آیت میں اسے نجم ثاقب (نفوذ کرنے والے ستارے) کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہر ستارہ نہیں بلکہ وہ درخشاں ستارے ہیں جن کا نور تاریکی کے پردوں میں شکاف ڈال دیتا ہے اور انسان کی آنکھوں میں نفوذ کرتا ہے۔

بعض روایات میں النجم الثاقب کی زحل ستارے سے تفسیر کی گئی ہے جو نظام شمسی کے سیاروں میں سے بہت ہی پُر فروغ اور منور ستارہ ہے، اور یہ معنی اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتے ہیں جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے النجم الثاقب کی تفسیر کے سلسلہ میں ایک منجم کو بتائے ہیں۔

آپ نے فرمایا: زحل ستارہ ہے جو ساتویں آسمان میں طلوع ہوتا ہے اور اس کی روشنی تمام آسمانوں کی حریر کی ہوتی پچلے آسمان تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی لیے خدا نے اسے نجم ثاقب کہا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ زحل آخری اور سب سے دور جو نظام شمسی ہے، اس کا ستارہ ہے، جو بغیر کسی آلے کی مدد کے خالی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اور وہ چونکہ نظام شمسی کے ستاروں کی ترتیب کے اعتبار سے سورج کی نسبت کے پیش نظر ساتویں مدار اور مقام گردش میں قرار پاتا ہے (چاند کے مدار کے حساب سے) تو ان کا اس حدیث میں اس کا مدار ساتواں آسمان بتاتے ہیں۔ اس ستارے کی کچھ خصوصیات ہیں جو اسے قابل قسم بناتی ہیں ایک تو یہ نظام شمسی کے سب سے دور ستاروں میں سے ہے۔ اس وجہ سے ادب عربی میں ہر بلندی کی اسما سے مثال دیتے ہیں اور کبھی اسے شیخ النجوم بھی کہتے ہیں۔

زحل ستارہ، جس کا فارسی نام کیوان ہے، اس کے کئی نورانی حلقے ہیں جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کے آٹھ چاند ہیں۔ زحل کے نورانی حلقے جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں عجیب ترین آسمانی مظاہر میں سے ہیں جن کے بارے میں ماہرین فلکیات کے مختلف نظریات ہیں اور وہ حلقے اب بھی پُر اسرار موجودات ہیں۔ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ زحل کے دس چاند ہیں جن میں سے آٹھ کا عام نجومی دور بیٹوں سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور دوسرے

دو چاند صرف بہت بڑی دور بینوں سے نظر آسکتے ہیں۔

مذکورہ اسرار اس وقت کسی پر قطعاً واضح نہیں تھے جب قرآن نازل ہوا تھا۔ وہ اس کے صدیوں بعد آشکار ہوئے۔ بہر حال نجم ثاقب کی زحل ستارے سے تفسیر خصوصیت کے ساتھ ممکن ہے، ایک واضح مصداق کے بیان کی قبل سے ہو اور وہ اس راہ میں حائل نہ ہو کہ آسمان کے دوسرے درخشاں ستاروں سے تفسیر کی جائے اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری روایات میں مصداق تفسیر بہت زیادہ ہے۔

سورہ صافات کی آیت ۱۰ میں ہم پڑھتے ہیں (الّا من خطف الخطفۃ فاتبعہ شہاب ثاقب) ”مگر وہ جو مختصر سے لمحے میں استراق سمع کے لیے (چوری چھپے کان لگا کر سننے کے لیے) آسمان کے نزدیک ہو تو شہاب ثاقب اس کا تعاقب کرتا ہے“

تو اس آیت میں شہاب کی توصیف لفظ ثاقب سے ہوئی ہے اور چونکہ یہ آسمان میں وجود میں آنے والی چیز عجائبات عالم میں سے ایک ہے، لہذا ممکن ہے کہ زیر بحث آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہو۔ اس آیت کے لیے جو شاہن نزول بعض کتب تفسیر میں بیان ہوئی ہے وہ بھی ان معانی کی تائید کرتی ہے۔

اب ہم دیکھیں گے کہ یہ قسمیں کس لیے ہیں۔ بعد میں آنے والی آیت میں فرماتا ہے: ”مسلم ہے کہ ہر ایک شخص کا ایک مراقب و محافظ ہے“ (ان کل نفس لہا علیہا حافظ)۔

جو اس کے اعمال کو لکھتا ہے اور حساب کتاب اور جزا و سزا کے لیے محفوظ رکھتا ہے۔ جیسا کہ سورہ انفطار کی آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲ میں ہم پڑھتے ہیں (وانّ علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون) ”اور تم پر کچھ محافظ مقرر کر دیئے گئے ہیں، لکھنے والے مکرم و محترم، جو ہمیشہ تمہارے اعمال لکھتے رہتے ہیں اور جو کچھ انجام دیتے ہو وہ اس سے واقف ہیں“

اس طرح تم اکیلے اور تنہا نہیں ہو اور تم میں سے کوئی بھی ہو اور جہاں کہیں ہو، وہ پروردگار کے مامورین کی زیر نگرانی ہوگا۔ یہ ایسا مفہوم ہے جس کی طرف توجہ انسان کی اصلاح و تربیت کے لیے بے حد مؤثر ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ آیت میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ یہ حافظ کون ہے اور کن امور کی حفاظت کرتا ہے۔

لیکن قرآن کی دوسری آیتیں گواہی دیتی ہیں کہ حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں اور جن چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ انسان کے اعمال ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ اطاعتیں ہوں یا معاصی و گناہ۔ یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ اس سے مراد انسان کی حوادث و مملکات سے حفاظت ہے۔

دائرة المعارف وھذا مادہ زحل۔

روح المعانی، جلد ۱۰، ص ۳۹۔

اس آیت میں ان نافیہ ہے اور لما الا کے معنی میں ہے۔

واقعی اگر خدا انسان کی حفاظت نہ کرے تو دنیا میں بہت کم افراد کو طبعی موت نصیب ہوگا اس لیے کہ حوادث کا حجم اس قدر زیادہ ہے کہ کوئی بھی ان سے نہیں بچ سکتا۔ خصوصاً وہ بچے جن کی عمر ابھی چند سال کی ہی ہوتی ہے۔ ممکن ہے یہ بھی مراد ہو کہ شیطانی دوسوں سے انسان کی حفاظت کی جاتی ہے، اس لیے کہ اگر خدا کی طرف سے فراہم کی ہوئی یہ حفاظت نہ ہو تو جن دوسوں پر مبنی شیاطین کے دوسوں سے اس قدر زیادہ ہیں کہ کئی غرور بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بعد والی آیت مسئلہ معاد و قیامت اور اعمال و کردار کے حساب کتاب میں گفتگو کرتی ہے۔ لہذا پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ اس آیت میں ان تینوں تفسیروں کو جمع کرنے سے بھی کوئی قباحت پیدا نہیں ہوتی۔

قابل توجہ یہ ہے کہ پہلے بیان شدہ قسموں کے اور اعمال انسان کی فرشتوں کے ذریعہ حفاظت کے مسئلہ کے درمیان ایک زندہ رابطہ ہے، اس لیے کہ بلند آسمان اور وہ ستارے، جو اپنے منظم راستوں میں مسلسل راہ پیمائی کر رہے ہیں، اس عالم عظیم میں نظم و ضبط اور حساب کتاب کے موجود ہونے کی دلیل ہے تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ انسان کے اعمال حساب کتاب کے بغیر ہوں اور مراقبین الہی اور محافظین خدائی ان کی نگرانی نہ کریں۔ اس کے بعد مسئلہ معاد کے ایک استدلال کے عنوان سے، ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اسے غیر ممکن سمجھتے ہیں، فرماتا ہے: ”انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے“ (فلینظروا الانسان م خلق)۔

اس طرح قرآن تمام لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر پہلی خلقت کی طرف واپس لے جاتا ہے اور ایک جملہ استفہامیہ کے ذریعہ ان سے پوچھتا ہے ”تمہاری خلقت کس چیز سے ہوئی ہے؟“ اور بغیر اس کے کہ ان کے جواب کا انتظار کرے اس سوال کا جواب جو بالکل واضح ہے، خود دیتا ہے اور مزید کہتا ہے:

”وہ ایک ٹپکنے والے پانی سے خلق ہوا ہے“ (خلق من ماء دافق)۔ جو مرد کے نطفہ کی توصیف ہے جو مٹی کے پانی میں تیرتا ہے اور باہر آتے وقت ٹپکتا ہے۔ اس کے بعد اس پانی کی ایک اور توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے ”جو صلب و تراشب کے درمیان میں سے نکلتا ہے“ (ینخرج من بین الصلب والترائب)۔

”صلب“ کے معنی پشت کے ہیں اور تراشب ترمیم کی جمع ہے جو علمائے لغت کے مطابق سینے کے اوپر کی ہڈیوں کے معنی میں ہے، جس کے اوپر گلوبند باندھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابن منظور لسان العرب میں کہتا ہے (قال اهل اللغة اجعون القلادة من الصدر)

سب اہل لغت سمجھتے ہیں وہ سینے کے قلادہ والی جگہ ہے۔ اس کے باوجود اس کے کئی اور معانی بھی بیان ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ تراشب کے معنی ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں ہیں، یا یہ کہ سینے کی ساری ہڈیاں پس یا دائیں طرف کی چار پسلیاں، یا بائیں طرف کی چار پسلیاں ہیں۔ بہر حال یہ کہ اس آیت شریفہ میں صلب و تراشب سے کیا مراد ہے، اس عنوان پر مفسرین کے درمیان بہت کچھ اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے بہت سی

تفسیر میں تحریر کی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں :

۱۔ "صلب" مردوں کی طرف اشارہ ہے اور "ترائب" عورتوں کی طرف، اس لیے کہ مرد منظر صلابت اور عورتیں منظر لطافت و زینت ہیں۔ اسی لیے یہ آیت نطفہ انسانی کی ترکیب کی طرف مرد و عورت کے نطفے کے حوالے سے اشارہ کرتی ہے جو موجودہ زمانے کی اصلاح میں "اسپرم" (SPERM) اور "اڈول" کے نام سے موسوم ہے۔

۲۔ "صلب" اشارہ ہے مرد کی پشت کی طرف اور ترائب اشارہ ہے اس کے سینے اور بدن کے اگلے حصہ کی طرف۔ اس بنا پر مراد صرف مرد کا نطفہ ہے جو شکم کے اندرونی حصوں میں سے پشت اور اگلے حصے کے اندر سے خارج ہوتا ہے۔

۳۔ مراد عورت کے رحم سے جنین کا خروج ہے جو اس کی پشت اور بدن کے اگلے حصہ میں قرار پاتا ہے۔

۴۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ایک دقیق علمی نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے اس آخری زمانہ کے انکشافات نے پردہ اٹھایا ہے، جو نزول قرآن کے زمانے میں یقیناً پہناں تھا اور وہ یہ کہ نطفہ مرد کے بیضے اور عورت کے تخمدان سے لیا جاتا ہے اور ماہرین جنین شناسی کے حوالے بتاتے ہیں کہ یہ دونوں ابتداء میں جب جنین میں ظاہر ہوتے ہیں تو گردوں کے قرب میں ہوتے ہیں اور تقریباً پشت کے ستون کے وسط کے مقابلہ میں صلب اور ترائب (پشت اور انسان کی نچلی پسلیاں) کے درمیان قرار پاتے ہیں۔ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اور ان دونوں اعضاء کے نشوونما سے اس جگہ سے نیچے آجاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی موجودہ جگہ پر آجاتا ہے۔

چونکہ انسان کی پیدائش عورت و مرد کے نطفہ کی ترکیب سے ہوتی ہے اور دونوں ابتداء میں اصل محل صلب و ترائب کے درمیان قرار پاتا ہے، لہذا قرآن نے اس قسم کی تعبیر کو منتخب کیا ہے وہ تعبیر جو اس زمانے میں کسی کو معلوم نہیں تھی اور جدید علم جنین شناسی نے اس پر سے پردہ اٹھایا ہے۔

زیادہ واضح تعبیر میں مرد کا بیضہ اور عورت کا تخمدان ابتداءً خلقت میں، یعنی اس وقت جب عورت و مرد خود عالم جنین میں تھے، ان کی پشت میں قرار پایا تھا، جو تقریباً پشت کے ستون کے وسط کے مقابلہ تھا۔ اس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ مرد کا نطفہ ساز کارخانہ اور عورت کی نطفہ ساز دستگاہ دونوں صلب و ترائب کے درمیان تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ جب مرد و عورت کی خلقت شکم مادر میں مکمل ہوتی ہے تو وہاں سے الگ ہو کر آہستہ آہستہ نیچے آتی ہے، اس طرح سے کہ مرد کے بیضے کے تولد کے وقت شکم سے باہر اور آلہ تناسل کے قریب

قرار پاتی ہے اور عورت کا تمدان رحم کے قرب میں قرار پاتا ہے۔

لیکن اس تفسیر پر اہم اعتراض یہ ہے کہ قرآن کتا ہے کہ وہ ٹپکنے والا پانی صلب و ترائب کے درمیان خارج ہوتا ہے، یعنی پانی خروج کے وقت ان دونوں کے درمیان سے گزرتا ہے، جبکہ اس تفسیر کے مطابق لطف کے پانی کے خروج کے وقت ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ لطف ساز دستگاہ اس موقع پر کہ جب خود شکم مادر میں تھی تو اس وقت صلب و ترائب کے درمیان تھی۔ اس سے قطع نظر ترائب کی تعبیر اگر نجلی آخری پیلوں سے کی جائے تب بھی بحث و تنقید سے خالی نہیں ہے۔

۵۔ اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ مہنی حقیقت میں انسان کے تمام اجزائے بدن سے لی جاتی ہے۔ اس لیے خروج کے وقت سارے بدن میں ہیجان ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام بدن میں سستی آ جاتی ہے۔ اس لیے صلب و ترائب انسان کی عام پشت اور تمام اگلے حصہ کی طرف اشارہ ہے۔

۶۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ عمدہ ترین مہنی کی پیدائش کا عامل ”نخاع شوکی“ حرام مغز ہے جو مرد کی پشت اور اس کے بعد دل و جگر ہیں، جن میں سے ایک سینے کی ہڈیوں کے نیچے اور دوسرا دونوں کے درمیان ہے اور یہی چیز سبب بنی کہ صلب و ترائب کے مابین کی تعبیر کا اس کے لیے انتخاب ہوا، لیکن ہر چیز سے پہلے شکل کا عمل کرنے کے لیے اس اہم نکتہ کی طرف توجہ کی جائے کہ مندرجہ بالا آیات میں صرف مرد کے لطف کے بارے میں گفتگو ہے اس لیے کہ ماہ و افق کی تعبیر راہچل کر نکلنے والا پانی (مرد کے لطف پر صادق آتی ہے نہ کہ عورت کے لطف پر۔

یہی وجہ ہے کہ بعد والی آیت پر ”یخرج“ کی ضمیر جس کی طرف لٹتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ اچھل کر نکلنے والا پانی صلب و ترائب سے خارج ہوتا ہے، تو اس حساب سے اس بحث قرآنی میں عورت کو شریک کرنا مناسب نظر نہیں آتا، بلکہ زیادہ مناسب وہی تعبیر ہے کہ کما جائے کہ قرآن لطف کے دو اصلی اجزاء میں سے ایک کی طرف جو مرد کا لطف ہے اور سب کو معلوم ہے، اشارہ کرتا ہے اور صلب و ترائب سے مراد انسان کی پشت اور اگلا حصہ ہے اس لیے کہ مرد کے لطف کا پانی انہی دونوں کے درمیان میں سے نکلتا ہے۔

یہ تعبیر واضح اور ہر قسم کی پیچیدگی سے خالی ہے اور لفظ کے معنی کے سلسلہ میں جو کچھ کتب لغت میں آیا ہے اس سے ہم آہنگ ہے۔ اس کے باوجود ممکن ہے کہ اس آیت میں ایک زیادہ اہم حقیقت بھی چھپی ہوئی ہو جو ہمارے موجودہ علم کی حد تک ہمارے لیے منکشف نہیں ہوئی اور ماہرین کے آئندہ کے انکشافات اس پر روشنی ڈال سکیں گے۔

اس کے بعد اس بیان سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ جس نے انسان کو لطف کے پانی سے سیر کیا

۷۔ قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی جب لطف سے انسان کی خلقت کی گفتگو درمیان میں آتی ہے تو زیادہ تر مرد ہی کے لطف پر، جو ایک عموماً امر ہے انحصار کیا جاتا ہے۔ سورہ نجم کی آیت ۶م اور قیامت کی آیت ۳۲ کی طرف رجوع فرمائیں۔

ہے، قادر ہے کہ اسے دوبارہ زندگی کی طرف لوٹائے، (انہ علی رجعه لقادر)۔

ابتداء میں وہ مٹی تھا۔ پیچیدہ اور تعجب انگیز مراحل طے کرنے کے بعد کامل انسان میں تبدیل ہوا۔ اس لیے اس کی نئی زندگی کی طرف بازگشت کوئی مشکل پیدا نہیں کرتی۔ اس بیان کی نظیر قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی نظر آتی ہے۔

سورہ حج کی آیت ۵ میں فرماتا ہے: (یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ)۔ اے لوگو! اگر قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا ہو تو ہم نے تمہیں خاک سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے۔ نیز سورہ مریم کی آیت ۶ میں ہم پڑھتے ہیں (اولا یدکو الانسان انا خلقناہ من قبل ولم ینک شیئاً)۔ کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلے پیدا کیا، جبکہ وہ کوئی شے نہیں تھا۔

اس کے بعد اس عظیم دن کی تعریف و توصیف کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”یہ بازگشت اس دن تحقق پائے گی جس دن اسرار آشکار ہوں گے“ (یوم تبلی السرائر)۔

”تبلی“ ”بلوی“ کے مادہ سے آزمائش اور امتحان کے معنی میں ہے اور چونکہ آزمائش کے وقت اشیا کی حقیقت آشکار و واضح ہو جاتی ہے، لہذا یہ مادہ یہاں ظہور و بروز کے معنی میں آیا ہے۔

”سرائر“ سریرہ کی جمع ہے جو اندرونی پوشیدہ حالات، صفات اور نیتوں کے معنی میں ہے۔ جی ہاں! اس دن جو یوم الظہور و یوم البروز ہے، اسرار آشکار ہو جائیں گے، قطع نظر اس سے کہ ایمان و کفر و نفاق ہوں، یا نیت خیر و شر، یا ریا و اخلاص۔

روز بروز یہ ظہور مومنین کے لیے باعث افتخار و فزوانی نعمت ہوگا اور مجرموں کے لیے شرمساری اور سر کے جھکنے کا سبب اور ذلت و خواری کا باعث۔ اور کیا ہی دردناک ہے کہ وہ انسان جس نے اپنی اندرونی خرابیوں اور برائیوں کو عمر بھر لوگوں سے چھپائے رکھا ہو اور ان کے درمیان عزت سے زندگی گزاری ہو، لیکن اس دن جس دن تمام اسرار آشکار ہوں گے، تو تمام مخلوق کے سامنے شرمسار اور ندامت سے سرنگوں ہو، اس لیے کہ بعض اوقات عذاب ندامت و دوزخ کی آگ سے بھی زیادہ دردناک ہوتا ہے۔

سورہ الرحمن کی آیت ۴۱ میں بھی آیا ہے: (یعرف المجرمون بسیماء ہم) ”قیامت میں گنہگار اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے“ نیز دوسری آیات میں ہے کہ ”قیامت میں ایک گروہ کے چہرے روشن اور تابناک ہوں گے اور دوسرے گروہ کے چہرے تاریک و غبار آلود ہوں گے“ (عبس - ۳۸ - ۴۱)۔ جی ہاں! جس طرح طارق اور ستارے رات کے وقت آسمان میں ظاہر ہوتے ہیں اور پردے سے باہر آ

۱۔ یوم یہاں ظرف ہے اور وجہ کا متعلق ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے اور اس قسم کے موارد میں مصدر اور اس کے معمول کے درمیان فاصلہ ضرر نہیں رکھتا، اس لیے کہ یہ کسی اجنبی سے فاصلہ نہیں ہے۔

جاتے ہیں، وہ محافظ و مراقب جو انسان کے اعمال کے حفظ و ضبط پر مامور ہیں، وہ بھی وہاں سب کچھ ظاہر کر دیں گے۔ ایک روایت میں معاذ بن جبل سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا سے اس آیت میں جو حفظ سرائر ہے اس کے معنی پوچھے کہ وہ کون سے اسرار ہیں جن کے ذریعہ خدا قیامت میں بندوں کو آزمائے گا؟ تو یہ نے فرمایا:

(سرائرکم ہی اعمالکم من الصلوة والصیام والزکوۃ والوضوء والغسل من الجنابة وکل مفر من لان الاعمال کلھا سرائر خفیة فان شاء الرجل قال صلیت ولم یصل وان شاء قال قضاأت ولم یتوضأ فذاک قولہ یوم تبلی السرائر)

”تمہارے سرائر تمہارے اعمال ہی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، وضو، غسل جنابت اور ہر واجب عمل اس لیے کہ تمام اعمال حقیقت میں پنهان ہیں۔ اگر انسان چاہے تو کہہ دے کہ میں نے نماز پڑھی ہے جبکہ اس نے نہ پڑھی ہو اور کہہ سکتا ہے کہ میں نے وضو کیا ہے جبکہ نہ کیا ہو۔ یہ ہے خدا کے اس کلام کی تفسیر (یوم تبلی السرائر)۔ اس دن اہم مشکل یہ ہوگی کہ انسان کے لیے کوئی قوت و طاقت اندر سے اور کوئی یاد دہندہ دہرے سے نہیں ہوگا (فما له من قوة ولا ناصر)۔ کوئی طاقت جو اس کے برے اعمال اور بُری نیت پر پردہ ڈالے اور کوئی مددگار جو اسے عذاب الہی سے رہائی بخشنے۔

یہ مضمون بہت سی قرآنی آیات میں آیا ہے کہ اس دن نہ کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی فدیہ اور خدا ہونے والا قبول ہوگا، نہ ہی کوئی قرار اور بازگشت کی راہ انسان کے سامنے ہوگی اور نہ کوئی راستہ عدالت پروردگار کے چنگل سے فرار کرنے کا راستہ ہوگا۔ نجات کا وسیلہ صرف اور صرف عمل صالح ہوگا۔ جی ہاں! نجات کا وسیلہ صرف یہی ہے۔

- وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ (۱۱)
 وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ (۱۲)
 إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝ (۱۳)
 وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ (۱۴)
 إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ (۱۵)
 وَآكِيدُ كَيْدًا ۝ (۱۶)
 فَهَلْ الْكَافِرِينَ أَهْمُ لَهُمُ رُؤْيَا ۝ (۱۷)

ترجمہ

- پُر بارش آسمان کی قسم۔ (۱۱)
 اور پُر شکاف زمین کی قسم۔ (۱۲)
 کہ یہ ایک سچی بات ہے۔ (۱۳)
 اور یہ مذاق نہیں ہے۔ (۱۴)
 وہ ہمیشہ مکر کرتے ہیں۔ (۱۵)
 اور میں اس کے مقابلہ میں چارہ جوئی کرتا ہوں۔ (۱۶)
 اب جبکہ ایسا ہے تو کافروں کو تھوڑی سی مہلت دے دے، (تاکہ اپنے اعمال کی سزا دیکھ لیں) (۱۷)

تفسیر

میں دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہوں
 گزشتہ آیات کے بعد، جن میں انسان کے نطفہ اور اس کی پہلی زندگی کی طرف توجہ کے حوالے سے استدلال

تھا، ان آیات میں پھر اہر معاد پر تاکید کرتے ہوئے اور دوسرے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”قسم ہے بارش سے پُر آسمان کی“ (والسماوات ذات الرجع)۔ ”اور قسم ہے زمین کی جو شکافتہ کی جاتی ہے“

اور اس میں سے سبزہ بھوٹا ہے“ (والارض ذات الصدع)۔ ”کہ یہ ایک حق بات ہے کہ تم زندہ ہو جاؤ گے“ (انہ لقول فصل)۔

”یہ سچی بات ہے اور اس میں کسی قسم کی شوخی اور مزاح نہیں ہے“ (وما ہو بالہزل)۔

”رجع“ رجوع کے مادہ سے بازگشت کے معنی میں ہے اور عرب بارش کو رجع کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ پانی زمین اور سمندروں سے اٹھتا ہے اور بارش کی صورت میں زمین کی طرف لوٹ آتا ہے۔ یا یہ کہ مختلف ناموں پر بار بار بارش ہوتی ہے۔

وہ گرٹھے جن میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے انہیں بھی رجع کہتے ہیں، بارش کے پانی کے جمع ہوجانے کی بنا پر، یا ان لہروں اور موجوں کی بنا پر جو ان کی سطح پر ہوا کی جنبش سے پیدا ہوتی ہیں بلکہ

”صدع“ سخت اجسام میں شکاف پڑ جانے کے معنی میں ہے، اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ جو کچھ رجع کے معنی میں کہا گیا ہے اس کو خشک و سخت زمینوں کے بارش کے نزول کے بعد شکافتہ ہونے اور سبزہ کی نشوونما کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ حقیقت میں یہ دونوں قسمیں اشارہ ہیں مردہ زمینوں کے بارش کی وجہ سے زندہ ہونے کی طرف جسے قرآن نے بار بار مسئلہ معاد کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کیا ہے۔ مثلاً سورہ ق کی آیت ۱۱ (واخینا بہ بلرہ میتا کذا لک الخروج) ”ہم نے بارش کے ذریعہ مردہ زمینوں کو زندہ کیا اور قیامت میں تمہارا خروج بھی اسی طرح ہوگا“

اسی طرح ان قسموں کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جن کے لیے قسم کھائی گئی ہے، واضح مناسبت ہے۔ یہ قرآن کے محاسن میں سے ایک ہے کہ قسموں کے درمیان اور ان کے درمیان جن کے لیے یہ قسمیں کھائی جا رہی ہیں، ایک عمدہ اور پُرکشش تناسب نظر آتا ہے۔ جس طرح سورہ حج کی آیت ۵ میں مسئلہ معاد پر نطفہ سے انسان کی خلقت اور جنین کے اسرار استدلال کرتا ہے اور بارش کے نزول کے زیر اثر مردہ زمینوں کے زندہ ہونے پر استدلال کرتا ہے، اسی طرح اس سورہ (سورہ طارق) میں بھی ان دونوں مسائل پر انحصار کیا ہے۔

بعض مفسرین نے ”والسماوات ذات الرجع“ کے جملے کے لیے ایک اور تفسیر بھی بیان کی ہے اور وہ یہ کہ آسمان کے ستاروں کی گردش کی تکرار اور ان کا پہلی حالت کی طرف پلٹنا، زمین کی مختلف ادوار میں اپنے گرد اور سورج کے گرد گردش اور نظام شمسی کے سیاروں کی حرکت، چاند، سورج اور ستاروں کی طلوع و غروب کی حرکت۔ یہ سب حرکات بازگشت کی حامل ہیں۔ ان بازگشتوں کا وجود انسان کی حیات تازہ کی طرف بازگشت کی علامت ہے۔ البتہ پہلے معنی

زمین کے شکاف نہ ہونے اور مسئلہ معاد کے دلائل کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔
قول فصل کے معنی ایسی بات کے ہیں جو حق و باطل کو الگ الگ کر دے۔ یہاں گزشتہ آیتوں کے قرینہ سے
ایک گروہ نے اسے قیامت کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جبکہ مفسرین کی ایک دوسری جماعت اسے قرآن کی طرف
اشارہ سمجھتی ہے۔

معصومین کی بعض روایات میں بھی اس طرف اشارہ ہوا ہے۔ البتہ قیامت کو یوم الفصل سے تعبیر کرنا
قرآن کی بہت سی آیتوں میں نظر آتا ہے، جو ضمنی طور پر معاد کی خبر دیتی ہیں۔ اس طرح دونوں تفسیروں کے
درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

ایک حدیث میں امیر المومنین حضرت علیؑ کے واسطے سے پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:
(انہا ستكون فتنة قلتم فما المخرج منها يا رسول الله قال كتاب الله فيه نبأ من قبله كذو خبر
ما بعدكم وحكم ما بينكم هو الفصل ليس بالهزل من تركه من جبار قصمه الله ومن ابتغى الهدى
في غيره اضلّه الله)

”عنفرتب تمہارے درمیان فتنہ ظاہر ہوگا۔ میں نے عرض کیا اے خدا کے رسولؐ اس سے نجات کی کیا
صورت ہے؟ فرمایا: قرآن جس میں گزشتہ اور آئندہ لوگوں کی خبریں اور تمہارے درمیان کے فیصلے ہیں اور وہ
ایسا کلام ہے جو حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے، حکم و پختہ ہے، اس میں شوقی و مزاح نہیں ہے۔ جو جبار اس کو
چھوڑے گا خدا اس کی کمر توڑے گا اور جو شخص اس کے غیر سے ہدایت چاہے گا خدا اس کو گمراہ کر دے گا۔
اس کے بعد پیغمبرؐ کو تسلی دینے کے لیے اور دشمنان اسلام کی تنذیر کی غرض سے خداوند عالم مزید فرماتا
ہے، ”وہ ہمیشہ مکر و حیلہ کرتے ہیں اور منصوبے بناتے ہیں (انہم یکیدون کیداً)۔ میں بھی ان کے مقابلہ میں
ایک منصوبہ بناتا ہوں اور ان کی سازش کو خاک میں ملا دیتا ہوں۔ (واکید کیداً)۔ اب جبکہ معاملہ اس طرح
ہے تو کافروں کو تھوڑی سی مہلت دے دے تاکہ وہ اپنے اعمال کا انجام دیکھ لیں۔ (فمهل الكافرين
امهلهم رويداً)۔

ہاں! وہ ہمیشہ منحوس منصوبے تجھ سے لڑنے کے بناتے رہتے ہیں۔ کبھی مذاق اڑاتے ہیں، کبھی دیوانہ کہتے
ہیں، کبھی صبح کو ایمان لاتے ہیں اور عصر کے وقت کافر ہو جاتے ہیں تاکہ ایک گروہ کو اپنے ساتھ واپس کفر کی
طرف لے جائیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ جو لوگ تیرے گرد جمع ہو گئے ہیں وہ فقراء و بے فوائ ہیں۔ انہیں دور کر تاکہ ہم تیرا ساتھ دیں۔
کبھی کہتے ہیں کہ ہم ازم ہمارے بعض خداؤں کو قانونی طور پر قبول کر لے تو ہم تیرا ساتھ دیں گے۔ کبھی تجھے جلا وطن کرنے کا

اور قتل کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر لمحے ایک نئے بھیس میں آتے ہیں تاکہ تیری جماعت کو متوجہ و منتشر کر دیں اور تیرے اصحاب و انصار پر دباؤ ڈالیں یا تجھے ختم کر دیں اور خدا کے نور کو بجھا دیں۔ لیکن انہیں جاننا چاہیے کہ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ یہ نور عالمگیر ہو جائے۔ یہ خدا کا نور ہے۔ یہ کسی کے چھڑک مارنے سے نہیں بجھ سکتا۔ یہ فروزاں آفتاب ہے جو چمکا دڑوں کی چشم پوشی سے ختم نہیں ہو سکتا۔ وہ منصوبہ بناتے ہیں اور ہم بھی اپنی تدابیر کرتے ہیں۔

”کید“ بقول مفردات راغب، ایک قسم کی چارہ جوتی ہے اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک مذموم دوسرا پسندیدہ، اگرچہ اس کا استعمال مذموم چارہ جوتی میں زیادہ ہوتا ہے لیکن ممدوح چارہ جوتی میں بھی ہوتا ہے مثلاً (کوز الکد کدنا لیوسف) ہم نے اس طرح یوسف کے لیے چارہ جوتی کی۔ (یوسف - ۷۶)۔

دشمنوں کے کید و مکر کی مراد زیر بحث آیت میں واضح ہے۔ یہ وہی صورت حال ہے جس کے کچھ عنوانات کے متعلق ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اور قرآن ان کی ایذا رساں سازشوں اور شرارت پر مبنی واقعات سے پہلے باقی رہا خدائی کید اس سے یہاں کیا مراد ہے؟

بعض نے یہاں کہا ہے کہ وہی مہلت دیا ہے جو دردناک عذاب پر منتہی ہوتی ہے اور بعض نے خود عذاب کے معنی میں سمجھا ہے۔ لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ مراد وہی الطاف الہی ہیں جو پیغمبر اور مومنین کے شامل حال تھے اور دشمنان اسلام کو غافل کر دیتے اور ان کی کوششوں کو ختم کر دیتے۔ ان کی سازشوں کو درہم برہم کر دیتے جس کے نمونے تاریخ اسلام میں بہت زیادہ ہیں۔

ان آیات میں خصوصیت کے ساتھ پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ کافروں سے لطف و مدارت سے پیش آ، انہیں مہلت دے اور ان کے فنا ہو جانے کے بارے میں عجلت سے کام نہ لے۔ انہیں چھوڑ دے کہ کافی حد تک تمام حجت ہو جائے اور انہیں رہنے دے تاکہ جو لوگ مختصر سی آبادگی بھی رکھتے ہوں وہ آخر کار مشرف بہ اسلام ہو جائیں۔

اصولی طور پر جلد باز وہ ہوتا ہے جو فرصتوں کے خوف اور امکانات کے باعث سے نکل جانے کا اندیشہ رکھتا ہے اور یہ چیز خداوند قادر و قاهر کے بارے میں کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔

قابل توجہ یہ کہ فرماتا ہے: (فمهل الكافرين) ”کافروں کو مہلت دے“ اور دوبارہ تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے (امهلهم) ”انہیں مہلت دے“

ان میں سے ایک باب تفعیل سے ہے اور دوسرا افعال سے اور اس کی تکرار تاکید کے لیے ہے بغیر اس کے کہ لفظ کی تکرار ہو اور اس کے کانوں کو بوجھ محسوس ہو۔

”رویداً“ ”رود“ (بروزن عود) کے مادہ سے آمد و رفت رکھنے اور کسی کام کو نرمی سے انجام دینے کے معنی میں ہے۔ یہاں اس کے مصدری معنی مراد ہیں اور تصغیر کا پہلو لیے ہوئے ہیں یعنی انہیں عھوڑی سی مہلت دے۔

اس بنا پر رویداً یہاں مفعول مطلق کا جانشین ہے اور حقیقت میں ایسا ہے جیسا کہ کہا جائے امھلکم امھالا قليلاً اور یہ جو بعض نے احتمال پیش کیا (یعنی اگلے صفحہ پر)۔

اس طرح خدا اس مختصر سے جملے میں اپنے پیغمبر کو تین مرتبہ ان سے مدارات کرنے اور انہیں مہلت دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل ہے کہ وہ اپنے کاموں میں، خصوصاً جبکہ ان کا دشمن سے مقابلہ ہو، اس وقت حوصلہ اور صبر و شکیبائی سے کام لیں اور ہر قسم کی جلد بازی سے پرہیز کریں۔ کوئی بے محل اقدام نہ کریں اور ہر کام کا منصوبہ بنائیں۔ علاوہ انہیں دین حق کی تبلیغ کی راہ میں ہمیشہ جلد بازی سے پرہیز کریں تاکہ وہ تمام افراد، جن کی ہدایت کا احتمال موجود ہے ایمان لے آئیں اور باقی تمام افراد کے بارے میں اتمام حجت ہو جائے۔

یہ بات کہ یہ مہلت کم اور مختصر کیوں شمار کی گئی ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اسلام مختصر سی مدت میں دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب ہو گیا تھا اور کافروں کے منصوبے خاک میں مل گئے تھے۔ انہوں نے پہلی ضرب کا مزہ جنگ بدر میں چکھا۔ اس کے بعد بہت جلد میدانِ احزاب و خیبر و حنین وغیرہ میں ان کے ارادے خاک میں ملے۔ پیغمبر کی زندگی کے آخری دنوں میں نور اسلام سارے جزیرۃ العرب پر چھا گیا اور ایک صدی گزرنے سے پہلے دنیا کے اُس دور کے عمدہ اور اہم حصوں پر اس نے اپنا سایہ ڈال دیا۔ یا پھر اس وجہ سے ہے کہ قیامت کا عذاب بھی نزدیک ہے اور اصولی طور پر جو کچھ قطعی ہو وہ نزدیک شمار ہوتا ہے۔

بہر حال یہ سورہ آسمان اور ستاروں کی قسم سے شروع ہوتا ہے اور سازش کرنے والے حقیقت کے دشمن کفار کی تردید پر ختم ہوتا ہے۔ درمیان میں معاد و قیامت کے خوبصورت اور مؤثر دلائل اور افسانوں پر نگہبانوں کے تقرر کے بارے میں پُر لطف بیانات ہیں۔ نیز مومنین کی تسفی و دلداری ہے۔ یہ تمام عنوانات مختصر قسم کی عبارتوں کے ساتھ، جو نہایت ہی لطیف ہے اور مخصوص قسم کی قاطعیت لیے ہوئے ہیں، بیان ہوئے ہیں۔

خداوند! دشمنوں کے کید و مکر کا رخ، جو ہمارے زمانے میں بہت زیادہ ہو گیا ہے، خود انہی کی طرف کر دے اور ان کے مخوس منصوبے نقش بر آب کر دے۔

پروردگارا! جس روز اسرار کھل جائیں گے اس روز ہمیں شرمندہ نہ سمجھو۔
بار الہا! ہم تیرے علاوہ کوئی قوت، ناصر اور مددگار نہیں رکھتے۔ ہمیں اپنے غیر کے سپرد نہ کیجیو۔

آمین یا رب العالمین
سورہ طارق کا اختتام

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کیا ہے کہ رویداً ایسا امر کے معنی رکھتا ہے اسی لیے تین امر پہ در پہ آئے ہیں، بعید نظر آتا ہے البتہ روید امر کے معنی میں اور اسم مفعول کی شکل میں بھی آیا ہے لیکن زیر بحث آیت سے مناسب اور اس لفظ کے منصوب ہونے کے ساتھ موزوں یہی ہے کہ مفعول مطلق ہو۔

سورۃ اعلیٰ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۱۹ آیتیں ہیں

تاریخ ابتدا : ۲۴ شعبان / ۴۰ھ

www.sirat-e-mustaqeem.net

سورۃ الاعلیٰ کے مضامین اور ان کی فضیلت

اس سورہ کے درحقیقت دو حصہ ہیں۔ ایک حصہ تو وہ ہے جس میں روئے سخن خود پیغمبر کی طرف ہے اور ان کے لیے تسبیح پروردگار اور اداۓ فرض رسالت کے سلسلہ میں احکام جاری کیے گئے ہیں۔ اُس حصہ میں خدا تے بزرگ و بڑے کے سات اوصاف شمار کرائے گئے ہیں۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو خوفِ خدا رکھنے والے مومنین اور شقی القلب کفار کی بات کرتا ہے۔ اس حصہ میں ان دونوں گروہوں کی سعادت و شقاوت کے عوامل و اسباب اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ سورہ کے آخر میں اعلان کیا گیا ہے کہ یہ مطالب صرف قرآن ہی میں نہیں آتے بلکہ وہ حتاتی ہیں جن پر گزشتہ کتب و صحف اور صحفِ ابراہیم و موسیٰ میں بھی تاکید آئی ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ہم تک بہت سی روایات پہنچی ہیں۔ ایک حدیث ہمیں پیغمبر اسلام کی ملتی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«من قرأھا اعطاه اللہ عشر مہنات بعد کل حرف انزل اللہ علی ابراہیم و موسیٰ و محمد (صلوٰۃ اللہ علیہم) جو شخص سورہ الاعلیٰ کی تلاوت کرے خدا ہر اس حرف کے بدلے جو اس نے ابراہیم، موسیٰ اور محمد پر نازل کیا ہے دس نیکیاں اسے عطا فرمائے گا»۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ «من قرأ سبح اسم ربک الاعلیٰ فی فرائضہ او نوافلہ قیل لہ یوم القیامۃ ادخل الجنة من ای ابواب الجنة شئت انشاء اللہ» جو شخص اپنے فرائض یا نوافل میں سورہ الاعلیٰ کی تلاوت کرے تو قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جا (انشاء اللہ)۔ متعدد روایات میں آیا ہے کہ جس وقت پیغمبر یا ائمہ ہدیٰ «سبح اسم ربک الاعلیٰ» پڑھتے تو اس کے بعد اس حکم پر عمل کرتے ہوئے فرماتے «سبحان ربی الاعلیٰ»۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے بیس راتوں کو آپ کی اقتدار میں نماز پڑھی تو سوائے سبح اسم ربک الاعلیٰ کے اور کوئی سورۃ آپ نماز میں نہیں پڑھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے اگر تم جانتے کہ اس میں کیا برکتیں ہیں تو تم میں سے ہر شخص اسے دس مرتبہ پڑھتا۔ اور جو شخص اسے پڑھے گویا اس نے موسیٰ و ابراہیم کے صحف کی تلاوت کی ہے۔

۱۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۳۳۔

۲۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۳۳۔

۳۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۳۳۔

خلاصہ کلام یہ کہ مجموعہ روایات جو اس سلسلہ میں دستیاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ یہ سورہ پیغمبر اکرمؐ کو محبوب سورہ تھا۔ (کا ذیل رسول اللہ یحب هذه السورة صح اسم ربك الاعلیٰ) ۱

یہ بات کہ یہ سورہ مکی ہے یا مدنی، اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ مکی ہے۔ نازل ہوا جبکہ بعض کا نظریہ ہے کہ مدینہ میں نازل ہوا۔ علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس سورہ کا پہلا حصہ مکی ہو اور دوسرا حصہ (ذیلی) مدنی۔ وہ اس لیے کہ ذیل میں گفتگو نماز اور زکوٰۃ کی ہے اور، اس فقرہ کے مطابق جو آئمہ اہل بیتؑ سے ہم تک پہنچی ہے، نماز سے مراد نماز عید الفطر اور زکوٰۃ سے مراد فطرہ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ماہ رمضان کے روزے، نماز عید اور زکوٰۃ فطرہ مدینہ میں نازل ہوئے ہیں۔ ۲

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ نماز و زکوٰۃ کا حکم اس سورہ کے آخری حصہ میں ایک عام حکم کے طور پر ہے، اگرچہ عید الفطر اور زکوٰۃ فطرہ اس کے ایک واضح مصداق شمار ہوتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ واضح مصداق کے ساتھ ذرا اہل بیت بہت ہی فراواں ہے۔ اس وجہ سے ان مشہور علماء کا نظریہ جو کہتے ہیں کہ تمام سورہ مکی ہے، بعید نظر نہیں آتا۔ بالخصوص جبکہ آغاز سورہ کی آیات اور اختتام سورہ کی آیات مکمل طور پر، مقاطع حروف کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں۔ ۳

مشکل ہے کہ یہ کہا جاسکے کہ ایک حصہ مکہ میں نازل ہوا اور ایک مدینہ میں۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ مسلمانوں کا جو گروہ بھی مدینہ میں داخل ہوتا تو یہی سورہ مدینہ میں لوگوں کے سامنے پڑھتا۔ ۴ پس یہ احتمال کہ اس کا صرف صدر حصہ مکہ میں اور اس کا ذیلی حصہ مدینہ میں نازل ہوا ہو، بہت ہی بعید نظر آتا ہے۔

۱۔ تفسیر مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۷۲۔

۲۔ المیزان، جلد ۲۰ ص ۳۸۶۔

۳۔ تفسیر در المنثور، ج ۴ ص ۳۳۷ یہ فصل حدیث ہے جس کے اجمال مفہوم کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝

الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ۝

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ۝

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ۝

فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ۝

۱

۲

۳

۴

۵

ترجمہ رحمن و رحیم خدا کے نام سے اپنے بلند مرتبہ پروردگار کے نام کی تسبیح کر (اور اسے منزہ رکھ)۔

وہ خدا جس نے پیدا کیا اور منظم کیا۔

اور وہ جس نے منظم کیا اور ہدایت فرمائی۔

اور وہ جس نے چراگاہ کو ظاہر کیا۔

پھر اسے خشک اور سیاہ قرار دیا۔

۱

۲

۳

۴

۵

تفسیر

خداوند عظیم کی تسبیح کر

یہ سورہ حقیقت میں مکتب انبیاء کی دعوت فکر کا پتھر اور خلاصے یعنی پروردگار عالم کی تسبیح اقدس ہے

شروع ہوتا ہے۔

پروردگار عالم ابتداء میں روئے سخن پیغمبر اسلام کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اپنے بلند مرتبہ پروردگار

کے نام کو ہر عیب و نقص سے منزہ شمار کر" (سبح اسم ربك الاعلیٰ)۔

مفسرین کی ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ یہاں اسم سے مراد سنی ہے جبکہ ایک جماعت نے کہا ہے کہ مراد

خود اسم پروردگار ہے، وہ نام جو سہمی پر دلالت کرتا ہے۔ ان دونوں تفسیروں کے درمیان کوئی خاص منسرق نہیں بہر حال مراد یہ ہے کہ خدا کا نام بتوں کے ناموں کا ہم ردیلت قرار نہ دیا جائے اور اس کی ذات پاک کو ہم ہر قسم کے عیب و نقص سے، جسم و جسمانیات کے عوارض سے اور ہر قسم کی محدودیت و نقصان سے منزہ شمار کریں بت پرستوں کی طرح نہیں جو خدا کا نام بتوں کے نام کے ساتھ لیتے تھے، یا وہ لوگ جو خدا کو جسم و جسمانیات سے منزہ خیال نہیں کرتے۔

”اعلیٰ“ کی تعبیر اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ وہ ہر شخص اور ہر اُس چیز سے، جس کا ہم تصور کر سکتے ہیں، ہر خیال و قیاس و گمان سے اور ہر قسم کے جلی و خنی شرک سے برتر و بالا ہے۔
 ”رب“ رتیرا پروردگار کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ وہ پروردگار جس کی طرف تو لوگوں کو بلاتا ہے بت پرستوں کے پروردگار سے الگ ہے۔

رب و اعلیٰ کی دو صفوں کے بعد ان کی وضاحت کے لیے پانچ اور صفات بیان کرتا ہے جو سب کی سب پروردگار کی اعلیٰ ربوبیت کی تشریح میں فرماتا ہے: ”وہ خدا جس نے پیدا کیا اور مرتب و منظم کیا“ (الذی خلق فسوی)۔

”سوی“ تسویہ کے مادہ سے نظام بخشنے اور مرتب کرنے کے معنی میں ہے۔ اس کا ایک وسیع مفہوم ہے جو عالم کے تمام نظاموں پر محیط ہے۔ قطع نظر اس نظام سے جو آسمانی ستاروں پر حاکم ہے، یا جو زمینی مخلوقات پر حکم فرما ہے، انسان کی جسم و جان کے لحاظ سے۔

اور یہ جو بعض مفسرین نے صرف انسان کے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کے خاص نظام یا انسان کے راست قامت ہونے کے ساتھ تفسیر کی ہے، درحقیقت وہ اس مفہوم کے ایک محدود و مصداق کا بیان ہے۔ بہر حال عالم آفرینش کا نظام جو عظیم ترین آسمانی نظاموں پر حاوی ہے، پروردگار کی ربوبیت اور اس کے وجود کے اثبات کے لیے سادہ اور عام موضوعات کا موید ہے۔ مثلاً انسان کی انگلیوں کی پوروں کی لکیروں تک، جن کی جانب سورۃ قیامت میں اشارہ ہوا ہے: (بلیٰ قادرین علیٰ ان نسویٰ بنانہ) (قیامت - ۴۰)۔ اس مختصر سی تعبیر میں مطالب کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔

آفرینش اور خلقت کی تنظیم کے مسئلہ کے بعد حرکت کمالی اور اس کی راہ میں موجودات کی ہدایت کے لیے لائحہ عمل مقرر کرنے کے موضوع کو پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ جس نے تقدیر مقرر کی اور ہدایت فرمائی“ (والذی قدر فہدی)۔

تقدیر سے مراد اندازہ، اہداف و مقاصد اور روبہ عمل ہونے کے لائحہ عمل کی تعیین ہے جن کے لیے موجودات کو خلق کیا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد وہی ہدایت تکوینی ہے جو محرکات اور قوانین کی شکل میں ہے اور جسے ہر موجود پر حاکم قرار دیا جاتا ہے (عام اس سے کہ وہ اندرونی محرک ہوں یا بیرونی)۔

مثلاً ایک طرف ماں کے پستان اور اس کے دودھ کو بچے کی غذا کے لیے پیدا کیا ہے، ماں کو شدید محبت ماری سے نوازا ہے اور دوسری طرف بچے میں محرک پیدا کیا ہے جو اسے ماں کے پستان کی طرف کھینچتا ہے۔ یہ آمادگی دونوں طرف کی قوتِ جاذبہ تمام موجودات کی راہِ مقاصد میں نظر آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر موجود کی ساخت کے بارے میں تدبیر و تفکر کرنا اور وہ راہِ عمل جسے وہ اپنی پوری زندگی میں طے کرتا ہے، یہ دونوں باتیں اس حقیقت کا پتہ دیتی ہیں کہ نہایت باریک بینی پر مبنی ایک لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے، طاقتور جبرتِ ہدایت اس کے پیچھے ہے جو اس لائحہ عمل کے اجراء میں مدد کرتا ہے، اور یہ پروردگار کی ربوبیت کی ایک اور نشانی ہے۔

البتہ انسان کے لیے ہدایتِ تکوینی کے پروردگار کے علاوہ ایک اور قسم کی ہدایت بھی موجود ہے جو وحی اور بعثتِ انبیاء کے ذریعہ صورت پذیر ہوتی ہے۔ اس کا نام ہدایتِ تشریعی ہے۔ قابلِ توجہ یہ امر ہے کہ انسان کی ہدایت تشریعی بھی اس کی ہدایتِ تکوینی کی تکمیل کرتی ہے۔

اسی مفہوم کو سورہ طہ کی آیت ۵۰ میں بھی پیش کیا گیا ہے جہاں حضرت موسیٰ فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ (فمن ربكما یا مولیٰ) فرماتے ہیں (ربنا الذی اعطیٰ سلی شیء وخلقہ شیء ھذی) ”ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر موجود کو اس کی خلقت کا لازمہ عطا فرمایا اور پھر اس کی ہدایت کی ہے“

اس بات کا مفہوم موسیٰ ابن عمران کے زمانہ میں یا نزولِ قرآن کے زمانہ میں اگرچہ مختصراً معلوم تھا لیکن موجود زمانہ میں، جبکہ انسانی علوم و دانش نے انواعِ موجودات کی شناخت کے سلسلہ میں خصوصاً پودوں اور جانداروں کے بارے میں بڑی پیش رفت کی ہے، اب بہت سی معلومات عام ہو چکی ہیں اور ہزار لاکھ ہیں اس تقدیر اور ہدایتِ تکوینی کے سلسلہ میں معرضِ تحریر میں آچکی ہیں۔ اس کے باوجود محققین کہتے ہیں کہ جو کچھ ابھی معلوم نہیں کیا جاسکا وہ کئی گنا زیادہ ہے۔

بعد والے مرحلہ میں گیاه و نباتات یعنی چوپاؤں کی غذا کی طرف خصوصی اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے : ”وہ جو چراگاہ کو وجود میں لایا اور اسے زمین کے اندر سے باہر نکالا“ (والذی اخروج المرعی)۔

”اخراج“ کی تعبیر ”اخراج“ کے مادہ سے اس طرف اشارہ ہے۔ گویا یہ سب زمین کے اندر موجود تھے اور خدا نے انہیں باہر نکالا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ حیوانات کی غذا انسانی غذا کی تمید ہے اور اس کا فائدہ آخر کار انسان کو پہنچتا ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے : ”اس کے بعد خدا نے اسے خشک اور سیاہ قرار دیا“ (فجعلہ غناءً احوی)۔ ”غناء“ اصل میں خشک گھاس کے معنی میں ہے جو سیلاب کے نتیجہ میں نکلتی ہے۔ وہ جھاگ جو دیگ کے جوش کھانے سے پیدا ہوتا ہے، اسے بھی غناء کہتے ہیں۔ یہ تعبیر ہر اس چیز کے لیے کنایہ ہے جو ضائع ہو جاتی ہے۔

زیر بحث آیت میں غشا کے معنی خشک گھاس اور فضول چیز کے ہیں۔

”احوی“ ”حوہ“ (بروزن قوہ) کے مادہ سے کبھی سبز رنگ اور کبھی سیاہ رنگ کے معنی دیتا ہے اور دونوں ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں، اس لیے کہ سبز رنگ جب زیادہ سبز ہو تو سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ یہ تعبیر اس بناء پر ہے کہ خشک گھاس جب اوپر تلے پڑی ہو تو آہستہ آہستہ سیاہ ہونے لگتی ہے۔ اس تعبیر کا انتخاب، باوجود کہ خدائی نعمتوں کے بیان کے محل پر ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ مندرجہ ذیل تین علتوں میں سے اس کی ایک علت ارہیل علت یہ کہ گھاس وغیرہ کی کیفیت دنیا کے فانی ہونے کو ظاہر کرتی ہے اور انسانوں کے لیے ہمیشہ درس عبرت کا کام دیتی ہے۔ وہ سبزہ جو فصل بہار میں تروتازہ اور مسرت بخش تھا، چند ماہ گزرنے کے بعد خشک ہو کر سیاہ رنگ اختیار کر لیتا ہے اور اس پر مُردنی چھا جاتی ہے۔ گویا زبانِ حال سے دنیا کی ناپائیداری اور وسوسہ کے تیزی سے گزرنے کی داستان سناتی ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ خشک گھاس جب اوپر نیچے رکھ دی جائے اور بوسیدہ ہو جائے تو ایک قسم کی کھاد بن جاتی ہے جو نئی گھاس کو پرورش کے لیے مفید ہوتی ہے اور زمین کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔

۳۔ تیسری علت یہ ہے کہ بعض مفسرین کے مطابق اس آیت میں گھاس اور درختوں سے پتھر کے کونوں کا تخلیق کی طرف اشارہ ہے، اس لیے ہم جانتے ہیں کہ پتھر کا کونہ جو کرۂ زمین سے حاصل ہونے والی قوتوں میں سے ایک اہم ترین قوت ہے، انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنی صنعتوں اور کارخانوں میں اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھا چکا ہے اور اب بھی اٹھاتا ہے۔

یہ کونہ گیہ اور درختوں کا باقی ماندہ حصہ تھا جو کئی ملین سال سے خشک ہو کر زمین میں دفن ہو گیا اور متنازع زمانہ کے ساتھ ساتھ پتھر بن کر سیاہ رنگ اختیار کر چکا ہے۔ بعض ماہرین کا نظریہ ہے کہ وہ چراگاہیں جو موجودہ زمانہ میں پتھر کے کونے کی شکل اختیار کر چکی ہیں تقریباً ڈھائی ملین سال پہلے موجود تھیں اور پھر زمین میں دفن ہو گئیں یہ چراگاہیں اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر موجودہ زمانے میں پتھر کے کونہ کا مصرف ہم اپنی نگاہ میں رکھیں تو دھارِ زار سال سے زیادہ دنیا کے لوگوں کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔

آیت کی تفسیر خصوصیت کے ساتھ آخری معنی کے حوالہ سے بعید از قیاس نظر آتی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ آیت کے جامع معانی ہوں، جس میں تینوں تفسیریں جمع ہوں۔

بہر حال (غشاءِ احوی) ”خشک سیاہ رنگ کی گھاس“ بہت سی منفعتیں رکھتی ہے۔ سردی کے زمانے میں جانوروں کی مناسب غذا بھی ہے، انسان کے لیے آگ کی فراہمی کا ذریعہ بھی اور زمینوں کے لیے مناسب کھاد بھی ہے۔

۱۔ آخری تفسیر کتاب ”قرآن ہر فرازا عصار“ تالیف عارف نفل ترجمہ بہرام پور میں بیان ہوئی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ سات صفعتیں، جو مندرجہ بالا آیت میں آئی ہیں، بلند و بالا ربوبیت، خلقت، تسویہ، تقدیر، ہدایت اور گناہ و نباتات کی تخلیق، یہ حقیقت میں پروردگار کی اعلیٰ ربوبیت کے مسئلہ کی نہایت احسن انداز میں تشریح ہے جس کا مطالعہ انسان کو خدا کے اعلیٰ مقام ربوبیت سے اچھی طرح آشنا ہے، اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا کرتا ہے، خدا کی اہم ترین نعمتوں کو اجمالی طور پر بیان کرتا ہے اور انسان میں شکرگزاری کا احساس پیدا کرتا ہے۔

ایک نکتہ

مسئلہ تقدیر اور موجودات عالم کی عمومی ہدایت جو اوپر والی آیات میں پروردگار کی ربوبیت کے مظاہر میں شمار ہوئی ہے، ایسے مسائل میں سے ہے کہ جس قدر زمانہ گزرتا جائے اور انسانی علم و دانش میں پیش رفت ہوگی، اسی قدر اس میں زیادہ سے زیادہ حقائق آشکار ہوتے جائیں گے۔ علمی انکشافات ہمیں یہ امکان فراہم کرتے ہیں کہ ہم تمام ذرات عالم میں نئے، تعجب انگیز اور زیادہ شوق آور چہرے دیکھیں۔

بعض مفسرین نے یہاں مشہور ماہر حیوانات کمریسی مورسین کی کتاب (راز آفرینش انسان) کی تحریروں سے استناد کرتے ہوئے مختلف جانداروں کے حوالے سے حیوانات کی ہدایت کے بارے میں اس عظیم راز کے نونے پیش کیے ہیں جس کا ایک مختصر سامونہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

۱۔ ماجر پرندے، جو کبھی ایک سال کے اندر سمندروں، جنگلوں اور بیابانوں کا ہزار یا میل کا راستہ طے کرتے ہیں، اپنے آشیانوں کو کبھی نہیں بھولتے اور واپسی پر ٹھیک اپنے وطن پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح شد کی مکھیاں اپنے چھتے سے خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو جائیں اور تیز ہوا انہیں کتنا ہی منتشر کیوں نہ کر دے، پھر بھی وہ ٹھیک اپنے چھتے کی طرف واپس لوٹ آتی ہیں، جبکہ انسان اپنے وطن کی طرف لوٹنے کے لیے واضح نشانیوں، پتوں اور رہنماؤں کا محتاج ہوتا ہے۔

۲۔ حشرات الارض خوردبینی آنکھیں رکھتے ہیں جن کی ساخت اور دیکھنے کی طاقت انسان کو درطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے جبکہ باز جیسے پرندے دور بینی آنکھ رکھتے ہیں۔

۳۔ انسان رات کے وقت اپنا راستہ معلوم کرنے کے لیے مجبور ہے کہ منبع نور سے فائدہ اٹھائے لیکن بہت سے پرندے انتہائی تاریکی شب میں اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں۔ ان کا یہ دیکھنا ایسی آنکھوں کے ذریعہ ہے جو ایسی شعاؤں کے مقابلہ میں جو سرخ رنگ سے کم ہیں، حساسیت رکھتی ہیں اور اس طرح راڈار کی دستگاہ کی مانند ہیں جن میں سے بعض کے اندر یہ دستگاہ یادگار کے طور پر رکھی ہوئی ہے۔

۴۔ کتے ایک اضافی قوت شامہ رکھنے کی وجہ سے ہر اس جانور کو جو ان کے سامنے آئے سو نگہ کر پہچان لیتے ہیں جبکہ انسان ان وسائل و ذرائع کے باوجود جو اسے میسر ہیں اس قسم کی قوت سے محروم ہے۔

۵۔ تمام جانور ان آوازوں کو سن لیتے ہیں جن کی شدت ارتعاش ہماری قوت سامعہ کی گرفت سے باہر ہے۔ ان کی

قوت سماعت ہماری قوت سماعت سے کئی گنا زیادہ ہے۔ انسان اپنی اس کوتاہی کی تلافی علمی وسائل و آلات کے ذریعہ کر سکتا ہے اور مکھی کے پروں کی آواز جو اس سے کئی کلومیٹر دور ہو، اس طرح سن سکتا ہے گویا یہ آواز اس کی کان کی لو کے نزدیک ہے۔ شاید انسان اور حیوان کی قوت و طاقت و سماعت کا یہ فرق، جو خدا نے دونوں میں رکھا۔ بنابر یہ کہ انسان علم و عقل کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کر سکتا ہے جب کہ حیوان اس سے محروم ہیں۔

۴۔ چھوٹی مچھلی کی ایک قسم ہے جو سالہا سال سمندر میں زندگی گزارتی ہے۔ اس کے بعد تخم ریزی کے لیے ڈاکا نہر یا دریا کی طرف لوٹ جاتی ہے جس میں وہ پیدا ہوتی ہے۔ یہ مچھلی امواج کے برعکس بڑھتی ہے اور اپنے اصل وطن کو، جو اس کی پرورش سے مناسبت رکھتا ہے کئی سال دور فاصلہ پر رہنے کے باوجود اسے تلاش کر لیتی ہے۔

۵۔ پانی کے بعض جانوروں کی داستان اس سے زیادہ عجیب ہے۔ وہ اپنے راستے کو اس طریقہ کے برعکس طے کرتے ہیں۔

سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنْسَى ۝
 إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى ۝
 وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَى ۝
 فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَى ۝
 سَيَذَكِّرْ مَنْ يَخْشَى ۝
 وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝
 الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ۝
 ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ۝

ترجمہ

- ۶ ہم عنقریب تیرے سامنے (قرآن کو) پڑھیں گے اور تو اسے کبھی فراموش نہیں کرے گا۔
- ۷ مگر جو کچھ خدا چاہے۔ وہ آشکار اور پنہاں کو جانتا ہے۔
- ۸ اور ہم تمہیں ہر اچھے کام کے انجام دینے کے لیے آمادہ کریں گے۔
- ۹ تو جہاں تک سمجھنا مفید ہو، سمجھاتے رہو۔
- ۱۰ اور عنقریب وہ لوگ جو خدا سے ڈرتے ہیں متذکر ہوں گے۔
- ۱۱ لیکن زیادہ بد بخت لوگ اس سے دُوری اختیار کرتے ہیں۔
- ۱۲ وہی جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا۔

پھر اس آگ میں نہ مرے گا، نہ زندہ رہے گا۔

۱۳

تفسیر

ہم تجھے ہر اچھے کام کے لیے آمادہ کریں گے

گزشتہ آیتوں میں پروردگار کی ربوبیت اور توحید کے بارے میں گفتگو تھی۔ اس کے بعد زیر بحث آیتوں میں قرآن اور پیغمبر کی نبوت کی بات ہو رہی ہے۔ گزشتہ آیات میں عام موجودات کی ہدایت کے متعلق گفتگو تھی اور زیر بحث آیات میں نوع انسانی کی ہدایت کی بات ہے۔ خلاصہ یہ کہ گزشتہ آیات میں پروردگار علیٰ داعی کی تعریف کا ذکر آیا تھا اور ان آیات میں اس قرآن کی بات ہے جو اس تسبیح کو بیان کرتا ہے۔

فرماتا ہے: ”ہم عنقریب تیرے لیے قرأت کریں گے اور تو کبھی نہیں بھولے گا“ (سنقرئک فلا تنس) اس بنا پر نزول وحی کے وقت عجلت سے کام نہ لے اور آیات الہی کے بھول جانے کے بارے میں کبھی پریشان نہ ہو۔ وہ ذات جس نے یہ عظیم آیات انسانوں کی ہدایت کے لیے تجھ پر نازل کی ہیں، وہ ان کا محافظ و نگہبان بھی ہے۔ وہ ان آیات کا نقش تیرے مبارک سینے میں اس طرح ثبت کرے گا کہ نسیان کا گرد و غبار اسے کبھی مٹا نہیں کرے۔ یہ اس مفہوم کی نظر ہے جو سورہ ظہ کی آیت ۱۱۲ میں آیا ہے (ولا تعجل بالقول من قبل ان یقضی الیک وجہہ وقل رب زدنی علماً) ”قرآن پڑھنے کے سلسلہ میں اس سے پہلے کہ اس کی وحی تجھ پر تمام ہو، جلدی نہ کر کہہ پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما“

پھر سورہ قیامت کی آیت ۱۶ میں ہم پڑھتے ہیں: (لا تمحک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جعہ وقلنہ) ”اپنی زبان کو قرآن کے ساتھ حرکت نہ دے اس سے پہلے کہ وحی تجھ پر تمام ہو۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کو جمع کریں اور تیرے سامنے پڑھیں“

اس کے بعد خدا کی قدرت کو ثابت کرنے اور یہ کہ جو کچھ خیر و برکت ہے وہ اسی کی طرف ہے، مزید کتاب ”سورہ“ ”تو آیات الہی میں سے کسی چیز کو نہیں بھولے گا، مگر وہ جسے خدا چاہے۔ اس لیے کہ وہ آشکار و پنهان کو جاننے والا ہے (الا ماشاء اللہ انہ یعلم الجہم وما یخفی)۔

اس تعبیر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ پیغمبر آیات الہی میں سے کسی چیز کو بھول جائیں گے، یا ان کی گفتگو سے اطمینان سلب ہو جائے گا۔

مقصود کلام یہ ہے کہ آیات الہی کو یاد رکھنے کی نعمت خدا کی طرف سے ہے، لہذا جس وقت وہ چاہے اسے پیغمبر سے چھین سکتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں ہدف و مقصد خدا کے علم ذاتی اور اس کے پیغمبر کے علم وہابی کے درمیان جو فرق ہے اس کو بیان کرتا ہے۔

یہ آیت حقیقت میں اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ ہود کی آیت ۱۰۸ میں اہل بہشت کے جنت میں ہمیشہ رہنے کے بارے میں آئی ہے (و اما الذین سعدوا ففی الجنة خالدین فیہا ما دامت السما والارض الا ما شاء ربک عطاء غیر مجدوذ) "سعادت مند ہمیشہ جنت میں رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں، مگر وہ جو تیرا پروردگار چاہے، یہ عطا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔"

یہ طے شدہ بات ہے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور آیت کا آخری حصہ گواہ ہے (الا ما شاء ربک) کا جملہ خدا کے ارادہ و حاکمیت کی قدرت کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز اس کی مشیت سے ربط رکھتی ہے، اپنی ابتدا و خلقت میں بھی اور بقا و استمرار میں بھی۔

من جملہ ان امور کے جو اس موضوع کے گواہ ہیں، یہ ہے کہ بعض مسائل کو یاد رکھنا اور بعض کو بھول جانا تمام انسانوں میں موجود ہے اور یہ کوئی امتیاز و خصوصیت نہیں ہے کہ خدا اپنے پیغمبر کے لیے ایک نعمت کے طور پر بیان کرے۔ لہذا مراد تمام آیات قرآن اور احکام و معارف اسلام کا حفظ اور یاد رکھنا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس استثناء سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اور تلاوت دونوں منسوخ ہو گئے ہیں لیکن یہ تفسیر بہت بعید نظر آتی ہے۔ اصولی طور پر اس قسم کی آیات کا وجود ہی ثابت نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی پیش کیا ہے کہ استثناء قرأت سے متعلق ہے۔ اس لیے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم عنقریب تیرے لیے قرأت کریں گے اور اپنی آیات کو بیان کریں گے، مگر وہ آیات جن کے بارے میں تیرے پروردگار نے ارادہ کیا ہے اور اس کے علم مخزون میں پوشیدہ رہ جائیں۔ یہ تفسیر بھی آیات کے سیاق کی طرف توجہ کرتے ہوئے بعید نظر آتی ہے۔ (انہ یعلم الجہر وما ینخفی) کا جملہ حقیقت میں اس مفہوم کی علت کا بیان ہے جو سنقرء کے جملہ میں آیا ہے، جو اس طرف اشارہ ہے کہ وہ خدا جو تمام آشکار و پنهان حقائق سے باخبر ہے، وہ تجھ پر نوع بشر کی احتیاجات میں سے باقی رہ جانے والی چیزیں وحی کے ذریعہ القا کرتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کرے گا۔

یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو کہ پیغمبر وحی کے حصول میں عجلت نہ کریں اور بھول چوک کا خوف نہ رکھیں، اس لیے کہ وہ خدا، جو آشکار و پنهان حقائق کا عالم ہے، اس نے وعدہ کیا ہے کہ پیغمبر کو نسیان نہیں ہوگا۔

بہر حال یہ پیغمبر اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ طولانی آیات کو جبرائیل کے ایک ہی مرتبہ تلاوت کرنے سے یاد کر لیتے، ہمیشہ یاد رکھتے اور کوئی بات بھی نہیں بھولتے تھے۔

اس کے بعد پیغمبر کی دلداری کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "ہم تجھے ہر اچھے کام کے انجام دینے کی توفیق دیں گے"

(ونیسرک للیسری) ۱۵

بعض نے کہا ہے کہ واقعی آیت کا مفہوم ونیسرک للیسری لک تھا، اور تاکید کے عنوان سے تقدیم و تاخیر ہوئی ہے اور ونیسرک للیسری ہو گیا ہے۔ البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ ونیسرک لفظ تک کے معنی میں نہ ہو ورنہ تقویم و تاخیر کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں مقصود کلام یہ ہے کہ اس راستہ میں جو تجھے درپیش ہے بہت سی سختیاں اور مشکلات ہیں، وحی کے اخذ کرنے اور اسے یاد رکھنے کی راہ میں بھی، تبلیغ رسالت میں بھی اور اچھے کام انجام دینے میں بھی۔ ہم ان تمام امور میں (وحی کے حصول، اس کی تبلیغ، نشر و اشاعت، تعلیم دینے اور اس پر عمل کرنے میں) تیری مدد کریں گے اور مشکلات کو تجھ پر آسان کر دیں گے۔

یہ جملہ، ہو سکتا ہے کہ دعوت فکر پیغمبر کے نفس مضمون، پیغمبر کی ذمہ داریوں اور خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے لائحہ عمل کی طرف بھی اشارہ ہو، یعنی اس کا مفہوم مضمون آسان ہے، اس کی شریعت شریعت سہلہ ہے اور اس کی خدائی دین میں حوصلہ شکن تکلیفیں اور ذمہ داریاں نہیں ہیں۔

اس بنا پر مندرجہ بالا آیات کا ایک بہت ہی وسیع مفہوم ہے۔ اگرچہ بہت سے مفسرین نے اسے اس کی ایک ہی جہت میں محدود کر دیا ہے، اور واقعی اگر خدا کی مدد، توفیق اور نصرت نہ ہوتی تو ان تمام مشکلات پر پیغمبر کا قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ خود پیغمبر اسلام کی زندگی بھی اس حقیقت کی تعلیم کا ایک نمونہ تھی۔ آپ کسی چیز میں بھی، قطع نظر اس سے کہ لباس، خوراک، سواری یا زندگی کے دوسرے وسائل میں سخت گیر نہیں تھے۔ ہر مناسب غذا کھا لیتے، ہر قسم کا لباس جو باعث عیب و نقص نہ ہوتا، زیب تن فرما لیتے، کبھی بستر پر آرام کرتے، کبھی عام فرش پر، حتیٰ کہ کبھی بیابان کے ریت پر۔ نیز آپ ہر قسم کے تعلق اور تقيّد سے آزاد تھے۔

پیغمبر اسلام پر وحی آسمانی کی موبہبت و نعمت اور آپ کے لیے توفیق اور تسہیل امور کے وعدے کے بیان کرنے کے بعد آپ کی اہم ترین ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”پس تذکر اگر تذکر مفید ہو“ (فذکر ان نفع الذکر)۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تذکر بہر حال مفید ہے۔ وہ افراد جو اس سے کسی طرح بھی مستفید نہ ہوں، وہ بہت کم ہیں۔ علاوہ ازیں اور کچھ نہیں تو کم از کم منکرین پر اتمام حجت کا سبب تو ہے، جو بجائے خود ایک بہت بڑی منفعت ہے۔

جبکہ بعض کا نظریہ ہے کہ آیت میں کچھ محذوف ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ تذکر کر اور یاد دہانی کرنا چاہیے مفید ہو یا نہ ہو (فذکر ان نفع الذکر ای ولم تنفع) یہ حقیقت میں اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ نحل کی آیت ۸۱ میں آئی ہے (وجعل لکم سوابیل تفہیم الحق) خدا نے تمہارے لیے پیراہن قرار دیئے ہیں جو تمہیں گری (رزق) میں آئی ہے۔

۱۔ اور یہ جو قرآن کہتا ہے سوا علیہم، انذرہم، ام لم تنذرہم لا يؤمنون ان کے لیے برابر ہے چاہے تو انہیں ڈراتے یا نہ ڈراتے وہ ایمان نہیں لائیں گے (بقرہ-۶) یہ لوگوں کی صرف ایک اقلیت کے لیے ہے، درنہ اکثریت بہر حال اچھی باتوں کا اثر لیتی ہے۔ البتہ بعض لوگ بہت زیادہ اور اس کے برعکس بعض لوگ بہت کم اثر لیتے ہیں۔ لیکن بہر حال سنجیدہ باتیں عام طور پر اثر کرتی ہیں۔ اس وجہ سے یہاں جملہ شرطیہ قید غالب کی قبیل سے ہے جو اثر نہیں رکھتی۔

سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اس آیت میں صرف گرمی کا ذکر ہوا ہے اور سردی قرینہ تقابل سے معلوم ہوتی ہے لیکن بعض مفسرین کا اصرار ہے کہ جملہ شرطیہ یہاں مفہوم رکھتا ہے اور مراد یہ ہے کہ وہاں تذکرہ جہاں مفید ہو اور جہاں اس کا کوئی فائدہ نہ ہو تو پھر اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ ”ان“ یہاں شرطیہ نہ ہو بلکہ قد کے معنی میں تاکید و تحقیق کے لیے ہو، اور جملہ کا مفہوم یہ ہو کہ تذکرہ کیونکہ تذکرہ مفید و فائدہ بخش ہے۔ ان چاروں تفسیروں میں سے سب سے زیادہ مناسب پہلی تفسیر ہے۔

پیغمبر اسلام کا لائحہ عمل بھی اس پر گواہ ہے کہ وہ اپنی تبلیغات و تذکرات کے لیے کسی قسم کی قید و شرط کے قائل نہیں تھے۔ سب کو وعظ و نصیحت کرتے اور خوفِ خدا دلاتے تھے۔

بعد والی آیت میں تذکرہ، وعظ اور انذار کے مقابلہ میں لوگوں کے ردِ عمل کو پیش کرتا ہے اور انہیں دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”عنقریب وہ لوگ جو خدا سے ڈرتے ہیں اور مسئولیت و ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں، متذکر ہوں گے“ (سید کو من یخشی)۔

جی ہاں! جب تک روح میں خوفِ خدا اور خشیتِ الہی نہ ہو، یا دوسرے لفظوں میں حق طلبی اور حق جوئی کی روح انسان میں نہ ہو، جو تقویٰ کا ایک مرتبہ ہے، تو مواظبِ النہیہ اور تذکراتِ انبیاء فائدہ نہیں پہنچاتے۔ اسی لیے سورہ بقرہ کے آغاز میں پروردگار قرآن کو پرہیزگاروں کے لیے سببِ ہدایت شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ہذی للمتقین) ایک بعد والی آیت میں دوسرے گروہ کو پیش کرتے ہوئے مزید ارشاد ہوتا ہے: ”لیکن زیادہ بد بخت افراد اس سے دُوری اختیار کرتے ہیں“ (و یتجنبھا الا شقی)۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ آیت (سید کو من یخشی) عبد اللہ ابن مکتوم، پاک دل و حق طلب نابینا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ (و یتجنبھا الا شقی) ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیع کے بارے میں ہے جو کفار و مشرکین کے سرغنہ تھے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اشقی سے مراد یہاں معاندین اور دشمنانِ حق ہیں، اس لیے کہ لوگوں کے تین گروہ ہیں: ایک عارف و آگاہ گروہ، دوسرا متوقف اور شک کرنے والا گروہ اور تیسرا دشمنی کرنے والا گروہ۔ فطری و طبعی امر ہے کہ پہلا اور دوسرا گروہ تو فہمائش سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ صرف تیسرا گروہ ہے جو مثبت فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ان کے بارے میں فہمائش کی تاخیر صرف وہی اتمامِ حجت ہے جس کا ذکر کیا گیا۔

۱۔ یتجنبھا کی ضمیر ذکر کی طرف لوثی ہے جو گزشتہ آیات میں آیا ہے (غور کیجئے)۔

۲۔ تفسیر قرطبی، جلد ۱۰ ص ۱۱۰، دوسرا حصہ تفسیر کشاف و روح المعانی زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

اس آیت سے ضمنی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام قہر سے گروہ کو بھی اپنی فمائش سے مستفید فرماتے تھے لیکن وہ لوگ دُوری اختیار کرتے اور روگرداں ہوتے تھے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں شقاوت و خبیثیت کا نقطہ مقابل قرار دیا گیا ہے جبکہ تلمذ سے سعادت کے مقابلہ میں قرار پانا چاہیے تھا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ انسان کی سعادت اور خوش بختی کا اصل سبب مشغولیت و ذمہ داری کا احساس اور خبیثیت ہی ہے۔

بعد والی آیت میں آخری گروہ کی سرفروشت اس طرح بیان فرماتا ہے: ”وہ شقی جو دوزخ کی عظیم آگ میں داخل ہو گا اور وہاں قرار پائے گا“ (الذی یصلی النار الکبریٰ)۔ پھر اس آگ میں ہمیشہ رہے گا، نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ (نعم لا یموت فیہا ولا یحییٰ)۔ یعنی نہ تو مرے گا نہ آسودہ ہو اور نہ اس حالت کو جس میں وہ ہرگز زندگی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ وہ ہمیشہ زندگی اور موت کے درمیان ہاتھ پاؤں مارتا رہے گا جو کیفیت ایسے افراد کے لئے برترین بلا و مصیبت ہے۔

(النار الکبریٰ) سے کیا مراد ہے؟ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جہنم کا سب سے بچلا طبقہ اسفل السافلین ہے ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ شقی ترین اور معاند ترین لوگ ہیں۔ لہذا ان پر نازل ہونے والا عذاب بھی سخت ترین اور سزاوارتہ ترین ہونا چاہیے لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آگ کی لفظ کبریٰ کے ساتھ توصیف آتش صغریٰ کے مقابلہ میں ہے یعنی اس دنیا کی آگ کے مقابلہ میں، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

(ان نارکم هذه جز من سبعین جز من نار جہنم وقد اطفئت سبعین مرة بالماء شو التہبت ولو کا ذالک ما استطاع آدمی ان یطیقہا)۔ ”یہ تمہاری آگ جہنم کی آگ کے ستر اجزائیں سے ایک ہے۔ وہ پانی سے ستر مرتبہ دھوئی گئی پھر بھی وہ بھڑک اٹھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کوئی آدمی اس کے تحمل کی طاقت نہ رکھتا اور اس کے قریب نہ ٹھہر سکتا۔“

مشہور دعائے کیل جو امیر المومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے اس میں دنیا کی آگ اور آخرت کی آگ کے موازنہ میں ہم پڑھتے ہیں (علیٰ ان ذالک بلاد مکر وہ قلیل مکشہ یسیر بقائہ قصیر مدتہ) یہ ایسی بلا اور مکر وہ دنیا کی چیز ہے جس میں توقف کم ہے، اس کی بقا مختصر ہے اور اس کی مدت تھوڑی ہے۔

- ۱۳ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝
۱۵ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝
۱۶ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝
۱۷ وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۝
۱۸ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝
۱۹ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ۝

ترجمہ

- ۱۳ یقیناً وہ رستگار ہوگا جو تزکیہ کرے۔
۱۵ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرے اور نماز پڑھے۔
۱۶ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھتے ہو۔
۱۷ جبکہ آخرت زیادہ پائیدار اور بہتر ہے۔
۱۸ یہ احکام پہلی آسمانی کتب میں آچکے ہیں۔
۱۹ کتب ابراہیم و موسیٰ میں۔

تفسیر

وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتب میں آیا ہے
گزشتہ آیات میں کفار اور دشمنان حق کے بارے میں سخت سزا کا اشارہ ہوا ہے۔ زیر بحث آیات میں
اہل ایمان کی نجات اور اس نجات کے اسباب و عوامل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:
”یقیناً وہ شخص فلاح پائے گا جو اپنا تزکیہ کرے“ (قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى)۔ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر

روحیات

کرے اور اس کے بعد نماز پڑھے (و ذکر اسم ربہ فصلی)۔ اس طرح فلاح و رستگاری اور کامیابی کے عوامل ان تین چیزوں کو بتایا ہے۔ تزکیہ، نام خدا کا ذکر اور اس کے بعد نماز پڑھنا۔

تزکیہ سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں علماء نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔ پہلی روح کو نجاست شرک سے پاک کرنا ہے، گزشتہ آیات کے قرینہ سے، نیز اس قرینہ سے بھی کہ اہم ترین تطہیر شرک سے تطہیر ہے۔

دوسری یہ کہ تزکیہ سے مراد دل کو اخلاقی رذائل سے پاک کرنا اور اعمال صالح بجالانا ہے۔ قرآن مجید میں آیات فلاح کے نقطہ نظر سے دوسری آیات کے علاوہ سورۃ مومنین کے آغاز کی آیتیں ہیں جو فلاح کو اعمال صالح کی روح قرار دیتی ہیں اور سورۃ شمس کے حوالے سے جس میں تقویٰ اور فجر کے بیان کے بعد فرماتا ہے: (قد اخذنا من ذلکھا) وہ فلاح پاکیا جس نے اپنے نفس کو فسق و فجور اور دوسرے بُرے اعمال سے پاک کیا اور تقویٰ سے آراستہ کیا۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ تزکی کی سے مراد زکوٰۃ فطرہ دینا ہے۔ عید فطر کے دن پہلے زکوٰۃ فطر ادا کی جائے، نماز عید پڑھی جائے۔ جیسا کہ متعدد روایات میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے اور یہی معانی منابع اہل سنت امیر المومنینؑ سے منقول ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ اعلیٰ کی ہے اور مکہ میں نہ زکوٰۃ فطرہ مقرر ہوئی تھی، نہ ماہ رمضان روزے، نہ نماز عید ہی اور فطرہ کے مراسم۔ اس سوال کے جواب میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کوئی مانع نہیں کہ اس سورہ کا پہلا حصہ مکہ میں نازل ہوا ہو اور ذیلی حصہ مدینہ میں۔

یہ احتمال بھی قوی طور پر موجود ہے کہ مندرجہ بالا تفسیر ایک واضح مصداق کے بیان کی قبیل سے ہو اور اس کی تطبیق کسی واضح فرد پر ہو۔ بعض نے یہاں تزکیہ کو مالی صدقہ دینے کے معنی میں سمجھا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ تزکیہ کے وسیع معانی ہیں۔ یہ روح سے شرک کی آلودگی کو دور کرنے کے معنی میں بھی ہے، اخلاقی رذیلہ سے خود کو پاک کرنے کے معنی میں بھی، ہر قسم کے مکرو یا سے پاک کرنے کے معنی میں بھی اور راہ خدا میں زکوٰۃ دے کر مال و جان کی تطہیر کے معنی میں بھی۔ ایسے کہ سورہ توبہ آیت ۱۰۲ (خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا) ”ان کے مال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے تاکہ انہیں اس کے ذریعہ پاک کرے اور ان کا تزکیہ کرے“ کے مطابق زکوٰۃ کا دینا روح و جان کی پاکیزگی کا سبب ہے۔

اس بناء پر تمام تفسیریں آیت کے وسیع معنی کے اعتبار سے ممکن ہے کہ ٹھیک ہوں۔ قابل توجہ یہ بات ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں پہلے تزکیہ، اس کے بعد پروردگار کا ذکر اور پھر نماز کی بات ہوئی ہے۔

بعض مفسرین کے بقول مکلف کے تین عملی مراحل ہیں۔ پہلا دل سے فاسد عقائد کا ازالہ، اس کے بعد اللہ کی معرفت اور اس کے صفات و اسماء کا دل میں حضور، اور تیسرا مشغلہ ہے "اشتغال بخدمت" مندرجہ بالا آیت نے تین مختصر جملوں میں ان تینوں مرحلوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ نماز کا ذکر پروردگار کی فرع شمار کیا گیا ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ جب تک اس کی یاد میں عجز نہ ہو اور نور ایمان دل میں سایہ فگن نہ ہو اس وقت تک بندہ نماز کے لیے کھڑا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ نماز قنوت پر وقیمت رکھتی ہے جس کے ساتھ اس کا ذکر بھی ہوا اور وہ اس کی یاد کو ساتھ لیے ہوئے ہو اور یہ جو بعض لوگوں نے پروردگار سے مراد صرف اللہ اکبر یا بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لیا ہے، یہ درحقیقت اس کے بعض مصادیق کا بیان ہے۔ اس کے بعد اس فلاح و دستگاری کے دستور العمل سے انحراف کے اصلی عامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "بلکہ تم دنیاوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو اور اسے ترجیح دیتے ہو" (بل تو ثرون الحیوة الدنیا) جبکہ آخرت ہزاروں زیادہ پائیدار ہے (والآخرۃ خیر و البقی)۔

یہ حقیقت میں وہی مضمون ہے جو احادیث میں بھی آیا ہے (حب الدنیا رأس کل خطیئۃ) "دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے"۔

حالانکہ عقل کبھی اجازت نہیں دیتی کہ انسان سرائے باقی کو متابع فانی کے بدلے فروخت کرے اور ان مختصری لذتوں کو جو انواع و اقسام کے درد و رنج ساتھ لیے ہوئے ہیں ان تمام جادوئی اور ہر قسم کی تکالیف سے مبرا نعمتوں پر مقدم سمجھے اور ان پر ترجیح دے۔

انجام کار سورہ کے آخر میں فرماتا ہے: "یہ احکام جو بتائے گئے ہیں اس کتاب آسمانی ہی میں محدود نہیں ہیں بلکہ پہل کتب اور صحف میں بھی آچکے ہیں" (ان هذا الفی الصحف الاولیٰ یعنی صحف و کتب ابراہیم و موسیٰ میں)۔ (صحف ابراہیم و موسیٰ)۔

یہ بات کہ ہذا کا منشاء المیہ کیا ہے اس سلسلہ میں کئی نظریات موجود ہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے ترکیب، نماز اور حیات دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے کے آخری حکم کے سلسلہ میں اشارہ ہے، اس لیے کہ یہی انبیاء کی سب سے اہم اور بنیادی تعلیمات تھیں اور ان کا بیان تمام کتب آسمانی میں موجود ہے۔

تفسیر خازنی، جلد ۳ ص ۱۴۷۔
یہ حدیث مختلف عبارتوں کے ساتھ امام جعفر صادقؑ اور امام زین العابدینؑ سے، بلکہ تمام انبیاء سے نقل ہوئی ہے اور یہ اس کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر ہے۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۵۴، ۵۵۵۔
ہو سکتا ہے صحف ابراہیم و موسیٰ صحف الاولیٰ کی وضاحت ہو، یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا بیان اور واضح مصداق ہو۔ پہلی صورت میں گزشتہ تمام انبیاء کی کتب پر حاوی ہوگا اور دوسری صورت میں صرف ابراہیم و موسیٰ کے صحیفے مراد ہوں گے۔

بعض دوسرے مفسرین اس کو ساری سورۃ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، اس لیے کہ سورۃ قوید سے شروع ہوتی ہے اور نبوت کا تذکرہ جاری رکھتے ہوئے عملی دستور العمل پر ختم ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ تعبیر بتاتی ہے کہ اس سورۃ کا اہم مضمون بالخصوص آخری آیات عالم ادیان کے اصول اساسی میں سے ہے، تمام انبیاء کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے اور یہ خود اس سورۃ کی عظمت اور ان تعلیمات کی اہمیت کی نشانی ہے۔

”صحف صحیفہ کی جمع ہے جو یہاں لوح، تختی اور صفحہ کے معنی میں ہے جس پر کوئی چیز لکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ بھی آسمانی کتابوں کے حامل تھے۔ ایک روایت حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ انبیاء کی تعداد کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا ”ایک لاکھ چوبیس ہزار“ میں نے عرض کیا ”ان میں سے رسول کتنے تھے؟“ فرمایا ”تین سو تیرہ اور باقی صرف نبی تھے“ میں نے عرض کیا ”حضرت آدمؑ نبی تھے؟“ فرمایا ”ہاں۔ خدا نے ان سے کلام کیا اور انہیں اپنے دست قدرت سے خلق فرمایا“ اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے مزید فرمایا: ”اے ابوذر! انبیاء میں سے چار افراد عرب تھے: ہود، صالح، شعیب اور تیرا پیغمبر“ میں نے کہا ”اے اللہ کے رسول! خدا نے کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں؟“ فرمایا ”ایک سو چار کتابیں دس کتابیں آدمؑ پر، پچاس کتابیں شیثؑ پر اور تیس کتابیں اخنوخؑ پر جو ادیس ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا۔ ابراہیمؑ پر دس کتابیں اور توریت، انجیل، زبور اور فرقانؑ موسیٰؑ، عیسیٰؑ، داؤدؑ اور پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوئیں۔“

(الصحف الاولیٰ) کی تعبیر ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی کتب کے بارے میں آخری صحف کے مقابل ہے جو حضرت عیسیٰؑ اور پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوئے۔

ایک نکتہ

حُب الدنیا رأس کل خطیئۃ کی تحلیل

یقیناً مومن افراد کے لیے یہ قرآنی محاسبہ، جو مندرجہ بالا آیت میں آیا ہے اور جو دنیا و آخرت کے موازنہ کے سلسلہ میں ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے، مکمل طور پر واضح ہے۔ لیکن اس کے بلوچر مومن اکثر اوقات اپنے اس علم و آگاہی کو اپنے قدموں تلے روندنا ہے اور گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب ایک ہی جملہ میں دیا جاسکتا ہے کہ یہ سب ان خواہشات کے نتیجے میں ہوتا ہے جو دنیا کا انسان کے وجود پر غلبہ ہوتا ہے اور خواہشات کے غلبہ کا سرچشمہ بھی حُب دنیا ہی ہے۔ حُب دنیا میں یہ سب چیزیں شامل ہیں:-

حُب مال، حُب مقام، شہوت جنسی، تعلق طلبی، تن پروری، جذبہ انتقام اور اسی قسم کے دیگر امور جو انسان کی روح میں کبھی کبھی اس قسم کا طوفان برپا کر دیتے ہیں کہ اس کی تمام معلومات کو برباد کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات اس کی حس تشخیص ہی کو ختم کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ جو بعض اسلامی روایات میں بار بار حُب دنیا کو تمام گناہوں کا سرچشمہ بتایا گیا ہے یہ ایک حقیقت واقعی ہے جسے ہم نے خود اپنی زندگی اور دوسروں کی زندگی میں بار بار آزمایا ہے۔ اسی بنا پر گناہ کی جڑوں کو کاٹنے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم دنیا کی محبت اور اس کے عشق کو دل سے باہر نکال دیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا کو ایک وسیلہ، رگبزر، پل اور کھیتی سمجھیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ دنیا کے عاشق، جو دوسرا ہے پر کھڑے ہیں یعنی مباح دنیا کے حصول اور رخصتے خدا کے حصول کا دوا ہے، وہ کسی دوسری چیز کو ترجیح دیں۔ اگر ہم اپنے جرائم کے دفتر کو دیکھیں تو مندرجہ بالا آیت کی حقیقت ہمیں اس میں اچھی طرح نظر آجائے گی۔ اگر ہم لڑائیوں، خونریزیوں اور قتل و غارت کے اسباب و علل کو مورد توجہ قرار دیں تو ان سب میں حُب دنیا بنائے فساد کے طور پر ملے گی۔

باقی رہا یہ کہ حُب دنیا کو کس طرح دل سے نکالا جاسکتا ہے جبکہ ہم سب ابنائے دنیا ہیں اور مال سے بیٹے کی محبت ایک امر فطری ہے۔ یہ چیز فکری تعلیم و تربیت اور تہذیب نفس کی متقاضی ہے۔ من جملہ ان امور کے جو حُب دنیا کو دل سے نکالنے کے خواہشمند لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں، اہل دنیا کے انجام کار کا مطالعہ ہے۔

فراعنہ نے باوجود قوت اور مالی وسائل کے آخر کار کیا کیا؟ قارون ان خزانوں میں سے جن کی چابیاں کنی طاقتور انسان شکل سے اٹھا سکتے تھے، اپنے ساتھ کیا لے کر گیا؟ وہ عظیم طاقتیں جنہیں ہم اپنے زمانے میں دیکھتے ہیں ایک موج ہوا کے ذریعہ ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جاتا ہے اور صرف ایک گردش میں دنیا کے نتیجے میں ان کا تخت سلطنت الٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے قہر و دولت و ثروت کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، یا زیر خاک پنہاں ہو جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہمارے لیے بہترین معلم کا کام دے سکتی ہیں۔

اس وسیع و عریض گفتگو کو ہم امام زین العابدین کی ایک بہت ہی معنی خیز حدیث پر ختم کرتے ہیں۔ آنجناب سے کچھ لوگوں نے پوچھا ”خدا کے نزدیک سب سے افضل عمل کونسا ہے؟“ آپ نے فرمایا:

”رما من عمل بعد معرفۃ اللہ عزوجل و معرفۃ رسولہ افضل من بغض الدنیا“۔ خدا اور اس کے رسول کی معرفت کے بعد بغض دنیا سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔“ اس کے بعد آپ نے مزید فرمایا ”محبت دنیا کے بہت سے شے ہیں اور گناہوں کے بھی بہت سے شے ہیں۔ سب سے پہلی چیز جس کی وجہ سے خدا کی نافرمانی ہوتی وہ ابلیس کی نافرمانی تھی، جس وقت اس نے انکار کیا اور تکبر کر کے کافریں میں سے ہو گیا۔

اس کے بعد حرص تھی جو آدم و حوا کے ترک ادلی کا سبب بنی، جس وقت کہ خداوند متعال نے ان سے فرمایا جنت کی جس جگہ سے چاہو کھاؤ لیکن اس ممنوع درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔ لیکن وہ اس چیز کی

سوسوفا

یہ سورہ کتہ میں نازل ہوا
اس میں ۲۶ آیتیں ہیں
تاریخ ابتداء یکم رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

طرف گئے جس کی انہیں ضرورت نہیں تھی۔ یہی چیز ان کی اولاد کے لیے قیامت تک باقی رہ گئی۔ اس لیے حکم زیادہ تر چیزیں جو ان ان طلب کرتا ہے اس کی ضرورت سے تعلق نہیں رکھتیں۔ (عام طور پر ضرورتیں گناہ کا سبب نہیں ہیں وہ چیز جو سبب گناہ ہے وہ ہوا و ہوس اور ضرورت سے زائد امور ہیں)۔

اس کے بعد حد تھا جو آدمؑ کے بیٹے کا سبب گناہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے حد کیا اور اس کو قتل کر دیا اس کے شعبوں میں سے عورتوں کی محبت، دنیا کی محبت، حب ریاست، حب راحت و آرام، حب گفتگو و کلام، حب برتری اور حب دولت و ثروت ہے۔ یہ سات صفات ہیں جو سب کی سب حب دنیا میں جمع ہیں۔ اسی لیے انبیاء و مرسلین اور علمائے اعلام نے اس حقیقت سے آگاہی کے لیے کہا ہے کہ ”حب الدنیا داس کل خطیئۃ“۔

خداوند! دنیا کی محبت، جو تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے، اے ہمارے دلوں سے نکال دے۔

پروردگار! تو خود ہی تکامل و ارتقاء کے پر بیج راستے میں ہمارا ہاتھ تھام کر منزل مقصود تک

ہماری ہدایت فرما۔

بار الہا! تو آشکار و پنهان سب سے آگاہ ہے۔ ہمارے مخفی اور آشکار گناہ اپنے لطف و کرم سے بخش دے۔

آمین یا رب العالمین

سورہ اعلیٰ کا اختتام

آغاز ماہ مبارک رمضان ۱۴۰۷ھ

۱۔ ایسا نظر آتا ہے کہ یہاں حب دنیا سے مراد دنیا میں باقی رہنے کی محبت ہے، جو سات شعبوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے اور طویل امیدوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اصول کافی جلد ۲ باب حب الدنیا والحرص علیہا حدیث ۸۔ اصول کافی کے اس باب میں ۷ روایات نقل ہوئی ہیں جو بہت ہی اخلاقی اور تربیتی ہیں۔

سورہ غاشیہ کے مشتملات اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو کئی سورتوں میں سے ہے، زیادہ تر تین محروروں کے گرد گردش کرتا ہے۔ پہلا۔ معاد و قیامت کی بحث، بالخصوص مجرموں کا درد ناک انجام اور مومنوں کو ملنے والا شوق انگیز ثواب دوسرا۔ توحید کی بحث جو آسمان کی خلقت، پہاڑوں اور آسمان کی آفرینش کی طرف اشارہ اور انسان کی تین موضوعات کی طرف توجہ کے بیان سے عبارت ہے۔ تیسرا۔ نبوت کی بحث، پیغمبر اسلامؐ کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں کے بیان پر مبنی ہے۔ یہ سورہ مجموعی طور پر کئی سورتوں کے مقاصد ہی کو موضوع گفتگو بناتا ہے جن سے ایمان و اعتقاد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ایک حدیث پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے (من قرأها حاسبہ اللہ حساباً یسیئرا) ”جو شخص اس کی تلاوت کرے گا پروردگار عالم بروز قیامت اس کا حساب آسان کر دے گا“ ایک اور حدیث امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے ”جو شخص واجب اور مستحب نمازوں میں اس سورہ کی قرأت کی پابندی کرے گا، خدا اسے دنیا و آخرت میں اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا“ یقیناً یہ سب ثواب اسی صورت میں انسان کو حاصل ہوگا جب اس کی تلاوت اس کے لیے فکر و عمل کا محرک ثابت ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱ ۱ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝

۲ ۲ وَجُوهٌ يُّوَمِّدُ خَاشِعَةً ۝

۳ ۳ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝

۴ ۴ تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً ۝

۵ ۵ تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝

۶ ۶ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝

۷ ۷ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝

ترجمہ

رحمن ورحیم خدا کے نام سے۔

۱ ۱ کیا غاشیہ (قیامت کا دن جس کے وحشت ناک حوادث سب کا احاطہ کر

لیں گے) کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟

۲ ۲ چہرے اس دن خاشع اور ذلت بار ہوں گے۔

۳ ۳ وہ جنہوں نے ہمیشہ عمل کیا ہے اور تھک چکے ہیں (اور کوئی نتیجہ انہیں حاصل

نہیں ہوا)۔

۴ ۴ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

۵ ۵ انہیں حد سے زیادہ گرم چشمے سے پلایا جائے گا۔

۶ ۶ ضریح (بدبودار اور تلخ خشک کانٹے) کے علاوہ انہیں اور کوئی کھانا نہیں

ملے گا۔

ایسی غذا جو نہ انہیں موٹا کرے گی اور نہ ان کی بھوک کو ختم کرے گی۔

تفسیر

بد نصیب تھکے ماندے

اس سورہ کے آغاز میں ہمارا سامنا قیامت کے ایک نئے نام سے ہوا ہے جو غاشیہ ہے۔ فرماتا ہے: ﴿کیا غاشیہ کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟﴾ (هل اشد حدیث الغاشیة)۔

”غاشیہ“ غشادۃ کے مادہ سے ڈھانپنے کے معنوں میں ہے۔ قیامت کے لیے اس نام کا انتخاب اس وجہ سے ہے کہ وحشت ناک حادثہ اچانک سب کو ڈھانپ لیں گے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن اولین و آخرین حساب کے لیے جمع ہوں گے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ مراد اس طرح کی آگ ہے جو کافروں اور مجرموں کے چہرہ کو ڈھانپ لے گی۔

پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں مخاطب خود پیغمبر کی ذات اقدس ہے اور پیغمبر اسلام سے یہ جملہ استفہام کی شکل میں اس عظیم دن کی اہمیت کے پیش نظر کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی تجویز کیا ہے کہ اس آیت میں مخاطب ہر انسان ہے، لیکن یہ مضمون بعید نظر آتا ہے۔ اس کے بعد مجرموں کی حالت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”چہرے اس دن خاشع اور ذلت بار ہوں گے“ (وجوه یومئذ خاشعة)۔ ذلت عذاب اور عظم سزا کے خوف نے اس دن ان کے تمام وجود کو گھیر رکھا ہوگا، اور چونکہ انسان کے باطنی حالات ہر جگہ سے زیادہ ہر کسے کے چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں، لہذا خوف، ذلت اور وحشت کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو اس کے تباہی کو ڈھانپ لیں گے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں ”وجہ“ سے کفر کے بڑے بڑے لوگ اور سرغنہ مراد ہیں جو ایک گہرے ذلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن پہلے معنی زیادہ مناسب نظر آتے ہیں۔ اس وقت مزید فرماتا ہے: ”یہ ایسے لوگ ہیں جو مسلسل کام کر کے تھک چکے ہیں“ (عاملۃ ناصبۃ)۔ زندگانی دنیا میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں، لیکن کھلنے کے علاوہ انہیں کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوتا، نہ ان کا بارگاہِ خدا میں کوئی عمل مقبول ہے اور نہ اس دولت و ثروت میں سے وہ کوئی چیز اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں جسے انہوں نے جمع کر رکھا ہے، نہ اپنے بعد وہ کوئی نیک نامی چھوڑ جاتے ہیں، نہ کوئی اولاد صالح۔ وہ محض تھک جانے والے زحمت کش ہیں۔ کتنی بہترین اور عمدہ تعبیر ہے (عاملۃ ناصبۃ)

بعض مفسرین نے اس جملہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں وہ عمل کرتے ہیں لیکن اس کی

خشک و رنج و تکلیف اپنے ساتھ آخرت میں لے جاتے ہیں۔
 بعض نے کہا ہے کہ مجرموں سے دوزخ میں محنت شاقہ لی جائے گی تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ عذاب بھیلیں۔
 لیکن ان تینوں تفسیروں میں سے پہلی تفسیر زیادہ صحیح نظر آتی ہے۔
 آخر کار یہ خستہ، تھکے ہوئے اور فضول کام کرنے والے زحمت کش بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور
 اس میں جلیں گے۔ (تصلیٰ ناؤا حامیۃ) "تصلیٰ" صلی (بروزن نفی) کے مادہ سے آگ میں داخل ہونے اور
 اس میں جلنے کے معنی میں ہے (صلی بالنار ای لزما واحترق بها)۔ "آگ میں ہمیشہ رہا اور جلتا رہا"
 لیکن ان کا عذاب اسی پر ختم نہیں ہوگا۔ جب وہ آگ کی حرارت کی وجہ سے پیاس میں مبتلا ہوں گے تو حد سے
 زیادہ کھولتے ہوئے چشمے سے انہیں پلایا جائے گا۔ (تسقی من عین انیۃ)۔ "انیۃ" مونت ہے انی کے رانی
 بروزن علی) مادہ سے جو تاخیر میں ڈالنے کے معنی میں ہے اور کسی چیز کے بیان کرنے کے وقت کے پہنچ جانے کے لیے
 بولا جاتا ہے۔ یہاں ایسے جلانے والے پانی کے معنی میں ہے جس کی حرارت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔
 سورہ کہف کی آیت ۲۹ میں ہم پڑھتے ہیں (وان یستغشوا یفاثوا لہا ما لہم لیشوی الوجہ بس الشواب
 وساءت مرتفقاً) اور اگر پانی مانگیں گے تو ان کے لیے ایسا پانی لائیں گے جو کسی پھل کی دھات کی طرح ہوگا
 جو ان کے چہروں کو بھون دے گا۔ وہ کتنا برا مشروب ہے اور وہ محل اجتماع کتنا بُرا ہے۔
 بعد والی آیت میں ان کی خوراک کے بارے میں، جبکہ وہ بھوکے ہوں گے، مزید فرماتا ہے: "وہ ضریع کے علاوہ
 کوئی طعام نہیں رکھتے" (لیس لہم طعام الا من ضریع)۔ یہ ضریع کیا ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے پاس
 مختلف تفاسیر ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک قسم کا کانٹا ہے جو زمین سے چپٹ جاتا ہے۔ اگر وہ تر ہوتا تو قریش اسے
 شبرق کہتے تھے اور جب خشک ہوتا تو ضریع کہتے۔ وہ ایک زہریلی گھاس ہے جسے کوئی جانور منہ نہیں لگاتا۔
 علمائے لغت میں سے خلیل کا کہنا ہے کہ ضریع بدبودار اور سبز گھاس ہے جو دریا سے باہر آن گرتی ہے۔ ابن عباس
 نے کہا ہے کہ یہ آتش جہنم کا ایک درخت ہے جو اگر دنیا میں ہو تو زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس سب کو جلا کر فنا کر
 دے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے کہ ضریع دوزخ کی آگ میں ایک چیز ہے جو کانٹے کی طرح ہے،
 خنظل سے زیادہ تلخ اور مردار سے زیادہ بدبودار، آگ سے زیادہ جلانے والی ہے۔ خدا نے اس کا نام ضریع رکھا ہے۔
 (الضریع شیء یکون فی النار یشبہ الشوک اشد موارۃ من الصبر وانتقن من الجیفۃ و احرم من النار ساء
 اللہ ضریعاً) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ضریع ایک ذلیل غذا ہے کہ جنہی جس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے
 بارگاہِ خدا میں تضرع کریں گے، (ہم اس بات کو نہ بھول جائیں کہ ضریع کا مادہ ضعیف، ذلت اور خضوع

کے معنی میں ہے۔ ۱۵

یہ تفاسیر ایک دوسرے کے ساتھ منافات نہیں رکھتیں اور ہو سکتا ہے کہ اس لفظ کے معنی میں ہر صبح ہوں۔ اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے :

”وہ انہیں موٹا کرتا ہے نہ ان کی بھوک کو ختم کرتا ہے“ (لَا یَسْمَعُونَ وَلَا یَفْنِی مِنْ جُوعٍ)۔ یقیناً کسم کا غذا نہ جسم کی تقویت کے لیے اور نہ بھوک کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ وہ ایک ایسی غذا ہے جو بجائے خود ایک عذاب ہے جیسا کہ سورہ نزل کی آیت ۱۳ میں ہم پڑھتے ہیں :

(وَطَعَامًا ذَا غِصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا) ہمارے پاس گلے میں پھندہ لگانے والی غذائیں ہیں اور وہ درناک عذاب ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا میں انواع و اقسام کی لذیذ، مرغی اور شیریں غذائیں دوسروں پر ظلم کر کے فراہم کی ہیں اور جنہوں نے محروم لوگوں کو ناگوار غذائیں کھانے کے علاوہ اور کسی غذا کے حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا ضروری ہے کہ وہاں ان کی ایسی غذا ہو جو ان کے لیے عذابِ الیم بنے۔ البتہ جیسا کہ ہم نے بار بار کہا ہے صحبت کی نعمتیں اور دوزخ کے عذاب دونوں ہم جیسے اسیرانِ زندگی کے لیے ناقابلِ تشریح ہیں۔ یہ سب اشارے ہیں جنہیں ہم سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

۱۶ ایک اور بحث دوزخیوں کی غذا کے بارے میں ہے قرآن بھی مزید کبھی قوم اور کبھی غلبین کے نام سے یاد کرتا ہے اور ان تعبیرات میں فرق یہ سب تفسیر نمونہ کی جلد ۱۴ پر سورہ حاقہ کی آیت ۳۶ کے ذیل میں ہم پیش کر چکے ہیں۔

- ۸ وَجُوهٌ يُّؤَمِّدُ نَاعِمَةً ۝
- ۹ لِّسَعِيهَا رَاضِيَةٌ ۝
- ۱۰ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝
- ۱۱ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ۝
- ۱۲ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝
- ۱۳ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ۝
- ۱۴ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝
- ۱۵ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۝
- ۱۶ وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ۝

ترجمہ

- ۸ اُس دن کچھ پھرے شاداب ہوں گے۔
- ۹ اس لیے کہ اپنی کوشش سے مسرور ہوں گے۔
- ۱۰ جو بہشت عالی میں ہوں گے۔
- ۱۱ جس میں تو کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں سنے گا۔
- ۱۲ اس میں چشمے جاری ہیں۔
- ۱۳ اس میں خوبصورت بلند تخت ہوں گے۔
- ۱۴ اور پیالے جو ان چشموں کے پاس رکھے ہوں گے۔

اور تیکے جو صف بستہ ہوں گے۔
اور بچھے ہوئے فاخرہ فرش ہوں گے۔

تفسیر

بہشت کی روح پرور نعمتوں کے مناظر

اس تشریح کے بعد جو گزشتہ آیات میں دوسری دنیا میں مجرموں اور بدکاروں کی حالت اور جہنم کے عذاب کے بارے میں آئی تھی، ان آیتوں میں نیکوکار مومنین کی حالت کی تشریح اور جنت کی بے نظیر نعمتوں کی توصیف پیش کرتا ہے تاکہ قبر کو مہر سے ملادے اور انذار کو بشارت سے مربوط کر دے۔ فرماتا ہے:

”چہرے اس دن پُر طراوت اور مسرور ہوں گے“ (وجوہ یومئذ ناعمة)۔ بدکاروں کے چہروں کے برعکس جن کی طرف گزشتہ آیات میں اشارہ ہوا ہے کہ وہ ذلت و اندوہ میں غرق ہوں گے۔

”ناعمة“ نعمت کے مادہ سے یہاں ایسے چہروں کی طرف اشارہ ہے جو نعمت سے سرشار، تروتازہ، شاداب اور مسرور و نورانی ہوں گے، جیسا کہ سورہ مطففین کی آیت ۲۴ میں آیا ہے کہ جنتیوں کی توصیف میں فرماتا ہے:

(تعرف فی وجوہہم نضرة النعیم) ”ان کے چہروں میں تجھے طراوت اور نعمت کی شادابی نظر آئے گی۔ یہ چہرے ایسے نظر آئیں گے کہ وہ اپنی سعی و کوشش سے راضی اور خوش ہوں گے (لسعیما راضیة)، دوزخیوں کے برعکس جنہوں نے اپنی سعی و کوشش سے سوائے تھکن اور رنج کے اور کچھ حاصل نہیں کیا (عاملة فاصبة)۔

بہشتی اپنی سعی و کوشش کو احسن وجہ سے دیکھیں گے اور مکمل طور پر راضی اور خوش ہوں گے؛ ایسی سعی و کوشش جو لطف خدا کے پرتو کے سائے میں کبھی کئی گنا، کبھی دس گنا اور کبھی سات سو گنا اور کبھی اس سے بھی زیادہ فزول و فاضل ہو اور وہ کبھی اس سے بے حد و حساب جزا حاصل کر چکے ہوں گے (انما یوفی الصابرین اجورہم بغیر حساب) (زمرہ-۱۰)۔

اس کے بعد اس مضمون کی شرح پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے: ”وہ بہشت عالی میں قرار پائے ہیں“ (فی جنة العالیہ) لفظ عالیہ یہاں سے کہ علو مکانی کی طرف اشارہ ہو، یعنی وہ جنت کے عالی طبقات میں ہیں، یا یہ علو مقامی ہے۔ مفسرین نے دونوں احتمال تجویز کیے ہیں، لیکن دوسری تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اگرچہ دونوں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

اس کے بعد اس جنت کی ایک اور صفت جو روحانی اور معنوی پہلو رکھتی ہے، بیان فرماتا ہے: ”ہاں تو کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں سنے گا“ (لا تسمع فیہا لا غیۃ)۔ یہ نہ ایسی بات جو نفاق کا پہلو لیے ہوئے ہو،

۱۔ ”لا غیۃ“ اگرچہ اسم فاعل ہے لیکن اس قسم کے موارد میں اس چیز کے معنی میں ہے جو لغویت پلے ہوئے ہو۔ اسی لیے مفسرین نے اس کی (ذات لغو) لغو لیے ہوئے تفسیر کی ہے۔

نہ عداوت و جنگ و جدل کی، نہ کینہ پروری اور حسد کی، نہ جھوٹ نہ تہمت و افترا، نہ غیبت نہ لغو بے فائدہ۔
وہ ماحول کیسا آرام دہ ہوگا جو ان فضولیات سے پاک و مبرا ہو۔

اگر ہم ٹھیک طرح غور و فکر کریں تو دنیاوی زندگی کی پریشانیوں کا زیادہ تر حصہ اسی قسم کی باتوں کا منہا ہے جو روح و جان کے سکون اور اجتماعی نظاموں کو درہم برہم کر دیتا ہے، فتنوں کی آگ بھڑکتا ہے اور انہیں شعلہ در کرتا ہے۔

اس روحانی اور آرام و سکون بخش نعمت کے ذکر کے بعد جو جنتیوں کی روح و جان کو لغو بہودہ باتیں نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے، جنت کی مادی نعمتوں کے ایک حصہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اس جنت میں چٹنے جاری ہیں“ (فیہا عین جاریۃ)۔ اگرچہ عین یہاں نکرہ ہے اور عام طور پر نکرہ ایک فرد کے لیے بھی آتا ہے لیکن قرآن کی باقی آیات کے قرینہ سے جنس کے معنی رکھتا ہے اور مختلف چشموں کے معنی میں ہے، جیسا کہ سورہ ذاریات کی آیت ۱۵ میں ہے (ان المتقین فی جنات و عیون) پرہیزگار اور متقی لوگ جنت کے باغات اور چشموں کے درمیان قرار پائے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جنتیوں کے محلوں میں سے ہر محل میں ایک چشمہ جاری ہے اور عین کا مفرد ہونا یہاں اس طرف اشارہ کرتا ہے، ایسا چشمہ جو جنت والوں کی خواہش کے مطابق جس طرف چاہیں گے اسی طرف بہے گا اور جنت والے نہر وغیرہ بنانے کے محتاج نہیں ہوں گے۔ البتہ کئی چشموں کا ہونا خوبصورتی و زیبائی و طراوت کے اضافہ کے علاوہ یہ فائدہ بھی رکھتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مخصوص مشروب ہو اور جنتیوں کے ذائقہ کو انواع و اقسام کی شراب طور سے شیریں و معطر کرتا ہو۔

ان چشموں کے تذکرہ کے بعد جنت کے تخت اور پلنگوں کو موضوع بنا کر فرماتا ہے: ”جنت کے ان باغوں میں بلند اور اونچے تخت اور پلنگ ہوں گے“ (فیہا سرور مرفوعۃ)۔ ”سرور“ جمع ہے سریر کی، ”سرور“ کے مادہ سے، ایسے تخت اور پلنگوں کے معنی میں کہ جن پر مجالس انس و سرور میں بیٹھتے ہیں۔
ان پلنگوں کا بلند ہونا اس بنا پر ہے کہ جنتی اپنے اطراف کے تمام مناظر اور صحن دیکھ سکیں اور ان کے مشاہدہ سے لذت حاصل کریں۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ بلند تخت اور پلنگ اس قسم کے ہیں کہ جس وقت ان کے مالک ان پر بیٹھنے کا ارادہ کریں گے تو وہ تواضع و خضوع کریں گے اور نیچے ہو جائیں گے اور بیٹھنے کے بعد اپنی پہلی حالت پر پلٹ جائیں گے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ ان پلنگوں کی مرفوعۃ کے لفظ کے ساتھ توصیف ان کے قیمتی ہونے کی طرف اشارہ ہو اور جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہ سونے کے ٹکڑوں سے بنے ہوئے ہوں گے اور دُر دیا قوت و زبرد سے مزین

ہوں گے۔ دونوں تفسیروں کے مابین جمع بھی ممکن ہے۔

چونکہ ان خوشگوار چشموں اور جنت کی شرابِ طور سے فائدہ اٹھانا برتنوں کی احتیاج رکھتا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ آیت میں فرماتا ہے: ”خوبصورت اور جاذبِ نظر پیالے ان چشموں کے پاس رکھے ہوں گے“ (اکواب مومنین) جس وقت وہ ارادہ کریں گے تو پیالے چشموں سے پُر ہو کر ان کے سامنے آجائیں گے اور وہ تازہ تازہ نوش کریں گے ایسی لذت جس کا شعور ساکنین دنیا کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اکواب جمع کوب (بروزن خوب) جو قدح، پیالے یا ایسے ظرف کے معنی میں ہے جس میں دستہ لگا ہوا ہو۔

اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ قرآن میں اہل جنت کی شرابِ طور کے برتنوں کے بارے میں مختلف تعبیریں آئی ہیں یہاں اور بعض دوسری آیات میں اکواب کی تعبیر آئی ہے جبکہ بعض دوسری آیات میں اباریق (ابریق کی جمع) کی تعبیر آئی ہے، جو ایسے ظرف کے معنی میں ہے جس کا دستہ اور ٹونٹی ہو، سیال چیزوں کو انڈیلنے کی غرض سے۔ یا پھر کاس کا لفظ آیا ہے جس کے معنی شراب سے لبریز جام کے ہیں (یطوف علیہم ولدان مخلصون بالکواب و اباریق و کاس من محین) ان کے گرد ایسے جوان گردش کرتے ہوں گے جو ہمیشہ جوانی کی طراوت و شرفِ تازگی کے حامل ہوں گے جبکہ شرابِ طور سے لبریز پیالے اور جام ان کے ہاتھ میں ہوں گے اور وہ ان کے سامنے پیش کریں گے۔ (واقعہ ۱۷، ۱۸)۔

اس کے بعد جنت کی نعمتوں کی جزئیات کے متعلق مزید نکات پیش کرتے ہوئے اضافہ فرماتا ہے: ”وہاں پلنگوں پر تکیے اور گاؤ تکیے ہوں گے جو صف بستہ ہوں گے“ (و نضارق مصفوفة)۔ نضارق نمرق (بروزن غلط) کی جمع ہے جس کے معنی چھوٹے تکیے کے ہیں جس کا سارا لپیتے ہیں بلہ اور عام طور پر مکمل استراحت کے وقت ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور مصفوفہ کی تعبیر اشارہ ہے نظم خاص اور تعدد کی طرف جو ان پر حاکم ہے۔ یہ تعبیر بتاتی ہے کہ وہ مجالس اُنس تشکیل دیں گے اور یہ مجلسیں جو ہر قسم کی لغویت اور بیہودگی سے پاک ہوں گی ان میں صرف الطاف الہی، اس کی بے پایاں نعمتوں اور دنیا کے درد و رنج اور عذاب سے نجات کے بارے میں گفتگو ہوگی، اس قدر لطف اور لذت رکھتی ہوں گی کہ کوئی چیز ان کی ہوس نہیں ہو سکتی۔

آخری زیر بحث آیت میں جنت کے قیمتی فرشتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہاں گراما ہا اور خوبصورت فرش بچھے ہوئے ہوں گے“ (وزرابی مبثوثة)۔

”ذرا بی“ جمع ہے زریبہ کی جو ایسے قیمتی فرش کے معنی میں ہے جو نرم، راحت بخش اور بیش قیمت ہونگے۔ والبع ہے کہ ان آسائش و لذت کے وسائل و ذرائع کے برابر اور بہت سے دوسرے وسائل موجود ہوں گے جبکہ یہ مبثوثة نمونہ ان فرشتوں کے مصداق ہیں۔ ان آیتوں میں جنت کی سات اہم نعمتیں بیان ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک ذکر کرنا

سے زیادہ جاذب تر اور زیبا تر ہے۔
خلاصہ کلام یہ کہ جنت ایک بے نظیر جگہ ہے، جس میں کسی قسم کا لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔ وہاں انواع و اقسام کے رنگ برنگ کے پھل، دل خوش کن نغمے، آب جاری کے چھتے، شرابِ طور، شائستہ خدمتگار، بے مثل ہویاں، مریض یانگ قیمتی فرش اور پُر خلوص دوست ہوں گے۔ نیز عمدہ اور خوبصورت پیالے ہوں گے جو چشموں کے پاس لکھے ہوئے ہوں گے۔ مختصر یہ کہ ایسی نعمتیں وہاں دستیاب ہوں گی جن کی نہ اس دنیا کے الفاظ کے ذریعے تشریح ممکن ہے اور نہ عالم خیال ہی اس کی توضیح کر سکتا ہے۔

یہ سب چیزیں ان مومنین کی تشریف آوری کی منتظر ہیں جنہوں نے اپنے اعمالِ صالح کے ذریعہ نعمتِ الہی کے اس مرکز میں ورود کی اجازت لے لی ہے۔

مذکورہ بالا مادی لذتوں کے علاوہ معنوی لذتیں بھی ہیں۔ سب سے بڑھ کر لقاءِ اللہ کی نعمت ہے۔ اس معبودِ حقیقی کے لطف و کرم ہیں کہ اگر ایک لمحے کے لیے مل جائیں تو وہ جنت کی تمام مادی نعمتوں کے مقابلہ میں بہتر و برتر ہیں۔
بقولِ شاعر؎

گرم بہ دامنِ وصل تو دسترس باشد دگر ظاہرِ خوشیم چہ ملتس باشد؟
اگر بہ ہر دو جہاں یک نفسِ نرم برد مرا ز ہر دو جہاں جاںِ آں نفسِ باشد
اگر مجھے ترے وصل کے دامنِ تک دسترس حاصل ہو جائے تو پھر میں اپنے مقدر سے اور کیا مانگوں۔
اگر دونوں جہاں کے بدلے دوست کے ساتھ ایک سانس لوں تو ان دونوں جہان کا ماحصل ہی ایک سانس ہوگا۔

www.sirat-e-mustaqim.com

- ۱۷ (۱۷) أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ وَقَفَّةٌ
- ۱۸ (۱۸) وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۖ وَقَفَّةٌ
- ۱۹ (۱۹) وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ وَقَفَّةٌ
- ۲۰ (۲۰) وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۖ وَقَفَّةٌ
- ۲۱ (۲۱) فَذَكِّرْهُمْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۖ
- ۲۲ (۲۲) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۖ
- ۲۳ (۲۳) إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ۖ
- ۲۴ (۲۴) فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۖ
- ۲۵ (۲۵) إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۖ
- ۲۶ (۲۶) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۖ

ترجمہ

- ۱۷ (۱۷) کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح اسے پیدا کیا گیا؟
- ۱۸ (۱۸) اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلندی پر قائم کیا گیا؟
- ۱۹ (۱۹) اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح وہ اپنی جگہ نصب ہوئے ہیں؟
- ۲۰ (۲۰) اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح مسطح ہوئی ہے؟
- ۲۱ (۲۱) پس نصیحت کر کہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔
- ۲۲ (۲۲) تو ان پر مسلط نہیں ہے کہ انہیں (ایمان لانے پر) مجبور کرے۔

مگر وہ شخص جو پشت پھیرے اور کافر ہو جائے۔

جسے خدا بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا۔

یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے۔

اور یقیناً ان کا حساب کتاب ہمارے پاس ہے۔

۲۳

۲۴

۲۵

۲۶

تفسیر

اونٹ کی طرف دیکھو جو خود ایک آیت ہے

گزشتہ آیات میں بہت زیادہ بحیثیت جنت اور اس کی آیتوں کے بارے میں آئی تھیں لیکن زیر بحث آیات میں ان نعمتوں تک پہنچنے کی اصلی کلید کی گفتگو ہے جو اللہ کی معرفت ہے۔ خدا کی قدرت کے چار مظاہر بیان کر کے خدا کی نادر خلقت اور انسان کو اس کے مطالعہ کی دعوت کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی راہ بتاتا ہے اور ضمنی طور پر یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ خدا کی قدرت بے پایاں ہے جو مسئلہ معاد کے حل کرنے کی کلید ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ”کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟“ (افلا ينظرون الى الابل كيف خلقت)۔ یہاں ہر چیز سے پہلے اونٹ کی تخلیق کے عنوان کو کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین نے بہت کچھ تحریر کیا ہے لیکن یہ چیز واضح ہے کہ ابتداء میں رتنے سخن منور کے عربوں کی طرف تھا، جن کی زندگی کے بہت سے کام اونٹ سے وابستہ تھے۔ اس سے قطع نظر یہ جانور عجیب و غریب خصوصیتوں کا حامل ہے، جو اسے دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ:

۱۔ بعض جانور ایسے ہیں جن کے صرف گوشت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، بعض ایسے ہیں جن کے صرف دودھ سے استفادہ ہوتا ہے، بعض ایسے ہیں جو صرف سواری کے کام آتے ہیں اور بعض صرف بار برداری کے کام آتے ہیں لیکن اونٹ ایسا جانور ہے جس میں یہ تمام خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کا گوشت بھی قابل استعمال ہے اور دودھ بھی۔ یہ سواری کے کام بھی آتا ہے اور بار برداری کے لیے بھی اسے کام میں لایا جاتا ہے۔

۲۔ اونٹ زیادہ طاقتور اور زیادہ قوت مقاومت رکھنے والا جانور ہے۔ یہ بہت زیادہ سامان اٹھا لیتا ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جس وقت وہ بیٹھا ہوا ہو تو بھاری بوجھ اس پر رکھ دیتے ہیں اور ایک ہی حرکت کے ساتھ اپنے ہاتھوں کے سہارے کھڑا ہو جاتا ہے، جبکہ دوسرے جانور اس قسم کا کام نہیں کر سکتے۔

۳۔ اونٹ آٹھ دس روز تک پیاسا رہ سکتا ہے، اور اس میں بھوک کو برداشت کرنے کی بھی بہت

صلاحیت ہوتی ہے۔

۴۔ اونٹ ہر روز راستے کی طولانی مسافت طے کر سکتا ہے اور ایسی زمینوں سے، جن میں سے گزرنا مشکل ہو، جیسے رگیستانی علاقہ جس کو عبور کرنا مشکل ہوتا ہے، آسانی سے گزر سکتا ہے۔ اسی بنا پر عرب اسے صحرائی جہاز کہتے ہیں۔
۵۔ وہ غذا کے اعتبار سے بہت ہی سستا ہے، ہر قسم کے خار و خض و خاشاک کھا لیتا ہے۔

۶۔ وہ غذا کے نامناسب حالات میں بیابان کے ایسے طوفانوں کے درمیان، جو آنکھ اور کان کو اندھا بہرا کر دیتے ہیں، اپنے مخصوص وسائل کے ساتھ، جو خدا نے اس کی ہلکوں، کانوں اور ناک میں مہیا کیے ہیں، تسلیم کرتا ہو اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے۔

۷۔ وہ اپنی پوری قوت و طاقت کے باوجود نہایت مطیع جانور ہے۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹ کی قطار کی مہار ہاتھ میں لے کر جدھر اس کا دل چاہے انہیں لے کر جاسکتا ہے۔

مختصر یہ کہ اس جانور کی خصوصیات کچھ اس قسم کی ہیں کہ اس کی خلقت کے بارے میں اگر غور و فکر کیا جائے تو وہ انسان کو خالق عظیم کی طرف متوجہ کرتی ہے، جو ایسی مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے۔ جی ہاں! قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ”کیا یہ دادی خلقت کے گمشدہ اس مخلوق کے حیران کن اسرار پر غور نہیں کرتے تاکہ انہیں حق کی راہ حاصل ہو اور یہ بے راہ روی سے بچ جائیں؟“ یہ بات بغیر کئے واضح ہے کہ ”افلا یظنون“ کے جملہ میں نگاہ سے مراد عام نگاہ نہیں، بلکہ ایسی نگاہ ہے جس میں غور و فکر و تدبیر شامل ہو۔

اس کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرماتا ہے: ”کیا وہ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح قرار دیا گیا ہے؟“ (والی السماء کیف رفعت)۔ آسمان اپنی اس عظمت کے ساتھ اور اپنے ان سب عجائبات کے ساتھ ستاروں اور کہکشاؤں کے ساتھ اور اس سارے جمال و زیبائی و شکوہ کے ساتھ، جس نے انسان کو درطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے، جس کی وجہ سے اپنے آپ کو وہ اس عظیم اور نظم و حساب سے پُر جہان کے پیدا کرنے والے کے مقابلہ میں چھوٹا اور ناچیز بلکہ اس لامحدود کے مقابلہ میں صفر کے برابر سمجھتا ہے، کس طرح یہ عظیم کرشمے اپنی اپنی جگہ پر میخ کی طرح کڑے ہوئے ہیں اور بغیر ستون کے اپنی جگہ برقرار ہیں۔

اس نظام شمسی کے کڑوں کو عالم وجود میں آئے ہوئے لاکھوں سال گزر چکے ہیں لیکن ان کی حرکت اصلی کے محور تبدیل نہیں ہوئے۔ آسمان کی خلقت اگرچہ ہمیشہ عجیب تھی لیکن موجودہ زمانہ کے علمی انکشافات کے سائے میں اس کے عجائبات کبھی زیادہ ہو گئے ہیں اور اس کی عظمت اور بھی نمایاں ہو گئی ہے۔ کیا اس عالم عظیم کے خالق و معبر کے بارے میں غور و فکر نہیں کرنا چاہیے اور اس کے بلند و عظیم مقاصد کے قریب نہیں جانا چاہیے؟

اس کے بعد آسمان سے ہٹ کر زمین کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے فرماتا ہے: ”کیا وہ پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح اپنی جگہ پر نصب ہوئے ہیں؟“ (والی الجبال کیف نصبت)۔ وہ پہاڑ جن کی جڑیں ایک دوسرے سے متصل ہیں، زمین کے اطراف کو زرہ کے حلقوں کی مانند گھیرے ہوئے ہیں اور اندرونی پگھلے ہوئے مادہ سے پیدا

ہونے والے زلزلوں اور چاند و سورج کی قوتِ جذبہ سے پیدا ہونے والے مد و جزر کو کم کرتے ہیں۔ وہ پہاڑ جو ان طوفانوں کے مقابلہ میں قابلِ اطمینان پناہ گاہ اور ڈھال ثابت ہوتے ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو کرہ زمین ایسے بیابانوں میں تبدیل ہو جاتا جن میں زندگی گزارنا ناممکن ہوتا۔

وہ پہاڑ جو پانی کے ذخیروں کو اپنے اندر محفوظ کیے ہوئے ہیں اور انہیں آہستہ آہستہ پیاسی زمینوں کی طرف روانہ کرتے ہیں اور اپنے چاروں طرف زندگی کی مسرت، ہریالی، خوشی، طراوت اور تروتازگی پیدا کرتے ہیں۔ غالباً یہی پہلو ہیں جن کی وجہ سے دوسری آیات میں پہاڑوں کو زمین کی میخیں کہا گیا ہے۔ اصولی طور پر پہاڑ عظمت و صلابت کے مظہر ہیں اور ہر جگہ خیر و برکت کا سبب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان پہاڑوں پر تفکر کی زیادہ صلاحیت محسوس کرتا ہے اور یہ بات بلا سبب نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اپنی بعثت سے مدتوں پہلے جبلِ نور اور غارِ حرا میں مشغول رہتے تھے۔

”نصب“ کا مادہ سے ثابت قرار دینے کے معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ تعبیر ضمنی طور پر آغازِ خلقت میں پہاڑوں کی خلقت کی کیفیت کی طرف اشارہ ہو، وہی چیز جس پر سے موجودہ علم نے پردہ اٹھایا ہے، اسے پہاڑوں کی خلقت کے متعدد اسباب و عوامل کی طرف نسبت دی ہے اور ان کے لیے انواع و اقسام کی قائل ہے۔

وہ پہاڑ جو زمین کے گھونٹنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، وہ پہاڑ جو آتش فشانیوں کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں، وہ پہاڑ جو بارش سے پیدا ہونے والے جھاگ کا نتیجہ ہیں، وہ پہاڑ جو سمندروں کے اندر بنتے ہیں اور جو سمندر کی کچڑاؤ اس میں پھنس جانے والے جانوروں کا مجموعہ ہیں (مثلاً مرجانی پہاڑ اور جزیرے)۔

جی ہاں! ان پہاڑوں میں سے ہر ایک کی بناوٹ اور اس کے آثار و برکات مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں۔

اہمیت کے حامل بھی اور بیدار مغز انسانوں کے لیے قدرتِ حق کی نشانیاں بھی۔

اس کے بعد زمین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح مسطح ہوتی ہے“ (والی الارض کیم سطح)۔

کس طرح مسلسل بارشوں نے پہاڑوں کو غسل دے کر مٹی کے ذرات کو وجود دیا ہے، پھر گڑھوں کو وسعت دے کر ایسی صاف زمین تیار کی ہے جو زراعت کے لیے بھی موزوں ہے اور ہر قسم کی تعمیر کے لیے بھی اور اسے انسانوں کے اختیار میں دے دیا گیا ہے۔

اگر تمام کرہ زمین پہاڑوں اور دروں پر مشتمل ہوتا تو اس پر زندگی گزارنا کس قدر مشکل اور طاقت ربا ہوتا۔ وہ کون ہے جس نے ہمارے پیدا ہونے سے پہلے اسے مسطح کر کے قابلِ استفادہ بنایا۔ یہ سب ایسے امور ہیں جن پر غور و فکر قرآن ہمیں دعوت دیتا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چاروں امور کے درمیان کونسا ربط ہے: اونٹ، آسمان، پہاڑ اور زمین۔

فرازی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ:

یہ اس بنا پر ہے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے اور عرب عام طور پر سفر میں رہتے تھے، چونکہ ان کے علاقہ میں راعیت

اور کھیتی باڑی نہیں تھی اور ان کے سفر زیادہ تر اونٹوں پر ہی ہوتے تھے۔ جب وہ ہولناک بیابانوں اور غیر آباد ریلے میں سفر کرتے تھے تو ان میں تفکر کا مادہ پیدا ہوتا تھا۔ کوئی موجود نہ ہوتا جس سے وہ بات کرتے۔ کوئی چیز ایسی نہ ہوتی جو ان کی آنکھ اور کان کو اپنی طرف متوجہ رکھتی۔ ایسی حالت میں جب وہ غور و فکر کرتے تو سب سے پہلے ان کی نظر اونٹ پر پڑتی جس پر وہ سوار ہوتے تھے۔ وہ اس کا عجیب منظر دیکھتے اور سوچ میں ڈوب جاتے۔ جب وہ کراٹھا کر اوپر کی طرف دیکھتے تو آسمان کے علاوہ کوئی چیز انہیں نظر نہ آتی۔ جب دائیں بائیں نگاہ کرتے تو پہاڑوں کے سوا انہیں کچھ نظر نہ آتا، اور جب اپنے قدموں کی طرف دیکھتے تو زمین کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ ہوتی۔ گویا خدا انہیں دعوت فکر دے رہا ہے اور دعوت فکر بھی ایسی جو تنہائی کے موقع پر دی جاتے اور اس کا دائرہ صرت چار چیزوں تک محدود ہو رہا ہے۔

لیکن اگر ہم چاہیں کہ ہم عربوں کے ماحول سے نگاہ ہٹا کر زیادہ وسیع فضا میں غور و فکر کریں تو کیا جاسکتا ہے کہ چاروں امور جو اوپر والی آیت میں آئے ہیں، انسانی زندگی کی بنیاد کو تشکیل دیتے ہیں۔ آسمان نور و روش کا مرکز ہے اور بارش و ہوا کا بھی۔ زمین انواع و اقسام کے مواد غذائی کی پرورش کا مرکز ہے۔ پہاڑ آرام و سکون کی رمز اور پانی اور معدنیات کا ذخیرہ ہیں۔ اونٹ خانگی جانوروں کا نمونہ ہے جسے ان کے اختیار میں دیا گیا ہے۔ اس طرح زراعت کے مسائل، جانور رکھنے کے مسائل اور صنعت و کارگیری کے مسائل انہی چاروں میں پوشیدہ ہیں۔ ان گونا گوں نعمتوں کے بارے میں غور و فکر انسان کو بہر حال شکر منعم حقیقی پر ابھارتا ہے۔ اور شکر منعم انہیں اللہ کی معرفت اور خالق نعمت کی شناخت کی دعوت دیتا ہے۔

توحید سے متعلق اس بحث کے بعد پیغمبر کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ”اب جلم اب ہی ہے تو انہیں یاد دلا اور نصیحت کر اور تو صرف یاد دہانی کرانے والا ہی ہے“ (خذکوا انما انت مذکور) لہٰذا ان پر بالکل مسلط نہیں ہے کہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کرے۔ (لست علیہم بمضطر)۔ جی ہاں! آسمان و زمین، پہاڑوں اور جانوروں کی خلقت بتاتی ہے کہ یہ عالم ظاہر حساب و کتاب کے بغیر نہیں ہے اور اس کی خلقت کا کوئی ہدف و مقصد ہے۔ اب جبکہ ایسا ہی ہے تو تو انہیں یاد دہانیوں اور نصیحتوں سے خلقت و آفرینش پر غور کرنے کی تلقین کر، انہیں قرب خدا کی راہ دکھا اور راہ تکامل و ارتقا میں ان کا رہبر رہنا بن الہتہ راہ بحال اسی صورت میں طے کی جاتی ہے جب ارادہ و اختیار کے ساتھ میل و رغبت کے ساتھ مل ہو۔ وہ تکامل و ارتقا جو حالت جبر کے نتیجے میں ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تو انہیں مجبور نہیں کر سکتا اور اگر مجبور کر کے مل سکتا تو کوئی فائدہ نہیں تھا۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حکم فرمان جہاد کے نزول سے پہلے تھا اور حکم جہاد کے نزول سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

نمایا یہ محنا بڑا اشتباہ اور غلطی ہے۔ پیغمبر کے تذکر و تبلیغ کا سلسلہ پہلے دن سے شروع ہوا اور آپ کی زندگی کے آخری دن تک جاری رہا۔

آپ کے بعد بھی آپ کے معصوم جانشینوں اور علمائے دین کے ذریعہ جاری و ساری رہا اور ہے۔ یہ فسخ ہونے والی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہ کرنا بھی ایک بنیادی بات ہے۔ جہاد کا مقصد بھی زیادہ تر سرکش افراد سے جنگ کرنا ہے اور حق طلب لوگوں کے راستے سے رکاوٹوں کو دور کرنا ہے۔

یہ مفہوم اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ نسا کی آیت ۸۰ میں آئی ہے، "تس میں فرماتا ہے: (ومن تولیٰ فما ارسلناک علیہم حفیظاً) "اور جو شخص روگردانی کرے تو ہم نے تجھ کو اس کا ذمہ دار نہیں بنایا، اور

سورہ انفام کی آیت ۱۰۷ اور شوریٰ کی آیت ۸۴ میں انہی معافی کو بیان کرتی ہیں۔ "مصیطر" سطر کے مادہ سے کتاب کی سطور کے معنی میں ہے اور مصیطر وہ شخص ہے جو سطروں کو مرتب کرتا ہے۔ اس کے بعد ہر وہ شخص جو کسی چیز پر مسلط ہو اور اس کو منظم کرے یا اسے کسی کام کے انجام دینے پر مجبور کرے۔ بعد والی آیت میں ایک استثناء کی شکل میں فرماتا ہے: "مگر وہ شخص جو پشت پھیرے اور کافر ہو جائے" (الا من تولیٰ و کفر)۔ "اے خدا ایک بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا" (فیعذبہ اللہ العذاب الا کبر)۔ یہ بات کہ یہ استثناء کس جملے سے متعلق ہے اس کی مختلف تفسیریں ہیں۔

پہلی یہ کہ فذکر کے جملے کے مفعول سے استثناء ہے یعنی ضروری و لازمی نہیں ہے کہ ان معاند افراد سے روگردانی کرتے ہیں اور پسند و نصیحت کو قبول نہیں کرتے تو نصیحت کر اور یاد دلائی کرا۔ حقیقت میں یہ اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ زخرف کی آیت ۸۳ میں آئی ہے (فذرہم یخوضوا ویلعبوا حتیٰ یلا قوا یومہم الذی یوعدون) "انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دے تاکہ وہ اپنے باطل میں الجھے رہیں اور کھیل کود میں لگے رہیں، یہاں تک کہ وہ دن آجائے جس کا وعدہ کیا گیا ہے"

دوسرے یہ کہ ایک محذوف جملے سے استثناء ہے اور معنوی طور پر اس طرح ہے "نصیحت کر اس لیے کہ نصیحت سب لوگوں کے لیے نفع بخش ہے، مگر وہ جو حق کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں" اس چیز کے مشابہ جو سورہ اعلیٰ کی آیت ۹ میں آئی ہے (فذکر ان نفعت الذکری) اس بنا پر کہ آیت معنی شرط رکھتی ہو۔

تیسرے یہ کہ "علیم" کی ضمیر سے استثناء ہے جو گزشتہ آیت میں ہے یعنی تو ان پر کوئی تسلط نہیں رکھتا، مگر وہ لوگ جو روگرداں ہو جائیں اور راہ عناد اختیار کریں تیری ذمہ داری ہے کہ ان سے مقابلہ کرے۔ یہ سب تفاسیر اس صورت میں ہیں کہ اگر استثناء اصطلاح کے مطابق متصل ہو، لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ استثناء

ایک حدیث سے جو در المنور میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کی ذمہ داری تھی کہ بت برستوں سے جنگ کریں اور اس صورت کے علاوہ باقی حالات میں ان کی ذمہ داری صرف یہ تھی کہ نصیحت کریں۔

سقط ہو، جو تقریباً بلکہ کا مضمون رکھتا ہے اور جملہ کے معنی اس طرح ہیں "بلکہ وہ لوگ جو رد گرداں ہو جائیں اور کافر ہو جائیں تو خدا ان پر مسلط ہے، یا خدا انہیں بہت بڑے عذاب کی خبر دے گا۔"

ان تفسیروں میں سے دو تفسیریں سب سے زیادہ مناسب ہیں پہلی یہ کہ استثناء متصل ہو اور لست علیہم محصور کے چلے کی طرف لوٹے، جو طاقتوروں کے مقابلہ میں طاقت سے کام لینے کی طرف اشارہ ہو۔ یا استثناء متصّل ہو۔

عذاب اکبر لے مراد آخرت کا عذاب ہے، دنیا کے عذاب کے مقابلہ میں جو چھوٹا ہے اور کم اہم ہے جیسا کہ سورہ زمر کی آیت ۲۴ میں ہم پڑھتے ہیں (فَأَذِاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ) خدا نے ذلت و خواری کا مزہ انہیں اس دنیا میں چکھایا اور آخرت کا عذاب اکبر ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ عذاب اکبر سے مراد عذاب قیامت و دوزخ کا شدید ترین حصہ ہے اس لیے کہ دوزخ میں تمام مجرموں کا عذاب ایک جیسا نہیں ہے۔ اس سورہ کے آخر میں شدید آئینہ لہجے میں فرماتا ہے: "یقیناً جاری طرف ہے" (إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ)۔ اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: "اس کے بعد یقیناً ان کا حساب ہمارا ہاتھ میں ہے" (ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ)۔

یہ حقیقت میں پیغمبر کے دل کے لیے ایک قسم کی تسفی و تسلی ہے کہ کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے پیر و غیر پیر نہ ہوں اور اپنے کام کو جاری رکھیں۔ ضمنی طور پر یہ سب ہٹ دھرم کافروں کے لیے دھمکی ہے تاکہ وہ جان لیں کہ انکا حساب کتاب کسی کے اختیار میں ہے۔ اس طرح سورہ غاشیہ جو قیامت کے موضوع سے شروع ہوا تھا، قیامت ہی کے موضوع پر ختم ہوا ہے۔ درمیان میں توحید و نبوت کی طرف جو قیامت کی کی بنیادوں کو تشکیل دیتے ہیں، اشارہ ہوا ہے۔

اس سورہ کی ابتدائی آیات کے ضمن میں مجرموں کو ملنے والی سنگین سزاؤں کا ایک حصہ اور اس کے بعد مومنین کے اجر کا حساب کا اہم حصہ آیا ہے۔ ضمنی طور پر راستے کے انتخاب کا اختیار دیا گیا کہ وہ کیا کیا ہے اور ساتھ ساتھ انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے اور اس کو ان سے حساب لینا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر جلیل السلام امور ہیں اور لوگوں کے کفر و گناہ کے ذمہ دار ہیں۔ راہ حق کے تمام مبلغین کی ذمہ داری اسی قسم کی ہوتی ہے۔

خداوند! جس دن تمام مخلوقات کی بازگشت تیری طرف ہے اور سب کا حساب تجھے لینا ہے ہم پر اپنا لطف و کرم کبھو پروردگار! ہمیں اپنی رحمت بکریانی سے کام لے کر عذاب اکبر سے ربائی بخش۔

بارالہ! تیری جنت کی نعمتیں جن کا ایک گوشہ تو نے اس سورہ میں بیان کیا ہے بہت ہی بیش بہا اور شرف آلود ہیں۔ اگر ہم اپنے اعمال کی وجہ سے اس کے مستحق نہیں ہیں تو تو ہمیں ان کو اپنے فضل و کرم سے مرحمت فرما۔

آمین یا رب العالمین

۳۰ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

سورہ غاشیہ کا اختتام

سورہ فجر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں تیس آیات ہیں
تاریخ ابتداء ۳۷ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

www.sirat-e-mustaqeem.net

سورہ فجر کے مشمولات اور اس کی فضیلت

یہ سورہ بہت سے دوسرے سوروں کی طرح، جو سچے میں نازل ہوئے، مختصر، متزلزل کر دینے والی پر حلال اور بہت زیادہ ڈرانے والی آیات کا حامل ہے۔ اس سورہ کے پہلے حصہ میں ہیں بہت سی قسمیں ملتی ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نئی ہیں اور یہ قسمیں ظالموں کے لیے عذاب الہی کی تہدید کے طور پر ہیں۔

اس سورہ کے دوسرے حصہ میں ترشہ سرکشی کرنے والی بعض اقوام، مثلاً قوم عاد و ثمود و فرعون اور ان سے خدا کے شدید انتقام لینے کی طرف اشارہ ہے، تاکہ دوسری طاقتیں اپنے انجام پر غور کریں۔

اس سورہ کے تیسرے حصہ میں مسئلہ معاد اور مجرمین و کافروں کی سزا و جزا اور اسی طرح مومنین کے اجر کو جو صاحب نفس مطمئنہ ہیں، موضوع بنایا گیا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ہیں ایک حدیث پیغمبر اسلام کی ملتی ہے (من قرأ حافی لیال عشر عفر اللہ لہ ومن قرأ ہا سائر الايام کانت لہ نوراً یوم القیامۃ) جو شخص اسے دس راتوں (لول) خدا لہجہ کی دس راتوں) میں پڑھے، خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور جو شخص باقی ایام میں پڑھے تو قیامت کے دن اس کے لیے نور روشنی ہوگی۔

ایک حدیث امام جعفر صادقؑ کی ہے کہ سورہ فجر کو ہر واجب و مستحب نماز میں پڑھو کہ یہ حسینؑ بن علیؑ کا سورہ ہے جو شخص اسے پڑھے گا وہ قیامت میں امام حسینؑ کے ساتھ بہشت میں ان کے درجہ میں ہوگا۔

اس سورہ کا تعارف سورہ امام حسینؑ کے عنوان سے ممکن ہے کہ اس وجہ سے ہو کہ نفس مطمئنہ کا واضح مصداق جو اس سورہ کی آخری آیات میں واقع ہوا ہے، حسینؑ بن علیؑ ہی ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے انہی آیات کے ذیل میں آیا ہے۔ یا پھر اس بنا پر کہ لیال عشر (دس راتوں سے مراد) کی تفسیر محرام الحرام کی پہلی دس راتوں ہیں جو حسینؑ بن علیؑ سے خاص رابطہ رکھتی ہیں۔ بہر حال یہ سب اجر و ثواب و فضیلت ان اشخاص کے لیے ہے جو خدا کی تلاوت کو اپنی اصلاح اور تربیت کی تہدید قرار دیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْفَجْرِ ۝

وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝

وَالشَّفْعُ وَالْوَتْرُ ۝

وَالْيَلِ إِذَا يَسِرُّ

هَلْ فِي ذِيكَ قَسْرٌ الَّذِي حَجَّرَ ٥

ترجمہ رحمن و رحیم خدا کے نام سے۔

صبح کی قسم۔

اور دس راتوں کی۔

اور زوج و فرد کی -

اور رات کی جبکہ وہ (دن کی روشنی کی طرف) حرکت کرتی ہے قسم ہے (کہ

تیرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے۔

کیا جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبانِ عقل کے لیے اہم قسم نہیں ہے؟

رقیبہ

تمہاری صبح کی سفیدی کی قدر

اس سورہ کے آغاز میں پانچ بیہزار کمرے والی قسموں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: ”قسم ہے فجر اور رات کے سیاہ پردے کے چاک پر“ (الفجر)۔ ”قسم ہے دس راتوں“

کی "رولیاں عشرہ"۔

”فجر“ اصل میں وسیع شکاف کے معنی میں ہے۔ چونکہ صبح کا نور شب کی تاریکی میں شکاف ڈال دیتا ہے لہذا اُسے فجر کہا گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ فجر دو قسم کی ہے، کاذب اور صادق۔ فجر کاذب طولانی سفیدی ہے جو آسمان میں ظاہر ہوتی ہے اور اسے لومڑی کی دم سے تشبیہ دیتے ہیں جس کا باریک نقطہ افق کی طرف ہے اور اس کا قاعدہ مخروط وسط آسمان میں ہے۔

فجر صادق ابتداء ہی سے افق میں وسعت پیدا کرتی ہے۔ اس میں نورانیت اور صاف قم کی شفافیت ہوتی ہے۔ وہ آب زلال کی نہر کی مانند افق مشرق کو گھیر لیتی ہے۔ اس کے بعد پورے آسمان میں پھیل جاتی ہے۔ فجر صادق رات کے ختم ہونے اور دن کے آغاز کا اعلان ہے۔ اس موقع پر روزہ داروں کو اکل و شرب سے باز رکھنا چاہیے۔ اس وقت صبح کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت میں فجر کے اس کے مطلق معنی یعنی صبح کی سفیدی مراد لی ہے جو یقیناً عظمت پروردگار کی ایک نشانی ہے۔ یہ انسانوں اور تمام زمینی موجودات کے لیے نور کی حاکمیت کے آغاز اور ظلمت کے ختم ہونے کا نقطہ عطف ہے۔ یہ زندہ موجودات کی جنبش و حرکت کا آغاز اور نیند و سکوت کا اختتام ہے۔ اس زندگی کی بنا پر خدا اس کی قسم کھاتا ہے۔

لیکن بعض مفسرین نے اس سے نئے سال کا پہلا دن یعنی پہلی محرم مراد لی ہے۔ بعض نے اس کی تیسرے عید قربان کی فجر کی ہے جس میں حج کے اہم مراسم انجام پاتے ہیں اور یہ دس راتوں سے متصل ہے۔ بعض نے اس کو ماہ رمضان مبارک کی صبح قرار دیا ہے اور بعض نے روز جمعہ کی فجر سمجھا ہے۔ لیکن آیت کا وسیع مفہوم ہے جو ان سب مناسبات پر عادی ہے، اگرچہ اس کے بعض مصداق دوسرے بعض مصداقوں سے زیادہ واضح اور اہم بھی ہیں۔ بعض نے آیت کے معنی اس سے زیادہ وسیع سمجھے ہیں اور کہا ہے کہ فجر سے مراد ہر وہ روشنی

ہے جو تاریکی میں چمکتی ہے۔ اس بنا پر اسلام اور نور پاک محمدی کا عصر جاہلیت پر طلوع ہونا اس فجر کا ایک مصداق ہے۔ اس کا ایک دوسرا مصداق شمار ہوتا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ علی ہذا دشب کر بلا میں عاشورہ حسین کا قیام اور اس کا بنی امیہ کے مظالم کے تاریک پردوں کو چاک کرنا اور اُن دیو صفت لوگوں کے حقیقی چہروں کو بے نقاب کرنا، اس کا ایک اور مصداق ہے۔

اسی طرح تمام سچے انقلاب، جو کفر و جہالت اور ظلم و ستم کے خلاف گزشتہ اور موجودہ تاریخ میں برپا ہوئے ہیں۔ نہ صرف وہ فجر کے مصداق ہیں بلکہ بیداری کا وہ پہلا شعلہ جو گنہگاروں کے تاریک دل میں ظاہر ہوتا ہے اور انہیں توبہ کی دعوت دیتا ہے، وہ بھی فجر ہے۔ البتہ یہ آیت کے مفہوم کی ایک وسعت ہے جبکہ ظاہر آیت وہی فجر ہے۔

یعنی امام جعفر صادق سے ایک حدیث میں نقل ہوئے ہیں۔ تفسیر برہان، جلد ۵، ص ۵۵، حدیث (۱)۔

یعنی سپیدہ صبح کا طلوع ہونا۔
باقی رہا "لیال عشر" (دس راتیں) تو مشہور وہی زہار لچ کی دس راتیں ہیں جو مسلمانانِ عالم کے سیاسی اور عبادتی عظیم ترین اور نہایت شائر کرنے والے اجتماعات کی گواہ ہیں۔ یہ معانی ایک حدیث میں جابر بن عبد اللہ انصاری کے واسطے سے پیغمبر اسلام سے منقول ہوئے ہیں۔

بعض مفسرین نے ان دس راتوں کو ماہِ مبارکِ رمضان کی آخری دس راتیں قرار دیا ہے جن میں شبِ قدر ہے۔ بعض نے محرم کی ابتدائی دس راتوں کو "لیال عشر" کا مصداق قرار دیا ہے۔ ان تینوں تفسیروں کو جمع کرنا بھی مکمل طور پر ممکن ہے۔

بعض ایسی روایات جو بطونِ قرآن کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ان کے مطابق فجر سے مراد حضرت مدی کا وجود ہی جو دس اور میاں عشران سے پہلے کے دس امہ ہیں اور شفع جو بعد والی آیت میں آیا ہے اس سے مراد حضرت علی و حضرت فاطمہ الزہراء ہیں۔ بہر حال ان دس راتوں کی قسم خواہ اس کی تفسیر کچھ بھی کیوں نہ ہو، ان کی حد سے زیادہ اہمیت کی دلیل ہے، اس لیے کہ قسم ہمیشہ اہم امور کی کھائی جاتی ہے۔
ان تمام معانی کی جمع بھی ممکن ہے۔

اس کے بعد قسموں کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "جنت و طاق کی قسم" (والشفع والوتر)۔ یہ کہ شفع و وتر (زوج و فرد) سے اس آیت میں کیا مراد ہے، مفسرین نے بہت سے اقوال اور احتمال بیان کیے ہیں۔ بعض نے ۲۰ اقوال تک پیش کیے ہیں۔ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ یعنی ۳۶ اقوال تک نقل کیے ہیں۔
ان میں سے زیادہ اہم امور مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

۱۔ مراد زوج و فرد اعداد ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق خدا نے ان تمام اعداد کی قسم کھائی ہے جو زوج و فرد سے تشکیل پاتے ہیں۔ وہ اعداد ایسے ہیں کہ تمام حسابات اور تمام نظام ان کے محور کے گرد گھومتے ہیں اور انہوں نے سارے عالم معنی کو گھیر رکھا ہے۔ گویا فرماتا ہے:

قسم ہے نظم و ضبط اور حساب و کتاب کی، اور حقیقت میں عالم ہستی میں اہم ترین مضمون ہی نظم و حساب اور عدد

- ۱۔ تفسیر ابو الفرج رازی، جلد ۱۲ ص ۷۴۔
- ۲۔ اگرچہ "لیال عشر" بیانِ نکرہ کی شکل میں بیان ہوئی ہیں لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ نکرہ میاں بیان عظمت کے لیے ہے لہذا یہ عدد کا مضمون پیدا کرتی ہیں اور یہ ان مخصوص راتوں کی طرف اشارہ ہے جو اد پر بیان ہوتی ہیں۔
- ۳۔ تفسیر فخر رازی، جلد ۳۱ ص ۱۶۴۔
- ۴۔ علامہ طباطبائی نے المیزان میں بعض مفسرین سے جلد ۲۰ ص ۲۰۶ پر نقل کیا ہے اور روح المعانی نے التخریر و التجریر سے جلد ۳۰ ص ۱۲۰ پر نقل کیا ہے۔

کا مسئلہ ہے جو انسانی زندگی میں اصل بنیاد کو تشکیل دیتا ہے۔

۲۔ شفع سے مراد مخلوقات ہیں کیونکہ ساری مخلوق جوڑا جوڑا ہے اور ایک دوسرے کی قرین ہے:

جبلہ وتر سے مراد خدا ہے، جس کی شبیہ و نظیر و مانند و مثل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تمام ممکنات ماہیت و وجود سے مرکب ہیں۔ جیسے فلسفہ میں زوج ترکیبی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صرف غیر متناہی شے جو ماہیت کے بغیر ہے وہ خدا کی اپنی ذات ہے۔ اس تفسیر کی طرف معصومین کی بعض روایات میں اشارہ ہوا ہے۔

۳۔ زوج و فرد سے مراد اس جہان کی تمام مخلوق ہے جو ایک لحاظ سے زوج اور ایک لحاظ سے فرد ہے

۴۔ مراد نمازیں ہیں جن میں رکعات کی تعداد کے لحاظ سے بعض زوج اور بعض فرد ہیں۔ یہ معنی بھی ایک

روایت میں معصوم سے نقل ہوئے ہیں یا یہ کہ وہی نماز شفع و تر ہے جو نماز تہجد کے آخر میں پڑھی جاتی ہے۔

۵۔ شفع سے مراد روزِ تردیہ ہے (اکٹھویں ذی الحجہ جس دن حاجی عرفات کی طرف کوچ کرنے

کے لئے آمادہ ہوتے ہیں) اور وتر سے مراد عرفہ کا دن ہے جس میں خانہ خدا کے زائرین عرفات میں ہوتے ہیں یا یہ کہ شفع سے مراد عید قربان کا دن ہے (دس ذی الحجہ) اور وتر سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ یہ تفسیر بھی معصومین کی روایات میں آئی ہے۔

عمدہ بات یہ ہے کہ اگر الف لام ان دونوں الفاظ میں عموم کے لیے ہوں تو یہ تمام معانی

اکلا میں جمع جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان تفسیروں میں سے ہر ایک تفسیر اس کی کوئی نہ کوئی مصداق ہے۔ شفع و تر کا خفیہ صفت سے ذکر ہونا اس مضمون میں مخصوص ہونے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ایک واضح مصداق سے مطابقت رکھنے کی قسم سے ہے لیکن الف لام اگر ان دونوں میں عمدہ کا ہو تو پھر خاص قسم کے زوج و فرد کی طرف اشارہ ہوگا اور یہاں گزشتہ قسموں کی مناسبت سے سب سے زیادہ دو معنی مناسب ہیں:

ایک یہ کہ عید کا دن اور عرفہ کا دن ہو جو ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتوں سے مکمل طور پر مناسبت

رکھتا ہے اور مناسب حج کا اہم ترین حصہ انہیں دنوں میں انجام پاتا ہے۔ یا یہ کہ مراد نمازیں ہوں جو فجر کی قسم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں، جو سحر کا اور بارگاہِ خدا میں راز و نیاز کا وقت ہے، خصوصاً جبکہ یہ دونوں تفاسیر ان روایات میں بھی وارد ہوئی ہیں جو معصومین سے مروی ہیں۔

آخر میں آخری قسم میں فرماتا ہے: "اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ صبح اور دن کی روشنی کی

طرف جاتی ہے" (واللیل اذا یسر)۔

۱۔ ابو سعید خدری نے اسے پیغمبر سے نقل کیا ہے۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۲۸۵۔

۲۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۲۸۵۔

۳۔ سیراصل میں سیری ہے جو مادہ سری کا فعل مضارع ہے اس کے بعد اس کے بعد اس کی یا تخفیف اور گزشتہ آیات سے ہم آہنگی کی بنا پر حذف ہو گئی ہے۔

محسوس پرکشش اور عمدہ تعبیر ہے کہ چلنے کی نسبت رات کی طرف دی ہے، وہ بھی رات کو چلنا اس لیے کہ "تیسرے" کے مادہ سے (بروزن شام) بقول راغب مفردات میں رات کے چلنے کے معنی میں ہے۔ گویا رات ایک زندہ وجود ہے اور حس و حرکت رکھتی ہے جو تاریکی میں قدم بڑھاتی ہے اور روشن صبح کی طرف جاتی ہے۔ جی ہاں! اس تاریکی کی قسم کھاتی ہے جس کا رُخ روشنی کی طرف ہے، متحرک تاریکی نہ کہ ٹھہری ہوئی۔ تاریکی اس وقت وحشتناک ہوتی ہے جب وہ رُکے ہوئی ہو لیکن اس میں اگر نور و روشنی کی طرف حرکت ہو تو اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ظلمت شب کرۂ زمین پر حرکت کی حالت میں ہے اور اصولی طور پر جو رات اہم مفید اور حیات بخش ہے وہ وہی رات ہے جو حرکت کی حالت میں ہو، یعنی جو مستقل طور پر بتدریج خود کو دن سے تبدیل کرے، اس لیے کہ اگر رات کرۂ زمین کے نصف حصہ پر جا کر رُک جائے اور بیخ کی طرح کڑ جائے تو وہ آدھا حصہ بھی ختم ہو جائے اور دوسرا آدھا حصہ بھی جو ہمیشہ سورج کی روشنی کے مقابل ہو۔

رات سے مراد یہاں کیا ہے؟ کیا سب راتیں مراد ہیں، یا کوئی خاص رات؟ اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ اگر اس کا الف لام عموم کے لیے ہو تو اس میں تمام راتیں شامل ہوں گی، جو خدا کی آیات میں سے خود ایک آیت ہیں اور آفرینش کے مظاہر ہیں سے خود ایک مظہر ہیں۔ اگر اس کا الف لام عہد ہو تو پھر معین رات کی طرف اشارہ ہے اور گزشتہ قسموں کی مناسبت سے مراد عید قربان کی رات ہے جس میں حجاج کرام مزدلفہ (مشعر الحرام) کی طرف اور اس وادی مقدس میں رات گزارنے کے بعد طلوع آفتاب کے وقت سرزمین منیٰ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تفسیر معصومین سے منقول روایات میں بھی آئی ہے بلکہ جن لوگوں نے اس رات کا منظر قریب سے عرفات و مشعر میں دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ہر گوشہ و کنار سے لاکھوں افراد حرکت کی حالت میں ہوتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رات اپنے وجود کے ساتھ حرکت کر رہی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حاجی چل رہے ہوتے ہیں لیکن یہ حرکت عمومی اس قدر وسعت رکھتی ہے گویا زمین و زمان سب حرکت میں ہوں اور یہ سب اس وقت محسوس ہوتا ہے جب انسان عید کی رات اس سرزمین میں ہو اور والیل اذایس کے معنی اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ بہر حال رات محسوس بھی معنی میں ہو، عام یا خاص، عظمت الہی کی نشانی ہے اور عالم ہستی کے اہم موضوعات میں سے ہے۔

رات ہوا کی حرارت میں اعتدال پیدا کرتی ہے، تمام موجودات کو آرام پہنچاتی ہے اور بارگاہِ خدا میں راز و نیاز کے لیے فضا میں سکون پیدا کرتی۔ باقی رہی عید قربان کی رات جس کا نام (لیلۃ جمع) ہے، وہ بھی اس مقدس وادی مشعر الحرام میں سال کی عجیب ترین رات ہے۔

بہر حال ان پانچ قسموں کا رشتہ (فجر کی قسم، دس راتوں کی قسم، زوج و فرد کی قسم اور رات کی قسم) اس صورت میں بالکل واضح ہے جب ہم ان سب کو ایام ذی الحج اور حج کے عظیم مراسم سے متعلق سمجھیں۔

اس صورت حال کے علاوہ پھر عالم تکوین اور عالم تشریح کے اہم حوادث کے مجموعہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا کی عظمت کی نشانیاں ہیں اور عالم ہستی کے عجیب و غریب اور حیران کن مظاہر ہیں۔ ان پر معنی اور بیدار کرملے والی قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے :

”کیا جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبان فرد کے لیے اہم قسم ہے“ (ہل فی ذالک قسم لذی جبر) جبریاں عقل کے معنی میں ہے اور اصل میں منہ کے معنی میں ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ قاضی نے فلاں شخص کو جبر (بروزن زجر) کیا یعنی اسے اس کے اموال میں تصرف کرنے سے منہ کر دیا۔ یا یہ کہ کمرہ کو حجرہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ایک محفوظ و ممنوع جگہ ہوتی ہے کہ اس میں دوسرے وارد نہیں ہو سکتے۔

دامن اور آغوش کو جبر (بروزن فکر) کہا جاتا ہے دوسروں سے محفوظ ہونے اور ممنوع ہونے کی وجہ سے اور عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے لہذا اسے جبر سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ خود لفظ عقل کے معنی بھی خود منع کرنے کے ہیں۔ اسی لیے وہ رسی جسے اونٹ کے گھٹنے سے باندھتے ہیں کہ اسے چلنے پھرنے سے روکیں، عقل کہلاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ منقسم بہ (وہ چیز جس کے لیے یہ قسمیں کھائی گئی ہیں) کیا ہے؟ اس سلسلہ میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ جملہ (انہ دیک لیا المرصاد) تیرا پروردگار یحین گاہ میں ہے، ان قسموں کا جواب قسم ہے۔ دوسرا یہ کہ جواب قسم عذوف ہے اور آنے والی آیات جو سرکشوں کی سزا اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کی بات کرتی ہے اور اور اس پر گواہ ہیں۔ یہ معنی کے لحاظ سے اس طرح ہے قسم ہے ان چیزوں کی جو کبھی گئی ہیں کہ ہم کافروں اور سرکشوں پر عذاب نازل کریں گے بلکہ اس طرح قسم اور منقسم بہ واضح ہو جاتے ہیں۔

- ۶) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝
 ۷) اِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝
 ۸) الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝
 ۹) وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝
 ۱۰) وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝
 ۱۱) الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝
 ۱۲) فَاكْثُرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝
 ۱۳) فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝
 ۱۴) إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

ترجمہ

- ۶) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟
 ۷) اور اس با عظمت شہر ارم کے ساتھ۔
 ۸) وہی شہر جس کی نظیر شہروں میں پیدا نہیں کی گئی۔
 ۹) اور قوم ثمود جو دروں میں سے بڑے بڑے پتھر کاٹتی تھی۔
 ۱۰) اور فرعون جو صاحب قوت اور سخت سزا دینے والا تھا۔
 ۱۱) وہی قومیں جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی۔
 ۱۲) اور ان میں بہت زیادہ فساد انہوں نے کیا۔

لِذَا خَذَانِي ان كُو عَذَاب كَاتِرِيَانِي لَكَ يَا .

(۱۳)

يَقِينًا تِيرَا پَر وِر دِگَار كَمِين كَاه مِيں هِي هِي .

(۱۴)

تفسیر

تیرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے

گزشتہ آیات کے بعد جو سرکشوں کی سزا اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کے بارے میں با معنی قسموں کی ضمانت لیے ہوئے تھیں، ان آیات میں گزشتہ اقوام میں سے چند طاقتور قوموں کے متعلق، جن میں سے ہر ایک عظیم قوت کی مالک تھی، لیکن ساتھ ہی مغرور بھی متسکبر و سرکش بھی تھی، ان کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ان کی دردناک سرفروشت کو واضح کرتا ہے تاکہ مشرکین کہ اور دوسری اقوام جو ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہیں، اپنا انداز گلے لگائیں اور خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ پہلے فرماتا ہے: ”کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا ہے؟“ (الم ترکیف فعل ربط بعاد)۔

ردیت (دیکھنا) سے یہاں مراد علم و آگاہی ہے چونکہ ان اقوام کی داستانیں اس قدر مشہور و معروف تھیں کہ گویا بعد کے زمانے کے لوگ بھی انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، لہذا ردیت کی تعبیر صرف ہوئی ہے۔ البتہ اس آیت میں مخاطب پیغمبر ہیں لیکن مقصود سب کو تنبیہ کرنا اور خبردار کرنا ہے۔

”عاد خدا کے عظیم پیغمبر حضرت ہودؑ کی قوم ہے۔ بعض مؤرخین کا نظریہ ہے کہ عاد کا اطلاق دو قبیلوں پر ہو سکتا ہے ایک وہ جو بہت پہلے تھا اور قرآن نے اسے عاد الادویٰ سے تعبیر کیا ہے۔ (نجم - ۵۰)۔ وہ غالباً تاریخ سے پہلے موجود تھا دوسرا قبیلہ جو تاریخ بشر کے دور میں اور تقریباً ولادت مسیح سے سات سو سال پہلے تھا اور عاد کے نام سے مشہور تھا یہ اصفاف یامین میں رہائش پذیر تھا۔ اس قبیلہ کے افراد بلند قامت اور قوی الجشہ تھے اور اسی بنا پر بہت نمایاں جنگجو شمار ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ متمدن بھی تھے۔ ان کے شہر آباد اور زمینیں سرسبز و شاداب تھیں۔ ان کے باغات پُر بہار تھے اور انہوں نے بڑے بڑے محل تعمیر کیے تھے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ عاد اس قبیلے کے جد اعلیٰ کا نام تھا اور وہ قبیلے کو اپنے جد کے نام سے موسوم کر کے پکارتے تھے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”وہی پُر شکوہ اور عظیم شہر ارم“ (ارم ذات العماد)، اس بات میں کہ ارم کسی شخص کا نام ہے یا قبیلے کا یا جگہ یا کسی شہر کا، مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ زرخش کی کثافت میں نقل کرتا ہے کہ عاد بیٹا ہے عوص کا، وہ بیٹا ہے ارم کا وہ بیٹا ہے سام ابن نوح کا اور چونکہ قبیلے کے اجداد سے قبیلے منسوب ہوتے تھے لہذا عاد کو ارم بھی کہتے ہیں بعض مؤرخین کا نظریہ یہ ہے کہ ارم وہی عاد ادویٰ ہے اور عاد دوسرا قبیلہ ہے جبکہ کچھ اور حضرات کا نظریہ ہے کہ ارم ان کے

شہر اور سرزمین کا نام ہے۔

لیکن بعد والی آیت سے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارم ان کے بے نظیر شہر کا نام ہے۔
عماد کے معنی ہیں ستون اس کی جمع ہے عمد (بروزن شتر)۔ پہلی تفسیر کی بنا پر قوم عاد کے طاقتور جموں اور ستون بچے
پیکروں کی طرف اشارہ ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق با عظمت عمارتوں، بلند و بالا محلات اور ان عظیم ستونوں کی طرف
اشارہ ہے جو عظیم محلوں میں تعمیر کیے گئے تھے اور ان دونوں صورتوں میں قوم عاد کی طاقت و قوت کا اشارہ ہے۔ دوسری
تفسیر (ان کے محلوں کے عظیم ستون) زیادہ مناسب ہے۔

اس کے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: وہی شہر و دیار جن کی مانند مثل دنیا کے شہروں میں پیدا نہیں ہوئی تھی
(التي لم يخلق مثلها في البلاد)۔ یہ تعبیر بتاتی ہے کہ ارم سے مراد وہی شہر ہے نہ کہ قبیلہ، طاقت۔ شاید یہی وجہ ہے
کہ بعض بزرگ مفسرین نے اسی تفسیر کو قبول کیا ہے اور ہم نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

بعض مفسرین نے جزیرۃ العرب کے بیابانوں اور عدن کے صحراؤں میں شہر ارم کے برآمد ہونے کی ایک دلچسپ
داستان بیان کی ہے جس میں وہ اس شہر کی بلند و بالا عمارات اور سامان زینت وغیرہ کی بات کرتے ہیں لیکن مذکورہ داستان
واقعیت کی نسبت خواب یا افسانے سے زیادہ تعلق رکھتی ہے لیکن اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قوم عاد طاقتور قبائل
پر مشتمل تھی، ان کے شہر ترقی یافتہ تھے اور جیسا کہ قرآن اشارہ کرتا ہے، ان جیسے شہر پھر آباد نہیں ہو سکے۔ بہت سی داستانیں
شہاد کی جو عاد کا بیٹھا تھا، زبان زد عام ہیں اور تاریخ میں مرقوم ہیں یہاں تک کہ شہاد کی بہشت اور اس کے باغ ضرب المثل
کی شکل اختیار کر گئے ہیں لیکن ان داستانوں کی حقیقت کچھ نہیں ہے، یہ محض افسانے ہیں۔ یہ ایسے افسانے ہیں کہ ان کی
حقیقت پر بعد میں حاشیہ آرائی کر لی گئی۔

اس کے بعد گزشتہ اقوام کے دوسرے سرکش گروہ کا حوالہ دے کر فرماتا ہے: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار
نے قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادی میں بڑے بڑے پتھروں کو کاٹتی اور ان سے گھر اور قصر بناتی تھیں (و ثمود الذین
جاؤا الصخر بالواد)۔ ثمود کی قوم قدیم ترین اقوام میں سے ہے۔ ان کے پیغمبر حضرت صالحؑ تھے اور وہ وادی القدر
نامی سرزمین میں رہتے تھے، جو مدینہ اور شام کے درمیان تھی۔ ان کا تمدن ترقی یافتہ تھا، زندگی مرفہ الحال تھی اور ان
کی عمارتیں عظیم تھیں۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں ثمود اس قبیلے کے باپ کا نام تھا۔ اسی نام سے وہ قبیلہ موسوم ہوا۔ جاؤا اصل میں جوہر

۱۔ تفسیر کشاف، جلد ۲، ص ۴۷۔ اس مضمون کو قطبی نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح دوسری تفسیروں میں بھی ہے۔

۲۔ پہلی تفسیر کی بنا پر ذات کا مؤنث ہونا طاقت و قبیلہ کی بنا پر ہے جو مؤنث لفظی ہے۔

۳۔ ارم غیر منصرف ہے اسی لیے حالت جر میں منصوب ہوتا ہے۔

۴۔ ثمود اہل لغت کے لحاظ سے ثمد (بروزن مند) اس بھڑوڑے سے پانی کے معنی میں ہے جس کا کوئی مادہ نہ ہو اور ثمود اس شخص کو کہتے ہیں جس
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بروزن توبہ) سے لیا گیا ہے جو پست زمین کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد ہر قطعہ زمین کی قطع و برید کے معنی میں آیا ہے کسی بات کے جواب کو اس لیے جواب کہتے ہیں گویا وہ ہوا کو قطع کرتا ہے اور کٹنے والے کے منہ سے نکل کر بسنے والے کے کان تک پہنچتا ہے (یا اس لحاظ سے کہ سوال کو کاٹ کر ختم کر دیتا ہے)۔

بہر حال یہاں مراد پہاڑوں کے ٹکڑوں کا کاٹنا اور اطمینان کے ساتھ ان سے گھر بنانا ہے، جیسا کہ سورہ حجر کی آیت ۸۲ میں اسی قوم ثمود کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں (وكانوا ينحتون من الجبال بيوتًا آمنين)۔ وہ دو پہاڑوں کے اندر پُر سکون گھر بناتے تھے۔ ان معنی کی نظیر سورہ شرا کی آیت ۱۲۹ میں آتی ہے وہاں بیوتًا فارہین کی تفسیر صرف ہوتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان گھروں میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے اور ہوس رانی سے کام لیتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ قوم ثمود وہ پہلی قوم تھی جنہوں نے پہاڑوں سے پتھر کاٹ کر پہاڑوں کے اندر مقبوضہ و محکم گھر بنانے کا اقدام کیا۔

”واد“ جو اصل میں وادی تھا، دریا یا سیلابوں کی گزرگاہ کے معنی میں ہے اور کبھی درہ کے معنی میں بھی آیا ہے اس لیے کہ سیلاب ان سے جو پہاڑوں کے قریب ہوتے ہیں، گزرتے ہیں۔ یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں یعنی درے اور پہاڑ کے دامن، اس لیے کہ قرآن کی وہ آیات بھی یہی بتاتی ہیں جو اس قوم کے متعلق بیانات دیتی ہیں اور اسکا اد پر بھی اشارہ ہوا ہے کہ قوم ثمود اپنے گھر پہاڑوں کے دامن میں بناتی تھی۔ اس طرح وہ پتھر کاٹتے اور ان کے اندر پُر امن گھر بناتے رہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام غزوہ تبوک کے موقع پر راستہ چلتے ہوئے دبستان کے شمال میں وادی ثمود میں پہنچے۔ آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ فرمایا جلدی کرو اس وقت تم لمعوں و معذب سر زمین پر ہو رہے۔ اس میں شک نہیں کہ قوم ثمود کا تمدن ترقی یافتہ تھا کہ ان کے شہر آباد تھے۔ لیکن پھر ہمیں ایسے اعداد و شمار سے واسطہ پڑتا ہے جو مبالغہ آمیز نظر آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مفسرین کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سات سو شہر بنائے تھے جو سب کے سب پتھروں سے تعمیر ہوئے تھے۔ اس کے بعد تیسری قوم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اور اسی طرح فرعون صاحب ثروت“ (و فرعون ذی الاوتاد)۔ جو اس طرف اشارہ ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے طاقتور ظالم اور بیدادگر قوم فرعون کے ساتھ کیا کیا۔

”اوتاد“ جمع۔ و تد کی (بروزن صمد) جس کے معنی میخ کے ہیں۔ فرعون کو ذی الاوتاد کیوں کہتے ہیں؟ اس

بیشہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: سے زیادہ مال کا مطالبہ کریں اتنی مقدار جس سے اس کے مال میں نقص پیدا ہو جائے بعض اس لفظ کو بھی کہتے ہیں مغزات راغب

لے جاوا الصخر بالواد میں بار بظاہر ظرفیت کے معنی رکھتا ہے۔

لے روح البیان، جلد ۲ ص ۲۲۵۔

کی مختلف تفسیریں ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کے بہت سے لشکر تھے جن میں سے بہت سے خیموں میں زندگی گزارتے تھے اور جو خیمے ان کے لیے گاڑے جاتے تھے ان میں میخیں استعمال ہوتی تھیں۔ دوسری یہ کہ فرعون جس شخص پر غضبناک ہوتا، زیادہ تر اس کو یہ سزا دیتا کہ اس کے چاروں ہاتھ پاؤں میخوں سے باندھ دیتا، یا اس کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں گڑوا دیتا اور اس کو چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ یہ تفسیر ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے۔

تاریخ میں آیا ہے کہ جس وقت فرعون کی بیوی حضرت آسیہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئیں تو انہیں بھی یہی سزا دی گئی اور شہید کیا گیا۔ ذی الاوتاد اصولی طور پر قوت اور استقامت کا کنا یہ ہے۔

تینوں تفسیریں آپس میں منافات بھی نہیں رکھتیں۔ ہو سکتا ہے کہ آیت کے معنی میں جمع ہوں۔ اس کے بعد مجموعی طور پر ان تینوں اقوام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

”وہی جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی“ (الذین طغوا فی البلاد) اور ان میں بہت سا فساد برپا کیا اور غرابی کی (فاکثروا فیہا الفساد)۔ فساد جو ہر قسم کے ظلم و ستم، تجاوز عن الحدود، عیاشی اور ہوس رانی پر مشتمل تھا۔ واقعی ان کی سرکشی ایک اثر رکھتی ہے اور ہر سرکشی کرنے والی قوم ہر کار ہر قسم کے فساد میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک مختصر اور پُر معنی جملے کے ساتھ ان تمام سرکش قوموں کی دردناک سزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اضافہ فرماتا ہے: ”لنذاخذنا ان کو عذاب کا تازیانہ لگایا“ (فصب علیہم دیک سوط عذاب)۔

”سوط“ کے معنی تازیانے کے ہیں۔ اس کے معنی اصل میں ایک چیز کو دوسری چیز سے مخلوط کرنے کے ہیں اس کے بعد اس کا تازیانہ پر بھی اطلاق ہوا ہے جو چرٹے وغیرہ سے بنا ہو۔ بعض مفسرین کے نزدیک عذاب کا کنا یہ ہے، ایسا عذاب جو انسان کے گوشت و خون سے مخلوط ہو جائے اور اس کو سخت پریشان و بے حال کر دے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کے کلام میں امتحان کے بارے میں ملتا ہے (والذی بعثہ بالحق لتبلیل بلبلة ولتغریبلن غریبلة ولتساطن سوط القدر)۔ ”قسم ہے اس کی جس نے پیغمبر کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تم شدت سختی کے ساتھ مورد امتحان و آزمائش قرار پاؤ گے، پھلنی کی مانند ہو جاؤ گے، دیگ میں جو چیز ہو اس کی طرح اس کے جوش کھانے اور ابال آنے کے وقت مل جل جاؤ گے اور اوپر نیچے ہو جاؤ گے“۔

”صب“ کی تعبیر جو اصل میں پانی انڈیلنے اور پھینکنے کے معنی میں ہے، یہاں اس عذاب کی لذت اور استمرار کی طرف اشارہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ صغیر زمین کے ان سرکشوں کے وجود سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہو۔ ہر حال

وسط کے تمام معانی میں سے یہاں مناسب وہی پہلے معنی یعنی تازیانہ ہے۔ وہی تعبیر جو روزمرہ کی گفتگو میں بھی رائج ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے دشمن کی پشت پر عذاب کا تازیانہ لگایا۔

یہ مختصر سی تعبیر شدید اور مختلف قسم کے عذابوں کی طرف اشارہ ہے جو اس قوم پر نازل ہوئے۔ قوم عاد و ثمود کے بقول تیز ٹھنڈی اور جلانے والی ہوا اور آندھی سے ہلاک ہوئی (واما عاد فاهلکوا بریح صرصر عاتية) (حاقہ - ۶)۔ باقی رہی قوم ثمود تو وہ عظیم آسمانی بیخ کے ذریعہ نابود ہوئی۔ (فاما ثمود فاهلکوا بالطاعنة) (حاقہ - ۵) اور قوم فرعون دریا ئے نیل کی موجوں میں غرق اور دفن ہو گئی (فاغرقناهم اجمعین) (زخرف: ۵۵)۔

آخری زیر بحث آیت میں ان تمام لوگوں کو ہشیار اور خبردار کرنے کے لیے، جو اس راستہ پر چلتے ہیں جس پر وہ سرکش لوگ چلتے تھے، فرماتا ہے:

”یقیناً تیرا پروردگار کہیں گاہ میں ہے“ (ان ربک بالمرصاد) ”مرصاد“ رصد کے مادہ سے کسی چیز کی نگہبانی کرنے کے لیے آمادگی کے معنی میں ہے۔ فارسی میں اسے کہیں گاہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ عام طور پر ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کچھ افراد مجبور ہوں کہ کسی گزرگاہ سے گزریں اور کوئی شخص اس گزرگاہ میں ضرب لگانے کے لئے آمادہ و تیار ہو۔

اس ساری گفتگو میں اس طرف اشارہ ہے کہ گمان نہ کرو کہ کوئی شخص عذاب الہی سے بچ کر جاسکتا۔ سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور جس وقت وہ ارادہ کرے ان کو سزا دے سکتا ہے اور ان پر عذاب نازل کر سکتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ خدا کا کوئی مکان نہیں ہے اور وہ کسی گزرگاہ میں بھی نہیں بیٹھتا۔ یہ تعبیر اس بات کا اندیشہ ہے کہ پروردگار اپنی قدرت کے ذریعہ تمام سرکشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ایک حدیث حضرت علیؓ سے منقول ہے (ان ربک قادر علی ان یجزی اهل المعاصی جزائهم) ”تیرا پروردگار قدرت و توانائی رکھتا ہے کہ گنہگاروں کو کیفر کے دار تک پہنچائے“۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: (المرصاد قنطرة علی الصراط لا یخیرھا عبد بمظلمة عبد) ”مرصاد ایک پل ہے اس راستہ پر جو جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے جس شخص کی گردن پر کسی مظلوم کا حق ہو گا وہ اس پر سے نہیں گزر سکے گا“۔

یہ حقیقت میں ایک واضح مصداق کے بیان کی قسم میں سے ہے اس لیے کہ خدا کی کہیں گاہ قیامت اور شہر پر پل صراط تک محدود نہیں ہے۔ خدا تو اس دنیا میں بھی ہر ظالم کی گھات میں ہے اور گزشتہ تینوں اقوام پر نازل ہونے

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۴۸۔

۲۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۴۸۔

والاعذاب اس کا واضح مصداق ہے۔
 ”ربك“ (تیرا پروردگار) کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ سنت الہی تیری امت کی سرکش، ظالم اور ستمگرموں کے بارے میں بھی جاری ہوگی۔ پیغمبر اور مومنین کے دلوں کی تسکین بھی ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ یہ ہٹ دھرم اور کینہ پرور دشمن خدا کی قدرت کے چنگل سے کبھی فرار نہیں کر سکیں گے اور یہ ان لوگوں کے لیے خطرہ کی تہیہ بھی ہے جو پیغمبر اکرمؐ اور مومنین پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھتے تھے۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ لوگ جو ان سے زیادہ صاحب طاقت تھے، ایک تیز آندھی، ایک طوفان، ایک شعلہ اور صیحر آسمانی کے مقابلے میں تاب مقادست نہ لاسکے، تو یہ کس طرح سوچتے ہیں کہ اپنے ان غلط اعمال کے باوجود عذاب الہی سے نجات پاسکیں گے۔

ایک حدیث پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے آپؐ فرماتے ہیں: ”جبرائیل امینؑ نے مجھ کو خبر دی کہ جس وقت خداوند بیکتا و اولین و آخرین کی مخلوق کو میدانِ حشر میں جمع کرے گا تو جہنم کو لے آئے گا اور پلصراط کو، جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، اس پر رکھ دے گا۔ اس صراط پر تین پل ہوں گے۔ پہلے پل پر امانت رست گاری اور رحمت و محبت ہے۔ دوسرے پل پر نماز اور تیرے پل پر پروردگار عالم کا عدلی ہوگا۔ لوگوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس پل پر سنے گزریں۔ جنہوں نے امانت اور رحم میں کوتاہی کی ہوگی وہ پہلے پل پر ہی رہ جائیں گے۔ اگر اس سے گزر گئے تو نمازیں کوتاہی کی ہوگی تو دوسرے پل پر ہی رہ جائیں گے۔ اور اگر اس سے بھی گزر گئے تو اپنے راستے کے آخر میں عدل الہی پائیں گے اور ان ربك لبالمصداق کے یہی معنی ہیں۔

حضرت علیؑ کے ارشادات و کلمات میں ہم پڑھتے ہیں (ولئن امهل الله الظالم فلن يفضو اخذه وهو له بالمصداق علی مجاز طریقہ و بموضع الشجی من مساعی ربقہ) اگر خدا ظالم کو مہلت دے دے تو اس کی سزا ہرگز ختم نہیں ہوگی۔ وہ ستمگاردوں کی گھات میں ہے اور اس طرح ان کے حلق کو اپنے دست قدرت میں لیے ہوئے ہے کہ جس وقت چاہے گا اس طرح دبا دیگا کہ اس کا لعاب دہن تک گلے سے نیچے نہیں جاسکے گا۔

۱۵) فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۖ

فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝

۱۶) وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي

أَهَانَنِ ۝

۱۷) كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝

۱۸) وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ ۝

۱۹) وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝

۲۰) وَتَحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝

ترجمہ

۱۵) لیکن انسان کو جس وقت خدا آزمائش کے لیے عزت دیتا ہے (اس کا اکرام کرتا ہے) اور نعمت بخشتا ہے تو (مغزور ہو جاتا ہے) اور کہتا ہے میرے پروردگار نے میرا اکرام کیا ہے۔

۱۶) لیکن جب امتحان کے لیے اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے ذلیل و خوار کیا ہے۔

۱۷) ایسا نہیں ہے جیسا تم نے خیال کیا ہے بلکہ تم یتیموں کا احترام نہیں کرتے

۱۸) اور ایک دوسرے کو مساکین و فقراء کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتے

۱۹) اور میراث کو جائز و ناجائز طریقہ سے جمع کر کے کھاتے ہو۔

اور مال و دولت کو بہت دوست رکھتے ہو۔

۲۰ تفسیر

نہ اس کی نعمت کے ملنے پر غرور کرو اور نہ سلب نعمت پر مایوس ہو

گزشتہ آیات کے بعد جو سرکشی کرنے والوں کو خبردار کر رہی تھیں اور انہیں خدا کے عذاب سے ڈرا رہی تھیں زیر بحث آیات میں مسئلہ امتحان کو پیش کرتا ہے جو ثواب اور عقاب الہی کا معیار ہے اور انسانی زندگی کا اہم ترین مسئلہ شمار ہوتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

لیکن انسان جس وقت اس کا پروردگار اور اس کی آزمائش کے لیے اس کا اکرام کرے اور نعمت بخشنے، تو مغرور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے (فاما الانسان اذا ما ابتلاه فبہ فاکرمہ و نعمہ فیقول ربی اکرم من)۔ وہ نہیں جانتا کہ خدائی آزمائش کبھی نعمت کے ذریعہ اور کبھی انواع و اقسام کی مصیبتوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ نہ نعمت کا حصول سبب غرور بننا چاہیے اور نہ مصائب مایوسی اور ناامیدی کا سبب بنیں لیکن یہ کم ظرف انسان دونوں حالتوں میں مقصد آزمائش کو بھول جاتا ہے۔ نعمت کے ملنے کے وقت اس طرح خیال کرتا ہے کہ وہ مقرب بارگاہ خدا ہو گیا ہے اور یہ نعمت اس قرب کی دلیل ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ابتداء میں کہتا ہے کہ خدا اسے مورد اکرام قرار دیتا ہے لیکن آیت کے ذیل میں ہے کہ انسان خود کو مورد اکرام خدا دیکھتا ہے۔ اس کی مذمت ہو رہی ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ پہلا اکرام انعام ہی کے معنی میں ہے اور دوسرا اکرام بارگاہ خدا کے قرب کے معنی میں ہے لیکن جس وقت امتحان لینے کے لیے سے اس کی رذی تنگ کر دیتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے اور کہتا ہے:

”میرے پروردگار نے مجھے ذیل و خوار کر دیا ہے“ (واما اذا ما ابتلاه فقد رعلیہ رزقہ فیقول ربی اهانن)۔ ناامیدی اسے ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور وہ اپنے پروردگار سے رنجیدہ و ناخوش ہو جاتا ہے، وہ اس سے غافل ہے کہ یہ سب چیزیں تو اس کی آزمائش اور امتحان کے ذرائع ہیں۔ وہ امتحان جو انسان کی پرورش اور ارتقاء کی رمز ہے اور اس کے بعد استحقاق ثواب کا سبب اور مخالفت کی صورت میں استحقاق عذاب کا باعث ہے۔

یہ دونوں آیتیں خبردار کرتی ہیں کہ نہ تو نعمت کا ورود تقرب خدا کی دلیل ہے اور نہ اس کا سلب ہو جانا حق سے دوری کی دلیل۔ یہ تو امتحان کی مختلف صورتیں ہیں کہ خدا اپنی حکمت کے مطابق ہر گروہ کی کسی چیز سے آزمائش کرتا ہے۔ یہ کم ظرف انسان ہیں جو کبھی مغرور ہو جاتے ہیں اور کبھی مایوس ہو جاتے ہیں۔ سورہ اہم سجدہ کی آیت ۱۵ میں بھی آیا ہے:

(واذا انعمنا علی الانسان اعرض و نا بجانہ و اذا مسہ الشر فذودعاء عربض)۔ جس وقت

ہم کسی انسان کو نعمت دیتے ہیں تو وہ روگردانی کرتا ہے اور تجر کر کے حق سے دور ہو جاتا ہے، لیکن جب اُسے تھوڑی سی تکلیف پہنچے تو ہمیشہ دعا کرتا ہے اور بے تابی دکھاتا ہے۔ اسی طرح سورہ ہود کی آیت ۹ میں آیا ہے: **رَوٰلِیْنَ اِذْ قٰنَا اِلٰی نٰسٰنٍ مِّنْ اٰرْحَمَۃٍ ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّہٗ لَیُؤْسٌ کَفُوْرٌ**۔ جس وقت ہم ان کو رحمت کا ذائقہ چکھائیں اور اس سے چھین لیں تو ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں آیتیں علاوہ اس کے کہ خدا کی آزمائش کے مسئلہ کو مختلف طریقوں سے بیان کرتی ہیں، نتیجہ بھی بخشتہ ہیں کہ نعمت سے بہرہ ور ہونا یا اس سے محروم ہونا قرب خدا یا دوری پروردگار کی دلیل نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ اور ہمیشہ ایمان و تقویٰ کا معیار ہے۔

کتنے پیغمبر تھے جو اس دنیا میں انواع و اقسام کے مصائب میں مبتلا رہے۔ ان کے مقابلہ میں کتنے مافوقیہ جو گونا گوں نعمتوں سے بہرہ مند تھے۔ دنیا کی زندگی کا مزاج و طبیعت یہی ہے۔ اس آیت کے ضمن میں پروردگار عالم ابتلائات اور دردناک حوادث کے فلسفہ کی طرف ایک سرایت اور اجمال اشارہ بھی کرتا ہے۔ اس کا علم ان اعمال کی تشریح کرتا ہے جو خدا سے دوری اور عذاب الہی کے جنگل میں پھنسنے کا موجب ہیں۔ فرماتا ہے:

”ایسا نہیں ہے جیسا تم خیال کرتے ہو کہ تمہارے اموال پروردگار کے نزدیک تمہارے قرب منزلت کی دلیل ہیں، بلکہ تمہارے اعمال تو تمہاری خدا سے دوری کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں“ تم تو یتیموں کا احترام نہیں کرتے“ (کَلَّا بَلْ لَا تَکْرَمُوْنَ الْیَتٰمٰی)۔ اور ایک دوسرے کو فقرا و مساکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں لالتے (وَلَا تَحٰصُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمَسٰکِیْنِ)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یتیموں کو کھانا کھلانے کی بات نہیں کرتا، بلکہ اکرام و احترام کی بات کرتا ہے اس لیے کہ یتیموں کے سلسلہ میں صرف بھوک کا مسئلہ درپیش نہیں ہوتا بلکہ اسے احترام سے محرومی کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور وہ یہ احساس کرنے لگتا ہے کہ چونکہ اس کا باپ مر گیا ہے لہذا وہ ذلیل و خوار ہو گیا ہے۔ ضرورت سے بھوکا رکھ کر اس کی عزت کی جائے تاکہ وہ باپ کے نہ ہونے کا احساس نہ کرے۔

اسی لیے اسلامی روایات میں یتیموں سے محبت اور ان پر نوازش کرنے کے مسئلہ کو ایک خاص اہمیت دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ (ما من عبد یصوم یدہ علی رأس یتیم ورحمۃ کا ادا اعطاہ اللہ بكل شعرة فوریوم القیامۃ) کوئی شخص کسی یتیم کے سر پر دست شفقت نہیں پھیرتا مگر یہ کھوار انہما کی تعداد کے برابر جو اس کے ہاتھ کے نیچے آتے ہیں قیامت میں اُسے نور بخشے گا۔

سورہ ضحیٰ کی آیت ۹ میں بھی آیا ہے (فاما الیتیم فلا تقهر) ”باقی رہا یتیم تو اسے مورد قہر و تحقیر قرار نہ دے“ یہ بالکل اس چیز کے مقابلہ میں ہے جو ایمان و اخلاق سے دور کل کے دور جاہلیت کے معاشرہ کی طرح آج کے معاشرہ

میں بھی رواج رکھتی ہے کہ یتیموں کے مال کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے اپنی ملکیت بنایا جاتا ہے اور اس یتیم کو اس طرح تنہا چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ باپ کی غیر موجودگی کا دکھ تلخ ترین شکل میں محسوس کرتا ہے۔
جو کچھ ہم نے کہا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یتیموں کا اکرام ان کے مال کی حفاظت تک محدود نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال کیا ہے، بلکہ اس کے ایک واضح، صاف اور وسیع معنی ہیں جو مال کی حفاظت اور دوسرے امور دونوں کے متقاضی ہیں۔

”تَحَاضُّونَ“ کا جملہ حض کے مادہ سے تخریص و ترغیب کے معنی میں ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ صرف مسکین کو کھانا کھلانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ لوگ ایک دوسرے کو اس کا خیر کے سلسلہ میں شوق دلائیں تاکہ یہ طریق کار معاشرہ کی فضا میں وسعت پیدا کرے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ سورہ عابدہ کی آیت ۲۲ میں اس موضوع کو خداوند عظیم پر ایمان نہ لانا۔ نے کے برابر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحْضُ عَلٰی طَعَامِ الْمَسْكِيْنَ) وہ خدا کے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا اور دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتا۔
اس کے بعد اس کے تفسیر غلط کام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں مورد مذمت و ملامت قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: ”تم میراث کو (حلال و حرام طریقہ سے) جمع کر کے کھا جاتے ہو۔ (وَتَأْكُلُوْنَ التَّرَاثَ اَكْلًا لِّغًا)۔“

اس میں شک نہیں کہ اس مال کا کھانا، جو شرعی میراث کے طور پر کسی شخص کو پہنچے، بُرا نہیں ہے۔ اس بنا پر مندرجہ بالا آیت میں اس کام کی مذمت ہو سکتا ہے کہ ذیل کے امور میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ ہو۔
پہلا یہ کہ مراد اپنے اور دوسروں کے حق کو جمع کر لینا ہو اس لیے کہ ”لم“ کا لفظ اصل میں جمع کے معنی میں ہے اور بعض مفسرین مثلاً زحشری نے کثافت میں خصوصیت سے اس کی حرام و حلال کے درمیان جمع کرنے سے تفسیر کی ہے۔
خصوصاً زمانہ جاہلیت کے عربوں کی حالت یہ تھی کہ وہ عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم کر دیتے تھے اور ان کا حق خود لے لیتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ میراث انہیں ملنی چاہیے جو جنگجو ہوں (اس لیے ان کے ہاتھ جو اموال لگتے تھے ان میں سے بہت سے مال وہ ہوتے تھے جو غارتگری کے نتیجے میں حاصل ہوتے تھے) لہذا وہ صرف ان لوگوں کو حقدار سمجھتے تھے جو غارتگری کے قابل ہوں۔

دوسرے یہ کہ جب میراث تم تک پہنچتی ہے تو تم فقیر و مسکین، عزیزوں اور رشتہ داروں اور معاشرہ کے محروم افراد پر بالکل خرچ نہیں کرتے اور جب تم میراث کے مال کے ساتھ، جو بغیر کسی زحمت و تکلیف کے تمہارے ہاتھ آتا ہے

تَحَاضُّونَ اصل میں تَحَاضُّونَ تھا جس کی ایک تا تخفیف کے لیے حذف ہو گئی۔

طعام اس آیت میں اور زیر بحث آیت میں مصدری معنی رکھتا ہے اور اطعام (کھانا کھلانے) کے معنی میں ہے۔

”لم“ کے معنی جمع کرنا ہیں اور کبھی ایسا جمع کرنا جس میں اصلاح کا مقصد بھی کار فرما ہو اس کے معنی میں آتا ہے۔

اس طرح کرتے ہو تو یقیناً اپنے کھائے ہوئے مال کے بارے میں تو تم زیادہ بخیل اور سخت ہو گے جو بہت بڑا عیب ہے۔
 تیسرے یہ کہ میراث اور چھوٹے بچوں کے حقوق کھانا ہے اس لیے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بے ایمان افراد
 اور وہ جو کسی قانون کے پابند نہیں ہوتے، جب میراث کا مال ان کے ہاتھ لگ جائے تو وہ یتیم اور چھوٹے بچوں کا کوئی کھانا
 نہیں کرتے اور چونکہ وہ یتیم اور چھوٹے بچے اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے لہذا یہ بے ایمان لوگ اس مال سے
 زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ قبیح ترین اور شرمناک ترین گناہ ہے۔ ان یتیموں تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔
 اس کے بعد ان کے چوتھے مذموم عمل کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اور تم دولت و ثروت کو زیادہ عزیز رکھتے ہو“ رد تہجون المال حباً حتماً تم دنیا پرست اور مال و دنیا دنیا
 کے عاشق افراد ہو اور یقیناً وہ شخص جو مال دنیا سے ایسا لگاؤ رکھے وہ اس کے جمع کرنے کے وقت جائز و ناجائز
 حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتا۔ اس قسم کا شخص حقوق الہی کو بالکل تسلیم نہیں کرتا، یا ان میں کمی کا مرتکب ہوتا ہے جس شخص کو جب
 دنیا نے گھیر رکھا ہو، اس کے دل میں یاد خدا کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

اس طرح نعمت دہلا کے ذریعہ انسانوں کی آزمائش کے ذکر کے بعد چار ایسی اہم آزمائشوں کی طرف متوجہ کرتا
 ہے جن کے بارے میں یہ مجرم گروہ ناکام ہو کر مردود ہوا تھا: یتیموں کے بارے میں آزمائش، مسکینوں کو کھانا نہ دینا،
 آزمائش، میراث کے حقوق کی جائز و ناجائز طریقہ سے جمع کرنے کی آزمائش اور آخر میں بغیر کسی قید و شرط کے اس مال
 جمع کرنے کی آزمائش۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ تمام آزمائشیں مالی پہلو رکھتی ہیں۔ واقعی اگر کوئی شخص مالی آزمائشوں سے
 عمدہ برآ ہو جائے تو پھر اس کے لیے دوسری آزمائشیں آسان ہو جائیں گی۔ یہ دنیا کا مال ہی ہے جو مشہور قول ”ایمان ملک
 دادہ بباد“ کے مطابق دنیا میں ایمان کو خراب کر دیتا ہے۔ آدم کے بیٹے کی عظیم ترین لغزشیں اسی شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں
 کچھ لوگ ایسے ہیں جو مال کے ایک حد تک تو امین ہیں لیکن جب ان کا پیمانہ پُر ہو جائے اور وہ اس حد سے گزر
 جائیں تو شیطانی دوسرے انہیں خیانت کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ چھ مومنین وہ ہیں جو امانت اور صحبت عمل کا خیال
 دوسروں کے واجب و مستحب حقوق کے سلسلہ میں مال کی ہر حد میں بغیر کسی قید و شرط کے رکھتے ہیں۔ اس قسم کے افراد کو
 ایمان اور تقویٰ کا دعویٰ زیب دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ جو افراد ہر حالت میں اور مال کی ہر مقدار کے سلسلہ میں امتحان و آزمائش سے عمدہ برآ ہو سکیں، وہ قابلِ عقاب
 متقی، پرہیزگار اور عمدہ شخصیت کے حامل ہوتے ہیں اور بہترین دوست و احباب شمار ہو سکتے ہیں وہ دوسرے معاملہ میں
 بھی (عام طور پر) پاک اور عمدہ افراد ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات جو مالی آزمائشوں تک محدود ہیں وہ اسی درجہ سے ہیں

۱۔ تراث اصل میں وراثت (تراث ہی کے وزن پر) تھا اس کی واد تا میں تبدیل ہو گئی ہے۔

۲۔ جم جیسا کہ مصباح اللغۃ اور مقایس میں آیا ہے کثیر اور فراوان کے معنی میں ہے اور جہت بردن جبہ سر کے آگے جمع شدہ بالوں کے معنی میں ہے

- ۲۱) كَلَّا اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًا ۝
 ۲۲) وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝
 ۲۳) وَجِئْنَا يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنَّى
 لَهُ الذِّكْرٰى ۝
 ۲۴) يَقُوْلُ يَلِيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝
 ۲۵) فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ اَحَدٌ ۝
 ۲۶) وَلَا يُؤْتِيْكَ وَثَاقَهُ اَحَدٌ ۝

ترجمہ

- ۲۱) ایسا نہیں ہے جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں جس دن زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ
 ریزہ کر دی جائے گی۔
 ۲۲) اور تیرے پروردگار کا فرمان پہنچے گا اور ملائکہ صف بہ صف ہوں گے۔
 ۲۳) اور اس دن جہنم کو حاضر کریں۔ جی ہاں! اس دن انسان متذکر ہوگا، لیکن کیا
 فائدہ اس لیے کہ یہ تذکر اس کے لیے سود مند نہیں ہوگا۔
 ۲۴) وہ کہے گا کاش اس زندگی کے لیے میں نے کوئی چیز بھیجی ہوتی۔
 ۲۵) اس دن کوئی بھی اس جیسا عذاب نازل نہیں کرے گا۔
 ۲۶) اور کوئی شخص اس کی طرح کسی کو قید و بند میں نہیں جکڑے گا۔
- تفسیر
 اس دن بیدار ہوں گے کہ جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوگا
 ان مذمتوں کے بعد جو گزشتہ آیات میں سرشتی کرنے والوں، دنیا پرستوں اور دوسروں کے حقوق پر ہاتھ

صاف کرنے والوں کی ہوئی تھیں، ان آیات میں انہیں خطرے سے آگاہ کرتا ہے کہ آخر کار قیامت آنے والی ہے اور حساب و کتاب اور جزا و سزا کا مرحلہ درپیش ہے۔ ضروری ہے کہ آپ خود کو اس کے لئے تیار کریں۔ پہلے فرماتا ہے:

ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں (کہ حساب و کتاب نہیں ہے اور اگر خدا نے انہیں مال دیا ہے تو ان کے احترام و اکرام کی وجہ سے دیا ہے، نہ کہ آزمائش و امتحان کے لیے) (مکلا)۔

جس وقت زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی (اذا دکت الارض دکتاً)۔ دراصل زمین نرم و صاف زمین کے معنی میں ہے۔ پھر اونچی جگہ اور عمارتوں کے لیے کوٹنے اور ریزہ ریزہ کرنے اور اوصاف کثرت پر اطلاق ہوا ہے۔ ”دکان“ اس جگہ کو کہتے ہیں جو صاف اور نشیب و فراز کے بغیر ہو۔ ”دکھ“ (چوڑا) اس اونچی جگہ کو کہتے ہیں جسے بیٹھنے کے لیے صاف اور تیار کرتے ہیں۔ ”دک“ کی تکرار مندرجہ بالا آیت میں تاکید کے لئے ہے۔ مجموعی طور پر یہ تاکید دنیا کے اختتام اور قیامت کے آغاز کے زلزلوں اور بھونچوڑ دینے والے حوادث کی طرف اشارہ ہے جو موجودات میں اس قسم کا زلزلہ رونما ہوگا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ اور زمینیں مہوار ہو جائیں گی، جیسا کہ سورہ طہ کی آیت ۱۰۵ سے ۱۰۷ تک آیا ہے:

(وَيُسْأَلُنَّكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا امْتًا) تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دے میرا پروردگار انہیں برباد کر دے گا اور اس کے بعد زمین کو صاف و مہوار اور بے آب و گیاہ کر دے گا اس طرح کہ تو اس میں کسی طرح کا نشیب و فراز نہیں دیکھے گا قیامت کے پہلے مرحلہ کے اختتام یعنی اس جہان کی دیرانی کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوگا۔ سارے ان عناصر ہو جائیں گے اور عدالت الہی میں ظاہر ہوں گے۔ اس وقت تیرے پروردگار کا فرمان آن پہنچے گا۔ فرشتے صف صف حاضر ہوں گے (وجاء ربك والملك صفًا صفًا)۔ محشر میں موجود لوگوں کے اطراف کا محاصرہ کر لیں گے اور فرمان حق کے اجراء کے لیے آمادہ ہوں گے۔

یہ تصویر کشی اس عظیم دن کی عظمت اور عدالت کے چنگل سے انسان کے خوار کرنے کی توانائی نہ پہنچے گی (جاء ربك) ”تیرا پروردگار آئے گا“ کی تعبیر اس حقیقت کا کنایہ ہے کہ مخلوقات کے حساب و کتاب کا فرمان پہنچے گا۔ یا پھر خدا کی عظمت کی علامتوں کا ظہور مراد ہے، یا پروردگار کے ظہور سے مراد اس دن اس کی معرفت کا ظہور ہے اس طرح سے کہ کسی شخص کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ گویا سب لوگ اپنی آنکھوں سے اس کی ذات بے مثال کے جمال کا مشاہدہ کریں گے۔ بہر حال مسلم ہے کہ خدا کا آنا، اس لفظ کے حقیقی معنی جن کا لازم جسم ہے اور کسی مکان میں مستقل رہنا ہے، کوئی مکان نہیں رکھتے اور وہ مراد نہیں رہی اس لیے کہ خدا جسم اور خواص جسم سے مبرا ہے۔

۱۔ فزرازی اپنی تفسیر میں لکھتا ہے کہ آیت میں کچھ محذوف ہے اور یہ محذوف ہو سکتا ہے کہ لفظ امر یا قریب جلالی آیات یا ظہور معرفت ہو۔

۲۔ منظر کثرتی ان چار الفاظ میں سے خصوصاً پہلے لفظ کو تقدیر آیت کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

یہی مفہوم بڑی صراحت کے ساتھ ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضاؑ سے منقول ہے۔ لے اس تفسیر کی شاہد سورہ نحل کی آیت ۲۳ ہے جس میں فرماتا ہے:

(هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رِبْكَ) کیا وہ اس کے علاوہ توقع رکھتے ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آئیں یا ترے پروردگار کا امر ان پہنچے؟۔ صفا صفا کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ ملائکہ عشر میں مختلف صفوں میں وارد ہوں گے۔ احتمال ہے کہ ہر آسمان کے فرشتے ایک الگ صف میں حاضر ہوں گے اور اہل محشر کے گرد گھیر ڈال دیں گے۔ اس کے بعد فرماتا ہے:

”اور اس دن جہنم کو لے آئیں گے، اس دن انسان متذکر ہوگا لیکن اس کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔“ (وَجِئْ يَوْمَ يَوْمِئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى)۔ اس تعبیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم چلانے کے قابل ہے اور اسے لاکر مجرموں کے قریب کر دیا جائے گا، جیسا کہ جنت کے بارے میں بھی سورہ شعراء کی آیت ۹۰ میں ہم پڑھتے ہیں (وَأَذَلَّتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ) جنت پر ہیزگاروں کے نزدیک کر دی جائے گی۔ اگرچہ بعض مفسرین مائل ہیں کہ ان الفاظ کو مجازی معنوں پر محمول کریں اور جنت و جہنم کے نیکو کاروں اور بدکاروں کے سامنے ظہور کا کنایہ سمجھیں، لیکن اس خلاف ظاہر کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ بہتر ہے کہ انہیں اس کے ظاہر پر چھوڑ دیا جائے، اس لیے کہ عرصہ محشر کی حقیقتیں ہم پر مکمل طور پر واضح نہیں ہیں اور دہاں کے حالات ہماری دنیا کے حالات سے بہت مختلف ہیں۔ پھر اس کا کوئی مانع نہیں ہے کہ اس روز دوزخ و جنت کو ان کی جگہ سے ہٹائیں گے۔

ایک حدیث پیغمبر اسلامؐ میں ہمیں ملتا ہے کہ جس وقت مندرجہ بالا آیت (وَجِئْ يَوْمَ يَوْمِئِذٍ بِجَهَنَّمَ) نازل ہوئی تو آپؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ یہ حالت اصحاب پر گراں گزری۔ وہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ماجربیان کیا حضرت علیؑ آئے اور پیغمبر اسلامؐ کے دونوں شانوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا:

”اے خدا کے رسول! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جاتیں۔ کیا حادثہ رونما ہوا ہے؟“

آپؐ نے فرمایا: ”جبرائیلؑ آئے تھے اور یہ آیت تلاوت کی ہے۔“

حضرت علیؑ کہتے ہیں: ”میں نے عرض کیا کس طرح جہنم کو لے آئیں گے؟“

فرمایا: ”ستر ہزار فرشتے ستر ہزار مہاروں کے ذریعہ اسے کھینچ کر لائیں گے اور وہ سرکشی کی حالت میں ہوگی۔ اگر اس کو چھوڑ دیں تو وہ سب کو آگ لگا دے گی۔ پھر میں جہنم کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور وہ کہے گی: اے محمدؐ مجھے آپ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ خدا نے آپؐ کا جسم مجھ پر حرام کیا ہے۔“

اس دن ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا لیکن جناب سید المرسلینؐ کہیں گے: ”رَبِّ اسْتَعِزْ رَبِّ اسْتَعِزْ“ (پروردگار میری

امت ہمیری امت ہے

جی ہاں! جب مجرم انسان ان مناظر کو دیکھے گا تو ہل جائے گا، بیدار ہو جائے گا اور غم و اندوہ میں ڈوب جائے گا۔ اپنے ماضی پر نگاہ ڈالے گا اور اپنے اعمال سے سخت پشیمان ہو گا۔ لیکن یہ پشیمانی اس کو کوئی فائدہ نہ دے گی۔ ان کا رزق کرے گا کہ واپس پلٹ جائے اور اپنے تاریک ماضی کی تلافی کرے لیکن واپسی کے دروازے مکمل طور پر بند ہوں گے وہ چاہے گا کہ توبہ کرے لیکن توبہ کا زمانہ ختم ہو چکا ہو گا۔ وہ چاہے گا کہ اعمال صالح بجالائے تاکہ اپنے بُرے اعمال کا تلافی کر سکے، لیکن اعمال کا دفتر بند ہو چکا ہو گا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اس کی فریاد بلند ہوگی اور وہ کہے گا: ”اے کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے اعمال صالح بھیجے ہوتے“ (یقول یا لیتنی قدمت لحیاتی)۔

قابل توجہ ہے کہ یہ نہیں کہے گا کہ اپنی آخرت کی زندگی کے لیے، بلکہ کہے گا اپنی زندگی کے لیے، گو زندگی کا لفظ کثرت کی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اور جلدی گزر جانے والی، انواع و اقسام کے مصائب کی آمیزش رکھنے والی دنیاوی زندگی، زندگی شمار ہی نہیں ہوتی، جیسا کہ سورہ عنکبوت کی آیت ۶۴ میں ہم پڑھتے ہیں (وما هذه الحیوة الدنیا الا لہو ولعب وان الدار الاخرة لہی الحیوان لو کانوا یعلمون) ”یہ دنیا کی زندگی کھیل کود اور لہو و لعب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے اگر تم جانتے ہو“

جی ہاں! وہ لوگ جنہوں نے یمینوں کا مال کھایا، بھوکوں کے منہ میں لقمہ نہیں دیا، ان کا مال و میراث غارت کیا اور مال دنیا کی محبت نے ان کے دل کو مسخر کر رکھا تھا، وہ اس دن آرزو کریں گے کہ کاش کوئی چیز آخرت کی زندگی کیلئے جو حقیقی اور جادو دان زندگی ہے، ہم نے آگے بھیجی ہوتی۔ لیکن یہ آرزو بے نتیجہ ہوگی۔

اس کے بعد دو مختصر جملوں میں اس دن کے عذاب کی شدت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اس دن خدا اس قسم کی سزا دے گا کہ اس جیسی سزا کوئی بھی نہیں دے سکے گا“ (فیومید لا یعذب عذابہ احد)۔

جی ہاں! یہ سرکش جو اپنی قوت کے وقت بدترین جرائم اور گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں، اس دن انکو اس قسم کی سزا ملے گی جو اس سے پہلے کسی کو نہیں ملی ہوگی، جیسا کہ نیکو کار اس قسم کی جزا پائیں گے جو کسی کے خیال و گمان میں بھی نہیں گزری ہوگی، اس لیے کہ خدا ارحم الراحمین بھی ہے اور اشد العاقبین بھی۔ نیز اس دن کوئی بھی خدا کی طاعیت کو قید و بند کی سزا نہیں دے گا۔

(ولایوثق و شاقہ احد)۔ نہ اس کی قید و بند و زنجیر کی کوئی مثال ہے، نہ اس کے عذاب کی کوئی مثل و نظیر ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ انہوں نے اس دنیا میں خدا کے مظلوم بندوں کو جتنا ان سے ممکن تھا قید و بند رکھا اور ان کو سخت تکالیف پہنچائیں۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝
وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝

۲۷

۲۸

۲۹

۳۰

ترجمہ

تُو اے سکون و اطمینان یافتہ نفس۔ ۲۷
اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جا، اس حالت میں کہ تُو بھی اس سے راضی ہے ۲۸
اور وہ بھی تجھ سے راضی ہے۔
اور میرے بندوں کی صف میں شامل ہو جا۔ ۲۹
اور میری جنت میں وارد ہو جا۔ ۳۰

تفسیر

اے صاحب نفس مطمئنہ!

اس وحشتناک عذاب کے تذکرے کے بعد جو سرکشوں اور دنیا پرستوں پر قیامت میں نازل ہوگا، زیر بحث آیات میں اس کے برعکس جو صورت حال ہے اس کو پیش کرتا ہے۔ اب نفس مطمئنہ اور ان مومنین کی طرف جو ان عظیم طوفانوں میں مکمل سکون و اطمینان سے بہرہ ور رہے، متوجہ ہوا ہے۔ انہیں نہایت لطف و محبت سے مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اے نفس مطمئنہ! ریا ایتھا النفس المطمئنة۔“ اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ، اس حالت میں کہ تُو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ (ارجعی الی ربک راضیة مرضیة)۔ اور میرے بندوں کی صف میں داخل ہو جا۔ (فادخلی فی عبادی)۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (وادخلی جنتی)۔

کیا ہی پرکشش، دل خوش کن اور روح پرور تعبیریں ہیں، جن سے لطف و صفا اور اطمینان کی خوشبو آتی ہے۔

پر در دگار کی دعوت مستقیم ایسے نفوس کے لیے، جو ایمان کے سائے میں اطمینان و سکون کی حالت کو پہنچے ہوئے ہیں، انہیں اپنے پروردگار، اپنے مالک و مربی اور مصلح کی طرف بازگشت کی دعوت دیتا ہے ایسی دعوت جو طریقی رضا مندی کے لیے ہوتے ہے۔ دلدادہ عاشق کی رضا مندی معشوق کے لیے اور محبوب و معبود حقیقی کی رضا مندی۔ اس کے بعد افتخارِ عبودیت کا تاج اس کے سر پر رکھنا اور لباسِ زندگی سے اُسے مفتخر کرنا اور اپنے خاصانِ بارگاہ کی سلسلہ میں انہیں پروانا اور جگہ دینا۔

اس کے بعد انہیں جنت میں ورود کی دعوت دینا اور وہ بھی ”میری جنت میں داخل ہو جا“ کی تعبیر کے ساتھ جو باقی ہے کہ اس مہمان کا میزبان صرف اور صرف خدا کی ذات پاک ہے عجیب و غریب مہمان اور عجیب مہمانی ہے نفس سے مراد یہاں وہی انسان ہے اور مطمئنہ کی تعبیر اس سکون و اطمینان کی طرف اشارہ ہے جو ایمان کے پرتو کے سائے میں پیدا ہوا ہے جیسا کہ قرآن کتا ہے: (الابذکر اللہ تظلمن القلوب) ”جان لو کہ صرف اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے“ (رعد- ۲۸) اس قسم کا نفس اللہ کے وعدوں پر بھی اطمینان رکھتا ہے اور جو راہ اس نے اختیار کی ہے اس پر بھی مطمئن ہوتا ہے۔ دنیا اس کی طرف بڑھے تب بھی اور اسکے منہ موڑے تب بھی، طوفانوں میں بھی اور حوادث و بلا میں بھی اور سب سے بالاتر خوف و وحشت اور قیامت کے عظیم اضطراب میں بھی۔

پروردگار کی طرف بازگشت سے مراد ہنرمند کی ایک جماعت کے نظریہ کے مطابق، اس کے ثواب و رحمت کی طرف بازگشت ہے یعنی اس کے جوار و قرب میں جگہ پانا، معنوی و روحانی بازگشت پانا نہ کہ مادی و جسمانی۔ کیا پروردگار کی طرف بازگشت کی یہ دعوت صرف قیامت میں ہوگی یا جان دینے اور عمر کے لمحات کے ختم ہونے سے متعلق ہے؟ آیات کا سابق تو البتہ قیامت سے مربوط ہے اگرچہ خود اس آیت کی تعبیر مطلق و وسیع ہے۔ راضیہ کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ ثواب خداوندی کے تمام وعدوں کو، اس سے زیادہ کہ جتنا وہ تصور کر سکتا تھا، وہ حقیقی طور پر دیکھ گا اور اس طرح خدا کا فضل و کرم اس کے شامل حال ہوگا کہ وہ مجسم رضا بن جائے گا۔ باقی رہی مرضیہ کی تعبیر تو وہ اس بنا پر ہے کہ وہ مورد قبول و رضائے دوست واقع ہوا ہے۔

اس قسم کا بندہ اس طرح کے اوصاف کے ساتھ اور مکمل رضا و تسلیم کے مقام پر پہنچنے کے ساتھ جس نے عبودیت کی اس حقیقت کو جو عبود کی راہ میں ہر چیز کو چھوڑ دینا ہے، پالیا ہے اور اس نے خدا کے بندگان خاص کے دائرہ میں قدم رکھا ہے۔ یقیناً اس کے لیے جنت کے علاوہ کوئی دوسری جگہ نہیں ہے۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ یہ آیتیں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ مکی ہے یہ حقیقت میں ایک قسم کی تطبیق ہے، نہ کہ شانِ نزول، جیسا کہ امام حسینؓ کے بارے میں بھی ہم نے سورہ کے آغاز میں پڑھا ہے۔ قابلِ توجہ یہ کہ کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ایک روایت میں ہمیں ملتا ہے کہ آپ کے ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مومن اپنی روح کے قبض ہو جانے سے غش نہ ہو؟ تو آپ نے فرمایا:

”نہیں خدا کی قسم! جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو وہ ناخوشی و ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ اس وقت موت کا فرشتہ اس سے کہتا ہے: اے ولی خدا! پریشان نہ ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو مبعوث کیا ہے، میں تجھ پر مہربان باپ سے زیادہ شفیق ہوں۔ ٹھیک طرح سے اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ لے۔ وہ دیکھے گا رسول خداؐ، امیر المؤمنینؑ، فاطمہ الزہراءؑ، حسنؑ و حسینؑ اور ان کی ذریت میں سے باقی ائمہ کو، تو فرشتہ اس سے یہ کہے گا: یہ رسول خداؐ، امیر المؤمنینؑ، حضرت فاطمہ الزہراءؑ، حسنؑ و حسینؑ اور باقی ائمہ تیرے دوست و محبوب ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں کو کھولے گا اور دیکھے گا۔ اچانک ایک کمنے والا پروردگار کی طرف سے کہے گا: یا ایہذا النفس المطمئنۃ! اے وہ شخص جو حضرت محمدؐ اور ان کے اہلبیتؑ پر ایمان رکھتا ہے، پلٹ آنا اپنے پروردگار کی جانب، اس حالت میں کہ تو ان کی ولایت پر راضی ہے اور وہ اپنے ثواب پر تجھ سے راضی ہیں۔ داخل ہو جا میرے بندوں یعنی محمدؐ اور ان کی اہلبیتؑ کے درمیان اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ تو اس موقع پر اس مومن کے لیے کوئی اور چیز زیادہ محبوب نہیں ہوگی۔ وہ چاہے گا کہ جس قدر جلد ہو روح بدن سے رہا ہو اور اس منادی کے ساتھ مل جائے۔“

خداوند! ہمیں اس قسم کے اطمینان و سکون سے متغیر فرما تا کہ ہم اس عظیم خطاب کے لائق و شائستہ بنیں۔
پروردگار! اس مقام تک پہنچنا تیرے لطف و کرم کے بغیر ممکن نہیں ہے ہمیں اپنے لطف و کرم

سے نواز۔

خداوند! یقیناً کوئی چیز تیرے کرم سے کم نہیں ہوگی، اگر ہمیں صاحبانِ نفوس مطمئنہ میں سے قرار

دے رہم پر احسان و کرم فرما۔

بارِ الٰہی! ہم جانتے ہیں کہ یہ سکون و اطمینان تیرے ذکر کے سائے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو ہمیں

اپنے ذکر کی خود توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین

(اختتام سورہ فجر اور جلد ۲۶ تفسیر نمونہ کا اختتام)

، رمضان المبارک / ۱۴۰۷ھ

اختتام ترجمہ بتاريخ ۲۴ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۸۸ء بوقت ۹ بجکر ۲۰ منٹ شب

برمکان سیٹھ نواز شعلی، ۸۱-۷، ماڈل ٹاؤن لاہور، بدست حقیر پرتھوی سید صفدر حسین نجفی فرزند

سید غلام سرور مرحوم۔

سُورَةُ بَلَدٍ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔
اس کی بیس آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورۃ بلد کی فضیلت اور اس کا مضمون

- یہ سُورہ مختصر ہونے کے باوجود عظیم حقائق اپنے اندر لیے ہوئے ہے :-
- ۱۔ اس سُورہ کے پہلے حصہ میں پُر معنی قسموں کے ذکر کے بعد اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ انسان کی زندگی اس عالم میں مشکلات اور تکلیفوں کے ساتھ تو آم ہوتی ہے، تاکہ وہ ایک طرف تو اپنے آپ کو مشکلات سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ کرے اور دوسری طرف اس دُنیا میں راحت و آرام اور مطلق آسودگی کی توقع اپنے ذہن سے نکال دے، کیونکہ مطلق آسودگی و راحت تو صرف آخرت کی زندگی میں ہی ممکن ہے۔
 - ۲۔ یہ سورہ دوسرے حصہ میں انسان پر اللہ کی کچھ اہم ترین نعمتوں کو شمار کرتا ہے، اور اس کے بعد ان نعمتوں کے مقابلہ میں اس کی ناشکری اور کُفرانِ نعمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
 - ۳۔ اس سُورہ کے آخری حصہ میں لوگوں کو دو گروہوں "اصحابِ مِیْمَنَہ" اور "اصحابِ مَشْأَمَہ" میں تقسیم کرتا ہے، اور پہلے گروہ (صالح مومنین) کے صفاتِ اعمال کے ایک گوشہ کو اور پھر ان کی سرفروشت کو بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد ان کے نقطہ مقابل یعنی کفار و مجرّمین اور ان کی سرفروشت کو پیش کرتا ہے۔
 - اس سُورہ کی آیات کی تعبیریں بہت ہی قاطع اور دو ٹوک اور چُھٹنے والی ہیں، اس کی جملہ بندیاں مختصر اور زوردار ہیں الفاظ بہت ہی سُوخا اور انتہائی فصیح ہیں، آیات کی صورت اور اس کا مضمون اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ سُورہ مکی سُورتوں میں سے ہے۔
- اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا :
- " من قرأها اعطاه الله الامن من غضبه يوم القيامة "

”جو شخص سورہ بلد کو پڑھے گا خدا اُسے قیامت میں اپنے غضب سے امان میں رکھے گا۔“

نیز ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :
 ”جو شخص نماز واجب میں سورہ لا اقسو بهذا البلد“ کو پڑھے گا وہ دنیا میں صالحین میں شمار ہوگا اور آخرت میں ایسے لوگوں میں سے پہچانا جائے گا جو بارگاہ خدا میں مقام و منزلت رکھتے ہیں، اور وہ انبیاء، شہداء اور صالحی کے دوستوں میں سے ہوگا۔“

www.sirat-e-mustaqeem.net

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝
- ۲۔ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝
- ۳۔ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ ۝
- ۴۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝
- ۵۔ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝
- ۶۔ يَقُوْلُ اَهْلَكَتُمْ مَا لَالُبَدَا ۝
- ۷۔ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهُ اَحَدٌ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ قسم ہے اس شہر مقدس (مکہ) کی۔
 - ۲۔ وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے !
 - ۳۔ اور قسم ہے باپ اور اس کے بیٹے کی (ابراہیم خلیل و اسمعیل ذبیح)۔
 - ۴۔ کہ ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا ہے۔ (اور اس کی زندگی رنج و الم سے پُر ہے)۔

- ۵۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا؟
 ۶۔ وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال (اچھے کاموں میں) تلف کر دیا ہے!
 ۷۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا۔ (اور نہ ہی دیکھتا ہے؟)

تفسیر اس شہر مقدس کی قسم

بہت سے موارد میں قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ اہم حقائق کو قسم کے ساتھ شروع کرتا ہے۔
 اس قسم جو بھی انسانی عقل اور فکر و نظر کے شکر کا سبب بنتی ہے، ایسی قسمیں جو اس مورد نظر مطلب کے ساتھ ایک خاص
 رابطہ تعلق میں یہاں بھی اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے کہ دنیا میں انسان کی زندگی دکھ درد اور رنج و الم کے ساتھ تو اُمید
 رکھنے کی قسم کی شروع کرتا ہے اور فرماتا ہے:

”قسم ہے اس شہر مقدس مکہ کی“ (لا اقسو بھذا البلد)
 ”وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے“ (وانت حل بھذا البلد)۔

اگرچہ ان آیات میں مکہ کا نام صراحت کے ساتھ نہیں آیا، لیکن ایک طرف تو اس سورہ کے مکی ہونے کی طرف
 تو جہ سے شروع اور دوسری طرف اس مقدس شہر کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر یہ بات واضح ہے کہ اس سے مراد مکہ ہی ہے۔ اور
 مفسرین کا جماع بھی اسی پر ہے۔

یقیناً سرزمین مکہ کی شرافت اور عظمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خدا اس کی قسم کھائے، کیونکہ توحید اور پروردگار
 کی عبادت کا پہلا مرکز یہیں بنایا گیا تھا، اور عظیم پیغمبروں نے اس گھر کے گرد طواف کیا ہے۔ لیکن ”وانت حل بھذا البلد“ کا جملہ
 ایک نئے مطلب کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، جو یہ کہتا ہے کہ یہ شہر تیرے وجود کے فیض و برکت سے اس قسم کی عظمت کا
 حامل ہو گیا ہے کہ وہ اس قسم کے لائق ہو گیا ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سرزمینوں کی قدر و قیمت ان میں مقیم انسانوں کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہوا کرتی ہے۔
 کیسے ایسا نہ ہو کہ کفار یہ تصور کرنے لگیں کہ قرآن نے جو اس سرزمین کی قسم کھائی ہے تو وہ ان کا وطن ہونے، یا ان کے بتوں کا مرکز
 ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت کا قائل ہو گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اس شہر کی قدر و قیمت (اس کے مخصوص تاریخی حالات سے قطع نظر)
 خدا کے خاص فضل سے ہے۔ یہاں ”لا“ زائد ہے، جو تاکید کے لیے آیا ہے۔ البتہ ایک دوسری تفسیر کے مطابق احتمال ہے کہ ”لا“ ”ناہی ہو (اس)

سورہ قیامت کی ابتدا میں دی گئی ہے۔

خدا کے خاص بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود فیکو کی بنا پر ہے :

اے کعبہ را زمین قدم تو صد شرف
دی مروہ را ز مقدم پاک تو صد صفا

بطحا ز نور طلعت تو یافتہ فروغ
یشرب ز خاک پائے تو بارونق و نوا

اے وہ کہ تیرے قدم مہینت لزوم سے کعبہ کا شرف سوگنا ہو گیا ہے۔

اور تیرے پاک قدم کے آنے سے مروہ کو صفائی حاصل ہو گئی ہے۔

بطحانے تیرے نور کی چمک سے روشنی حاصل کی ہے۔

اور یشرب تیرے پاؤں کی خاک کی وجہ سے بارونق اور خوشحال ہو گیا ہے۔

یہاں ایک اور تفسیر بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ : " میں اس شہر مقدس کی قسم نہیں کھاتا، جب کہ انہوں نے تیرے احترام کی تمک کی ہے، اور تیری جان و مال اور عزت و آبرو کو حلال اور مباح شمار کر لیا ہے۔ "

اور یہ کفار قریش کے لیے ایک شدید سرزنش اور توہین ہے کیونکہ وہ خود کو حرم مکہ کے خادم اور محافظ سمجھتے تھے اور وہ اس زمین کے احترام کے اس قدر قائل تھے کہ اگر ان کے باپ کا قاتل بھی اس میں آجاتا تو وہ بھی امان میں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ جو لوگ

مکہ کے درختوں کا پھلکا بھی لے کر اپنے بدن سے باندھ لیتے تھے تو وہ بھی اس کی وجہ سے امان میں ہوتے تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان تمام آداب و سنن کو پاؤں تلے کیوں روند ڈالا !!

اور آپ کے اور آپ کے اصحاب کے بارے میں ہر قسم کے آزار اور افیت کو جائز کیوں سمجھ لیا، یہاں تک کہ ان کے

خون کو بھی مباح سمجھنے لگے !!

یہ تفسیر ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے۔
اس کے بعد مزید کہتا ہے : " قسم ہے باپ اور اس کے بیٹے کی۔ (والد وما ولد)۔

اس بارے میں کہ اس باپ اور بیٹے سے کون مراد ہے؟ کئی تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔

پہلی تفسیر یہ ہے کہ "والد" سے مراد "ابراہیم خلیل" اور "ولد" سے مراد "اسمعیل ذبیح" ہیں۔ اور اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ گزشتہ آیت میں شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کعبہ اور شہر مکہ کی بنیاد رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند اسمعیل علیہ السلام ہی تھے، یہ تفسیر بہت ہی مناسب نظر آتی ہے، خصوصاً زمانہ جاہلیت کے عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند کی حد سے زیادہ اہمیت کے قائل تھے، اور ان پر فخر کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے اپنا نسب ان دونوں تک پہنچاتے تھے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بیٹے ہیں۔

قیسمیں :
یعنی ہیں
یکس نبی تھے

توجہ کرتے ہیں
مرین کا اہل

رکی عبادت کا
ایک نئے
عامل ہو گیا ہے

ایسا نہ ہو کہ
نے کی وجہ
مرا کے خاص

میں مزید وضاحت

تیسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت میں سے جو پیغمبر اور انبیاء مبعوث ہوئے وہ مراد ہیں چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اس سے ہر باپ اور بیٹا مراد ہیں کیونکہ مختلف زمانوں میں تولد اور نسل انسانی کی بنی کا سلسلہ خلقت کی آفرینش کے حیرت انگیز ترین مسائل میں سے ہے، اور خدا نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قسم کھائی ہے۔ ان چاروں تفسیروں کے درمیان جمع بھی بعید نہیں ہے اگرچہ پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ اس کے بعد اس چیز کو بیان کرتا ہے جو ان قسموں کا اصل مقصد ہے فرماتا ہے: "یقیناً ہم نے انسان کو رنج اور تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے، (لقد خلقنا الانسان في كبد)۔

"کبد" جمع البیان میں طبری کے قول کے مطابق اصل میں شدت کے معنی میں ہے، اسی لیے جب دودھ نکال رہا ہو جاتا ہے تو اسے "تکبد اللبن" کہتے ہیں۔

لیکن "مفردات" میں "راغب" کے قول کے مطابق "کبد" (بروزن حید) اس درد کے معنی میں ہے جو انسان کو کبد (سیاہ جگر) کو عارض ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کی مشقت اور دکھ تکلیف کے لیے اطلاق ہونے لگا۔ اس لفظ کی اصل چاہے جو کچھ بھی ہو اس کا اس مقام پر مفہوم وہی رنج و تکلیف اور دکھ درد ہی ہے۔ ہاں انسان آغاز زندگی سے ہی، یہاں تک کہ اسی لمحہ سے جب اس کا لفظ قرار گاہ رحم میں واقع ہوتا ہے، مشکلات اور درد و کجی کے بہت سے مرحلے طے کرتا ہوا متولد ہوتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد بچپن میں، اور اس کے بعد جوانی میں، اور سب سے زیادہ بڑھاپے میں، طرح طرح کی زحمتوں، مشقتوں اور تکلیفات سے روبرو ہوتا ہے۔ دنیا کی زندگی کا مزاج یہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور موقع رکھنا غلطی ہی غلطی ہے۔ ایک شاعر عرب کے قول کے مطابق:

طبع علی کدر وانت تریدها

صفوا عن الاكدار والاقذار؟

و مکلف الايام ضد طباعها

متطلب في الماء جدوة نار؟

جہاں کی طبیعت کدورت اور گندے پن پر ہے اور تو چاہتا ہے کہ

ہر قسم کی کدورت اور ناپاکی سے صاف ہو،

تو جو شخص دنیا کے دور کو اس کے مزاج کے برخلاف طلب کرے گا،

وہ اس شخص کی مانند ہے جو پانی کی موجوں کے درمیان آگ کا شعلہ طلب کرے۔

انبیاء اور اولیاء اللہ کی زندگیوں کی طرف نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے آفرینش کے ان سرسبز پھولوں کی زندگی بھی انواع و اقسام کے غیر مناسب امور اور درد و تکلیف میں گھری ہوئی تھی۔ جب دنیا ان کے لیے اس طرح ہے تو دوسروں کے لیے اس کی وضع و کیفیت

بعض تفاسیر میں والد سے مراد امیر المؤمنین اور اولاد سے مراد ان کے فرزندان گرامی ہیں، اور شاید وہ جناب اس کے بہترین مصداق ہوں لہذا

زیادہ مناسب تھا (منترجم)

فرامیج ہے۔

اور اگر ہمیں کچھ افراد یا معاشرے ایسے نظر آتے ہیں جنہیں بظاہر کوئی دُکھ اور تکلیف نہیں ہوتی تو وہ یا تو ہمارے سطحی مطالعہ کی وجہ سے ایسا دکھائی دیتے ہیں۔ اس لیے جب ہم اور زیادہ نزدیک ہوتے ہیں تو انہیں مرفا الحال زندگی والوں کے درد و رنج کے عمق اور گہرائی سے آشنا ہو جاتے ہیں، اور یا پھر وہ ایک محدود مدت اور استثنائی زمانہ کے لیے ہوتا ہے، جو عالم کے قانون کلی کو نہیں توڑتا۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ”کیا یہ انسان یہ گمان کرتا ہے کہ کوئی بھی اس پر دست رسی کی قدرت نہیں رکھتا“ (ایحسب ان ان یقدر علیہ احد)۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی زندگی کی ان تمام درد، دُکھ اور تکالیف کے ساتھ آمیزش اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بالکل کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ لیکن غرور و تکبر کے گھوڑے پر سوار ہے اور ہر قسم کے غلط کام گناہ مجرم اور حد سے بڑھ جانے کا مرتکب ہوتا رہتا ہے، گویا وہ خود کو امن و امان میں سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو سزاؤں کی قلم رو سے دور خیال کرتا ہے۔ جب اُسے قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو تمام خدائی احکام کو پاؤں کے نیچے روند ڈالتا ہے، جیسے مطلقاً خدا کا بندہ نہیں ہے۔ کیا واقعی وہ یہی خیال کرتا ہے کہ پروردگار کے عذاب کے چنگل سے رہائی حاصل کر لے گا؟ کتنا بڑا اشتباہ اور غلط فہمی ہے! یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مُراد وہ دولت مند ہیں جو یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی ان کی دولت و ثروت کو ان سے چھین لینے کی قدرت نہیں رکھتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مُراد وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ان کے اعمال کی کوئی بھی باز پُرس نہیں کرے گا۔ لیکن آیت ایک جامع مفہوم رکھتی ہے جو ان تمام تفاسیر کو شامل ہو سکتی ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اُوپر والی آیت قبیلہ ”جمع“ کے ایک شخص کی طرف جس کا نام ”ابوالاسد“ تھا اشارہ ہے وہ اس قدر طاقت ور تھا کہ چڑے کے ایک ٹکڑے پر بیٹھ جاتا تھا اور دس آدمی اُسے اس کے نیچے سے کھینچنا چاہتے تھے تو نہیں کھینچ سکتے تھے وہ چڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا تھا۔ لیکن آیت کا اس قسم کے منفرد شخص یا اشخاص کہنے بارے میں بیان اس مفہوم کی عمومیت و وسعت سے مانع نہیں ہے۔ اس کے بعد اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ مال تباہ کر دیا ہے“ (یقول اهلکت مالاً کثیراً)۔

یہ ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ جب انہیں کارِ خیر میں مال صرف کرنے کو کہتے تھے تو وہ غرور و نخوت کی بنا پر یہ کہتے تھے: ہم نے بہت زیادہ مال ان کاموں میں صرف کیا ہے، حالانکہ انہوں نے خدا کی راہ میں کوئی چیز خرچ نہیں کی تھی۔ اور اگر انہوں نے کسی کو کچھ مال دیا بھی تھا تو وہ دکھا دے، ریا کاری اور شخصی اغراض کی بنا پر تھا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لہ ”ان“ اس جملہ میں ”مشفق سے مخفف ہے“ اور تفسیر میں ”انه لن یقدر علیہ احد“ ہے۔

لہ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۴۹۳

کی دشمنی اور اسلام کے برخلاف سازشوں میں صرف کیا تھا۔ اور وہ اس پر فخر کرتے تھے، جیسا کہ ایک حدیث میں آ کر ہے کہ حنبلہ خندق کے دن جب علی علیہ السلام نے عمر بن عبدود کے سامنے اسلام کو پیش کیا تو اس نے جواب میں کہا:

”فاین ما انفقت فیکو ما لا لبدا“

”پس وہ سارا مال جو میں نے تمہاری مخالفت میں صرف کیا ہے اس کا کیا بنے گا؟“

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت ”حارث بن عامر جیسے بعض سرداران قریش کے بارے میں ہے، جو ایک کفار کا سرگب ہوا تھا۔ اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجات کے بارے میں پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے کفار دینے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا: جب سے میں دین اسلام میں داخل ہوا ہوں میرا تمام مال و دولت کفاروں اور نفقات میں نالود ہو گیا ہے۔ ان تینوں تفاسیر کے درمیان جمع میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے اگرچہ پہلی تفسیر آیت کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔ ”اہلکت“ کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے اموال درحقیقت نالود ہی ہوئے ہیں، اور اُس رن سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

”لبدا“ (بروزن لغت) تہ بہ تہ اور انہوہ کثیر کے معنی میں ہے اور یہاں بہت زیادہ مال کے معنی میں ہے اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ”کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا، اور نہ ہی دیکھے گا؟“ (ایحسب)

(۱) کم یہ احد۔

وہ اس حقیقت سے غافل ہے کہ نہ صرف اس کے ظاہری اعمال کو غلوت و جلوت میں دیکھتا ہے، بلکہ اس کے دل اور روح کی گہرائیوں سے بھی آگاہ ہے، اور اس کی میتوں سے باخبر ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ خدا جس کا غیر متناہی و جو ہر چیز کا احاطہ رکھتا ہے کسی چیز کو نہ دیکھے اور نہ جانے؟ یہ غافل اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے خود کو ہر درگاہ کی دائمی نگرانی سے باہر خیال کر رہے ہیں۔

ہاں! خدا کو علم ہے کہ انہوں نے یہ سوال کہاں سے حاصل کیے ہیں اور انہیں کس راہ میں صرف کیا ہے؟ ایک حدیث میں ابن عباسؓ سے نقل ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”لا تزول قدم العبد حتی یسأل عن اربعۃ: عن عمره فیما افشاء وعن ماله من

این جمعه، وفیما ذانفقہ؟ وعن عملہ ماذا عمل بہ؟ وعن حبنا اهل البیت

”قیامت میں کوئی شخص اپنے قدم سے قدم نہیں اٹھائے گا، مگر یہ کہ چار چیزوں کے بارے

میں اس سے سوال ہوگا: اس کی عمر کے بارے میں کہ اُسے کس راہ میں فنا کیا، اس کے مال کے

بارے میں کہ اسے کہاں سے جمع کیا، اور کس راہ میں اُسے صرف کیا، اور اس کے عمل کے بارے

۱۔ ”نراشتلین جلد ۵ ص ۵۸۰ حدیث ۱۰

۲۔ مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۹۳

میں کہ اس نے کون کون سا عمل انجام دیا، اور ہم اہل بیت کی محبت و مودت کے بارے میں یہ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کس طرح سے مغرور ہو جاتا ہے اور قدرت و طاقت کا دعویٰ کیسے کرتا ہے، حالانکہ اس کی زندگی درود و رنج اور تکلیفات کے ساتھ خمیر ہوئی ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ مال ہے تو ایک رات کے لیے ہے، اور اگر جان رکھتا ہے تو ایک ہمار تک ہے۔ اور پھر وہ یہ دعویٰ کیسے کرتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ مال خدا کی راہ میں خرچ کیا ہے جب کہ وہ اس کی نیت سے آگاہ ہے، اور ان اموال کے غیر شرعی حصول کی کیفیت سے بھی آگاہ ہے، اور ریاکاری اور مغرضانہ طور پر صرف کرنے کی کیفیت سے بھی باخبر ہے۔

- ۸۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۝
 ۹۔ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝
 ۱۰۔ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝

ترجمہ

- ۸۔ کیا ہم نے اس (انسان) کے لیے دو آنکھیں قرار نہیں دیں ؟
 ۹۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ (اُسے نہیں دیے) ؟
 ۱۰۔ اور ہم نے اُسے اس کی بھلائی اور بُرائی کی دونوں راہیں دکھا دیں ۔

تفسیر

آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت

گزشتہ آیات کے بعد جن میں سرکشی کرنے والے انسانوں کے غرور و غفلت کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی زیر بحث آیت میں انسان پر خدا کی اہم ترین مادی و معنوی نعمتوں کا کچھ حصہ بیان کرتا ہے۔ تاکہ ایک طرف تو اس کے غرور و غفلت کو توڑے اور دوسری طرف اُسے ان نعمتوں کو خلق کرنے والے میں فکر اور غور و غوض کرنے پر آمادہ کرے اور اس کے دل و جان کے اندر شکر گزار کی کے احساس کو بیدار کر کے اُسے خالق کی معرفت کی طرف چلائے ۔

پہلے فرماتا ہے : ”کیا ہم نے اس انسان کے لیے دو آنکھیں قرار نہیں دیں“ (اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ)
 ” اور ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے) ؟“ (وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ)۔

اور ہم نے اُسے اس کی بھلائی اور بُرائی کی دونوں راہیں دکھا دیں ۔ (وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ)۔

اس طرح ان چند مختصر جملوں میں تین اہم مادی نعمتوں اور ایک عظیم معنوی نعمت کی طرف ، جو سب کی سب خدا کی عظیم رحمتیں ہیں اشارہ کیا ہے۔ ایک طرف تو آنکھوں ، زبان اور لبوں کی نعمت ہے اور دوسری طرف خیر و شر کی معرفت و ہدایت کی نعمت ہے (اس بات کی طرف توجہ رہے کہ ”نجد“ اصل میں مرتفع اور بلند مقام کے معنی میں ہے ”تھامہ“ کے مقابلہ میں چوڑی جگہ)

زینوں پر بولا جاتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں "بلند جگہ" اور "پست جگہ" اور یہاں خیر و شر اور سعادت و شقاوت کی راہ سے کنایہ ہے۔
اوپر والی نعمتوں کی اہمیت کے بارے میں بس اتنا کافی ہے کہ :

"آنکھ" بیرونی دنیا سے انسان کے رابطہ کے لیے ایک اہم ترین ذریعہ ہے آنکھ کے عجائبات اس قدر ہیں کہ وہ واقعی طور پر انسان کو خالق کے مقابلہ میں خضوع کرنے پر آمادہ کر دیتے ہیں آنکھ کے سات طبقے جو صلبیہ (قرنیہ) مشیمیہ، عنبیہ، جلدیہ، زلالیہ، زجاجیہ اور شبکیہ کے نام سے موسوم ہیں ان میں سے ہر ایک عجیب و غریب اور عمدہ ساخت رکھتا ہے جن میں نور روشنی اور آئینوں سے مربوط طبیعیاتی اور جسمانی قوانین کا بہت ہی باریک بینی کے ساتھ خیال رکھا گیا ہے۔ اس طرح سے کہ تصویر کشی کی ترقی یافتہ ترین دوربینیں بھی اس کے مقابلہ میں بے قدر و قیمت ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا میں انسان کے سوا، اور سارے وجود انسانی میں آنکھ کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہوتی، تو اس کی عجائبات کا مطالعہ پروردگار کے عظیم علم و قدرت کی شناخت کے لیے کافی تھا۔

باقی رہی "زبان" تو وہ انسان کے لیے دوسرے انسانوں سے ارتباط، اور ایک قوم سے دوسری قوم، اور ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف اطلاعات و معلومات کے نقل ہونے اور مبادلہ کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ اور اگر یہ ارتباط کا ذریعہ نہ ہوتا تو انسان ہرگز علم و دانش اور مادی تمدن اور معنوی مسائل میں اس حد تک ترقی نہ کر سکتا۔

باقی رہے "لب" تو "اولا" بول چال میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ بہت سے حروف لبوں ہی کے ذریعے ادا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہونٹ کے چبانے، اور منہ کی رطوبت کو محفوظ رکھنے اور پانی کے پینے میں بہت زیادہ مدد کرتے ہیں، اور اگر یہ نہ ہوتے تو انسان کے کھانے پینے کا مسئلہ، یہاں تک کہ اس کے چہرہ کا منظر، اس کے لعاب دہن کے باہر کی طرف بہنے کی وجہ سے، اور بہت سے حروف کی ادائیگی پر قدرت نہ رکھنے کی بنا پر افسوس ناک ہوتا۔

اور چونکہ حقائق کا ادراک پہلے درجہ میں آنکھ اور زبان سے ہوتا ہے۔ ان کے بعد "عقل" اور فطری ہدایت آتی ہے، یہاں تک کہ آیت کی تعبیر "ہدایت تشریعی" کو بھی جو انبیاء و اولیاء کے ذریعے ہوتی ہے شامل ہے۔

ہاں! اس نے دیکھنے والی آنکھ اور زبان کو بھی انسان کے اختیار میں رکھا ہے، اور "راہ اور چاہ" کی بھی اسے نشان دہی کرادی ہے۔
"تا آدمی نگاہ کند پیش پائے نولش" تاکہ انسان اپنے سامنے کی ہر چیز کو دیکھ لے۔

لیکن ان روشن چراغوں کے باوجود، جو اس کے راستے میں موجود ہیں، اگر پھر بھی کوئی راستہ سے ہٹ جاتا ہے تو پھر کہنا چاہیے :
"گزار تا بینفتد و بیند سزای نولش" ! اُسے گرنے دو تاکہ وہ اپنی سزا پالے۔

"وہدیناہ الذجدین" (ہم نے اُسے بھلائی اور بُرائی کے دونوں راستے دکھا دیے) کا جملہ علاوہ اس کے کہ وہ انسان کے ارادہ کی آزادی اور اختیار کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے، اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "نجد" اونچی جگہ کو کہتے ہیں لہذا یہ اس بات

لے یہ تفسیر ایک حدیث میں امیر المؤمنین علی سے نقل ہوئی ہے (مجمع البیان زیر بحث آیات کے ذیل میں) اور یہ جو بعض نے ماں کے دہستانوں سے جو سینہ پراہرے ہوئے ہوتے ہیں تفسیر کی ہے بہت ہی بعید ہے۔ یہی طور پر "نجد" کی تعبیر خیر کے بارے میں اس کی غفلت کی وجہ سے ہے اور شر کے بارے میں باپ تغلیب سے ہے۔

یہ بحث آیات
سے اور
اندھکرازی

زیر بحث آیات

یہ بحث

کی طرف اشارہ ہے کہ خیر اور بھلائی کی راہ کو طے کرنا مشکلات، زحمت اور رنج سے خالی نہیں ہے، جیسا کہ اوجھی زمینوں کی طرف جانا مشکل ہے یہاں تک کہ شر اور بُرائی کی راہوں کو طے کرنا بھی مشکلات رکھتا ہے۔ لہذا کیسی اچھی بات ہے کہ انسان سعی و کوشش سے خیر کی راہ کو اختیار کرے۔

لیکن اس کے باوجود راستہ کا انتخاب کرنا خود انسان کے اختیار میں ہے۔ یہ وہی ہے جو اپنی آنکھ اور زبان کو ملال یا صرکے راستہ میں گردش دے سکتا ہے اور خیر و شر کی دونوں راہوں میں سے جسے چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔
لہذا ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے خداوند تعالیٰ آدم علیہ السلام کی اولاد سے کہا ہے
”یا بن آدم! ان نازعک لسانک فیما حرمت علیک فقد اعنتک علیہ بطبقتین
فاطبق، وان نازعک بصرك الی بعض ما حرمت علیک فقد اعنتک علیہ
بطبقتین فاطبق۔۔۔۔۔“

”اے اولادِ آدم! اگر تیری زبان تجھے کسی فعلِ حرام پر ابھارنا چاہے، تو میں نے اُسے روکنے کے لیے دو ہونٹ تیرے اختیار میں دیے ہیں۔ پس تو ہونٹوں کو بند کر لے اور اگر تیری آنکھ تجھے حرام کی طرف لے جانا چاہے تو میں نے پلکیں تیرے اختیار میں دیے ہیں تو انہیں بند کر لے۔۔۔۔۔“

اس طرح سے خدا نے ان عظیم نعمتوں پر کنٹرول کے وسائل و ذرائع بھی انسان کے اختیار میں دیے ہیں اور یہ ایک دور اسکا عظیم نطفہ ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اُپر والی آیات میں زبان کے بارے میں تو لبوں کی طرف اشارہ ہوا ہے، لیکن آنکھوں کے بارے میں پلکیں کی طرف اشارہ نہیں ہوا۔ اس کے ظاہر دو اسباب ہیں، ایک تو یہ ہے کہ لبوں کا کام بات کرنے، کھانا کھانے اور سناک پیلوٹوں میں پلکیں کی نسبت آنکھوں کے لیے کام کرنے سے کئی گنا زیادہ ہے، اور دوسرا سبب یہ ہے کہ زبان کا کنٹرول کرنا آنکھ کے کنٹرول سے کئی درجے زیادہ اہم ہے، اور زیادہ نجات ساز ہے۔

چند نکات

۱۔ آنکھ کی حیرت انگیزیاں

آنکھ کو عام طور پر کیمرے کی دوربین سے تشبیہ دیتے ہیں، جو اپنی بہت ہی چھوٹی سی پتلی کے ساتھ مختلف مناظر کے فوٹو تیار کر کے ایسی تصویریں جو فلم کی بجائے ”شبکیہ چشم“ (آنکھ کی سکرین) پر منعکس ہوتی ہیں اور وہاں سے بینائی کے اعصاب کے ذریعے دماغ میں منتقل ہوتی ہیں۔

تصویر کشی کا یہ حد سے زیادہ لطیف و دقیق کارخانہ، شب و روز میں کسی ہزار تصویریں مختلف مناظر کی آمار سکتا ہے، لیکن تصویر کشی

در فلمیں بنانے کی ترقی یافتہ ترین مشینوں پر بھی اس کا بہت سے پہلوؤں سے قیاس نہیں ہو سکتا، کیونکہ :

۱۔ اس مشین میں روشنی کو منظم کرنے والا دریچہ وہی آنکھ کی پستی ہے جو خود کار طریقہ سے زیادہ قوی روشنی کے مقابلہ میں زیادہ تنگ اور کمزور روشنی کے مقابلہ میں زیادہ کُشادہ ہو جاتی ہے حالانکہ کیمیرے کی مشین کو اشخاص کے ذریعے منظم کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ آنکھ کا عدسہ ان تمام شیشوں کے برخلاف جو دنیا کے تصویر کشی کے کیمروں میں استعمال ہوتے ہیں ہمیشہ اپنی شکل بدلتا رہتا ہے اس طور پر کہ کبھی تو اس کا قطر ۵ ملی میٹر ہو جاتا ہے اور کبھی ۸ ملی میٹر تک پہنچ جاتا ہے تاکہ وہ دور اور نزدیک کے مناظر کی تصویریں بنا سکے۔ اور یہ کام ان عضلات کے ذریعے جنہوں نے عدسہ کو گھیرا ہوا ہے، اور وہ کبھی اُسے کھینچ لیتے ہیں اور کبھی

چھوڑ دیتے ہیں، انجام پاتا ہے، اس طرح سے آنکھ کا ایک عدسہ تنہا سینکڑوں عدسوں کا کام انجام دیتا ہے۔

۳۔ تصویر کشی کی یہ مشین چار مختلف سمتوں کی طرف حرکت کرتی ہے، یعنی آنکھ کے عضلات کی مدد سے جس طرف چاہے حرکت کر سکتی ہے اور تصویر بنا سکتی ہے۔

۴۔ یہاں ایک اور اہم نکتہ بھی ہے کہ تصویر کشی کے کیمروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کی فلموں کو تبدیل کرتے رہیں اور جب فلم کی ایک ریل ختم ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری ریل کھنی پڑتی ہے۔ لیکن انسان کی آنکھیں زندگی بھر تصویریں اُتارتی رہتی ہیں اور اس میں کوئی چیز تبدیل نہیں کرنی پڑتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ کی سکریں کا وہ حصہ جس پر تصویریں منعکس ہوتی ہیں، اس میں دو قسم کے سلول ہوتے ہیں :

۱۔ مخروطی سلول ، ۲۔ عمودی سلول ، جو روشنی کے مقابلہ میں بہت ہی زیادہ حساس مادہ رکھتے ہیں اور روشنی کی ٹھوڑی سی چمک سے ہی ان کا تجزیہ ہو جاتا ہے اور سکریں دوبارہ نئی تصویر کھینچنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے۔

۵۔ بعد اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور سکریں دوبارہ نئی تصویر کھینچنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے۔

۶۔ فلمیں بنانے والوں اور تصویریں کھینچنے والوں کے لیے "روشنی کے منظم ہونے" کا مسئلہ ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے اور اس مقصد کے لیے کہ تصویریں صاف ہوں، بعض اوقات کئی کئی گھنٹے روشنی اور اس کے مقدمات کو منظم کرنے میں مشغول رہنا پڑتا ہے جبکہ

آنکھ تمام حالات میں چاہے روشنی قوی ہو یا درمیانی یا کمزور، یہاں تک کہ تاریکی میں بھی بشرطیکہ معمولی اور خفیف سی روشنی بھی دیاں پر موجود ہو تصویر لے لیتی ہے۔ اور یہ چیز آنکھ کے عجائبات میں سے ہے۔

۷۔ بعض اوقات ہم روشنی سے تاریکی کی طرف جلتے ہیں، یا بجلی کے بلب اچانک بجھ جاتے ہیں، تو ہم اس وقت کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے، لیکن چند ہی لمحے گزر جانے کے بعد ہماری آنکھ خود کار طور پر اپنی کیفیت کو اس کمزور روشنی کے ساتھ منطبق کر لیتی ہے، اس طرح سے کہ جب ہم اپنے ارد گرد نظر کرتے ہیں کہ ہماری آنکھ تاریکی کی عادی ہو گئی ہے اور یہ عادت والی تعبیر جو سادہ اور عام زبان

اس کا تعلق
بارے
رہنما پہلو
کے کنٹرول
فولڈ آؤٹ
دماغ میں

میں ادا ہو جاتی ہے۔ ایک بہت ہی پیچیدہ مکائنم (طرز ساخت) کا نتیجہ ہے جو آنکھ میں رکھی گئی ہے، اور وہ خود کو بہت ہی مختصر سے وقت میں نئے حالات پر منطبق کر سکتی ہے۔

اس کے برخلاف جب ہم تاریکی سے روشنی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یعنی ابتدا میں ہماری آنکھ قوی روشنی کو برداشت نہیں کرتی، لیکن چند لمحات کے بعد وہ اس سے منطبق ہو جاتی ہے اور اصطلاح کے مطابق عادی ہو جاتی ہے۔ یہ امور تصویر بنانے والے کیمروں میں ہرگز موجود نہیں ہیں۔

۸۔ تصویر بنانے والے کیمرے محدود فضا سے تصویر بنا سکتے ہیں جب کہ انسان کی آنکھ تمام افق کا نیم دائرہ جو اس کے سامنے ہوتا ہے دیکھ لیتی ہے، اور دوسرے لفظوں میں ہم اپنے اطراف کے تقریباً ۱۸۰ درجے کے دائرے کو دیکھ لیتے ہیں، جب کہ تصویر کشی کا کیمرا کیمرا ایسا نہیں ہے۔

۹۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ انسان کی دونوں آنکھیں جن میں سے ہر ایک ایک مستقل مشین ہے، اس طرح منتظم ہوتی ہیں کہ ان دونوں سے لیے گئے فوٹو ایک ہی نقطہ پر جا کر پڑتے ہیں۔ اس طرح سے اگر یہ تنظیم تھوڑی سی بھی خراب ہو جائے تو انسان اپنی دنیا آنکھوں سے ایک ہی جسم کو دو جسم دیکھتا ہے، جیسا کہ احوال (جسے دو دو نظر آتے ہوں) اشخاص میں یہ معنی مشاہدہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ وہ تمام مناظر جن کی آنکھ تصویر کشی کرتی ہے۔ آنکھ کی سکین پر اُلٹے پڑتے ہیں، حالانکہ ہم کسی چیز کو الٹا نہیں دیکھتے، آنکھ کے عساد اور چیزوں کی ایک دوسرے سے نسبت کو محفوظ رکھنے کی بنا پر یہ ہے۔

۱۱۔ آنکھ کی سطح ہمیشہ مرطوب ہوتی چاہیے، کیونکہ اگر وہ چند ساعت بھی خشک رہ جائے تو اس پر شدید ضرب پڑے۔ یہ طبیعت ہے آنسوؤں کے غدودوں سے حاصل ہوتی ہے جو آنکھ میں ایک طرف سے وارد ہوتے ہیں اور بہت ہی باریک اور ظریف رگوں سے جو آنکھوں کے کناروں پر ہوتی ہیں، باہر نکلتے ہیں، اور ناک کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور اُسے بھی مرطوب رکھتے ہیں۔

اگر آنکھ کے غدود خشک ہو جائیں تو آنکھ خطرے میں پڑ جاتی ہے اور پیکوں کی حرکت غیر ممکن ہو جاتی ہے، اور اگر اس کا فعل حد سے زیادہ بڑھ جائے تو ہمیشہ چہرے پر آنسو بہتے رہیں، یا اگر آنکھ کے فاضل پانی کو خشک کرتے رہیں اور یہ کتنا بڑا درد دہکتا

۱۲۔ آنسوؤں کی ترکیب ایک پیچیدہ ترکیب ہے، اور اس میں دس سے زیادہ عناصر ہوتے ہیں، اور وہ مجموعاً آنکھ کی نگہداشت کے لیے ایک بہترین اور مناسب ترین مائع یا مرکب ہوتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ آنکھ کے عجائبات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے بارے میں کسی دن تک بیٹھ کر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے، اور ان کے لیے کئی کتابیں لکھی پڑیں، اور ان تمام چیزوں کے باوجود اگر ہم اس کے اصلی مادہ کو دیکھیں تو وہ تقریباً چربی کے ایک ٹکڑے سے زیادہ نہیں ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام اپنی ایک قابل قدر گفتگو میں فرماتے ہیں :

”اعجبوا لهذا الانسان ينظر بشحم، ويتكلم بلحم، ويسمع بعظم“

”ويتنفس من خرم!“

”عجب ہے اس انسان پر جو چربی کے ایک ٹکڑے سے دیکھتا ہے، اور گوشت کے ایک ٹکڑے سے

سے بولتا ہے ہڈی سے سنتا ہے سوراخ سے سانس لیتا ہے اور وہ ان بزرگ حیاتی کاموں کو ان چھوٹے سے وسائل کے ذریعے انجام دیتا ہے۔

زبان کی حیرت انگیزیاں

زبان ہی اپنی جگہ پر انسانی بدن کے بہت ہی حیرت انگیز اعضا میں سے ہے اور اس کے ذمے بہت ہی سخت ذمہ داریاں ہیں۔ کوٹھنے میں مدد دینے کے علاوہ اس کو چبانے میں بھی اہم کام انجام دیتی ہے، اور بار بار غذا کے لقمہ کو دانتوں کی ہتھوڑی کے نیچے دھرتی ہے، لیکن اس کام کو اتنے ماہرانہ انداز میں انجام دیتی ہے کہ اپنے آپ کو دانتوں کی ضربوں سے محفوظ رکھتی ہے، حالانکہ ہمیشہ ان اس اور ان سے چپٹی ہوئی رہتی ہے۔

بعض اوقات اتفاقی طور پر کھانے کو چباتے وقت ہم اپنی زبان کو بھی جھالیتے ہیں تو ہماری چیخ نکل جاتی ہے اور ہم یہ بات سمجھتے ہیں کہ اگر زبان ہمیں وہ مہارت نہ ہوتی تو ہم پر کتنی مصیبت آن پڑتی۔

مضمی طور پر غذا کھانے کے بعد منہ کی فضا اور دانتوں کو پاک و صاف کرتی اور جھاڑ دیتی ہے۔

اور ان سب کاموں سے زیادہ اہم بات کرنے کا مسئلہ ہے، جو زبان کی تیزی کے ساتھ منظم طور پر پے درپے حرکات اور چھکتوں حرکت کرنے سے انجام پاتا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خدا نے بات کرنے اور تکلم کے لیے ایک ایسا وسیلہ انسانوں کے اختیار میں دیا ہے جو بہت ہی سہل آسان، اور سب کی وشرس میں ہے، نہ کچھ تھکان ہوتی ہے اور نہ ہی رنج و ملال حاصل ہوتا ہے، اور نہ ہی کچھ خرچ ہوتا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات انسان میں گفتگو کرنے کی استعداد کا مسئلہ ہے، جو انسان کی روح میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اور انسان اپنے طرح طرح کے حد سے زیادہ مقاصد کو بیان کرنے کے لیے بے حد مختلف صورتوں میں زیادہ سے زیادہ جملہ بندیاں کر سکتا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ اہم، مختلف زبانوں کی وضع کی استعداد ہے، اور ان ہزاروں زبانوں کے مطالعہ سے جو دنیا میں موجود ہیں اس کی حیرت واضح ہو جاتی ہے، واقعاً ”العظمة لله الواحد القہاس!“ (عظمت و بزرگی واحد و قہار خدا کے لیے ہی ہے)۔

۳۔ نجدین کی طرف ہدایت

”نجد“ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، بلندی یا بلند سرزمین کے معنی میں ہے اور یہاں ”خیر“ و ”شر“ کی راہ مراد ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ! هَذَا خَيْرٌ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ هَذَا خَيْرٌ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ هَذَا خَيْرٌ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ“

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ! هَذَا خَيْرٌ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ“

”اے لوگو! دو بلند سرزمینیں موجود ہیں، خیر کی سرزمین اور شر کی سرزمین

۱۔ نفع البلاء ”کلمات قصار“ حکمت ۸

تمہارے لیے خیر کی سرزمین سے ہرگز زیادہ محبوب قرار نہیں دی گئی۔

اس میں شک نہیں کہ تکلیف، اور مسئولیت، معرفت و آگاہی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اوپر والی آیت کے مطابق خدا نے

یہ آگاہی انسانوں کے اختیار میں دے دی ہے۔

یہ آگاہی تین طریقوں سے انجام پاتی ہے :

۱۔ عقلی اور اکات اور استدلال کے طریق سے ،

۲۔ فطرت و وجدان کے طریق سے ، جس میں استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی ،

۳۔ وحی اور انبیاء و اوصیاء کی تعلیمات کے طریق سے اور تکامل کی راہ کو طے کرنے کے لیے انسان کو جن چیزوں کی

ہوتی ہے ، ان کی خدا نے ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے یا بہت سے موارد میں ان تینوں ہی طریقوں سے اسے تعلیم

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا طے کرنا انسان کی

طبیعت اور مزاج کے لیے دوسرے سے زیادہ آسان نہیں ہے اور یہ بات حقیقت میں اس عمومی تصور کی کہ انسان برائیوں کی طرف

میلان رکھتا ہے اور شر کے راستے کو طے کرنا اس کے لیے زیادہ آسان ہے نفی کرتی ہے۔

اور سچی بات یہ ہے کہ اگر غلط تربیتیں اور فاسد ماحول نہ ہو تو انسان کو نیکیوں کے ساتھ لگاؤ اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اور شر

(بلند سرزمین) کی تعبیر نیکیوں کے بارے میں اسی بنا پر ہے ، کیونکہ بلند سرزمین بہتر اور زیادہ عمدہ فضا رکھتی ہیں ، اور شرور کے بارے میں

کی بنا پر ہے ۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تعبیر خیر و شر کے راستے کے ظاہر نمایاں اور آشکار ہونے کی طرف اشارہ ہے ، جس طرح سے طریق اور

بلند سرزمین مکمل اور پورے طور پر نمایاں ہوتی ہے ۔

- ۱۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝
- ۲۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝
- ۳۔ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝
- ۴۔ أَوْ اطْعَمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْنَةِ ۝
- ۵۔ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝
- ۶۔ أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝
- ۷۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
- ۸۔ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝
- ۹۔ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝
- ۱۰۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الشُّعْمَةِ ۝
- ۱۱۔ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ ۝

ترجمہ

۱۱۔ لیکن وہ (ناشکرا انسان) اس اہم گھاٹی سے اوپر نہیں گیا۔

۱۲۔ اور تجھے کیا معلوم کہ وہ گھائی کیا ہے ؟

۱۳۔ غلام کو آزاد کرنا ہے ۔

۱۴۔ یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے ۔

۱۵۔ رشتہ داروں میں سے کسی یتیم کو ۔

۱۶۔ یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو ۔

۱۷۔ پھر اسے ایسے لوگوں میں سے ہونا چاہیے جو ایمان لائے ہیں اور جو ایک دوسرے کو صبر و شکیبائی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں ۔

۱۸۔ وہ اصحاب الیمین ہیں (اور ان کے نامہ اعمال کو ان کے دائیں ہاتھ میں دیں گے)

۱۹۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا ، وہ شوم اور بد بخت لوگ ہیں اور ان کا نامہ

اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ۔

۲۰۔ ان کو آگ نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے ، (جس سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ہے)

تفسیر دُشوار گزار گھائی

ان عظیم نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد ، جو گزشتہ آیات میں آئی تھیں ، زیر نظر آیات میں ناشکر گزار بندوں کو مورد ملامت و سرزنش قرار دیتا ہے ، کہ ان تمام وسائلِ سعادت کے ہوتے ہوئے انہوں نے نجات کی راہ کیوں طے نہیں کی ، پہلے فرماتا ہے :-

”یہ ناشکرا انسان اس عظیم گھائی سے اُدھر نہیں گیا ؟ (فَلَا اقْتَحَمَ الْعُظْمَاءُ)“

اس بارے میں کہ یہاں عقبہ سے کیا مراد ہے ، بعد والی آیات اس کی تفسیر کرتی ہیں ۔

لہ ظاہر یہ ہے کہ اس جملہ میں ”لا“ ”نافیہ“ اور ”خبریہ“ ہے اور یہ جو بعض نے اسے نفی یا استفہام کے معنی میں سمجھا ہے بہت بعید

منقول آتا ہے وہ واحد اعتراض جو یہاں موجود ہے یہ ہے کہ جب فعل ماضی پر ”لا“ آتا ہے تو عام طور پر اس کا انحراف ہوتا ہے ، جیسا کہ سورہ قیامت کی آیت ۳

میں آیا ہے کہ

(۱) اَعْرَضَ عَنْهَا
۷

فرماتا ہے: "تو نہیں جانتا وہ گھائی کیا ہے؟" (وما ادرك ما العقبۃ)۔
"غلام کو آزاد کرنا ہے" (فك رقبة)۔

"یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے" (او اطعام فی یوم ذی مغنۃ)۔
"قریبیوں میں سے کسی یتیم کو" (یتیمًا ذا مقربة)۔

"یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو" (او مسکینًا ذا متربة)۔

اس طرح یہ دشوار گزار گھائی جس سے گزرنے کے لیے ناشکرے انسانوں نے ہرگز خود کو تیار نہیں کیا ہے، اعمال خیر کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو ارادی طور پر خدمت خلق اور کمزوروں اور ضعیفوں کی مدد کرنے کے گرد گھومتا ہے، اور اس صحیح اور خالص عقائد کا مجموعہ بھی ہے جن کی طرف بعد والی آیات میں اشارہ ہوا ہے۔

اور سچ تو یہ ہے، کہ اس شدید لگاؤ کو دیکھتے ہوئے، جو عام طور سے لوگ مال و ثروت کے ساتھ رکھتے ہیں، اس دشوار گزار گھائی سے گزرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اسلام اور ایمان صرف دعویٰ اور باؤں سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ہر مومن مسلمان کے سامنے ایسی دشوار گزار گھائیاں ہیں جن سے یکے بعد دیگرے، حول و قوۃ خدا اور روح ایمان و اخلاص سے مدد طلب کرتے ہوئے گزرنا پڑتا ہے۔

بعض نے یہاں "عقبہ" کی تفسیر ہوائے نفس کے معنی میں کی ہے، جس سے جہاد کرنے کو، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشہور حدیث کے مطابق، "جہاد اکبر" کا نام دیا ہے۔

البتہ اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہاں آیات نے "عقبہ" کی تفسیر کی ہے تو اس تفسیر سے مراد اس طرح ہونا چاہیے کہ اصلی گھائی ہوائے نفس کی گھائی ہے، لیکن غلاموں کو آزاد کرنا، اور مسکینوں کو کھانا کھلانا، اس سے مبارزہ کرنے کے واضح مصداق ہیں بعض دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس "عقبہ" سے مراد قیامت میں ایک دشوار گزار گھائی ہے، جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں آیا ہے:

"ان امامکم عقبۃ کؤد لا یجوزھا الا شفاون، وانا اریہم ان اخفف عنکم لتلك العقبة؟"

"تمہارے سامنے ایک دشوار گزار گھائی ہے، جس سے بھاری بوجھ والے نہیں گزر سکیں گے اور میں چاہتا ہوں کہ اس گھائی سے عبور کرنے کے لیے تمہارے بوجھ کو ہلکا کر دوں۔"

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) فلا صدق ولا صلی: (نہ تو اس نے صدقہ دیا اور نہ ہی نماز پڑھی) جبکہ زیر بحث آیت میں "لا" کا تکرار نہیں ہوا، لیکن جیسا کہ مروجہ "طبری" نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے کہ بعض اوقات یہ تکرار کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے "غیر لازمی" اور "قرطبی" نے اپنی تفاسیر میں بعض عربی ادب کے بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اگر "لا" "لم" کے معنی میں ہو تو پھر تکرار کی ضرورت نہیں ہے، یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہاں تقدیر میں تکرار ہوا ہے: فلا اقتحم العقبة ولا فك رقبة ولا اطعم فی یوم ذی مغنۃ

البتہ یہ حدیث جو پیغمبر سے نقل ہوئی ہے زیر بحث آیت کی تفسیر کے عنوان سے نہیں ہے، لیکن مفسرین نے اس سے یہی سمجھا ہے۔ لیکن ایسا سمجھنا اُس تفسیر کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو صراحت کے ساتھ آیات میں آئی ہے، مناسب دکھائی نہیں دیتا، مگر یہ کہ سرادیم ہو کہ قیامت کی دشوار گزار گھاٹیاں اس جہان کی سخت اور سنگین اطاعتوں کا ختم ہیں، اور ان سے عبور کرنا ان اطاعتوں سے عبور کرنے کی منہج ہے (غور کیجئے)۔

یہاں پر "اقتحوا" کی تعبیر جو "اقتحام" کے مادہ سے ہے، قابل توجہ ہے، جو اصل میں سخت اور خوفناک کام میں داخل ہونے کے معنی میں ہے۔ (مفردات راغب) یا کسی چیز میں داخل ہونا یا اس کے پاس سے شدت و مشقت سے گزرنا ہے (تفسیر کشاف) اور یہ چیز بتاتی ہے کہ اس گھاٹی سے گزرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور یہ اس بات پر ایک تاکید ہے جو سورہ کے آغاز میں آئی ہے صمیمین فرمایا ہے: "ہم نے انسان کو دکھ اور تکلیف میں پیدا کیا ہے، اور اس کی زندگی بھی دکھ درد اور رنج و تکلیف سے توأم ہے اور سرپروردگار کی اطاعت کرنا بھی بہر حال کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ایک ارشاد میں آیا ہے:

"ان الجنة حفت بالمكاره وان النار حفت بالشهوات"

"بے شک جنت سختیوں کے درمیان گھری ہوئی ہے، اور دوزخ شہوات کے درمیان گھری ہوئی ہے۔"

چند قابل توجہ نکات

۱۔ "فك رقبة" سے مراد ظاہراً وہی غلاموں کو آزاد کرنا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک اعرابی پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل تعلیم کیجئے کہ جو مجھے جنت میں داخل کرے، آپ نے فرمایا:

"ان كنت اقصررت الخطبة لقد عرضت المسألة"

"اگرچہ تُو نے بات تو مختصر کی ہے، لیکن ایک بہت بڑے مطلب کا سوال کیا ہے۔" (یا

یہ کہ اگرچہ تُو نے مختصر سی بات کی ہے، لیکن تُو نے اپنے مقصود کو اچھی طرح سے بیان کیا ہے)۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اعتق النمة وفك رقبة"

"غلاموں کو آزاد کر اور گردنوں کو (طوق غلامی سے) رہائی دے۔"

راوی سوال کرتا ہے، کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی نہیں ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں! پہلے سے میری مراد یہ ہے کہ تو غلام کو مستقل طور پر آزاد کر دے، اور دوسرے سے

میری مراد یہ ہے کہ تو اس کی قیمت کی ادائیگی میں امداد کرے تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا :

”والقی علی ذی الرحم الظالم، فان لم یکن ذالک فاطعم الجائع، واسق الظمآن، وامر بالمعروف وانه عن المنکر، فان لم تطق ذالک فلف لسانک الامن الخیر۔“

”ان رشتہ داروں کی طرف جنہوں نے تجھ سے قطع رحمی کی ہے اور تجھ پر ظلم کیا ہے، لوٹ جا۔ (اور ان سے نیکی کر) اور اگر اس قسم کا کام ممکن نہ ہو تو پھر بھوکوں کو کھانا کھلا اور پیاسوں کو پانی پلا، اور امر بالمعروف اور نہی از منکر کر اور اگر تجھ میں اس کام کے کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے تو کم از کم اپنی زبان نیکی کے علاوہ کسی چیز کے لیے نہ کھول۔“

۲۔ بعض مفسرین نے ”فک رقبة“ کو، اپنی گردن کو گناہوں کے بار سے توبہ کے ذریعے آزاد کرنے، یا خود کو اطاعتوں کے ذریعے عذاب الہی سے آزاد کرنے کے معنی میں سمجھا ہے، لیکن ان آیات کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو اس کے بعد آئی ہیں، اور یتیم و مسکین کے بارے میں وصیت کر رہی ہیں، ظاہر اس سے مراد وہی غلاموں کو آزاد کرنا ہی ہے۔

۳۔ ”مسغبة“ ”سغب“ (بروزن غضب) کے مادہ سے بھوک کے معنی میں ہے، اس بنا پر ”یوم ذی مسغبة“ بھوک کے دن کے معنی میں ہے، اگرچہ بھوک کے افراد انسانی معاشرہ میں رہتے ہیں لیکن یہ تعبیر قسط رسانی اور خشک سالی اور اسی قسم کے دنوں میں کھانا کھلانے کی ایک تاکید ہے، جو اس موضوع کی اہمیت کی بنا پر ہے، ورنہ تو بھوکوں کو کھانا کھلانا ہمیشہ افضل اعمال سے رہا ہے اور ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من اشبع جائعاً فی یوم سغب ادخلہ اللہ یوم القیامۃ من باب من ابواب الجنۃ لا یدخلھا الا من فعل مثل ما فعل۔“

”جو شخص کسی بھوکے کو قحط کے دنوں میں پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا تو خدا اس کو قیامت میں جنت کے دروازوں میں سے اس دروازے سے داخل کرے گا جس سے کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے اس جیسا عمل انجام دیا ہوگا۔“

۴۔ ”مقربۃ“ قربت اور رشتہ داری کے معنی میں ہے اور یتیم رشتہ داروں کے بارے میں تاکید بھی ان کی اولویت کی بنا پر ہے، ورنہ تمام یتیموں کو کھانا کھلانا اور ان پر نوازش کرنا چاہیے۔ یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ رشتہ دار اپنے خاندان کے یتیموں کے بارے میں زیادہ سخت ذمہ داری رکھتے ہیں۔

اس سے قطع نظر وہ غلط فائدے، جو خاص طور پر اس زمانے میں رشتہ دار یتیموں کے اموال سے اٹھائے جاتے تھے، تقاضا کرتے ہیں کہ

اس دُشوار گزار گھاٹی کے بارے میں ایک خاص قسم کی تنبیہ کی جائے۔ ابو الفتح رازی کا نظریہ یہ ہے کہ ”مقربۃ“ ”قربت کے مادے سے نہیں ہے بلکہ قرب کے مادہ سے ہے اور ایسے قیام کی طرف اشارہ ہے جن کے پہلو بھوک کی شدت سے ایک دوسرے سے چپٹے ہوتے ہیں لیکن یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے۔ ۵۔ ”متربۃ“ مصدر میسی ہے ”ترب“ (بروزن طرب) کے مادہ سے جو اصل میں ”تراب“ یعنی ”خاک“ سے لیا گیا ہے اور اس شخص پر بولا جاتا ہے جو فقر و فاقہ کی شدت کی بنا پر خاک نشین ہو گیا ہو۔ پھر یہاں یہ تاکید اس قسم کے مساکین کے لیے ان کی اولیت کی بنا پر ہے ورنہ تمام مساکین کو کھانا کھلانا اعمالِ حسنہ میں سے ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے :

”امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام جب کھانا کھانا چاہتے تھے تو یہ حکم دیتے تھے کہ ایک بہت بڑی سینی دسترخوان کے پاس رکھ دی جائے، اور دسترخوان پر جتنے کھانے ہوتے تھے ان میں سے بہترین کھانا اٹھا کر اس سینی میں ڈال دیتے تھے، اور پھر یہ حکم دیتے تھے کہ وہ حاجت مندوں کو دے دیں۔ پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے : فلا اقتحم العقبة ... اس کے بعد مزید فرماتے : خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ سب لوگ غلاموں کو آزاد کرنے پر قادر نہیں ہیں لہذا اپنی بہشت کی طرف ایک اور راستہ بھی قرار دیا ہے۔“

بعد والی آیت میں، اس تفسیر کو جاری رکھتے ہوئے، جو اس دُشوار گزار گھاٹی کے لیے یہاں فرمائی ہے، مزید کہتا ہے: ”پھر وہ ایسے لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں، اور ایک دوسرے کو صبر و استقامت اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔“ (شوکان من الدین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة)

اس طرح سے وہ لوگ اس دُشوار گزار گھاٹی سے عبور کر لیں گے جو صاحبِ ایمان بھی ہوں اور صبر کی دعوت کرنے اور عوامِ انسانیت جیسے اعلیٰ اخلاق بھی رکھتے ہوں اور انہوں نے غلاموں کو آزاد کرنے اور یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے جیسے اعمالِ صالحہ بھی انجام دیتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں وہ تین میدانوں، ایمان، اخلاق اور عمل میں قدم رکھیں اور اس سے سربلند و سرفراز ہو کر نکلیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو اس قسم کی دُشوار گزار گھاٹی کو عبور کر لیں گے۔

”شو“ (بعد) کی تفسیر ہمیشہ ہی تاخیر زمانی کے معنی میں نہیں ہوتی کہ اس کلام کا لازمہ یہ ہو کہ پہلے کھانا کھلائیں اور انفاق کریں اور اس کے بعد ایمان لائیں، بلکہ اس قسم کے موارد میں۔ جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے۔ مقام کی برتری کے بیان کے لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح پر ایمان کا رتبہ، اور صبر و مرحمت کی وصیت کرنے کا رتبہ، حاجت مندوں کی مدد کرنے کے رتبہ سے بالاتر ہے۔ مکملہ اعمالِ صالحہ کا سرچشمہ ایمان اور اخلاق ہی ہیں، اور ان سب کی جڑ بنیاد اعتقادات اور اعلیٰ اخلاق میں ہی تلاش کرنا چاہیے۔

بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ ”شو“ یہاں تاخیر زمانی کے معنی میں ہے، کیونکہ بعض اوقات اعمالِ صالحہ ایمان کی طرف جھکاؤ کا سرچشمہ بن جاتے ہیں اور خاص طور پر اخلاق کی بنیادوں کو محکم کرنے میں موثر واقع ہوتے ہیں، کیونکہ انسان کا خلق و غیہ پہلے ”فعل“ کی صورت میں

ہوتا ہے، اس کے بعد "حالت" کی صورت میں اور پھر "عادت" بن جاتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک "ملکہ" کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ "تواصوا" کی تفسیر جس کا مفہوم ایک دوسرے کو وصیت اور سفارش کرنا ہے، ایک اہم نکتہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور وہ یہ ہے کہ پروردگار کی اطاعت کی راہ میں صبر و استقامت اور ہوائے نفس سے مبارزہ و مقابلہ جیسے اہم مسائل، اور اسی طرح اصل محبت و مرحمت کو تقویت دینا معاشرے میں انفرادی صورت میں نہیں ہونے چاہئیں، بلکہ اسے ایک عمومی صورت میں سارے معاشرے میں جاری ہونا چاہیے، اور سب افراد ہی ایک دوسرے کو اس "اصول" کی رعایت و حفاظت کرنے کی وصیت کریں تاکہ اس طریقہ سے اجتماعی تعلقات اور زیادہ محکم سے محکم ہوں۔

بعض نے کہا ہے کہ "حسب" یہاں فرمانِ خدا کی اطاعت میں استقامت اور اس کے اوامر میں اہتمام کرنے کے معنی میں ہے اور "مرحمت" مخلوق خدا کے لیے محبت کی طرف اشارہ ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ خالق و مخلوق سے ارتباط ہی دین کی اساس و بنیاد ہے۔ بہر حال صبر و استقامت ہی ہر قسم کی اطاعت و بندگی اور گناہ و عصیان کے ترک کرنے کی اصل و بنیاد ہے۔ اور ان اوصاف کے آخر میں ان اوصاف کے حاملین کے مقام کو اس طرح بیان فرماتا ہے: "وہ اصحاب یسین ہیں" (اولیٰہم اصحاب الیمینۃ)۔

اور ان کا نام نہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہونے کی نشانی اور علامت کے طور پر ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ "میمنہ" "یسین" کے مادہ سے ہے یعنی وہ صاحبانِ برکت ہیں اور ان کا وجود خود ان کے لیے بھی برکت اور معاشرے کے لیے بھی۔

اس کے بعد اس گروہ کے نقطہ مقابل یعنی ان لوگوں کا بیان کرتے ہوئے، جو اس دشوار گزار گھاٹی سے نہیں گزرے، فرماتا ہے: وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا، ایسے بد بخت اور شوم ہیں کہ ان کا نام نہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ (والذین کفروا بآیاتنا ہم اصحاب المشئمۃ)۔

اور یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ان کا ہاتھ حسنت اور نیکیوں سے خالی ہے اور ان کا نام نہ اعمال سیئات اور برائیوں سے سیاہ ہے۔ اور یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ان کا مادہ سے ہے، نقطہ مقابل ہے۔ یعنی یہ کافر گروہ شوم، بد بخت اور نامبارک افراد ہیں جو اپنی بد بختی کا سبب بھی ہیں اور معاشرے کی بد بختی کا بھی، لیکن چونکہ قیامت میں بد بخت و شوم ہونا اور مبارک ہونا اس چیز سے پہچانا جائے گا کہ ان کا نام نہ اعمال ان کے بائیں یا دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ لہذا بعض نے اس تفسیر کو اسی وجہ سے پسند کیا ہے، خصوصاً جب کہ شوم کا مادہ لغت میں بائیں طرف کے جھکاؤ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اس سورہ کی آخری آیت میں آخری گروہ کی سزا کی طرف ایک مختصر اور پر معنی اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ان کے اوپر آگ ہے، جو انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، جس سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے۔ (علیہم ناس مؤصدة)۔

"مؤصدة" "ایصاد" کے مادہ سے دروازہ کو بند کرنے اور اسے محکم کرنے کے معنی میں ہے۔ یہ بات کلمہ بغیر واضح ہے کہ انسان اس کمرے میں جس کی فضا گرم ہو یہ چاہتا ہے کہ اس کے دروازوں کو کھول دے، تاکہ تازہ ہوا آئے اور فضا کی گرمی کو معتدل کر دے۔

اب سوچنا چاہیے کہ دوزخ کی جلانے والی بھٹی میں، جب کہ تمام دروازے بند ہو جائیں، کیا حالت پیدا ہوگی؟
خداوند! ہمیں اس قسم کے جان گداز عذاب سے اپنے لطف و کرم کی پناہ میں محفوظ رکھنا۔
پروردگارا! ان گھاٹیوں سے گزرنا جو ہمارے سامنے ہیں، تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو اپنی توفیق کو ہم سے
نہ روکنا۔

بار الہا! ہمیں اصحاب میمنہ کی صف میں جگہ دینا اور نیک اور ابرار لوگوں کے ساتھ محشور فرمانا۔

آمین یا رب العالمین
سورہ "بلد" کا اختتام

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ الشَّمْسِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس کی ۱۵ آیات ہیں

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ الشَّمْسِ اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ جو حقیقت میں "تہذیبِ نفس" اور دلوں کو آلائشوں اور ناپاکیوں سے پاک کرنے والا سُورہ ہے، اسی معنی کے محور میں گھومتا ہے۔ البتہ اس سُورہ کے آغاز میں اس مطلب کو ثابت کرنے کے لیے کرفلاح و درست گاری تہذیبِ نفس کی مہمِ منتِ عالم خالقیت کے گیارہ اہم موضوعات اور خدا کی ذاتِ پاک کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور قرآن مجید کی بیشتر قسموں کو مجموعی طور پر اپنے اندر سمولیا ہے اور سُورہ کے آخر میں باغی اور سرکش قوموں میں سے ایک کا ذکر، جو تہذیبِ نفس کو ترک کرنے کی بنا پر ابدی اور دائمی شہادت و بدبختی میں ڈوب گئی تھی، اور خدا نے اُسے شدید عذاب میں گرفتار کیا تھا، یعنی قوم "نمود"۔ بطور نمونہ پیش کرتا ہے، اور ایک مختصر میں اسے رے کے ساتھ ان لوگوں کی سرفروشت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حقیقت میں یہ مختصر سا سورہ بشر کی زندگی کے سرفروشت ساز مسائل میں سے ایک اہم ترین مسئلہ کو موضوع بناتا ہے اور انسانوں کے لیے اسلام کے قابلِ قدر نظام کو شخص کرتا ہے۔

اس سُورہ کی فضیلت کے بارے میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے

"من قرأها فکانما تصدق بکل شیء طلعت علیہ الشمس والقمر"

"جو شخص اس سُورہ کو پڑھے گا تو گویا اس نے ان تمام چیزوں کی تعداد میں جن پر سورج اور

چاند طلوع کرتے ہیں صدقہ دیا ہے۔"

اور مسلمہ طور پر یہ عظیم فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس پھرٹے سے سورہ کے عظیم مطالب پر دل و جان سے عمل کرے

اور تہذیبِ نفس کو اپنا قلعی وظیفہ سمجھے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۝
- ۲۔ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا ۝
- ۳۔ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا ۝
- ۴۔ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ۝
- ۵۔ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ۝
- ۶۔ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ۝
- ۷۔ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝
- ۸۔ فَالْهَمَّهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝
- ۹۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَرَكَهَا ۝
- ۱۰۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
سُورج اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی قسم۔

در پر گردش کرنا
عالم خلقت

ت و ب و ج
اشارے

در انسانوں

ہے

ے اور

- ۲۔ اور چاند کی جب کہ وہ اس کے پیچھے آئے۔
- ۳۔ اور دن کی جب کہ وہ صفحہ زمین کو روشن کرے۔
- ۴۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ صفحہ زمین کو ڈھانپ لے۔
- ۵۔ اور قسم ہے آسمان کی اور جس نے اُسے بنایا۔
- ۶۔ اور قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے بچھایا۔
- ۷۔ اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور جس نے اسے درست کیا۔
- ۸۔ پھر اُسے فجر و تقویٰ (خیر و شر) کا الہام کیا۔
- ۹۔ کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ فلاح پاگیا (اور رست گار ہوا)۔
- ۱۰۔ اور جس نے اپنے نفس کو معصیت اور گناہ سے آلودہ کیا وہ ناامید اور محروم۔

تفسیر تہذیبِ نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں

وہ پہلے درپے اور اہم قسمیں جو اس سورہ کے آغاز میں آئی ہیں ایک حساب سے "گیارہ" قسمیں ہیں اور دوسرے حصہ میں سات "قسمیں ہیں، اور قرآن کی بیشتر قسموں کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے۔ یہ چیز اس بات کی لہجہ طرح سے نشان دہی کرتی ہے کہ یہاں کوئی بہت ہی اہم مطلب درپیش ہے، ایسا مطلب جو آسمانوں، زمین، سورج اور چاند کی عظمت کے برابر ہے اور ایک ایسا مطلب ہے جو سر نوشتِ ناز اور حیاتِ بخش ہے۔

پہلے ضروری ہے کہ ہم ان قسموں کی تشریح و تفسیر پیش کریں اور اس کے بعد اس نہایت اہم مطلب پر غور کریں جس کے لئے یہ سب قسمیں کھائی گئی ہیں۔

پہلے فرماتا ہے: "سورج اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی قسم" : (والشمس وضحاها)۔
جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں قرآن کی قسموں کے عام طور پر دو مقصد ہوتے ہیں، پہلا مقصد اس مطلب کی اہمیت جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے اور دوسرا ان امور کی اہمیت جن کی قسم کھائی گئی ہے کیونکہ قسم ہمیشہ اہم موضوعات کی کھائی جاتی ہے۔ کس بنا

یہ تفسیر انسان کو غور و فکر کی طرف مائل کر دیتی ہیں تاکہ وہ عالم خلقت کے اُن اہم موضوعات کے بارے میں غور و فکر کریں، اور ان سے خدا کی طرف راستہ نکالیں۔

”سُورج“ کا انسان اور تمام زندہ زمینی موجودات کی زندگی میں اہم ترین اور پائندہ ترین نقش و اثر ہے، کیونکہ اس بات کے علاوہ کہ وہ نور و روشنی اور حرارت کا منبع ہے، اور یہ دونوں انسانی زندگی کے اصلی عوامل ہیں سے شمار ہوتے ہیں۔ دوسرے حیاتی منالغ بھی اسی کے سبب سے وجود میں آتے ہیں۔ ہواؤں کا چلنا، بارش کا برسا، نباتات کی پرورش، دریاؤں اور آبشاروں کا چلنا، یہاں تک کہ قوت پیدا کرنے والے منالغ کا ظاہر ہونا، جیسا کہ تیل و پٹرول اور پتھر کا کوئلہ وغیرہ، اگر ہم صحیح طور پر غور کریں تو ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی صورت میں سُورج کی روشنی سے ارتباط رکھتا ہے اس طرح سے کہ اگر کسی دن یہ حیات بخش چراغ خاموش ہو جائے تو تاریکی و سکوت اور خاموشی و موت ہر جگہ کو گھیر لے۔

”ضلعی“ اصل میں سُورج کی روشنی کے پھیلنے کے معنی میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب سُورج اُفق سے اُپر آجائے اور اس کی روشنی ہر جگہ کو گھیر لے۔ اس کے بعد دن کے اس موقع پر بھی ”ضلعی“ کا اطلاق ہونے لگا۔ خصوصیت کے ساتھ ”ضلعی“ پر لکھیے اس کی اہمیت کی بنا پر ہے کیونکہ وہ زمین پر سُورج کی روشنی کے تسلط کا وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد تیسری قسم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”قسم ہے چاند کی جب کہ وہ سُورج کے پیچھے پیچھے آئے“ (والقمر اذا تلاھا)۔ یہ تعبیر جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے۔ حقیقت میں چاند کے بدرِ کامل ہونے یعنی چودھویں رات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ چودھویں رات کا چاند غروب آفتاب کے ساتھ ہی اُفق مشرق سے نمودار ہوتا ہے اور اپنے روشن چہرے کو ظاہر کرتے ہوئے اپنا تسلط آسمان پر جما لیتا ہے۔ اور چونکہ یہ اس وقت ہر زمانہ سے زیادہ عمدہ اور زیادہ پر شکوہ ہوتا ہے لہذا اس کی قسم کھائی ہے۔ مفسرین نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ اُپر والی تعبیر چاند کے دائمی طور پر سُورج کے تابع ہونے اور اس منبع نور سے روشنی حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے، لیکن اس صورت میں ”اذا تلاھا“ کا جملہ قید توضیحی ہوگا۔

بعض نے اس آیت کی تفسیر میں کچھ اور احتمال بھی دیے ہیں جو توجہ کے لائق نہیں ہیں، لہذا ان کو ذکر نہیں کیا گیا۔ چوتھی قسم میں مزید کہتا ہے: اور دن کی قسم ہے جب کہ وہ صفحہ زمین کو روشن کر دے۔ (والنہار اذا جلاھا)۔

”جلاھا“ تجلیۃ کے مادہ سے، اظہار و ابلاغ کے معنی میں ہے۔ بہت سے اسے زمین یا دنیا کی اس بارے میں کہ جلاھا کی ضمیر کس طرف لوٹتی ہے، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بہت سے اسے زمین یا دنیا کی طرف لوٹاتے ہیں۔ (جیسا کہ ہم نے اُپر بیان کیا ہے)۔ یہ ٹھیک ہے کہ گزشتہ آیات میں ”زمین“ کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں تھی، لیکن یہ بات قرینہ مقام سے واضح ہو جاتی ہے۔ بعض کا یہ بھی نظریہ ہے کہ یہ ضمیر ”سُورج“ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی قسم ہے دن کی جب کہ وہ سُورج کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

بہر حال اس اہم آسمانی مخلوق کی قسم اس کی نوع بشر اور تمام زندہ موجودات کی زندگی میں اس کی حد سے زیادہ تاثیر کی بنا پر ہے، کیونکہ دن حرکت، جنبش اور حیات کا مظہر ہے، اور زندگی کی تمام جدوجہد، کشش اور کشش عام طور پر دن کی روشنی میں ہی صورت پذیر ہوتی ہے۔ پانچویں قسم میں فرماتا ہے: ”رات کی قسم جب کہ وہ صفحہ زمین (یا سُورج) کو ڈھانپ دیتی ہے“ (واللیل اذا غشاھا)۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے حجاب
ہے کہ یہاں
ملب ہے

یہ سب

ہمیت جس
ہے۔ اسی بنا

رات اپنی تمام برکات و آثار کے ساتھ ایک طرف تو سورج کی دن کی حرارت میں اعتدال پیدا کرتی ہے اور دوسری طرف تمام زندہ موجودات کے آرام و سکون اور راحت پانے کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ اگر رات کی تاریکی نہ ہوتی، اور مسلسل سورج ہی چمکتا رہتا تو آرام و سکون کا وجود ہی نہ ہوتا، کیونکہ سورج کی جلانے والی حرارت ہر چیز کو نابود کر دیتی۔ یہاں تک کہ اگر شب و روز کا نظام موجود نہ ہوتا تو کائنات بھی اسی طرح ہوتی، جیسا کہ چاند میں جس کی راتیں گزرتی ہیں کے دو ہفتوں کے برابر ہوتی ہیں اور دن بھی دو ہفتوں کے برابر ہوتے ہیں۔ وہاں دو ہفتوں کی حرارت تقریباً تین سو درجہ سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتی ہے، جس میں کوئی بھی زندہ موجود جسے ہم پہچانتے ہیں باقی نہیں رہ سکتا۔ اور آدھی رات کے وقت اس کا درجہ حرارت صفر سے نیچے چلا جاتا ہے کہ اگر وہاں پر کوئی زندہ موجود ہو تو یقینی طور پر برف ہو کر نابود ہو جائے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں افعال ماضی کی صورت میں آئے تھے اور اس آیت میں مضارع کی صورت میں آئے ہیں تفسیر کا یہ فرق ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ شب و روز کے طور پر مثلاً حوادث کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے۔ وہ گزشتہ اور آئندہ سب کو شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے بعض فعلی ماضی کی صورت میں اور بعض مضارع کی صورت میں آئے ہیں، تاکہ ان حوادث کی عمومیت کو زمانہ کے ضمن میں واضح کریں۔

پچھٹی اور ساتویں قسم میں آسمان اور خالق آسمان کی طرف توجہ کرتا ہے اور مزید فرماتا ہے: "قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے آسمان کو بنایا" (والسما و ما بناھا)۔

ایسی خیرہ کرنے والی عظمت کے ساتھ آسمان کی اصل خلقت، عالم خلقت کے عظیم عجائبات میں سے ہے، اور ان تمام نامدار و اجرام سماوی اور ان پر حاکم نظام ایک تعجب خیز چیز ہے۔ اور ان سب سے زیادہ اہم اس آسمان کا خالق ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ لفظ "ما" عربی لغت میں عام طور پر "غیر ذمی العقول موجود" کے لیے آتا ہے۔ لہذا خداوند عالم حکم پر رس کا اطلاق کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اس لیے بعض علماء یہاں "ما" کو مصدریہ "مراد لینے پر مجبور ہوئے ہیں نہ کہ" موصولہ "اور میں آیت کا مفہوم اس طرح ہوگا: قسم ہے آسمان کی اور اس کی بنا کی۔

لیکن آیات "ونفس وما سواھا فالھما فجورھا وتقواھا" کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جن کی تفسیر عنقریب بیان کی جائے گی، اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ "ما" "موصولہ" ہو اور خدا کی ذات پاک کی طرف اشارہ ہو جو تمام آسمانوں کا خالق ہے، اور عربی زبان میں افراد ذمی العقول کے بارے میں بھی "ما" کا استعمال ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ سورہ نسا کی آیہ ۲ میں آتا ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء: جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرو۔

مفسرین کی ایک جماعت کا نظریہ، یہ ہے کہ "ما" (جس چیز) کی تفسیر یہاں اس بنا پر ہے کہ مبدأ جہان کو پہلے بہم فلوت میں (مادی برزخ صفر) لے آئے ہیں کہ "یغشاھا" کی تفسیر کس چیز کی طرف لوٹتی ہے؟ یہاں بھی دو نظریے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ یہ "زمین" کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ رات ایک پردہ کی مانند ہے جو صفحہ زمین پر گرتا ہے، اور دوسرا یہ ہے کہ یہ "سورج" کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ رات سورج کے پردہ کی مانند ہے جو سورج کے پھرے پر پڑتا ہے، البتہ اس صورت میں اس کا مفہوم مجازی ہوگا، کیونکہ رات حقیقت میں سورج پر پردہ نہیں ڈالتی۔ بلکہ سورج کے غروب ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ حقیقت میں اگر گزشتہ آیت میں ضمیر "ارض" کی طرف توجہ کیا جائے تو یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے اور اگر "شمس" کی طرف لوٹے تو پھر یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔

کر گیا ہو، تاکہ بعد میں غور و تحقیق اور مطالعہ کے ساتھ اس کے علم و حکمت سے آشنا ہوں، اور "جس چیز" اس ذات کے ساتھ تبدیل ہو جائے، لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

پھر آٹھویں اور نویں قسم میں "زمین" اور "زمین کے خالق" کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے، "قسم ہے زمین کی اور اس کی جس نے زمین کو بچھایا" (والارض وما طحاها)۔

زمین جو انسان اور تمام زندہ موجودات کی زندگی کا گوارہ ہے۔ زمین چارپائی تمام حیرت انگیز چیزوں: پہاڑوں، سمندروں، دروں، جنگلوں، چشموں، دریاؤں، معاون اور اس کے گراں بہا مناج کے ساتھ، کہ ان میں سے ہر ایک اکیلا بھی حق تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

اور اس سے برتر و بالاتر اس زمین کا خالق اور وہ ذات ہے کہ جس نے اُسے بچھایا ہے۔ "طحاها" "طحو" (بروزن سھو) کے مادہ سے بچھانے اور پھیلانے کے معنی میں بھی آیا ہے اور دھکیلنے، اور دُور کرنے اور ختم کرنے کے معنی میں بھی، اور یہاں بچھانے کے معنی میں ہے، کیونکہ اولاً زمین ابتدا میں پانی کے نیچے غرق تھی۔ بتدریج آہستہ آہستہ پانی زمین کے گڑھوں میں قرار پایا اور خشکیوں نے سر نکال لیا اور زمین پھیلتی چلی گئی اور اس کو "دحو الارض" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

ثانیاً زمین ابتدا میں پستیوں اور بلندوں اور ناقابل سکونت گڑھوں کی صورت میں تھی جس پر مسلسل موسلا دھار بارشیں برسیں جنہوں نے زمین کی بلندیوں کو وجود دیا اور گھاٹیوں میں پھیلا دیا۔ اور آہستہ آہستہ انسانی زندگی اور زراعت کے لیے قابل استفادہ ہوا زمینیں وجود میں آ گئیں۔ بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ اس تعبیر میں زمین کی حرکت کی طرف ایک اجمالی اشارہ موجود ہے، کیونکہ طحو کے معانی میں سے ایک معنی دھکیلنا بھی ہے، جو سورج کے گرد زمین کی انتقالی حرکت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، یا اس کی محوری حرکت، یا دونوں قسم کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔

اور آخر میں "دسویں" اور "گیارہویں" قسم کو پیش کرتے ہوئے جو اس سلسلہ کی آخری قسم ہے، فرماتا ہے: "قسم ہے انسان کے نفس کی، اور اس ذات کی، جس نے اُسے مرتب و منظم کیا ہے" (ونفس وما سواها)۔

دہی انسان جو عالم خلقت کا خلاصہ، جہان ملک و ملکوت کا بخور اور عالم آفرینش کا گل سرسبد ہے: یہ عجیب مخلوق جو عجائبات اور اسرار سے پُر ہے اس قدر اہم ہے کہ خدا نے خود اس کی اور اس کے خالق کی ایک ہی جگہ قسم کھائی ہے۔

اس بارے میں کہ یہاں "نفس" سے مراد انسان کی روح ہے یا جسم و روح دونوں؟ مفسرین نے کئی احتمال دیے ہیں۔ اگر مراد روح ہو تو پھر "سواها" سے مراد (جو تسویہ کے مادہ سے ہے) انسان کے روحی قوی اور استعدادوں کی، جو اس ظاہری سے لے کر ادراک، حافظہ، انتقال، تخیل، ابتکار، عشق، ارادہ، تقصیر اور اسی قسم کے قوامی جو "علم النفس" کے مباحث میں بیان ہوئے ہیں، تنظیم و تبدیل ہے۔

اور اگر روح و جسم دونوں مراد ہوں تو پھر بدن کے تمام حیرت انگیز نظاموں اور اس کے مختلف کارخانوں کو۔ جن کے بارے میں علم "تشبیح الاعضاء" اور "فریالوجی" (افعال الاعضاء) میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ شامل ہوگا۔

البتہ قرآن مجید میں نفس کا دونوں معانی پر اطلاق ہوا ہے:

روح کے بارے میں سورہ زمر کی آیہ ۴۲ میں آیا ہے: "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا: "خدا موت کے وقت درود اچھ کو لے لیتا ہے۔"

اور جسم کے بارے میں سورہ قصص کی آیہ ۳۳ میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں: "قال رب انی قتلْتُ نفساً فَاخافُ ان یقتلُون: موسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں نے ان (ظالم فرعونوں) میں سے ایک کو قتل کر دیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

لیکن یہاں مناسب یہ ہے کہ دونوں کو شامل ہو، کیونکہ خدا کی قدرت کی حیرت انگیزیاں جسم میں بھی موجود ہیں اور روح میں بھی۔ اور دن میں سے کسی ایک کے ساتھ اختصاص نہیں رکھتیں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہاں "نفس" نکرہ کی صورت میں بیان ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بات نفسِ انسانی کی اہمیت و عظمت کی طرف اشارہ ہو، ایسی عظمت جو تصور سے مافوق اور ابہام سے بلی ہوئی ہو، جو اس کے انجانے موجود کی صورت میں تعارف کراتی ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ کے ایک عظیم ترین عالم نے انسان کو اسی عنوان سے تعبیر کیا ہے، اور انسان کا موجودہ نا شناختہ "نام رکھا ہے۔ بعد والی آیت میں انسان کی خلقت سے مربوط ایک اہم ترین مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "انسان کے قوی اور جسم و روح کی تنظیم کرنے کے بعد اُسے "فجور" و "تقویٰ" کا الہام کیا" (فالہمھا فجورھا و تقواھا)۔

ہاں! جب اس کی خلقت کی تکمیل ہو گئی اور اس کی "ہستی" وجود میں آگئی تو خدا نے اُسے "بایدھا و نبایرھا" (جو کام کرنے چاہئیں اور جو کام نہیں کرنے چاہئیں) کی تعلیم دی۔ اور اس طرح سے وہ ایک ایسا وجود بن گیا۔ جو خلقت کے لحاظ سے سڑی ہوئی گیلی مٹی اور روحِ الہی کا مجموعہ ہے، تعلیمات کے لحاظ سے "فجور و تقویٰ سے آگاہ ہے" اور نتیجہ کے لحاظ سے وہ ایک ایسا وجود ہے جو قوسِ صعودی میں فرشتوں سے برتر ہو سکتا ہے، فرشتوں سے بھی آگے پرواز کر سکتا ہے، اور جو بات وہم میں بھی نہ آئے وہ بن سکتا ہے قوسِ نزولی میں درندہ جانوروں سے بھی پست تر ہو جائے اور بل ہوا حاصل کے مرحلہ تک جا پہنچے، اور یہ چیز اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ کون سی راہ اختیار کرتا ہے۔

"الہمھا" "الہام" کے مادہ سے اصل میں تو کسی چیز کے نکلنے یا پینے کے معنی میں ہے، اور اس کے بعد پروردگار کی طرف سے انسان کی روح میں کسی مطلب کے القا کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ گویا انسان کی روح اس مطلب کو اس کے سارے وجود کے ساتھ لپی لیتی ہے اور نگل جاتی ہے۔ اور کبھی وحی کے معنی میں بھی آیا ہے لیکن بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ "الہام" اور "وحی" میں فرق یہ ہے کہ وہ شخص جسے الہام ہوتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مطلب اُسے کہاں سے حاصل ہوا ہے، جب کہ وحی کے وقت وہ جانتا ہوتا ہے کہ یہ (میں) کہاں سے اور کس ذریعے سے پہنچتی ہے۔

"فجور" "فجر" کے مادہ سے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ وسیع شکاف کرنے کے معنی میں ہے اور چونکہ صبح کی سفیدی رات کے پردہ کو چاک کر دیتی ہے، لہذا اسے "فجر" کہا گیا ہے۔ اور چونکہ گناہوں کا ارتکاب بھی دیانت کے پردے کو چاک کر دیتا ہے لہذا اس پر "فجر" کا اطلاق ہوا ہے۔

البتہ زیر بحث آیت میں "فجر" سے مراد وہی اس کے اسباب، عوامل اور طریقے ہیں۔

اور "تقویٰ" سے مراد، جو "وقایہ" کے مادہ سے نگہداری کے معنی میں ہے، یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو قباحاتوں، برائیوں، آلودگیوں اور گناہوں سے محفوظ اور دور رکھے۔

یہ بات بھی یاد دلانا ضروری ہے کہ اس آیت (فَالْهَمُّهَا فُجُورُهَا وَتَقْوَاهَا) کے معنی یہ نہیں ہیں، کہ خدا نے فحور و تقویٰ کے عوامل انسان کی روح کے اندر ایجاد کر دیے ہیں، ایسے عوامل جو اُسے فحور و آلودگی اور حیا کے پردوں کو چاک کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ایسے عوامل جو اُسے خیرات اور نیکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے اور آیت کو انسان کے وجود میں تضاد کے موجود ہونے کی دلیل سمجھا ہے۔

بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ اس نے ان دو حقیقتوں کا اُسے الہام کیا اور تعلیم دی، یا زیادہ سادہ اور آسان زبان میں اُس کو راہ اور چارہ کی نشان دہی کر دی، جیسا کہ سورہ بلد کی آیہ ۱۰ میں آیا ہے: "وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ: "ہم نے انسان کو خیر و شر کی ہدایت کر دی ہے اور دوسرے لفظوں میں خدا نے اسے تشخیص کی ایسی قدرت اور بیدار عقل و وجدان عطا کیا ہے کہ وہ "فحور" و "تقویٰ" کو عقل و "فطرت" کے طریق سے معلوم کر لیتا ہے۔

اسی لیے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت حقیقت میں "حسن و قبح عقلی" کے مسئلہ کی طرف ایک اشارہ ہے۔ کہ خدا نے ادراک کی توانائی انسانوں کی عطا کی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خدا نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں، لیکن ان تمام نعمتوں میں سے یہاں مسئلہ فحور و تقویٰ اور حسن و قبح کے ادراک پر تکیہ کیا ہے کیونکہ یہ مسئلہ انسان کی زندگی کے مسائل میں سے زیادہ قسمت کو بنانے یا بگاڑنے والا مسئلہ ہے۔ انجیل پر کار ان تمام اہم اور پے در پے قسموں کے بعد ان کے نتیجہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ان چیزوں کی قسم ہے کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ نجات پائے گا" (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا)۔

"زکّھا" "تزکیۃ" کے مادہ سے اصل میں، جیسا کہ راغب نے مفردات میں بیان کیا ہے، رشد و نمو کے معنی میں ہے اور زکات بھی اصل میں نشو و نما اور رشد کے معنی میں ہے۔ اسی لیے ایک روایت میں حضرت علی علیہ السلام سے آیا ہے:

"الْمَالُ تَنْفَقُهُ النِّفْقَةُ وَالْعِلْمُ بَزْكَوَالِی الْاِنْفَاقِ"

"مال تو خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے لیکن علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور نشو و نما پاتا ہے"

اس کے بعد یہ لفظ طہارت اور پاک کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے، شاید اس مناسبت سے کہ آلودگیوں سے پاک کرنا رشد و نمو کا سبب ہوتا ہے، اور زیر بحث آیت میں دونوں معانی کا اسکان ہے۔

ہاں! رست گاری اور نجات اس شخص کے لیے ہے جو اپنے نفس کی تربیت اور نشو و نما کرے اور اسے شیطانی اخلاق و عادات، گناہ و عصیان اور کفر سے پاک رکھے۔

حقیقت میں انسان کی زندگی کا اصلی مسئلہ بھی یہی "تزکیہ" ہی ہے کہ اگر یہ ہو تو وہ سعادت مند ہے ورنہ بد بخت و بے لواء ہے اس کے بعد گروہ مخالف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: "نَاْمِیْدُ وَبِدَبْحَتِہٖ" وہ شخص جس نے اپنے نفس کو معصیت و گناہ سے

آلودہ کیا۔ (وقد خاب من دساها)۔

”خاب“ ”خبیثہ“ کے مادہ ہے، مطلوب تک نہ پہنچنے، محروم ہونے، اور نقصان اٹھانے کے معنی میں ہے۔
 ”دساھا“ ”دس“ کے مادہ سے، اصل میں کسی چیز کو کراہت و ناپسندیدگی کے ساتھ داخل کرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ
 قرآن مجید عرب جاہلوں کے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے بارے میں فرماتا ہے: ”ام یدسہ فی التراب“: ”اسے کراہت و نرسر
 سے مٹی میں پنہاں کر دیتا ہے“ (نخل - ۵۹) اور ”دسہستہ“ نقصان دہ معنی کاموں کے لیے بولا جاتا ہے۔

زیر بحث آیت کے ساتھ اس معنی کی مناسبت کے بارے میں مفسرین نے مختلف بیان دیے ہیں۔
 کبھی تو یہ کہا گیا کہ یہ تعبیر گناہ اور فسق سے کنایہ ہے، کیونکہ اہل تقویٰ و صلاح خود کو آشکار کرتے ہیں، جب کہ آلودہ اور گنہگار لوگ خود
 کو چھپاتے ہیں، جیسا کہ نقل ہوا ہے کہ عربوں میں جو لوگ زیادہ سخی ہوتے تھے وہ اپنے خیمے اونچی جگہ پر نصب کرتے تھے اور رات کو آگ
 جلا دیا کرتے تھے تاکہ حاجت مند دن رات میں جب چاہیں ان کے پاس آسکیں اور ان سے مالوس ہو سکیں، لیکن بخیل اور بخوس لوگ
 نشیبی زمینوں میں خیمے لگاتے تھے تاکہ کوئی شخص ان کے پاس نہ آ سکے۔

اور کبھی یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گنہگار خود کو صالح لوگوں میں پنہاں کر لیتے ہیں۔

یا اپنے نفس یا اپنی ہیئت انسانی کو معاصی و گناہ میں چھپا لیتے ہیں۔

یا معاصی و گناہ کو اپنے نفس کے اندر چھپا لیتے ہیں۔

بہر حال یہ گناہ و معصیت اور شیطانی عادات سے آلودگی سے ایک کنایہ ہے، اور یہ ٹھیک ترکیب کا نقطہ مقابل ہے۔

اس آیت کے وسیع مفہوم میں ان تمام معانی کو جمع کرنے میں بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

اس طرح سے دنیاوی زندگی کے میدان میں کامیاب ہونے والے اور شکست کھانے والے مشفق ہو جاتے ہیں اور ان دونوں
 گروہوں کی قدر و قیمت کا معیار ”تزکیہ نفس اور روح تقویٰ و اطاعت خداوندی نمودار شد“ یا ”انواع و اقسام کے معاصی اور گناہوں سے آلودہ
 کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔“

اور اس سے وہ بات واضح ہو جاتی ہے جو امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں نقل ہوئی ہے
 کہ آپ نے فرمایا:

”قد افلح من اطاع و خاب من عصی“

”جس نے اطاعت کی وہ نجات پراگیا اور جس نے نافرمانی کی وہ ناامید اور محروم ہو گیا۔“

یہ حقیقت میں نتیجہ کا بیان اور مقصود کا حاصل ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت آیہ ”قد افلح من زکاھا“ کی تلاوت کی تو

توقف فرمایا اور اس طرح دعا کی:

”مفوات“ راغب د ”قاموس اللغہ“

”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۴۹۸

”اللہم ارحم انفسی تقواھا، انت ولیہا ومولاھا۔ وزکھا انت خیر من زکھاھا“

”خداوند! میرے نفس کو اس کا اتنی عطا فرما، تو اس کا ولی و مولا ہے، اور اس کا تزکیہ فرما کیونکہ تو بہترین تزکیہ کرنے والا ہے۔“

یہ گفتگو اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس پر بیچ و خم راہ کو عبور کرنا اور اس دشوار گزار گھاٹی سے گزرنا پیغمبر کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی توفیق الہی کے بغیر ممکن نہیں ہے، یعنی بندوں کی طرف سے قدم اٹھا۔ نہ اور خدا کی طرف سے تائیدات کے ذریعے تلقین ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو آیات کی تفسیر میں فرمایا:

”افلحت نفس زکھاھا اللہ، وخابت نفس خبیھا اللہ من کل خیر!“
”جس نفس کا خدا نے تزکیہ کیا وہ نجات پا گیا، اور جس نفس کو خدا نے خیر سے محروم کر دیا وہ ناسید و خورم ہو گیا۔“

چند نکات

۱۔ قرآنی قسموں کا ان کے نتائج کے ساتھ رابطہ

ان گیارہ انتہائی اہم قسموں کا، اس حقیقت کے ساتھ جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے، کیا رابطہ ہے؟ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس حقیقت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ میں نے تم انسانوں کی سعادت و خوش بختی کے لیے تمام مادی و معنوی وسائل فراہم کیے ہیں۔ ایک طرف ترسورج اور چاند کے نور اور روشنی سے تمہاری زندگی کے میدان کو روشن کر دیا ہے اور تمہارے رات دن کے حرکت سکون کے نظام کو منظم کر کے زمین کو تمہاری زندگی کے لیے بہریت سے آمادہ کیا ہے۔ دوسری طرف تمہاری روح کو تمام صلاحیتوں کے ساتھ خلق کیا ہے۔ بیاد و جان تمہیں عطا کیا ہے، اور اشیاء کے حسن و قبح کا تمہیں الہام کیا ہے۔ اس بنا پر سعادت کی راہ کو سطے کرنے کے لیے تمہارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اس حال میں تم اپنے نفس کا تزکیہ کیوں نہیں کرتے؟ اور شیطان کے، کائنات میں کیوں تسکے ہو؟

۲۔ سورج کا عالم حیات میں نقش و اثر

سورج کے بارے میں جو نظام شمسی کا مرکز ہے اور اس کے کوکب کا مرکز ہے، دو مباحث ہیں، ایک تو اس کے عظیم

ہونے کی بحث جس کے بارے میں ہم پہلے بحث کر چکے ہیں، اور دوسری بحث اس کی برکتوں اور آثار کے بارے میں ہے، جس کیلئے خلاصہ کے طور پر اس طرح کہا جاسکتا ہے۔

- ۱۔ انسان اور دوسرے تمام زندہ موجودات کی زندگی کے لیے پہلے مرحلہ میں حرارت اور روشنی کی ضرورت ہے، زندگی کے یہ دونوں امور اس آتشیں کڑے کے ذریعے کامل طور پر اعتدال کے ساتھ مہیا ہوئے ہیں۔
 - ۲۔ تمام غذائی اشیاء سورج کی روشنی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ موجودات جو سمندروں کی گہرائیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں ایسی نباتات سے استفادہ کرتے ہیں جو سمندروں کی سطح پر نور آفتاب کے سایہ میں اور پانی کی موجوں کے درمیان پرورش پاتے ہیں اور نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ یا اگر زندہ موجودات ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں تو پھر بھی ان میں سے ایک گروہ کی غذائیات ہی ہے، جو سورج کی روشنی کے بغیر پرورش نہیں پاتی۔
 - ۳۔ وہ تمام رنگ، زیبائیاں اور جلوے، جنہیں ہم عالم طبیعات میں دیکھتے ہیں، ایک طرح سے سورج کی چمک کے ساتھ ارتباط رکھتے ہیں اور یہ معنی مختلف علوم کے ذریعے خصوصاً فزکس میں ثابت ہو چکے ہیں۔
 - ۴۔ حیات بخش بارشیں بادلوں سے برسی ہیں اور بادل وہی بخارات ہیں جو سمندروں کی سطح پر سورج کے چمکنے سے وجود میں آتے ہیں اس بنا پر پانی کے تمام منابع جو بارش سے غذا حاصل کرتے ہیں، چاہے وہ دریا ہوں یا چشمے، نہریں ہوں یا کھال، یا گہرے کنوئیں سب سورج کی روشنی کی برکات سے ہیں۔
 - ۵۔ وہ ہوائیں جن کا کام فضا کو معتدل کرنا، بادلوں کو مختلف جگہوں تک پہنچانا، نباتات کی تلقیح اور پیوند لگانا، اور گرمی اور سردی کو گرم علاقوں سے سرد علاقوں کی طرف، اور سرد علاقوں سے گرم علاقوں کی طرف منتقل کرنا ہے۔ آفتاب کے نور اور روشنی کے ذریعہ زمین کے مختلف منطقوں کے درجہ حرارت کے بدلنے سے وجود میں آتی ہیں۔ اور اس طرح سے وہ بھی سورج کے سرکاریہ حاصل کرتی ہیں۔
 - ۶۔ انرجی پیدا کرنے والے مادے اور منابع، چاہے وہ آبشاریں ہوں، یا فہ بڑے بڑے بند ہوں، جنہیں کوہستانی علاقوں میں بنایا جاتا ہے، پیڑوں اور تیل کے منابع، اور پتھر کے کونکے کی کانیں، یہ سب کے سب ایک طرح سے سورج کے ساتھ پیوند رکھتے ہیں، کہ اگر وہ نہ ہوتا تو ان منابع میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتا اور صفحہ زمین میں تمام حرکتیں سکون میں بدل جاتیں۔
 - ۷۔ نظام شمسی کی بقا، جاذبہ و دافعہ کے اعتدال کی بنا پر ہے، جو ایک طرف تو کڑے آفتاب کے درمیان اور دوسری طرف ان سیاروں کے درمیان، جو اس کے گرد گردش کرتے ہیں، وجود رکھتا ہے۔ اس طرح سے سورج ان سیاروں کے اپنے مداروں میں محفوظ رہنے میں بہت ہی مؤثر نقش و اثر رکھتا ہے۔
- اس ساری گفتگو سے معلوم ہو جاتا ہے، کہ اگر خدا نے پہلی قسم کی ابتدا سورج سے کی ہے، تو اس کی کیا وجہ تھی؟
- اسی طرح سے چاند اور دن کی روشنی، اور رات کی تاریکی کڑے زمین میں سے ہر ایک انسان اور غیر انسان کی زندگی میں ایک اہم نقش و اثر رکھتے ہیں اسی بنا پر ان کی قسم کھائی گئی ہے اور ان سب سے بڑھ کر انسان کی روح اور اس کا جسم ہے، جو ان سب سے زیادہ اسرار آمیز اور حیرت انگیز ہے تہذیب نفس کے بارے میں ہم اس سورہ کے آخر میں ایک بحث کریں گے۔

- ۱۱۔ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوِيهَا ۖ
۱۲۔ اِذَا نُبِعَثَ اَشْقٰىهَا ۖ
۱۳۔ فَقَالَ لَهُمُ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةُ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۖ
۱۴۔ فَكَذَّبُوْهُ فَفَقَرُوْهَا ۖ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمُ رَبُّهُمْ
بِذُنُوبِهِمْ فَسَوَّٰهَا ۖ
۱۵۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۖ

ترجمہ

- ۱۱۔ قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی۔
۱۲۔ جب کہ ان کا ایک شقی ترین آدمی اُٹھ کھڑا ہوا۔
۱۳۔ اور خدا کے بھیجے ہوئے رسول (صالح) نے ان سے کہا : اللہ کے ناقے کو اس کے پانی پینے کے لیے چھوڑ دو (اور اس کی مزاحمت نہ کرو)۔
۱۴۔ لیکن انہوں نے اس کی تکذیب کی ، اور ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں ، اور اُسے ہلاک کر دیا ،
لہذا ان کے خدا نے انہیں اس گناہ کی بنا پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے تباہ کر دیا ،
اور ان کی زمین کو ہموار کر دیا۔
۱۵۔ اور وہ ہرگز اس کام کے انجام دینے سے نہیں ڈرتا۔

تفسیر

سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام

اس تنبیہ کے بعد، جو گزشتہ آیات میں ان لوگوں کے انجام کے بارے میں آئی تھی، جو اپنے نفس کو آلودہ کرتے ہیں ان آیات میں نمونہ کے طور پر اس مطلب کی ایک واضح تاریخی مثال کو پیش کیا ہے اور سرکش قوم (نمود) کی سرکشت کو ذبح اور پُر معنی عبادتوں کے ساتھ میان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”قوم نمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی۔“ (کذبت نمود بطغواھا) ”طفوی“ اور ”طفیان“ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، اور وہ حد اور سرحد سے تجاوز کرنا ہے اور یہاں حدودِ الہی سے تجاوز کرنا اور اس کے فراہم کردہ مقابلہ میں سرکشی کرنا مراد ہے۔

قوم نمود، جن کے پیغمبر کا نام ”صالح“ تھا، قدیم ترین اقوام میں سے ہے، جو ”حجاز“ اور ”شام“ کے درمیان ایک کوہستانی علاقے میں رہتی تھی۔ ان کی زندگی مرفہ الحال تھی، زمینیں آباد، ہموار میدان اور زراعت کے لیے عمدہ مٹی، شان و شوکت والے محلات اور مضبوط و مستحکم گھر رکھتے تھے۔ لیکن نہ صرف یہ کہ ان سب نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تھے، بلکہ سرکشی کرتے ہوئے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کے لئے کمرے ہو گئے، آیاتِ الہی کا مذاق اڑایا اور آخر کار خدا نے انہیں ایک آسمانی بجلی کے ذریعے نابود کر دیا۔ اس کے بعد اس قوم کی ایک ظاہری سرکشی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: جب کہ ان کا ایک شقی ترین آدمی اکھوٹھڑا ہوا (اذا نبتت اشقاھا)۔

”اشقی“ اس قوم کے شقی ترین اور سنگ دل ترین آدمی کے معنی میں ہے۔ جو اس شخص کی طرف اشارہ ہے جس نے ناقص صالحؑ کو ہلاک کیا تھا، وہی اونٹنی (ناقصہ) جو ایک معجزہ کے طور پر اس قوم کے درمیان ظاہر ہوئی تھی اور اس کو ہلاک کرنا اس پیغمبرِ الہی کے ساتھ اعلانِ جنگ تھا۔

مفسرین اور مورخین کے قول کے مطابق اس شخص کا نام ”قدار بن سالت“ تھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبرِ اکرمؐ نے علیؑ سے فرمایا: ”من اشقی الاولین؟“

”پہلی قوموں میں سب سے زیادہ شقی اور سنگ دل کون تھا؟“

علی علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا:

”عاقراً ناقۃ“

”وہ شخص جس نے ناقہ نمود کی کوئچیں کاٹ کر ہلاک کر دیا تھا؟“

پیغمبرؐ نے فرمایا:

بعض علما، لغت کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ”طفیان“ ناقص وادی کی صورت میں بھی آیا ہے اور ناقص پانی کی صورت میں بھی، طفوی^۸

ناقص وادی کے مادہ سے لیا گیا ہے، اور ”طفیان“ ناقص پانی سے (غور کیجئے)

” صدقت ، فمن اشقی الاخرین ؟ “

” تم نے سچ کہا ۔ آخری اقوام کا شقی ترین آدمی کون ہے ؟
 علی علیہ السلام کہتے ہیں : میں نے کہا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے معلوم نہیں ہے ، تو پیغمبر نے فرمایا :
 ” الذی یضربک علی ہذہ ، و اشار الی یا فوخہ “

” جو شخص تیرے سر کے اس مقام پر تلوار کی ضرب لگائے گا ، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 آپ کی پیشانی کے اوپر والے حصہ کی طرف اشارہ کیا ۔ ”

بعد والی آیت میں قوم ثمود کی سرکشی کے بارے میں مزید تشریح پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے : ” اللہ کے رسول (حضرت صالح)
 نے ان سے کہا : خدا کے نافرمان اس کا پانی پینے کے لیے آزاد چھوڑ دو اور اس کی مزاحمت نہ کرو ۔ (فقال لہ رسول اللہ ناقة اللہ
 وسقیاھا) ”

یہاں ” رسول اللہ “ سے مراد قوم ثمود کے پیغمبر حضرت صالح ہیں ، اور ناقة اللہ (وہ اونٹنی جو خدا کی طرف منسوب ہے)
 کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اونٹنی کوئی معمولی اونٹنی نہیں تھی بلکہ صالح علیہ السلام کے دعویٰ کی صداقت کی ایک گویا و ناطق
 سند اور معجزہ کے عنوان سے بھیجی گئی تھی ۔ مشہور روایت کے مطابق اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مذکورہ اونٹنی پہاڑ کے ایک پتھر کے اندر سے
 نکلی تھی تاکہ وہ ہٹ دھرم منکرین کے لیے ایک گویا و ناطق معجزہ ہو ۔

قرآن مجید کی دوسری آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ خبر دی تھی کہ بستی کے پینے کا پانی
 ان کے اور نافرمان کے درمیان تقسیم ہو ۔ ایک دن تو نافرمان کے لیے ہوگا اور ایک دن بستی والوں کے لیے ہوگا ، اور ان میں سے ہر ایک اپنی
 باری پر پانی سے فائدہ اٹھائے گا ۔ اور ایک دوسرے کے لیے مزاحم نہیں ہوگا :

” وَنَبِّئْھُمْ اَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَیْنَھُمْ کُلٌّ شَرْبٌ مَّحْتَضٍ “ (قر - ۲۸)

اور انہیں خصوصیت کے ساتھ بتلادیا گیا : اگر تم نے اس نافرمان کو ہاتھ لگایا تو عذاب الہی تمہارے دامن گیر ہو جائے گا :

وَلَا تَمْسُوْھَا بِسُوْءٍ فَاِخْذْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ “ (شعرا - ۱۵۶)

اور بعد والی آیت میں فرماتا ہے : اس سرکش قوم نے اس عظیم پیغمبر کے کلمات اور اس کی تنبیہات کی کوئی پرواہ نہ کی ، اس کی تکذیب

کی اور نافرمان کو ہلاک کر دیا ” (فَکَذَّبُوْہُ فَعَقَّوْہَا) ۔

” عقروھا “ ” عقمر “ کے مادہ سے (جو ظلم کے وزن پر ہے) کسی چیز کی اصل اور جڑ بنیاد کے معنی میں ہے ، اور عقمر نافرمان کا
 مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۹۹۹ ، یہی معنی کچھ مختصر صورت میں تفسیر قرطبی میں بھی آیا ہے ، جلد ۶ ص ۷۶۸

” یا فوخ “ سر کے اس اگلے حصہ کو کہا جاتا ہے ، جو بچوں میں بالکل نرم ہوتا ہے ، اور آہستہ آہستہ ٹھکی کی صورت اختیار کرتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے ،
 اور وہ سر کا حساس ترین مقام ہے ۔

” ناقة اللہ “ منسوب ہے ، ایک فعل محذوف سے اور تقدیر میں اس طرح ہے ، ذروا ناقة اللہ وسقیاھا ، اس کے مشابہ کہ جو سورہ
 اعراف کی آیہ ۷۳ اور سورہ صافات کی آیہ ۶۴ میں آیا ہے ۔

معنی اس کی جڑ کاٹنے اور ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد اس کی کوئی چیز یعنی اس جانور کے پاؤں کے نچلے حصہ کو کاٹنا اور اسے زمین پر پھینکا ہے کہ اس کا نتیجہ بھی اس حیدوان کی موت ہی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جس شخص نے ناقہ کو ہلاک کیا تھا وہ صرف ایک ہی تھا جسے قرآن نے "اشقی" سے تعبیر کیا ہے لیکن اوپر والی آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عمل کی قوم ثمود کے تمام سرکشوں اور غفیان گروں کی طرف نسبت دی گئی ہے اور "عقروہا" جمع کیے صیغہ کی صورت میں آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس طرح سے اس کام میں حصہ دار تھے، کیونکہ اولاد اس قسم کی سازشیں عموماً گروہ اور جمعیت کے توسط سے پیش ہوتی ہیں۔ اس کے بعد معین آدمی یا چند افراد کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ ثانیاً چونکہ دوسروں کی رضا اور خوشنودی سے انجام پاتی ہیں تو وہ ان کی اس کام میں شرکت کا سبب بن جاتا ہے، یعنی رضامندی نتیجہ میں شرکت کا سبب بنتی ہے۔

اسی لیے امیر المومنین علی علیہ السلام کے فصیح و بلیغ کلام میں آیا ہے :
 "انما عقرو ناقۃ ثمود رجل واحد فعمھو اللہ بالعذاب، لہما عمھو بالرضی، فقال سبحانه :"

فَعَقَرُوهَا فَاصْبَحُوا نَادِمِينَ :

"ناقہ ثمود کو صرف ایک ہی شخص نے ہلاک کیا تھا، لیکن خدا نے عذاب میں سب کو شامل کیا ہے کیونکہ وہ سب اس امر پر راضی تھے، اسی لیے فرماتا ہے :

"ان (سب نے) ناقہ کو ہلاک کیا، اور اس کے بعد وہ سب سے سب اپنے کیے پر نادم ہوئے۔" (لیکن اس وقت جب پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں تھا)۔

اس تکذیب اور شدید مخالفت کے بعد خدا نے انہیں ایسی سزا دی کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، جیسا کہ اسی آیت کو جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے : "ان کے پروردگار نے ان کے اس گناہ کی بنا پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے سب کو نابود کر دیا اور ان کی سرزمین کو صاف اور ہموار بنا دیا۔" (فدمدم علیھم بھو یذنبھم فستواھا)۔

صاف یعنی اسی عظیم آسمانی پیچھے چاند ہی لمحہ کے اندر اندر ان کی سرزمین کو ہلاک کر رکھ دیا اور ایسا زلزلہ پیدا کیا کہ ان کے سارے سارے مکانات زمین بوس ہو گئے، اور ان کے گھروں کو ان کی قبروں میں بدل کر رکھ دیا۔

"دمدم" "دمدمۃ" کے مادہ سے، کبھی تو ہلاک کرنے کے معنی میں آیا ہے، اور کبھی عذاب اور مکمل سزا کے معنی میں بعض اوقات کوٹنے اور نرم کرنے کے معنی میں آیا ہے، اور کبھی جڑ سے اکھاڑنے کے معنی میں، اور کبھی غضب ناک ہونے کے معنی میں یا احاطہ کرنے اور گھیر لینے کے معنی میں، اور زیر بحث آیت میں یہ سب معانی صادق آتے ہیں کیونکہ اس وسیع عذاب کا مرکز حصہ

۱۔ نوح البلاغہ خطبہ ۲۰۱۔

۲۔ مفردات راغب، لسان العرب، مجمع البیان اور تفسیر کی دوسری کتابیں۔

غضب الہی ہے، اور ان سب کی اس نے سرکوبی کی، انہیں کمزور کیا اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔
 ”سَوَّاهَا“ ”تسویہ“ کے مادہ سے، ممکن ہے کہ صحیحہ عظیم اور صاعقہ و زلزلہ کی وجہ سے ان کے گھروں کا صفایا کرنے اور ان کی زمینوں کو صاف کرنے کے معنی میں ہو، یا اس گروہ کو ایک طرف ٹھکانے لگانے کے معنی میں ہو، یا ان سب کی سزا و عذاب میں سادہ کے لیے ہو اس طرح سے کہ ان میں سے کوئی بھی اس ماجرے سے صحیح و سالم نہ بچا۔

ان معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔
 ”سَوَّاهَا“ میں ضمیر ”قبیلہ“ ثمود کی طرف لوٹتی ہے، یا ان کے شہروں اور آبادیوں کی طرف، جنہیں خدا نے مٹی میں ملا کر یکساں کر دیا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ”دمدم“ کی طرف لوٹتی ہے جو بعد والے جملہ سے معلوم ہوتی ہے، یعنی خدا نے اس خشم و غضب و ہلاکت کو ان کے درمیان یکساں قرار دیا، اس طرح سے کہ تمام کو اس نے گھیر لیا۔

لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔
 ضمنی طور پر اس آیت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سزا اور عذاب ان کے گناہ کا نتیجہ، اور اس کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا اور یہ عین عدالت و حکمت ہے۔

بہت سی اقوام کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں کہ وہ آثارِ عذاب کے ظہور کے وقت پشیمان ہو گئیں، اور توبہ کی راہ اختیار کر لی، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس وقت صالح علیہ السلام کی قوم نے عذاب کی نشانیاں دیکھیں تو وہ صالح علیہ السلام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے کہ جہاں کہیں بھی وہ مل جائیں انہیں ہلاک کر دیں۔ اور یہ خدا و پیغمبر کے مقابلہ میں ان کے عصیان و سرکشی کے شدید ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن خدا نے صالح علیہ السلام کو نجات دی اور اس قوم کو ہلاک کر دیا، اور ان کی زندگی کے دفتر کو کلی طور پر لپیٹ دیا۔

انجام کار آخری آیت میں ان تمام لوگوں کو جو اسی راستہ پر چلتے ہیں، سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اور خدا کو اس کام کے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے“ (ولا يخاف عقباها)۔

بہت سے ایسے حاکم ہیں جو سزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں، لیکن وہ ہمیشہ اس کے نتیجہ اور انجام سے ڈرتے رہتے ہیں، ان کے رد عمل اور عکس العمل سے خوف زدہ رہتے ہیں اور اسی بنا پر اپنی قدرت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اور زیادہ صحیح تعبیر میں ان کی قدرت ضعف و ناتوانی کے ساتھ اور ان کا علم ہمالت کے ساتھ ہوا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان میں اس کے بُرے نتائج کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو۔

لیکن خداوند قادر و متعال جس کا علم ان تمام امور اور ان کے عواقب و آثار پر احاطہ رکھتا ہے، اور اس کی قدرت میں حوادث کے بُرے نتائج کے مقابلہ میں کسی قسم کے ضعف و ناتوانی کی آمیزش نہیں ہوتی۔ اور اسی بنا پر انتہائی قدرت اور قاطعیت کے ساتھ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اُسے انجام دے دیتا ہے۔
 سرکشوں کو بھی اپنے کیسے کی سزا جھگتنی پڑے گی، لہذا انہیں اپنے اعمال کی وجہ سے خدا کے خشم و غضب کا مشمول ہونے سے

خود کو بچانا چاہیے۔

”عقبی“ اختتام، انتہا اور انجام کار کے معنی میں ہے اور ”عقبابھا“ کی ضمیر ”دمدمہ“ اور ہلاکت کی طرف لوٹتی ہے۔

چند نکات

۱۔ قوم ثمود کی سرگزشت کا خلاصہ

قوم ”ثمود“ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، مدینہ اور شام کی درمیانی سرزمین میں (جس کا نام وادی القرطی ہے) زندگی بسر کرتی تھی۔ ان کا دین و مذہب بت پرستی تھا۔ اور وہ انواع و اقسام کے گناہوں میں ملوث تھے۔ خدا کے عظیم پیغمبر صالحؑ پر ان میں سب سے زیادہ اور ان کی ہدایت اور نجات کے لیے کمر ہمت باندھی، لیکن نہ تو یہ لوگ بت پرستی سے دست بردار ہوئے اور نہ ہی انہوں نے سرکشی اور گناہ کے بارے میں اپنا نظریہ بدلا۔

جب انہوں نے معجزہ کا تقاضا کیا تو خدا نے ایک ناقہ (اونٹنی) اعجاز آمیز اور خارق العادہ طریقے سے پہاڑ کے اندر سے نکالی۔ لیکن اس بنا پر کہ اس بارے میں ان کی آزمائش رہے یہ حکم دیا کہ اس بستی کا ایک دن کا سارا پانی اس اونٹنی کے لیے رہے گا اور دوسرے دن کا پانی وہ خود استعمال کریں گے، یہاں تک کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس دن وہ پانی سے محروم ہوتے تھے تو اس اونٹنی کے دودھ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن عظیم معجزہ بھی ان کی ہٹ دھرمی اور فتنہ و فجور میں کمی نہ کر سکا۔ لہذا انہوں نے ناقہ کو نالود کرنے کا منصوبہ بنایا اور حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا بھی، کیونکہ وہ انہیں اپنی خواہشات اور ہوا و ہوس میں مزامم سمجھتے تھے۔

ناقہ کی نالودی کا منصوبہ ایک بہت ہی بے رحم اور شقی آدمی ”قدار بن سالف“ کے ذریعے عمل میں آیا اور اس نے کئی ضربوں کے ساتھ ناقہ کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔

یہ بات حقیقت میں خدا کے ساتھ اعلان جنگ تھی، کیونکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ناقہ کو ختم کر دینے سے، جو صالحؑ کا معجزہ تھی، اور ہدایت کو خاموش کر دیں گے۔ اس موقع پر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ تین دن تک اپنے گود میں جس نعمت سے لذت حاصل کرنا چاہیں کر لیں، لیکن وہ اچھی طرح جان لیں کہ تین دن کے بعد عذاب الہی سب کو گھیر لے گا (مود۹)۔ یہ تین دن آخری غور و فکر کے لیے ایک نفلت تھی، اور توبہ و بازگشت کے لیے ایک آخری فرصت۔ لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ تمہید و فکر نہیں کی، بلکہ ان کے طغیان و سرکشی میں اضافہ ہو گیا۔ اس موقع پر عذاب الہی ان پر نازل ہوا اور ”صیحہ آسمانی“ نے ان کی سرزمین کو درہم و درہم کر کے رکھ دیا اور وہ سب کے سب اپنے گھروں میں زمین پر اوندھے گر پڑے اور مر گئے۔ ”وَ اخذ الذین ظلموا الصیحة فاصبحوا فی دیارهم جاثمین“ (ہود - ۶۷)۔

۱۔ صیحہ آسمانی جیسا کہ ہم نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے ”صاعقہ“ کے معنی میں ہے جو ایک عظیم آواز بھی رکھتی ہے اور سخت قسم کا زلزلہ بھی پیدا کرتی ہے اور آگ اور جلانے کے ساتھ توام ہوتی ہے اور علمی نظریہ کے مطابق ایک عظیم برقی شعلہ ہے، جو بادلوں کے درمیان جو مثبت برقی بار کے حامل ہوتے ہیں اور زمین جو منفی بار رکھتی ہے، وجود میں آتا ہے۔

وہ ایسے نابود ہوئے، اور ان کی سرزمین اس طرح خاموش ہوئی کہ گویا ہرگز ان گھروں میں کوئی رہتا ہی نہیں تھا۔ لیکن خدا نے صالحؑ اور ان کے مومن اصحاب کو اس ہمکنہ سے نجات بخشی۔ (حدود - ۶۶)۔

۲۔ "اشقی الاولین" و "اشقی الاخرین" شیعہ دینی بزرگ علماء کی ایک جماعت منجملہ ثعلبی، واحدی، ابن مردیہ، خطیب بغدادی، طبری موصلی اور احمد خلیل وغیرہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ عمار یاسرؓ، جابر بن سمرہ اور عثمان بن صہیب کی وساطت سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح نقل کیا ہے کہ آپؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا،

"یا علی! اشقی الاولین عاقر الناقة، و اشقی الاخرین قاتلک، و فی روایۃ من یخضب ہذہ من ہذا :

"اے علی! پہلے لوگوں میں سے بد بخت ترین شخص وہ تھا جس نے ناقہ صالح کو قتل کیا، اور پچھلے لوگوں میں سے بد بخت ترین آدمی تیرا قاتل ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جو اس کو اس سے رنگین کرے گا، (جو اس طرف اشارہ ہے کہ تیری داڑھی کو تیرے سر کے خون سے خضاب کرے گا)۔"

حقیقت میں ناقہ صالحؑ کی کوئیں کاٹنے والے "قدار بن یوسف" اور امیر المومنین کے قاتل "عبدالرحمن بن ملجم مرادی" کے درمیان ایک شبابہت موجود تھی، ان دونوں میں سے کسی کو بھی ذاتی رنجش نہیں تھی۔ بلکہ دونوں ہی یہ چاہتے تھے کہ نوحی کو خاموش کر دیں۔ اور جس طرح ناقہ صالحؑ کے ماجرے کے بعد اس طاعنی اور سرکش قوم کو عذاب الہی نے گھیر لیا تھا، مسلمان بھی امیر المومنین علیؑ کی دامن شہادت کے بعد عاراً و بیدار بنی امیہ کی حکومت کے زیر تسلط دردناک ترین عذابوں کے شاہد ہوئے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ "حاکم جسکانی" نے "مشواہد التنزیل" میں اس سلسلے میں بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں، جو مضمون و مطالب کے لحاظ سے اوپر والی روایت کے مشابہ ہیں۔

۳۔ تہذیب نفس ایک عظیم خدائی وظیفہ ہے

جس قدر قرآنی قسمیں کسی چیز کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں اور زیادہ محکم ہوں وہ اس موضوع کی اہمیت کی دلیل ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ زیادہ طولانی اور زیادہ تاکید کی قسمیں اسی سورہ میں ہیں، خصوصاً خدا کی ذات پاک کی قسم کا اس میں تین مرتبہ تکرار ہوا ہے۔ اور انجام کار اس مسئلہ پر تنبیہ ہوا ہے کہ فلاح و رست گامی تزکیہ نفس میں ہے۔ اور محرومیت اور شکست و بد بختی تزکیہ کے ترک کر دینے میں ہے۔ حقیقت میں انسانی زندگی کا اہم ترین مسئلہ بھی یہی مسئلہ ہے۔ اور حقیقتاً قرآن نے اوپر والے معنی کے ساتھ مفہوم کو واضح کر دیا ہے کہ

۱۔ "تفسیر نور اشعلین" جلد ۵ ص ۵۸۴

۲۔ "مشواہد التنزیل" جلد ۲ ص ۳۳۵ تا ۳۴۳

انسان کی نجات و درست کاری تصورات اور خیالوں کی مرہون منت نہیں ہے، نہ ہی مال و ثروت اور مقام و منصب کے سایہ میں اور نہ ہی دوسرے اشخاص کے اعمال کے ساتھ وابستہ ہے۔ (جیسا کہ عیسائی خیال کرتے ہیں کہ ہر شخص کی نجات عیسیٰ مسیح کی فداکاری کی مرہون منت ہے اور نہ ہی اس قسم کی دوسری باتوں میں۔

بلکہ نجات انسانی ایمان و عمل صالح کے سایہ میں روح و جان کی پاکیزگی اور بلندی کی مرہون منت ہے۔

انسان کی بدبختی اور شکست بھی نہ تو اجباری قضا و قدر میں ہے، اور نہ ہی الزامی سرگزشتوں میں، اور نہ ہی دوسروں کے گنہگاروں میں، بلکہ وہ صرف اور صرف گناہ کی آلودگی سے بچے رہنے میں ہے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنے میں ہے۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) نے، جب یوسفؑ فرائض کے مالک اور سرزمین مصر کے حاکم بن گئے ان سے ملاقات کی اور کہا:

”ان الحرص والشهوة تصير المملوك عبداً، وان الصبر والتقوى يصير العبيد مملوكاً، فقال يوسف قال الله تعالى: انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين“

”حرص و شہوت بادشاہوں کو غلام بنا دیتے ہیں اور صبر و تقویٰ غلاموں کو بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ یوسفؑ نے اس کی بات کی تصدیق کی، اور یہ کلام الہی اُسے یاد دلایا: ”جو شخص تقویٰ اور صبر و شکیبائی اختیار کرے گا تو خدا نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

یہی مطلب ایک دوسری عبارت میں نقل ہوا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی ایک راہ گزر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ یوسفؑ کی سواری وہاں سے گزری، تو زلیخا نے کہا:

”الحمد لله الذي جعل المملوك بمعصيته معبداً، وجعل العبيد بطاعتهم مملوكاً“

”سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے بادشاہوں کو معصیت اور نافرمانی کی بنا پر غلام بنا دیا، اور غلاموں کو اطاعت و فرماں برداری کی وجہ سے بادشاہ بنا دیا۔“

ہاں نفس کی بندگی انسان کی غلامی کا سبب ہے، اور تقویٰ و تہذیب نفس عالم ہستی پر حکومت کرنے کا سبب ہے۔

ایسے افراد کتنے زیادہ ہیں جو خدا کی بندگی اور اطاعت کی وجہ سے ایسے بلند مقام تک پہنچے ہیں کہ ولایت مکیہ کے مالک بن گئے۔ خدا کے اذن سے اس عالم کے حوادث میں اثر انداز ہو سکتے ہیں اور کرامات و خوارق عادات پر دسترس رکھ سکتے ہیں۔

خداوند! ہوائے نفس کے ساتھ مبارزہ کرنے میں تو ہماری مدد اور نصرت فرما۔

پروردگارا! تو نے ہمیں ”فجور“ و ”تقویٰ“ کا الہام کیا ہے۔ ہمیں اس الہام سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت فرما یا

بار الہا! شیطان کے مکر و فریب انسان کے نفس میں مخفی و پوشیدہ ہیں، ہمیں ان مکر و فریب کی شناخت سے آشنا کر دے!
امین یا رب العالمین
سورہ "الشمس" کا اختتام

اختتام ترجمہ قسم منزل خود
۸ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ ۸ بجے صبح

سُورَةُ اللَّيْلِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔
❖ اس کی ۲۱ آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ الْاٰلِیْلِ کے مضامین اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ جو مکی سُورتوں میں سے ہے اور مکی سُورتوں کی خصوصیات کا حامل ہے، مختصر آیات کے ٹکڑوں میں ہے، لیکن ان کے مضامین گرما گرم اور تیز ہیں، اور زیادہ ترقیامت، خدائی جزا و سزا اور اس کے عوامل و اسباب کے بارے میں ہیں۔ ابتدا میں تین قسموں کو ذکر کرنے کے بعد لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے،

- ۱۔ تقویٰ کے ساتھ انفاق کرنے والے۔
 - ۲۔ وہ بخیل جو قیامت کے اجر و پاداش کے منکر ہیں۔ پہلے گروہ کا انجام کار خوش بختی اور راحت و آرام ہے جب کہ دوسرے گروہ کا انجام کار سختی، تنگی اور بد بختی ہے۔
- اس سُورہ کے دوسرے حصہ میں اس معنی کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہ بندوں کو ہدایت کرنا خدا کا کام ہے، سب لوگوں کو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے۔
- اور آخری حصہ میں، ان لوگوں کے، جو اس آگ میں جلیں گے، اور اس گروہ کے، جو اس سے نجات پائیں گے، اوصاف بیان کرتے ہوئے تعارف کرایا ہے۔

اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”من قرأھا اعطاه اللہ حتی یرضی، وعافاه من العسر ولیسر له الیسر“ :

”جو شخص اس سُورہ کی تلاوت کرے گا خدا اُسے اس قدر عطا کرے گا کہ وہ راضی اور خوش ہو جائے گا، اور اُسے سختیوں سے نجات دے گا اور زندگی کی راہوں کو اس کے لیے آسان کر دے گا۔“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱- وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۝
- ۲- وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝
- ۳- وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۝
- ۴- إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى ۝
- ۵- فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝
- ۶- وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝
- ۷- فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ۝
- ۸- وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۝
- ۹- وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۝
- ۱۰- فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى ۝
- ۱۱- وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ قسم ہے رات کی جب کہ وہ عالم کو ڈھانپ لے۔
 - ۲۔ اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ تجلی کرے۔
 - ۳۔ اور قسم ہے اس کی جس نے مذکر و مؤنث پیدا کیے۔
 - ۴۔ کہ تمہاری سعی و کوشش مختلف ہے۔
 - ۵۔ پس وہ شخص کہ جو (راہِ خدا میں اتفاق کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے۔
 - ۶۔ اور خدا کی نیک جزا کی تصدیق کرے۔
 - ۷۔ ہم اس کی راہوں کو آسان بنا دیں گے۔
 - ۸۔ لیکن جو شخص کُجھل کرے، اور اس طریقہ سے بے نیاز ہونا چاہے۔
 - ۹۔ اور (خدا کی) اچھی جزاؤں کی تکذیب کرے۔
 - ۱۰۔ ہم عنقریب اس کی راہوں کو دُشوار بنا دیں گے۔
 - ۱۱۔ اور جس وقت وہ (جہنم یا قبر میں) گرے گا تو اس کے اموال اس کی حالت کے لیے مُفید نہیں ہوں گے۔

سُورۃُ اللیل کا شانِ نزول

مفسرین نے اس سالم سُورہ کے لیے ابن عباسؓ سے ایک شانِ نزول نقل کی ہے۔ ہم اس شانِ نزول کو مرحوم طبرسیؒ کی "معجم البیان" سے نقل کرتے ہیں :

مسلمانوں میں سے ایک شخص کے کھجور کے درخت کی ایک شاخ ایک فقیر عیال دار کے گھر کے اوپر پہنچی ہوئی تھی۔ کھجور والا جب

خرمے اتارنے کے لیے درخت پر چڑھتا تو بعض اوقات خرمے کے کچھ دانے اس فقیر آدمی کے گھر میں جا گرتے، اور اس کے بچے انہیں اٹھا لیتے۔ وہ شخص کھجور کے درخت سے اتر کر خرمے ان سے چھین لیتا، (اور وہ اتنا بخیل اور سنگدل تھا کہ) اگر ان میں سے کسی کے منہ میں بھی غرمہ کا دانہ دیکھتا تو اس کے منہ میں اٹھکی ڈال کر نکال لیتا۔ اس مرفقہ نے پیغمبر کی خدمت میں شکایت کی۔ حضور نے فرمایا: تم جاؤ میں تمہارا یہ کام کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے کھجور والے سے ملاقات کی اور فرمایا یہ درخت جس کی شاخیں فلاں گھر کے اور کسی کے گھر میں ہیں، مجھے دے دے تاکہ اس کے مقابلہ میں جنت میں ایک درخت ہو۔ اس نے کہا میرے پاس کھجور کے بہت سے درخت ہیں۔ کسی کے غرمے اس درخت جیسے اچھے نہیں ہیں۔ (لہذا میں یہ سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں)۔

اصحاب پیغمبر میں سے کسی نے یہ گفتگو سُن لی۔ اس نے عرض کیا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں جا کر درخت رس شخص سے خرید لوں اور آپ کو دے دوں تو آپ وہی چیز جو اس کو دے رہے تھے مجھے عطا فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس شخص نے جا کر درخت والے سے ملاقات کی اور اس سے اس سلسلہ میں بات کی۔ کھجور کے مالک نے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بدلے میں جنت میں کھجور کا ایک درخت مجھے دینے کے لیے تیار تھے۔ (لیکن میں نے قبول نہیں کیا اور میں نے انہیں یہ کہہ دیا کہ میں اس کے خرموں سے بہت لذت اندوز ہوتا ہوں، میرے پاس بہت سے کھجور کے درخت ہیں۔ لیکن کسی کے غرمے اتنے اچھے نہیں ہیں۔

خریدار نے کہا: کیا تو اسے پہچان پاتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: میں اسے نہیں پہچانوں گا، مگر صرف اس صورت میں کہ رتن رقم مجھے دے کہ کوئی بھی اتنی رقم نہیں دے گا۔ اس نے کہا: تو کتنی رقم لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا چالیس درخت خریدار نے تعجب کرتے ہوئے کہا: تو ایسے کھجور کے درخت کی جو ٹیڑھا ہو چکا ہے بہت ہی بھاری قیمت مانگتا ہے۔ چالیس کھجور کے درخت!

پھر تھوڑے سے سکوت کے بعد اس نے کہا: بہت اچھا، میں خرمے کے چالیس درخت تجھے دیتا ہوں۔ پہنچنے والے (لاہی) نے کہا: اگر تو سچ کہتا ہے تو کچھ آدمیوں کو گواہی کے لیے بلا لے! اتفاقاً کچھ لوگ وہاں سے گزر رہے تھے اس نے انہیں آواز دی اور انہیں اس معاملہ پر گواہ بنایا۔

اس کے بعد وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: "اے رسول خدا! وہ کھجور کا درخت میری ملکیت میں آ گیا ہے اور میں اُسے (آپ کی بارگاہ مبارک میں) پیش کرتا ہوں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیر کے گھر والوں کے پاس گئے اور صاحب خانہ سے کہا: "یہ کھجور کا درخت تیرا اور میرا ہے۔ اس موقع پر سورہ واللیل" نازل ہوئی۔ (اور بخیلوں اور سخیوں کے بارے میں ان کے لائق باتیں کہیں)۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس خریدار کا نام "الوالاداح" تھا۔

تفسیر

تقویٰ اور خدائی امدادیں

اس سورہ کے آغاز میں ہم پھر تین فکر انگیز (مخلوقات اور خالق عالم کی) قسموں کا سامنا کر رہے ہیں، فرماتا ہے :

”قسم ہے رات کی جب کہ وہ سارے جہان کو ڈھانپ لے“ : (واللیل اذا یغشی)۔

”یغشی“ کی تعبیر ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ رات کی تاریکی پردہ کی طرح آدھے کرۂ زمین پر پڑتی ہے، اور اُسے اپنے نیچے ڈھانپ لیتی ہے۔ یا اس بنا پر ہے کہ دن کا چہرہ یا آفتاب عالمتاب کا چہرہ اس کے پہنچ جانے سے ڈھک جاتا ہے۔ بہر حال یہ رات کی اہمیت اور انسانوں کی زندگی میں اس کے اثرات کی طرف سورج کے اعتدال سے لے کر اس کے سائے میں تمام زندہ موجودات کے آرام و سکون اور شب زندہ دار، بیدار دل اور آگاہ افراد کے مسئلہ تک ایک اشارہ ہے۔

اس کے بعد دوسری قسم کو بیان کرتا ہے اور مزید کہتا ہے : ”اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ آشکار و ظاہر ہو“ (والنہار اذا تجلی)۔ اور یہ اس لمحہ کی بات ہے جب سپیدہ صبح رات کے ظلماتی پردہ کو چیر دیتا ہے اور تاریکیوں کو پیچھے دھکیل کر سارے صفحہ آسمانی پر حاکم بن جاتا ہے۔ اور ہر چیز کو نور اور روشنی میں نہلا دیتا ہے۔ وہی نور و روشنی جو حرکت و حیات کی رمز اور تمام زندہ موجودات کی پرورش کا سبب قرآن مجید میں ”نور“ و ”ظلمت“ کے نظام کے مسئلہ اور ان کی انسانی زندگی پر تاثیر کی طرف بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے، کیونکہ یہ دو عظیم دائمی نعمتیں پروردگار کی اہم آیات میں سے دو آیتیں ہیں۔

اس کے بعد آخری قسم کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے : ”اور قسم ہے اس ذات کی جس نے مذکر و مؤنث کی جنس کو پیدا کیا“ (وما خلق الذکر والانشی)۔

کیونکہ عالم ”انسان“ و ”حیوان“ اور ”نبات“ میں ان دونوں جنسوں کا وجود، اور وہ تغیرات جو انعقاد لطف سے لے کر تولد تک رونما ہوئی ہیں اور وہ خصوصیات و صفات جو دونوں جنسوں میں ان کی فعالیتوں اور پروگراموں کی نسبت سے پائی جاتی ہیں اور وہ بہت سے اسرار جو جنسیت کے مفہوم میں چھپے ہوئے ہیں، یہ سب عظیم عالم آفرینش کی نشانیاں اور آیات ہیں جن کے ذریعے ان کے پیدا کرنے والے سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔

لے قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”یغشی“ فعل مضارع کی صورت میں کرنا ہوا ہے۔ لیکن ”تجلی“ فعل ماضی کی صورت میں کرنا ہوا ہے۔

یہ اس بنا پر ہے کہ اس زمانہ میں جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا آغاز تھا تو جاہلیت کی تاریکی نے ہر جگہ کو گھیر رکھا تھا۔ لیکن اس صورت میں ایسی ظلمت و تاریکی کی قسم کھانا کچھ اچھا دکھائی نہیں دیتا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ فعل ماضی چونکہ ”اذا“ شرطیہ کے بعد واقع ہوا ہے، لہذا فعل مضارع کا معنی دیتا ہے، یا یہ کہ اصل میں ”تتجلی“ تھا اور اس کی ایک ”تا“ حذف ہو گئی ہے، لیکن اس صورت میں فعل مؤنث ہو جائے گا، اور پھر ”فخامر“ (دون) اس کا فاعل نہیں ہو سکتا بلکہ پھر تقدیر میں اس طرح ہونا چاہیئے۔ ”اذا تتجلی الشمس فیہ“ (جب اس میں سورج آشکار و ظاہر ہو)۔

”ما“ (وہ چیز) کی تعبیر یہاں خدا کے بارے میں اس کی ذات پاک کی حد سے زیادہ عظمت سے کنایہ ہے اور یہ وہ ابہام ہے جو اس لحاظ سے یہاں اس طرح حکم فرما ہے کہ وہ اُسے خیال و قیاس و گمان و وہم سے برتر کر دیتا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”ما“ یہاں مصدریہ ہے، تو اس بنا پر اس جملہ کا معنی یہ ہوگا: قسم ہے مذکور مونت کی خلقت کی لیکن یہ احتمال بہت ضعیف نظر آتا ہے۔

حقیقت میں پہلی اور دوسری دو قسمیں آیات آفاقی کی طرف اشارہ ہیں، اور تیسری قسم آیات انفسی کی طرف اشارہ ہے۔ آخر کار ان قسموں کے ہدف کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”زندگی کے لیے تمہاری سعی و کوشش مختلف اور گونا گویا ہے (ان سعیکھ لشیئ)۔“

ان کوششوں کی سمت، اور ان کے نتائج بھی مکمل طور پر مختلف اور متفاوت ہیں، جو اس طرف اشارہ ہے کہ تم بہر حال زندگی میں سکون و آرام سے نہیں رہو گے، اور یقینی طور پر سعی و کوشش کے لیے ہاتھ پاؤں مارو گے، اور خدا داد قوتوں اور توانائیوں کو جو تمہارے وجود کا سرمایہ ہیں، کسی نہ کسی راستے میں خرچ کر دو گے۔ لہذا اب تم خود دیکھو گے کہ تمہاری سعی و کوشش کس راستے کس سمت اور کس نتیجہ کی حامل ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے تمام سرمایوں اور صلاحیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالو، یا فضول مفت میں فانی کر بیٹھو۔ ”شیتی“ ”شیتیت“ کی جمع ہے جو ”شت“ (برفان شط) کے مادہ سے جمعیت کو پرانہ کرنے کے معنی میں ہے اور یہاں کیفیت مقصد کے حصول اور ان کے نتیجہ کے لحاظ سے لوگوں کی کوششوں کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کی خصوصیات کو شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”پس وہ رہے تھے جو راہ خدا میں کوشش کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے“ (فاما من اعطی واتقی)۔

”اور خدا کی اچھی جزا پر ایمان رکھتا ہو“ (و صدق بالحق)۔ ”ہم اس کے لیے راستے کو آسان بنا دیں گے اور بہشت جاوداں کی طرف ہدایت کریں گے“ (فسنیرہ للسر) ”اعطی“ سے مراد وہی راہ خدا میں خرچ کرنا اور حاجت مندوں کی مدد کرنا ہے۔

اور اس کے بعد تقویٰ کے لیے تاکید ممکن ہے کہ پاک نیت، اور خرچ کرتے وقت قصیدہ خالص، اور مشروع طریقہ سے سوال کا حصول اور انہیں مشروع و جائز طریقہ سے خرچ کرنا، اور ہر قسم کا احسان جتانے اور اذیت و آزار پہنچانے سے خالی ہونے سے کم از کم کی طرف کشادہ ہو کیونکہ ان اوصاف کا مجموعہ تقویٰ کے عنوان میں جمع ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”اعطی“ مالی عبادتوں کی طرف اشارہ ہے، اور ”اتقی“ باقی تمام عبادتوں کی طرف اور واجبات کو انہی دینے اور محرمات کو چھوڑنے کی طرف، لیکن پہلی تفسیر ظاہر آیت کے ساتھ بھی سازگار ہے، اور اس شان نزول کے ساتھ کس حجم نے ادھر بیان کی ہے۔

”حسنی“ کی تصدیق کرنا۔ ”حسنی“ ”احسن“ کی مونث ہے ”جو زیادہ اچھے کے معنی میں ہے۔“

یہ خدا کی اچھی جزاؤں پر ایمان رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ شان نزول میں بیان ہوا ہے کہ ”الوالد احصاح“ نے خدا کی جزاؤں پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے اموال خرچ کیے۔ سورہ نسا کی آیہ ۹۵ میں آیا ہے: ”و کلاً وعد اللہ الحسنی“ خدا نے ان میں سے

ہر ایک کو اچھے اجر اور جزاؤں کا وعدہ دیا ہے۔ (اس آیت میں بھی حسنی اچھی جزا کے معنی میں ہے)۔
بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد "شریعت حسنی" یعنی دین اسلام پر ایمان ہے، جو بہترین دین ہے۔
اور بعض نے اس کی کلمہ لا الہ الا اللہ یا شہادتین کے ساتھ تفسیر کی ہے۔
لیکن سیاق آیات، شان نزول، اور بہت سی آیات قرآنی میں حسنی کا اچھی جزا کے معنی میں ہونے کے ذکر کی طرف توجہ کرتے ہوئے
پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

"فہنیسہ للیسری" کا جملہ ممکن ہے توفیق الہی، اور ایسے اشخاص پر امر اطاعت کے آسان کرنے کی طرف اشارہ ہو، یا
ان کی طرف جنت کی راہ کھولنے اور تخیل و سلام کے ساتھ ملائکہ اور فرشتوں کے استقبال کرنے، یا ان تمام چیزوں کی طرف اشارہ ہو۔
یہ بات یقینی ہے کہ جو لوگ انفاق و تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اور عظیم خدائی جزاؤں پر گرم جوشی کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، ان
کے لیے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور وہ دنیا و آخرت میں ایک خاص قسم کے سکون و آرام کے حامل ہوتے ہیں۔
ان سب سے قطع نظر ممکن ہے کہ مالی انفاق ابتداء میں انسان کی طبیعت و مزاج کے لیے شاق اور مشکل ہو، لیکن تکرار کرنے اور
مسلل جاری رکھنے سے اس پر راستہ اسی طرح آسان ہو جاتا ہے کہ وہ اس سے لذت اٹھاتا ہے۔
کہتے ہی سنی لوگ ایسے ہیں جو اپنے دسترخوان پر مہمان کی موجودگی سے خوش ہوتے ہیں، لیکن اس کے برعکس اگر کسی دن ان کے پاس
مہمان نہ آئے تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں اور یہ بھی مشکلات کے ان کے لیے آسان کرنے کی ایک قسم ہے۔
اور اس نکتہ سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے کہ اصلی طور پر خدائی عظیم جزاؤں پر ایمان انسان کے لیے انواع و اقسام کی مشکلات کی برداشت
کو آسان اور سہل بنا دیتا ہے، نہ صرف مال بلکہ وہ اپنی جان کو بھی اخلاص کے مطابق گزارتا ہے اور عشق شہادت میں میدان جہاد میں شرکت
کرتا ہے، اور اپنی اس قربانی اور اشار سے لذت حاصل کرتا ہے۔

ان تینوں تفاسیر میں سے پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ اگرچہ تینوں تفاسیر کے درمیان جمع کرنا بھی ممکن ہے۔ ”حسنی“ کی تکذیب سے مراد وہی قیامت کی جزاؤں کا انکار ہے، یا پیغمبروں کے دین و آئین اور نیک روش کا انکار ہے۔ ”فسیرہ للعسری“ کی تعبیر جو واقعی طور پر دو ظاہر متضاد تعبیریں ہیں (ہم ان کی راہ کو مشکلات کی طرف آسان کر رہے ہیں)۔ ”فسیرہ للیسری“ کا نقطہ مقابل ہے، اس طرح سے کہ خدا پہلے گروہ کو تو اپنی توفیقات کا مشمول قرار دے گا اور ان کی اطاعت و اتفاق کی راہ کو طے کرنا آسان بنا دے گا تاکہ وہ زندگی کی مشکلات سے رہائی حاصل کر لیں۔ لیکن دوسرے گروہ کی طرف سے ہو گئی ہیں، لہذا ان کے لیے راستہ کو طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور انہیں دنیا و آخرت میں سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان بے ایمان بخیلوں کے لیے نیک اعمال کو انجام دینا، خصوصاً راہ خدا میں اتفاق کرنا سخت اور دشوار کام ہے، جب کہ پہلے ان کی نشاط آور اور روح افزا ہے۔

اور آخری زیر بحث آیت میں ان دل کے اندھے بخیلوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”جب وہ قبر باہنم میں جائیں تو اس کے اموال اس کے کچھ کام نہ آئیں گے۔“ (وما یغنی عنہ مالہ اذا تردی)۔ نہ تو وہ ان اموال کو دنیا سے اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے اور اگر وہ لے بھی جائے تو وہ اس کے جہنم کی آگ میں جلنے سے نہیں ہوں گے۔

”ما“ اس آیت کے آغاز میں ممکن ہے ”نافیہ“ ہو (جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے) یا استفہام انکاری کے لیے ہو۔ اس کے اموال قبر یا دوزخ میں جانے یا گرنے کے وقت اس کو کیا فائدہ دیں گے؟ ”تردئی“ ”ردائت“ اور ”ردی“ کے مادہ سے ہلاکت کے معنی میں ہے اور بلندی سے گرنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ ”تردئی“ کا سبب ہو۔ بلکہ بعض تو اس کی اصل ہی سقوط کے معنی میں سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ بلند جگہ سے گرنا ہلاکت کا سبب ہوتا ہے، لہذا ہلاکت کے معنی میں بھی آیا ہے اور زیر بحث آیت میں ممکن ہے کہ قبر یا دوزخ میں گرنے کے معنی میں ہو یا ہلاکت عذاب کے معنی میں ہو۔ اس طرح قرآن ان آیات میں دو گروہوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، ایک گروہ مومن، متقی اور سخی، اور دوسرا گروہ بے تقویٰ اور بخیل، اور ان دونوں گروہوں کا نمونہ شان نزول میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

پہلا گروہ توفیقات الہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، اپنی راہ کو سہولت کے ساتھ طے کرتا ہے، اور جنت اور اس کی نعمتوں کا بڑھا چلا جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ زندگی میں بے شمار مشکلات میں گھرا ہوا ہوتا ہے، بہت سال جمع کرتا ہے اور یہیں پر چھوڑ کر چلا جاتا ہے، اور سوائے حسرت، اندوہ و ہلا اور خدائی عذاب کے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اور وہ اس سے کوئی چیز نہیں

❖

❖

❖

۱۔ ”یسری“ و ”عسری“ دونوں تہمت کے صیغہ ہیں (ان کا مکرر ”یسر“ و ”عسر“) اور ان دونوں کا تہمت کے صیغہ کی ضرورت میں ذکر کرنا یا تو اس بنا پر ہے کہ ان دونوں صیغہ (انفال کا مجموعہ) ہے اور تفسیر میں اس طرح ہو گا۔ ”فسیرہ الاعمال یسری“ او۔ ”لاعمال عسری“ یا تمام مسائل اور زندگی میں پیش آنے والے مسائل اور اگر اس کا موصوف مفرد ہو تو ممکن ہے کہ ”طریقتہ“ یا ”خلۃ“ یا اس قسم کا کوئی لفظ ہو۔

- ۱۲۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝
- ۱۳۔ وَاِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْاَوَّلٰى ۝
- ۱۴۔ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝
- ۱۵۔ لَا يَصْلٰهَا اِلَّا الْاَشْقٰى ۝
- ۱۶۔ الَّذِى كَذَّبَ وَتَوَلٰى ۝
- ۱۷۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى ۝
- ۱۸۔ الَّذِى يُؤْتِى مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝
- ۱۹۔ وَمَا لِاحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ۝
- ۲۰۔ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝
- ۲۱۔ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝

ترجمہ

- ۱۲۔ یقیناً ہدایت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔
- ۱۳۔ اور دنیا و آخرت ہمارے لیے ہے۔
- ۱۴۔ اور میں تمہیں شعلہ نکلنے والی آگ سے ڈراتا ہوں۔

- ۱۵۔ بد بخت ترین لوگوں کے سوا کوئی شخص اس میں داخل نہیں ہوگا۔
- ۱۶۔ وہی شخص جس نے آیات (خدا کی) تکذیب کی اور پیٹھ پھیر لی۔
- ۱۷۔ اور زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والے عنقریب اس سے دُور رہیں گے۔
- ۱۸۔ وہی شخص جو اپنے مال کو (خدا کی راہ میں) بخش دیتا ہے تاکہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔
- ۱۹۔ اور کسی شخص کا اس کے پاس کوئی حق نعمت نہیں ہے تاکہ وہ (اس اتفاق کے ذریعے)
- اس کا بدلہ دے۔ ۲۰: سوائے اپنے بلند و بڑ تر پروردگار کی رضا مندی چاہنے کے
- ۲۱۔ اور وہ عنقریب راضی و خوشنود ہو جائے گا۔

تفسیر

اتفاق اور جہنم کی آگ سے دُوری

گزشتہ آیات میں لوگوں کی دو گروہوں: مومنِ سخاوت مند اور بے ایمان بخیل، میں تقسیم کرنے، اور ان میں سے ہر ایک کی سرِ نوشت بیان کرنے کے بعد زیر بحث آیات میں پہلے اس بات کو بیان کرتا ہے کہ ہمارا کام ہدایت کرنا ہے کسی کو مجبور کرنا نہیں ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ مردانہ وار راستہ پر گامزن ہو جاؤ۔ علاوہ ازیں اس راستہ کو طے کرنا خود تمہارا ہی نفع میں ہے اور ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

فرماتا ہے: "یقیناً ہدایت کرنا ہمارے ہی ذمہ ہے۔" (ان علینا للہدی)۔ چاہے تکوین (فطرت و عقل) کے طریق سے ہدایت ہو، اور چاہے تشریح (کتاب و سنت) کے طریق سے ہو۔ اس سلسلے میں جو کچھ ضروری تھا وہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

"اور یقینی طور پر آخرت اور دنیا ہماری ہی ملکیت ہے۔" (وان لنا للآخرۃ والاولیٰ)۔

۱۔ "للآخرۃ" کا "لام" اور اسی طرح (گزشتہ آیت میں) "للہدی" کا "لام" ظاہر لام تاکید ہے جو بیان "اسم اتق" کے اُدھر آئی ہے، اگرچہ عام طور پر خبر کے اُدھر داخل ہوا کرتی ہے، یہ اس بنا پر ہے کہ بعض اُدب کی کتابوں کی تصریح کے مطابق جب "ان" کی خبر مقدم ہو تو اس کے اسم پر لام داخل ہوتی ہے۔

ہمیں تمہارے ایمان و اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، نہ تمہاری اطاعت ہمیں کوئی فائدہ پہنچاتی ہے اور نہ ہی تمہاری نافرمانی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ یہ تمام پروگرام تمہارے فائدے کے لیے ہیں اور خود تمہارے لیے ہیں۔

اس تفسیر کے مطابق یہاں ہدایت "ارائے طریق" کے معنی میں ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ ان دو آیات کا ہدف سخاوت کرنے والے مومنین کو شوق دلانا اور اس معنی پر تاکید ہو کہ ہم انہیں مزید ہدایت کا مشمول قرار دیں گے، اور اس جہان میں بھی اور دوسرے جہان میں بھی راستہ کو ان پر آسان کر دیں گے، اور چونکہ دنیا و آخرت ہماری ہی ملکیت ہے لہذا ہم اس کام کو انجام دینے کی قدرت رکھتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے دنیا آخرت پر مقدم ہے، لیکن اہمیت اور ہدف اصلی کے لحاظ سے مقصود اصلی آخرت ہے اور اسی بنا پر اسے مقدم رکھا گیا ہے۔

اور چونکہ ہدایت کے شعبوں میں سے ایک خبردار کرنا اور ڈرانا ہے، لہذا بعد والی آیت میں مزید کتنا ہے: اب جب کہ یہ بات ہے تو میں تمہیں اس آگ سے ڈراتا ہوں جو شعلہ ور ہوگی" (فانذر تکھ نائرا تلظی)۔

"تلظی" "لظی" (بروزن قضا) کے مادہ سے، خالص شعلہ کے معنی میں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خالص شعلوں میں جو ہر قسم کے دھوئیں سے خالی ہوں زیادہ گرمی اور حرارت ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات لفظ "لظی" کا خود جہنم پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس گروہ کی طرف، جو اس بھڑکتی ہوئی اور جلانے والی آگ میں داخل ہوں گے، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "بدبخت ترین آدمی کے سوا اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ (لا یصلھا الا الاشقی)۔

اور اشقی کی توصیف میں فرماتا ہے: "وہی شخص جو آیات خدا کی تکذیب کرتا ہے اور ان سے پیٹھ پھیر لیتا ہے۔" (الذی کذب وتولى)۔

اس بنا پر خوش بختی اور بدبختی کا معیار وہی کفر و ایمان ہے یا وہ عملی نتائج جو ان دونوں کے ہوتے ہیں، اور وہ واقف جو شخص بہت کی ان تمام نشانیوں، اور ایمان و تقویٰ کے امکانات و وسائل کو نظر انداز کر دے، تو وہ "اشقی" کا مصداق، اور بدبخت ترین شخص ہے۔

"الذی کذب وتولى" کے جملہ میں ممکن ہے کہ "تکذیب" تو کفر کی طرف اشارہ ہو، اور "تولی" اعمال صالحہ کے ترک کرنے کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ کفر کا لازمہ یہی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں ہی ترک ایمان کی طرف اشارہ ہوں۔ اس طرح سے کہ پہلے تو پیغمبر خدا کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کے بعد پیٹھ پھیر کر ہمیشہ کے لیے اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

بہت سے مفسرین نے یہاں ایک اعتراض پیش کیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوپر والی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ جہنم کی آگ کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بات اس چیز کے مخالف ہے جو قرآن کی دوسری آیات اور مجموعہ روایات اسلامی سے معلوم ہوتی ہے کہ گنہگار مومن بھی جہنم کی آگ میں حصہ دار بنیں گے، لہذا منحرف گروہوں میں سے بعض نے جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچاتا انہوں نے اپنے مقصود پر ان آیات سے استدلال کیا ہے۔ (اس گروہ کا نام "موجعہ")

اس کے جواب میں دو نکاتوں کی طرف توجہ کرنا چاہیے: پہلا یہ کہ یہاں جہنم میں درود سے مراد وہی "خلود" یعنی ہمیشہ رہنا ہے۔

۱۔ "تلظی" اصل میں "تتلظی" تھا، "دو" "تا" میں سے ایک "تا" تخفیف کے لیے گر گئی ہے۔

اور ہم جانتے ہیں کہ خلود کفار کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اس بات کا قرینہ وہ آیات ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ غیر کفار بھی جہنم میں وارد ہوں گے۔

دوسرا یہ کہ اُپر والی آیات اور بعد والی آیات یہ کہتی ہیں کہ جہنم کی آگ سے دُوری "التقی" (زیادہ متقی افراد) سے مخصوص ہے، یعنی مجموعی طور پر وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف دو گروہوں کی حالت بیان کرے: (۱) بے ایمان بخیل گروہ اور (۲) زیادہ تقویٰ رکھنے والے سخاوت مند مومن۔ ان دونوں گروہوں میں سے صرف پہلا گروہ جہنم میں وارد ہوگا، اور دوسرا گروہ بہشت میں داخل ہوگا، اور اس طرح سے تیسرے گروہ یعنی گنہگار مومنین کے بارے میں تو اصلاً کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہاں "حصر" "حصر اضافی" ہے۔ گویا جنت صرف دوسرے گروہ کے لیے، اور جہنم صرف پہلے گروہ کے لیے پیدا کی گئی ہے، اس بیان سے ایک دوسرے اعتراض کا جواب بھی، جو زیر بحث آیات اور ان آئندہ آنے والی آیات کے رابطہ سے ہوا ہے، جو نجات کو "التقی" سے مخصوص کرتی ہیں، واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس گروہ کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو اس جلائے والی شعلہ بار آگ سے دُور ہے، فرماتا ہے: "عنقریب سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا آدمی اس بھڑکتی ہوئی آگ سے دُور رکھا جائے گا"۔ (وسیلجذبھا الا لتقی)۔ وہی آدمی جو اپنے مال کو راہ خدا میں انفاق کرتا ہے اور اس کا مقصد رضائے خدا کا حصول، تزکیہ نفس، اور اموال کو پاک کرنا ہوتا ہے، (الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى)۔

"یتزکی" کی تعبیر حقیقت میں قصد قربت اور نیتِ خالص کی طرف اشارہ ہے، چاہے یہ جملہ معنوی و روحانی رشد و نمو کے حصول کے معنی میں ہو یا اموال کی پاکیزگی کے حاصل کرنے کے معنی میں، کیونکہ "تزکیہ" "نمودینے" کے معنی میں بھی آیا ہے، اور "پاک کرنے" کے معنی میں بھی۔ سورہ توبہ کی آیہ ۱۰۳ میں آیا ہے: خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل علىٰهم ان صلاتك سكن لهم: "ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کر لے تاکہ اس کے ذریعے تو انہیں پاک کرے اور ان کی پرورش کرے، اور (زکوٰۃ لیتے وقت) ان کے لیے دعا کر کیونکہ تیری دعا ان کے سکون و آرام کا باعث ہے۔"

اس کے بعد ان کے خلوص نیت کے مسئلہ پر، جو وہ خرچ کرنے میں رکھتے ہیں، تاکید کے لیے مزید فرماتا ہے: "کسی شخص کا اس کے اُپر حق نعمت نہیں ہے کہ اس انفاق کے ذریعے اس کی جزا دی جائے"؛ (وما لاحد عنده من نعمة تجزى)۔ بلکہ اس کا مقصد تو اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی رضا حاصل کرنا ہے۔ (الا ابتغاء وجه ربه الاعلى)۔

دوسرے لفظوں میں لوگوں کے درمیان بہت سے انفاق ایسے ہوتے ہیں جو ویسے ہی انفاقوں کا جواب ہوتے ہیں جو طرف مقابل کی طرف سے پہلے سے کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ البتہ حق شناسی اور احسان کا احسان کے ساتھ جواب دینا ایک اچھا کام ہے، لیکن اس کا حساب پرہیزگاروں کے مخلصانہ انفاق سے جدا ہے۔ اُپر والی آیات کہتی ہیں کہ پرہیزگار مومنوں کا دوسروں پر خرچ کرنا نہ تو ریاکاری کی وجہ سے ہوتا ہے، اور نہ ہی ان کی سابقہ خدمات کے جواب کے طور پر، بلکہ اس کا سبب صرف اور صرف خدا کی رضا کا حاصل کرنا ہوتا ہے اور یہی چیز ان انفاقوں کو خدا سے زیادہ قدر و منزلت عطا کرتی ہے۔

"وجه" کی تعبیر یہاں "ذات" کے معنی میں ہے اور اس سے مراد اس کی پاک ذات کی رضا و خوشنودی ہے۔

”ربہ الاعلیٰ“ کی تعبیر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ یہ انفاق پوری معرفت کے ساتھ صورت پذیر ہوتا ہے، اور اس حالت میں ہوتا ہے کہ وہ پروردگار کی ربوبیت سے بھی آشنا ہوتا ہے، اور اس کے مقام اعلیٰ سے بھی باخبر ہوتا ہے۔
ضمنی طور پر یہ استثنا ہر قسم کی اخلاقی نیتوں کی بھی نفی کرتا ہے، مثلاً نیک نامی، لوگوں کی توجہ مبذول کرنے، اور معاشرے میں مقام و حیثیت وغیرہ حاصل کرنے کے لیے خرچ کرنا، کیونکہ اس کا مفہوم ان اموال کے انفاق کا محرک، پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے میں ہے۔
انجام کار اس سورہ کی آخری آیت میں اس گروہ کی عظیم و بے نظیر جزاؤں کو پیش کرتے ہوئے ایک مختصر سے جملہ میں فرماتا ہے:
”اور ایسا آدمی عنقریب راضی و خوشنود ہو جائے گا“ (ولسوف یرضی)۔

ہاں! جس طرح سے وہ رضائے خدا کے لیے کام کرتا ہے، خدا بھی اس کو راضی کرے گا، ایسی رضا جو مطلق اور بے قید و شرط ہوگی، ایسی رضا جو وسیع و غیر محدود ہوگی، ایسی پُر معنی رضا جس میں تمام نعمتیں جمع ہوں گی، ایسی رضا جس کا تصور کرنا بھی آج ہمارے لیے غیر ممکن ہے اور وہ کون سی نعمت ہوگی جو اس سے برتر و بالاتر ہوگی۔
بعض مفسرین نے بھی یہی احتمال دیا ہے کہ ”یرضی“ میں ضمیر خدا کی طرف لوثی ہے، یعنی عنقریب خدا اس گروہ سے راضی ہو جائے گا کہ وہ بھی ایک عظیم و بے نظیر انعام ہے کہ خدائے بزرگ اور پروردگار برتر اس قسم کے بندے سے راضی و خوشنود ہو جائے۔ وہ بھی ایسی رضا جو مطلق اور بے قید و شرط ہو، اور یقینی طور پر اس رضائے الہی کے پیچھے اس با ایمان اور باتقویٰ بندہ کی رضایت ہے، کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ سورہ بینہ کی آیہ ۸ میں آیا ہے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ، یا سورہ فجر کی آیہ ۲۸ میں آیا ہے راضیہ مرضیۃ، لیکن تفسیر اول زیادہ مناسب ہے۔

ایک نکتہ

سورہ واللیل کے شان نزول کے بارے میں ایک بات

فخر رازی کہتا ہے: ”مفسرین اہل سنت عموماً یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ”سیبجنہا الاتقی“ میں ”اتقی“ سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہیں اور شیعہ عام طور پر اس بات کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔
اس کے بعد وہ اپنے مخصوص انداز میں تجزیہ کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے: اُمت اسلامی (عام اس سے کہ اہل سنت ہوں یا شیعہ) اس چیز پر اتفاق رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضل ترین شخص یا ابوبکرؓ ہے یا علیؓ، اور اس آیت کو علیؓ پر منطبق لے۔
”الا ابتغاء وجه ربہ الاعلیٰ“ کے جملہ میں استثنا، استثنا منقطع ہے، البتہ پہلی آیت میں ایک تقدیر ہے جو اس طرح ہے۔ وما لاحد عنده من نعمۃ تجزی خلافتیق مالہ لنعمۃ الا ابتغاء وجه ربہ الاعلیٰ، کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے لہذا وہ اپنا مال کسی احسان کے بدلے میں خرچ نہیں کرتا مگر اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی خوشنودی کے لیے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ یہ استثنا متصل ہو، ایک محذوف کو نظر میں رکھتے ہوئے اور تقدیر میں اس طرح ہو: لا یستفق لنعمۃ عنده ولا لغير ذلک الا ابتغاء وجه ربہ الاعلیٰ (غور کیجئے)۔

نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قرآن اس فرد اتقی کے بارے میں کہتا ہے: وما لاحد عنده من نعمة تجزى کوئی شخص اس پر کوئی حق اور احسان نہیں رکھتا، کہ جس کی جزا دی جائے اور یہ صفت علی علیہ السلام پر تطبیق نہیں کرتی کیونکہ پیغمبران پر حق نعمت رکھتے تھے لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف یہ کہ ابوبکرؓ پر کوئی مادی حق نعمت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کے برعکس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتفاق کرتے تھے اور حق نعمت رکھتے تھے!

اس کا نتیجہ یہ بنتا ہے کہ "اتقی" کا مصداق ابوبکرؓ نہیں ہے، اور چونکہ اتقی کا معنی سب لوگوں سے زیادہ پرہیزگار ہے، لہذا اس کی افضلیت ثابت ہے۔

اگرچہ ہم اس تفسیر کے مباحث میں، اس قسم کے مسائل میں، وارد ہونے کی طرف زیادہ مائل نہیں ہیں لیکن بعض مفسرین کا پہلے سے کیے ہوئے فیصلہ کو قرآن کی آیات کے ذریعے ثابت کرنے پر اصرار اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ وہ ایسی تعبیریں کرنے لگے ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ اور بلند مقام کے لائق نہیں ہے۔ لہذا اسی سبب سے ہم بھی یہاں چند نکات کا ذکر کرتے ہیں۔ اولاً: یہ جو غررازی کہتا ہے کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ یہ آیت ابوبکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس چیز کے برخلاف ہے جسے اہل سنت کے مشہور و معروف مفسرین نے صراحت کے ساتھ نقل کیا ہے، منجملہ "قرطبی" اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ سے ایک روایت میں نقل کرتا ہے کہ یہ سارا سورہ (سورۃ اللیل) "ابوالدھراح" کی شان میں نازل ہوا ہے۔ (جن کی داستان ہم نے سورہ کے آغاز میں بیان کر دی ہے)۔

خاص طور پر جب وہ آیہ وسیدجندھا الاتقی پر پہنچتا ہے تو پھر دوبارہ کہتا ہے کہ اس سے مراد "ابوالدھراح" ہے۔ اگرچہ اکثر مفسرین سے اس نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ (ان کے نزدیک) یہ ابوبکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن خود اس نے اس نظریہ کو قبول نہیں کیا۔

ثانیاً: یہ جو اس نے کہا ہے کہ شیعوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ بہت سے مفسرین نے وہی ابوالدھراح کی داستان ہی بیان کی ہے اور اُسے قبول کیا ہے۔ البتہ بعض روایات میں امام جعفر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ "اتقی" سے مراد ان کے پیروکار اور شیعہ ہیں اور الذی یؤتی مالہ یتزکی سے مراد امیر المؤمنین علیؓ ہیں، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ باتیں شان نزول کا پہلو نہیں رکھتیں، بلکہ یہ واضح اور روشن مصداق کی تطبیق کی قبیل سے ہیں۔

مثلاً: اس میں شک نہیں کہ اوپر والی آیت میں لفظ "اتقی" لوگوں میں سے زیادہ تقویٰ رکھنے والے کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کا مفہوم وہی متقی ہونا ہے، اور اس بات کا واضح گواہ یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں "اشقی" لوگوں میں سے بدبخت ترین کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اتفاق سے بچل کرتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ تھے، تو کیا ابوبکرؓ کو پیغمبرؐ سے بھی مقدم رکھا جاسکتا ہے؟ ہم پہلے سے کیے ہوئے فیصلوں اور ذہنیاتوں کی بنا پر ایسی تعبیریں کیوں کریں جو پیغمبرؐ تک کے مقام بلند کو بھی ضرب لگائیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبرؐ کا معاملہ الگ ہے، تو پھر ہم کہتے ہیں کہ آیہ وما لاحد عنده من نعمة تجزى میں ان کے معاملہ

کو کیوں الگ نہیں رکھا گیا اور علی علیہ السلام کو آیت کے مورد سے خارج کرنے کے لیے کیوں کہا گیا کہ چونکہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مادی نعمتوں کے مشمول ہیں لہذا وہ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔

رابعاً : ایسا کون سا آدمی ہے جس سے اس کی زندگی میں کسی نے محبت کی ہی نہ ہو اور کسی نے بھی اُسے نہ ہدیہ دیا ہو نہ کبھی دعوت کی ہو۔ کیا واقعاً ایسا ہوا ہے کہ ابو بکرؓ اپنی ساری عمر میں نہ تو کسی کی ہمائی پر گئے اور نہ ہی کبھی کسی کا کوئی ہدیہ قبول کیا اور نہ ہی کوئی اور دوسری مادی خدمت کس سے قبول کی کیا یہ چیز باور کرنے کے لائق ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ آیہ وما لاحد عنده من نعمة تجزى سے مراد یہ نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کا اس پر کوئی حق نعمت ہے ہی نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا اتفاق کرنا کسی حق نعمت کی بنا پر نہیں ہے۔

یعنی اگر وہ کسی پر اتفاق کرتے ہیں تو وہ صرف خدا کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ وہ کسی خدمت کی بنا پر اسے اجر و پاداش دینا چاہتے ہیں۔ خامساً : اس سورہ کی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ یہ سورہ ایک ایسے ماجرے کے بارے میں ہے جس کے دو قطب ہیں نازل ہوا ہے، ایک "اتقی" کے قطب میں تھا اور دوسرا "اشقی" کے قطب میں۔ اگر ہم "ابوالدحداد" کی داستان کو شان نزول سمجھیں تو مسئلہ حل شدہ ہے، لیکن اگر ہم کہیں کہ مراد ابو بکرؓ تھے تو "اشقی" کی شکل باقی رہ جاتی ہے کہ اس سے مراد کون شخص ہے؟ شیعوں کو اس بات پر کوئی اصرار نہیں ہے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ علیؑ ہی کے بارے میں ہے۔ ان کی شان میں آیات بہت زیادہ ہیں، لیکن اگر اس کی تطبیق علیؑ پر کی جائے تو "اشقی" کی مشکل حل ہے، کیونکہ سورہ شمس کی آیہ ۱۲ (۱۱ اذ انبعث اشقاها) کے ذیل میں اہل سنت کے طرق سے کافی روایات نقل ہوئی ہیں کہ "اشقی" سے مراد علی بن ابی طالب کا قاتل ہے۔ (ان روایات کو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، حاکم حرکانی نے شواہد التنزیل میں جمع کیا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ فخر رازی کی گفتگو اور اس آیت کے بارے میں اس کی تحلیل بہت ہی کمزور اور بہت سے اشتباہات پر مشتمل ہے۔ اسی لیے اہل سنت کے بعض مشہور مفسرین مثلاً آلوسی تک نے بھی رُوح المعانی میں اس تجزیہ کو پسند نہیں کیا، اور اس پر اعتراض کیا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے :

"واستدل بذلك الامام على انه (ابوبكر) افضل الامة وذكر ان في الايات ما يابى قول الشيعة انها في علي واطال الكلام في ذلك واتى بما لا يخلو عن قبيل وقال :

"امام فخر رازی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ابو بکرؓ افضل اُمت ہیں اور مزید کیا کہ آیات میں بعض قرآن ایسے ہیں جو شیعوں کے قول کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔ اور یہاں گفتگو کو طول دیا ہے اور ایسے مطالب بیان کیے ہیں جو قلیل و قال (اور اشکال) سے خالی نہیں ہیں۔

۲۔ اتفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

راہ خدا میں اتفاق اور بخشش کرنا، اور محروم، خصوصاً آبرو مند لوگوں کی مالی امداد کرنا، جو خلوص نیت سے ملی ہوئی ہو، ایسے امور میں سے ہے

جس کا قرآن مجید کی آیات میں بار بار ذکر ہوا ہے، اور اس کو ایمان کی نشانیوں میں سے کہا گیا ہے۔
اس بارے میں اسلامی روایات بھی تاکید سے بھری ہوئی ہیں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اسلامی معاشرے اور تمدن میں مالی اتفاق کرنا، بشرطیکہ اس کا محرک پروردگار کی رضا کے علاوہ اور کچھ نہ ہو، اور وہ ہر قسم کی ریاکاری، احسان جتانے اور آزار سے خالی ہو، تو بہترین اعمال میں سے ہے۔

ہم اس بحث کو چند معنی خیز احادیث کے ذکر کے ساتھ مکمل کرتے ہیں۔

۱۔ ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

”ان احب الاعمال الى الله ادخال السرور على المؤمن، شعبة مسلم وقضاء دينه“

”خدا کے نزدیک محبوب ترین عمل ضرورت مند مومن کے دل کو خوش کرنا ہے، اس طرح سے کہ

اُسے سیر کیا جائے یا اس کا قرض ادا کیا جائے۔“

۲۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من الایمان حسن الخلق، واطعام الطعام، واطراقة الدماء“ :

”حسن خلق، کھانا کھلانا، اور خون بہانا (راہِ خدا میں قربانی دینا) ایمان کے اجزاء میں سے ہیں۔“

۳۔ ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ سے آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”ما اری شیئاً يعدل زياره المؤمن الا اطعامه، وحق على الله ان يطعم

من اطعم مؤمناً من طعام الجنة“ :

”میرے نزدیک کوئی چیز مومن کے دیدار اور زیارت کے برابر نہیں ہے سوائے اس کو کھانا

کھلانے کے۔ اور جو شخص کسی مومن کو کھانا کھلائے خدا پر لازم ہے کہ وہ اُسے جنت کے

کھانوں میں سے کھانا کھلائے۔“

۴۔ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی ہمارے

پکڑ لی اور عرض کیا : اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ای اعمال افضل ؟ تمام اعمال میں کون سا عمل افضل

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”الطعام الطعام، واطياب الكلام“ :

”لوگوں کو کھانا کھلانا اور خوش کلام ہونا۔“

۱۔ ”بجاء الانوار“ جلد ۴، حدیث ۳۵ ص ۳۶۵

۲۔ ”ذہبی مدرک“ حدیث ۳۸

۳۔ ”اصول کافی“ جلد ۲، باب اطعام المؤمن حدیث ۱۷

۴۔ ”بجاء الانوار“ جلد ۴، ص ۳۸۸ حدیث ۱۱۳

۵۔ اور آخر میں ایک حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے :

” من عال اهل بیت من المسلمین یوممہم و لیلتھم و غفر اللہ ذنوبہ : ”

” جو شخص مسلمانوں کے کسی گھرانے کی ایک رات دن پذیرائی کرے تو خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے ۔“

خداوند ! ہم سب کو توفیق دے تاکہ ہم اس عظیم کارِ خیر میں قدم رکھیں ۔

پروردگارا ! تمام اعمال میں ہمارے خلوص نیت میں اضافہ فرما ۔

بارالہ ! ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ہمیں اپنی نعمت و رحمت کا اس طرح سے مشمول قرار دے کہ تو بھی ہم سے خوش ہو اور ہم بھی خوش اور راضی ہوں ۔

آمین یا رب العالمین
اختتام سورۃ اللیل

سُورَةُ صٰحٰی

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

سورہ "الضحیٰ" کے مضامین اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو مکی سورتوں میں سے ہے، اور بعض روایات کے مطابق اس وقت نازل ہوا جب پیغمبر وحی کے وقتی طور پر منقطع ہو جانے اور "تاخیر سے پریشان تھے، اور دشمنوں کی زبان کھلی ہوئی تھی، تو یہ سورہ نازل ہوا، اور بارانِ رحمت کی طرح پیغمبر کے قلب پاک پر اترا، اور انہیں نئی تاب و توان بخشی اور بد زبانوں کی زبان کو بند کر دیا۔

اس سورہ کی دو قسموں کے ساتھ ابتدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد پیغمبر کو بشارت دیتا ہے کہ خدا نے آپ کو ہرگز نہیں پھوڑا۔ اس کے بعد آپ کو یہ خوش خبری دیتا ہے کہ خدا آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ اور آخری مرحلہ میں، پیغمبر کی گزشتہ زندگی کو آپ کی نظر میں مجسم کرتا ہے کہ خدا نے ہمیشہ آپ کو کس طرح سے اپنی انواع و اقسام کی رحمت کا مشمول قرار دیا ہے، اور زندگی کے سخت ترین لمحات میں اُس نے آپ کی حمایت کی ہے۔ اور اسی لیے آخری آیات میں آپ کو حکم دیتا ہے کہ (خدا کی ان عظیم نعمتوں کے شکرانہ کے طور پر) یتیموں اور حاجت مندوں پر مہربانی کریں اور خدا کی نعمت کو یاد کرتے رہیں۔

اس سورہ کی فضیلت میں یہی بات کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے :

"من قرأها کان ممن یرضاه اللہ، ولحمدا (ص) ان یشفع لہ ولہ عشر حسنات بعدد

کل یتیم وسائل !

"جو شخص اس کی تلاوت کرے گا وہ ایسے لوگوں میں سے ہو گا جن سے خدا راضی ہو گا، اور وہ اللہ تعالیٰ سے ہو گا کہ خدا اس کی شفاعت کریں اور ہر یتیم اور سوال کرنے والے مسکین کے برابر دس دس حسنات اس کے لیے ہوں گے۔"

اور یہ سب فضائل اس کے لیے ہیں جو اُسے پڑھے اور اس پر عمل کرے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ متعدد روایات کے مطابق یہ سورہ اور اس کے بعد والا سورہ (سورۃ الاحزاب) ایک ہی اور چونکہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک مکمل سورہ پڑھنا چاہیئے، لہذا ان دونوں سورتوں کو اکٹھا ملا کر پڑھنا چاہیئے، (یہی بات سورہ اور لایلاف کے بارے میں بھی کہی گئی ہے)۔

اور اگر ہم صحیح طور پر ان دونوں سورتوں کے مطالب میں غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ان دونوں کے مطالب ایک دوسرے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ یقینی طور پر ایک کا دوسرے کے ساتھ تسلسل قائم ہے، اگرچہ ان دونوں کے درمیان "بسم اللہ" کا فاصلہ ہے۔ اس بارے میں کہ کیا یہ دونوں سورتیں ہر لحاظ سے ایک ہی ہیں؟ یا انہیں خصوصیت کے ساتھ نماز میں ایک سورہ کے میں شمار کرنا چاہیئے؟ اس میں اختلاف ہے، جن کی تفصیل کا فرقہ کی کتابوں میں (قرابت نماز کی بحث میں) مطالعہ کرنا چاہیئے۔ بہر حال علماء کا اجماع اس بات پر ہے کہ قرابت نماز میں ان میں سے ایک سورہ پر قناعت نہیں کرنا چاہیئے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ وَالضُّحِ ۝
- ۲۔ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ۝
- ۳۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝
- ۴۔ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝
- ۵۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ قسم ہے دن کی جب کہ سورج نکل آئے (اور ہر جگہ کو گھیر لے)۔
 - ۲۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ساکن ہو جائے۔
 - ۳۔ کہ ہرگز نہ تو خدا نے تجھے پھوڑا ہے اور نہ ہی تجھ سے غصہ ہوا ہے۔
 - ۴۔ اور یقینی طور پر تیرے لیے آخرت دُنیا سے بہتر ہے۔
 - ۵۔ اور عنقریب تیرا رب تجھے اس قدر دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

شان نزول

اس سورہ کے شان نزول کے بارے میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں جن میں سب سے زیادہ واضح ذیل کی روایت ہے۔

”ابن عباسؓ کہتے ہیں: پندرہ دن گزر گئے اور پیغمبرؐ پر وحی نازل نہ ہوئی۔ مُشرکین نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار نے اُسے چھوڑ دیا ہے اور اس کا دشمن ہو گیا ہے۔ اگر اُس کی یہ بات سچ ہے کہ اس کی ماموریت خدا کی جانب سے ہے تو پھر اس پر مسلسل وحی نازل ہوتی۔ اس موقع پر اُوپر والی سُورت نازل ہوئی (اور ان کی باتوں کا جواب دیا)۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث کے مطابق جب یہ سُورہ نازل ہوا تو پیغمبرؐ نے جبریل سے فرمایا: ”تُو نے دیر لگا دی حالانکہ میں شدت سے تیرا مشتاق تھا“ تو جبریل نے کہا:

وانا كنت اشد اليك شوقا : ”میں تو خود آپ کا بہت زیادہ مشتاق تھا، لیکن میں بندہ مامور ہوں اور پروردگار کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتا۔“

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئی اور ”ذی القربین“ و ”اصحابِ کہف“ اور ”روح“ کی خلقت کے بارے میں سوال کیا: پیغمبرؐ نے فرمایا:

”میں کل تمہیں بتاؤں گا“، اور انشاء اللہ نہ کہا، لہذا اسی وجہ سے وحی الہی کئی دن تک منقطع رہی اور دشمنوں کی زبانِ شہادت سے کھل گئی، اور اسی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمگین ہو گئے۔ تو یہ سُورہ نازل ہوا تاکہ پیغمبرؐ کے دل کی تسلی کا باعث ہو (لیکن یہ شانِ نزول بعید نظر آتی ہے، کیونکہ یہودیوں کا پیغمبرؐ سے آکر ملنا اور اس قسم کے سوالات کرنا عام طور پر مدینہ میں تھا نہ کہ مکہ میں)۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے عرض کیا، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر وحی کیوں نازل نہیں ہوتی؟ آپ نے فرمایا:

”كيف ينزل على الوحي وانت لا تنفون براجمكم ولا تقلمون اظفاركم“

”مجھ پر وحی کیسے نازل ہو جب کہ تم اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو پاک و صاف نہیں رکھتے اور ناخن نہیں کترواتے!“

اس بارے میں کہ انقطاع وحی کی مدت کس قدر تھی؟ مختلف روایات ہیں۔ بعض نے بارہ دن، بعض نے پندرہ دن، بعض نے پچیس دن اور بعض نے چالیس دن تک نقل کیے ہیں، اور ایک روایت میں صرف دو تین شب و روز بھی نقل ہوئے ہیں۔

تفسیر

تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا

اس سُورہ کے آغاز میں بھی دو قسمیں کھائی گئی ہیں:

لے ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۰۴، (تقریبی سی تلخیص اور اقتباس کے ساتھ)۔

۱۔ "نور" (روشنی) کی قسم
۲۔ "ظلمت" (تاریکی) کی قسم، فرماتا ہے:
"قسم ہے دن کی جب کہ سورج نکل آئے اور ہر جگہ کو گھیر لے" (والضحیٰ)۔
"اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ساکن ہو جائے اور ہر جگہ کو سکون و آرام میں غرق کر دے" (واللیل اذا سبج)۔
"ضحیٰ" دن کے پہلے حصہ کے معنی میں ہے جب کہ سورج آسمان پر اوجھا ہو جائے، اور اس کی روشنی ہر جگہ مستط ہو جائے اور یہ درحقیقت دن کا بہترین وقت ہوتا ہے۔

اور بعض کی تفسیر کے مطابق یہ فصل جوانی کے حکم میں ہے، جب کہ گرمیوں کی ہوا ابھی گرم نہیں ہوتی، اور سردیوں میں ہوا کی سردی ٹوٹی ہوئی ہوتی ہے اور انسان کی روح و جان اس موقع پر ہر قسم کی فعالیت کے لیے آمادہ ہوتی ہے۔
"سبجی" "سججو" (بروزن سرد، اور بروزن غلو) کے مادہ سے اصل میں سکون و آرام کے معنی میں ہے، اور "چھپانے" اور "تاریک ہونے" کے معنی میں بھی آیا ہے، اسی لیے جب "میت" کو کفن میں لپیٹ دیتے ہیں تو اسے "سبجی" کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں یہ وہی اصلی معنی دیتا ہے جو سکون و آرام ہے۔ اسی وجہ سے ان راتوں کو جن میں ہوا نہ چلے "لیلۃ ساجیۃ" (آرام و سکون کی رات) کہتے ہیں، اور طوفان اور امواج خودِ شال سے خالی سمندر کو "بحر ساج" (پُر سکون سمندر) کہا جاتا ہے۔
بہر حال جو چیز رات کے سلسلہ میں اہم ہے وہی سکون و آرام ہے جو اس پر حکم فرما ہے، اور طبعا انسان کے اعصاب اور روح کو سکون و آرام میں ڈبو دیتی ہے اور کل اور آئندہ آنے والے دنوں میں سعی اور کوشش کے لیے آمادہ و تیار کرتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بہت ہی اہم نعمت ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی قسم کھائی جائے۔

ان دونوں قسموں اور آیت کے مضمون کے درمیان شباهت اور ایک قریبی ربط موجود ہے۔ دن تو پیغمبرؐ کے پاک دل پر وحی کے نذر کے نزول کی مانند ہے اور رات وقتی طور پر وحی کے انقطاع کے مانند ہے جو بعض مقاطع اور اوقات میں ضروری ہے۔
ان دونوں عظیم قسموں کے بعد نتیجہ اور جواب قسم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "تیرے پروردگار نے ہرگز تجھے چھوڑا نہیں ہے اور نہ ہی تجھ سے غصہ ہوا ہے" (ماودعک ربک وما قلی)۔
"ودع" "تودیع" کے مادہ سے، چھوڑنے اور وداع کر دینے کے معنی میں ہے۔

"قلی" "قلا" (بروزن صدا) کے مادہ سے شدت بغض و عداوت کے معنی میں ہے، اور مادہ "قلو" (بروزن سرد) پھینکنے اور دھکا دینے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

راغب کا نظریہ یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں، کیونکہ جو شخص کسی سے دشمنی کرتا ہے تو گویا دل اسے دھکا دے دیتا ہے، اور اسے قبول نہیں کرتا۔

بہر حال یہ تفسیر پیغمبرؐ کی ذات کے لیے ایک دلداری اور تسلی کے طور پر ہے کہ وہ اچھی طرح یہ جان لیں کہ اگر کبھی نزول وحی میں تاخیر یہ مادہ "ناقص بائی" کی صورت میں بھی آیا ہے اور "ناقص وادی" کی صورت میں بھی، پہلی صورت میں بغض و عداوت کے معنی میں ہے اور دوسری صورت میں پھینکنے اور دھکا دینے کے معنی میں ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے دونوں معنی ایک ہی جڑ اور ریشہ کی طرف لوٹتے ہیں۔

ہو جائے تو وہ کچھ مصالح کی بنا پر ہوتی ہے جسے خدا ہی جانتا ہے، اور ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دشمنوں کے قول مطابق خدا اس سے خشمگین اور غصہ ہو گیا ہے، یا اس کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ ہمیشہ ہی خدا کے خاص لطف و کرم اور عنایات کے مستحق ہوتے ہیں اور ہمیشہ اس کی خاص حمایت کے زیر سایہ رہتے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ”بے شک عالم آخرت تیرے لیے اس دنیا سے بہتر ہے۔“ (وللآخرۃ خیر من الاولیٰ)۔ اور تو اس دنیا میں بھی اس کے الطاف کا مشمول ہے، اور آخرت میں اس سے بیشتر و بہتر ہو گا۔ نہ تو تجھ پر یہاں کی فتنوں میں پروردگار کا غضب ہو گا اور نہ ہی آخرت کی دراز مدت میں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دنیا میں بھی محترم ہے آخرت میں بھی محترم ہے، البتہ دنیا میں عزیز و محترم ہے اور آخرت میں عزیز تر و محترم تر ہے۔

بعض مفسرین نے ”آخرت“ اور ”اولیٰ“ کو پیغمبر کی عمر کے آغاز و انجام کی طرف اشارہ سمجھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سے یہ ہے کہ تو اپنی آخری عمر میں زیادہ موافق اور زیادہ کامیاب ہو گا۔ اور یہ اسلام کی وسعت اور پھیلاؤ اور مسلمانوں کی دشمنوں پر بار بار کامیابیوں اور جنگوں میں ان کی فتوحات اور اسلام کے پودے بارور ہونے اور شرک و بت پرستی کے آثار کے مٹ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

ان دونوں تفاسیر کے درمیان جمع میں بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

اور آخری زیر بحث آیت میں پیغمبر کو افضل و برتر خوش خبری دیتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”عنقریب تیرا پروردگار تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا“ (ولسوف یعطیک ربک فخرضیٰ)۔

یہ خدا کا اپنے بندہ خاص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بالاترین احترام و اکرام ہے کہ فرماتا ہے: اس قدر تجھے بخشے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ دنیا میں تو دشمنوں پر کامیاب ہو جائے گا اور تیرا دین عالمگیر ہو جائے گا، اور آخرت میں بھی تو عظیم ترین نعمتوں کا مشمول ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاتم انبیاء اور عالم بشریت کا رہبر ہونے کی حیثیت سے صرف اپنی ہی نجات پر خوش نہیں ہو سکتے، بلکہ آپ اس وقت راضی اور خوش ہوں گے جب آپ کی شفاعت آپ کی امت کے بارے میں بھی قبول ہو جائے گی۔ اس بنا پر روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت اُمید بخش ترین آیت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ حضرت امین العابدین علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے چچا ”محمد بن حنفیہ“ سے، انہوں نے اپنے باپ امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے دن میں موقف شفاعت میں کھڑا ہو جاؤں گا اور گناہ گاروں کی اس قدر شفاعت

کروں گا، کہ خدا فرمائے گا:

ارضیت یا محمدؐ؟“ اے محمد کیا تم راضی ہو گئے؟!

تو میں کہوں گا، رضیت، رضیت: "میں راضی ہو گیا، میں راضی ہو گیا!"
اس کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے اہل کوفہ کی ایک جماعت کی طرف رخ کیا اور مزید فرمایا: تمہارا یہ نظریہ ہے کہ قرآنی آیات میں سب سے زیادہ اُمید بخش آیت "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسکم ولا تقنطوا من رحمۃ اللہ" ہے (یعنی اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے اُپر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو)۔

اس جماعت نے کہا: جی ہاں! ہم اسی طرح کہتے ہیں:
آپ نے فرمایا: "لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ آیات قرآنی میں سب سے زیادہ اُمید بخش آیت "ولسوف یعطیک ربک فخرطی" ہے۔

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ پیغمبر کی شفاعت کے لیے کچھ شرائط ہیں، نہ تو آپ ہر شخص کے لیے شفاعت کریں گے اور نہ ہی ہر گنہگار اس کی توقع رکھ سکتا ہے۔ (اس بحث کی تفصیل جلد اول سورہ بقرہ کی آیت ۴۸ میں مطالعہ فرمائیے)۔
ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہوئے، جب کہ آپ کی بیٹی اُوش کی اُون کا سخت لباس پہنے ہوئے تھیں، ایک ہاتھ سے چکی پیس رہی تھیں، اور دوسرے ہاتھ سے اپنے فرزند کو دودھ پلا رہی تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا، بیٹی! دنیا کی تلخی کو آخرت کی شیرینی کے مقابلہ میں برداشت کر، کیونکہ خدا نے مجھ پر یہ نازل کیا ہے کہ تیرا پروردگار اس قدر تجھے دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔" (ولسوف یعطیک ربک فخرطی)۔

ایک نکتہ

انقطاع وحی کا فلسفہ

اوپر والی آیات کے مجموعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کی جانب سے ہے، یہاں تک کہ نزول وحی میں بھی آپ اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتے، جس وقت خدا چاہے وحی کو منقطع کر دے، اور جس وقت چاہے بقرار کر دے اور شاید انقطاع وحی بھی اسی مقصد کے لیے تھا، تاکہ ان لوگوں کا جواب ہو جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے من مانے اور اپنے میلان کے مطابق معجزوں کا تقاضا کرتے تھے، یا آپ سے فرمائش کرتے تھے کہ فلاں حکم یا فلاں آیت کو بدل دیجئے، اور آپ ان سے یہ فرماتے کہ میں ان امور میں اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا، (جیسا کہ سورہ یونس کی آیہ ۱۵ میں آیا ہے)۔

- ۶۔ اَلْمُرِيْجِدْكَ يَتِيْمًا فَاَوْى ۝
 ۷۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى ۝
 ۸۔ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى ۝
 ۹۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تُقْهَرْ ۝
 ۱۰۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝
 ۱۱۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

ترجمہ

- ۶۔ کیا تجھے یتیم نہیں پایا تو پھر پناہ دی ؟
 ۷۔ اور تجھے گم شدہ پایا تو رہنمائی کی ۔
 ۸۔ اور تجھے فقیر پایا تو بے نیاز کیا ۔
 ۹۔ اب جب کہ یہ بات ہے تو یتیم کو حقیر نہ سمجھ ۔
 ۱۰۔ اور سوال کرنے والے کو نہ دھتکار ۔
 ۱۱۔ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو یاد کر ۔

الطاف الہی
 اکرم صلی اللہ
 فر
 میں پرورش
 کے دل پہ
 حمایت
 ہا
 یہ ہے کہ
 اس جملہ کا
 جیسا کہ
 من
 لیکن ہم
 ہدایت

تفسیر

ان تمام نعمتوں کے شکرانے میں جو خدا نے تجھے دی ہیں

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس سورہ میں ہدف اور مقصد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی و دلداری اور آنحضرتؐ کے لیے الطاف الہی کا بیان ہے۔ لہذا گزشتہ آیات کو جاری رکھتے ہوئے، جن میں اس مطلب کو بیان کیا گیا تھا، زیر بحث آیات میں پہلے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی تین خاص نعمتوں کا ذکر کرتا ہے، اور اس کے بعد انہی سے مربوط تین اہم حکم انہیں دیتا ہے۔

فرماتا ہے: کیا خدا نے تجھے یتیم نہیں پایا تو تجھے اس نے پناہ دی؟ (المریجیدک یتیمًا فالوی)۔

تو ابھی شکم مادر میں ہی تھا کہ تیرا باپ عبد اللہ اس دنیا سے چل بسا، تو میں نے تجھے تیرے جد عبد المطلبؑ (سرور مکہ) کی آغوش میں پردوش کرائی۔

تو چھ سال کا تھا کہ تیری ماں دنیا سے چل بسی اور اس لحاظ سے بھی تو اکیلا رہ گیا، لیکن ہم نے تیرے عشق و محبت کو عبد المطلبؑ کے دل میں زیادہ کر دیا۔

تو آٹھ سال کا ہوا تو تیرا دادا "عبد المطلب بھی دنیا سے رخصت ہو گیا"، تو ہم نے تیرے چچا "ابوطالب" کو تیری خدمت و حمایت کے لیے مقرر کر دیا، تاکہ تجھے جان شیریں کی طرح رکھے اور تیری حفاظت کرے۔

ہاں! تو یتیم تھا اور میں نے تجھے پناہ دی۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے کچھ اور دوسرے معنی بیان کیے ہیں جو اس کے ظاہر کے ساتھ سازگار نہیں ہیں، مگر ان کے یہ ہے کہ یتیم سے مراد وہ شخص ہے جو شرافت و فضیلت میں اپنا مثل و نظیر نہ رکھتا ہو، جیسا کہ بے نظیر موتی کو "در یتیم" کہتے ہیں، لہذا اس جملہ کا معنی یہ ہو گا کہ خدا نے تجھے شرافت و فضیلت میں بے نظیر پایا۔ اس لیے تجھے انتخاب کیا اور مقام نبوت بخشا۔

دوسرا یہ ہے کہ تو خود ایک دن یتیم تھا لیکن آخر کار تو یتیموں کی پناہ گاہ اور انسانوں کا رہبر ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ پہلا معنی ہر لحاظ سے زیادہ مناسب ہے اور ظاہر آیت کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ ہے۔

اس کے بعد دوسری نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اور تجھے گم شدہ پایا تو تیری رہنمائی کی۔" (ووجدک ضالًا فهدا)۔

ہاں! تو ہرگز نبوت و رسالت سے آگاہ نہیں تھا، اور ہم نے یہ نور تیرے دل میں ڈالا، تاکہ تو اس کے ذریعہ انسانوں کو ہدایت کئے جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے: ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان ولكن جعلناه نورًا انصدي به من انشاء من عبادنا: "نہ تو تو کتاب ہی کو جانتا تھا اور نہ ہی ایمان کو" (یعنی نزول وحی سے پہلے تو اسلام و قرآن کے مطالب سے آگاہ نہیں تھا)۔

لیکن ہم نے اس کو ایک ایسا نور قرار دیا ہے کہ جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت کرتے ہیں (شوریٰ - ۵۲)۔

یہ بات واضح ہے کہ پیغمبر کے پاس مقام نبوت و رسالت تک پہنچنے سے پہلے یہ الہی فیض نہیں تھا۔ خدا نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر ہدایت فرمائی اور اس مقام تک پہنچا دیا، جیسا کہ سورہ یوسف کی آیہ ۳ میں آیا ہے: نحن نقص عليك احسن القصص بما اوحينا

۲۱

عائلاً ذ

جن

میں دے

مال ہائے

ایک

۱۱

کے

یا آپ کے

اس کے

لطف و محبت

ہو جاتی ہے

رسول اللہ

(فاما)

۱

۲

الْبَیْکَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغَافِلِينَ: "ہم نے قرآن کی وحی کے ذریعے ایک بہترین داستان تیرے لیے بیان کی ہے، اگرچہ تو اس سے پہلے اس سے آگاہ نہیں تھا۔

یقیناً اگر ہدایت الہی اور غیبی اندازیں پیغمبر کے ہاتھ کو نہ پکڑتیں تو وہ ہرگز منزل مقصود کا راستہ نہ پاتے۔

اس بنا پر یہاں "ضلالت" سے مراد ایمان، توحید، پاکیزگی اور تقویٰ کی نفی نہیں ہے، بلکہ ان آیات کے قرینہ سے جن کی بات

اوپر اشارہ ہوا ہے، اسرار نبوت اور قوانین اسلام سے آگاہی کی نفی، اور ان حقائق سے عدم آشنائی تھی، جیسا کہ بہت سے مفسرین نے

کہا ہے لیکن بعثت کے بعد پروردگار کی مدد سے ان تمام امور سے واقف ہو گئے اور ہدایت پائی، (غور کیجئے)۔

سورہ بقرہ کی آیہ ۲۸۲ میں قرضوں کی سند لکھنے کے مسئلہ میں متعدد گواہوں کے فلسفہ کو ذکر کرتے وقت فرماتا ہے: اِنْ تَضَلَّ

اِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرْ اِحْدَاهُمَا الْآخِرَى: "یہ اس بنا پر ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک گمراہ ہو جائے اور بھول جائے تو

دوسری اسے یاد دلادے۔

اس آیت میں "ضلالت" صرف بھول جانے کے معنی میں آیا ہے "فتذکر" کے جملہ کے قرینہ سے۔

یہاں اس آیت کے لیے اور کئی دوسری تفاسیر بھی بیان ہوئی ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تو بے

نشان تھا، خدا نے تجھے اس قدر بے نظیر نعمتیں عطا کیں کہ تو ہر جگہ پہچانا جانے لگا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ تو اپنے پیچھے میں کئی مرتبہ گم ہوا۔ (ایک دفعہ مکہ کے دروں میں جب کہ تو عبدالمطلب کی پناہ میں تھا، او

دوسری مرتبہ اس وقت جب تیری رضاعی ماں "علیہ سعدیہ" دودھ پلانے کی مدت کے اختتام پر تجھے مکہ کی طرف لارہی تھی تاکہ تجھے عبدالمطلب

کے سپرد کرے تو راستہ میں گم ہو گیا، اور تیسری مرتبہ اس وقت جب تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ اس قافلہ میں جو شام کی طرف جا

رہا تھا، ایک تاریک اور اٹھیری رات میں گم ہو گیا تھا) اور خدا نے ان تمام موارد میں تیری رہنمائی کی، اور تجھے تیرے جد یا چچا کی محبت بھری

آغوش تک پہنچا دیا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "ضال" لغت کے لحاظ سے دو معانی کے لیے آیا ہے: ۱۔ "گم شدہ" اور ۲۔ "گم راہ" مثلاً

کہا جاتا ہے کہ: الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ: "حکمت و دانش مومن کی گم شدہ چیز ہے؟

اور اسی مناسبت سے منفی اور غائب کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ سورہ سجدہ کی آیہ ۱۰ میں آیا ہے: مَكْرَاهٍ مَعَادٍ كَمَا كُنْتَ تَقْهَرُ

عَازِدًا ضَلَلْنَا فِي الْأَمْرِ عَنِ الْفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ: کہ جب ہم زمین میں پنہاں اور غائب ہو جائیں گے تو پھر ایک نئی خلقت اختیار

کریں گے"۔

اگر زیر بحث آیت میں "ضال" "گم شدہ کے معنی میں ہو تو پھر کوئی مشکل پیش نہیں آتی، (یعنی تو گم شدہ تھا لوگ تیری عظمت و

شرافت سے ناواقف تھے، پس ہم نے انہیں تیری طرف ہدایت کی، - مترجم)

اور اگر یہ "گمراہ کے معنی میں ہو تو اس سے مراد بعثت سے پہلے راہ نبوت و رسالت تک دسترس نہ رکھنا ہوگی، یا دوسرے

لفظوں میں پیغمبر اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں رکھتے تھے، جو کچھ تھا وہ خدا کی طرف سے تھا، اس بنا پر دونوں ہی صورتوں میں کوئی مشکل پیش

نہیں آئے گی۔

اس کے بعد تیری نعمت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے : خدا نے تجھے فقیر پایا تو غنی دے (ووجدك عائلاً فاغنی)۔

جناب "خدینجہ" جیسی شخص و با وفا خاتون کی توجہ تیری طرف مبذول کی، تاکہ وہ اپنی عظیم ثروت و دولت کو تیرے اختیار میں دے دے اور تیرے عظیم اہداف و مقاصد کے لیے وقف کر دے۔ اور اسلام کے غلبہ کے بعد جنگوں میں بکثرت مال ہائے غنیمت تجھے عطا کیے، اس طرح سے کہ تو اپنے عظیم مقاصد تک پہنچنے کے لیے بے نیاز ہو گیا۔

ایک روایت میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے ان آیات کی تفسیر میں اس طرح فرمایا،

"الوجدك یتیمًا فاوی قال: فردًا لا مثل لك فی المخلوقین" فاوی الناس الیک، ووجدك ضالًا ای ضالًا فی قوم لا یعرفون فضلك فهداهم الیک، ووجدك عائلاً تقول اقواماً بالعلم فاعناهم بک؛

"کیا ہم نے تجھے اپنی مخلوق کے اندر یتیم یعنی بے نظیر فرد نہیں پایا تو ہم نے لوگوں کو تیری پناہ میں دے دیا، اور تجھے اپنی قوم کے درمیان گمشدہ اور نا پہچانا ہوا پایا، جو تیرے مقام و فضل کو نہیں پہچانتے تھے، تو خدا نے انہیں تیری طرف ہدایت کی اور تجھے علم و دانش میں اقوام عالم کا سرپرست قرار دیا اور انہیں تیرے ذریعے بے نیاز کر دیا،

البتہ یہ حدیث آیت کے بطون کو بیان کرتی ہے ورنہ آیت کا ظاہر وہی ہے، جو اوپر بیان کیا گیا۔

لیکن یہ تصور نہیں ہونا چاہیے کہ یہ امور جو آیت کے ظاہر میں بیان ہوئے ہیں پیغمبر کے مقام بلند میں کمی اور نقص کا سبب ہیں یا آپ کے بارے میں پروردگار کی طرف سے منفی توصیف ہے۔ بلکہ یہ تو حقیقت میں الطاف الہی اور اس عظیم پیغمبر کے بارے میں اس کے اکرام و احترام کا بیان ہے، جب محبوب و لباختہ عاشق کے بارے میں اپنے لطف و کرم کی بات کرتا ہے تو یہ خود ایک لطف و محبت ہے اور اس کے لطف خاص کی دلیل ہے اور اسی بنا پر محبوب کی طرف سے ان الفاظ کے سُننے سے اس کی روح تازہ ہو جاتی ہے، اور اس کی جان میں صفا پیدا ہوتی ہے، اور اس کے دل کو آرام و سکون حاصل ہوتا ہے۔

بعد والی آیات میں گزشتہ آیات سے نتیجہ نکالتے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین احکام دیتا ہے، اگرچہ ان میں مخاطب رسول اللہ کی ذات گرامی ہے، لیکن یقیناً وہ سب کو شامل ہیں، پہلے فرماتا ہے: "جب معاملہ یہ ہے تو پیغمبر یتیم کی حقیر و تذلیل نہ کر" (فاما الیتیم فلا تقهر)۔

"تقهر" "قهر" کے مادہ سے "مفروات" ہیں "راغب" کے قول کے مطابق، اس غلبہ کے معنی میں ہے جس کے ساتھ "عائل" اصل میں عیال دار شخص کے معنی میں ہے، چاہے وہ غنی و توغر ہو، لیکن یہ لفظ فقیر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور زیر بحث آیت میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ "راغب" کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر "عال" اجوف یا بی ہو تو فقیر کے معنی میں ہے، اور اجوف ہی ہو تو کثیر العیال کے معنی میں ہوتا ہے، (لیکن ان دونوں کا لازم و ملزوم ہونا بعید نہیں ہے)۔

حالانکہ یہ قرآن میں بارہا اس معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ سورہ فاریات کی آیہ ۱۹ میں آیا ہے: **وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ**: ”ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے حق ہے اور یہی معنی سورہ معارج کی آیہ ۲۵ اور سورہ بقرہ کی آیہ ۱۷۷ میں بھی آیا ہے۔

اور آخر میں تیسرے اور آخری حکم میں فرماتا ہے: **اور باقی رہیں تیرے پروردگار کی نعمتیں تو تو ان کو بیان کر** (واما بنعمۃ ربك فحدّث)۔

نعمت کو بیان کرنا کبھی تو زبان سے ہوتا ہے اور ایسی تعبیروں سے جو انتہائی شکر و سپاس کی ترجمان ہوتی ہیں، ذکر غرور و تکبر اور برتری کے خیال سے، اور کبھی عمل سے بھی ہوتا ہے، اس طرح کہ اس سے راہ خدا میں انفاق و بخشش کرے، ایسی بخشش جو اس بات کی نشان دہی ہو کہ خدا نے اُسے فراوان نعمت عطا کی ہے۔

یہ سخی اور کریم لوگوں کی سُنت ہے کہ جب انہیں کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اُسے بیان کرتے ہیں اور خدا کا شکر بجا لاتے ہیں۔ اور ان کا عمل بھی اس حقیقت کی تائید و تاکید کرتا ہے، بہت ہمت بخلیوں کے برعکس جو ہمیشہ نالہ و فریاد کرتے ہیں، اور اگر ساری دنیا بھی انہیں دے دیں، تو بھی نعمتوں پر پردہ پوشی ہی کرتے رہتے ہیں۔ ان کا چہرہ فقیرانہ اور ان کی باتیں آہ و زاری کے ساتھ، اور ان کا عمل بھی فقر و فاقہ کو بیان کرنے والا ہوتا ہے۔

یہ اس حالت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”ان الله تعالى اذا انعم على عبد لعمه يحب ان يری اثر النعمۃ علیہ“:

”خداوندِ عالم جب کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے، تو وہ اس بات کو دوست رکھتا ہے

کہ اس پر نعمت کے آثار دیکھے“

اس بنا پر آیت کے معنی کا حاصل اس طرح ہے: اس بات کے شکر لانے میں کہ توفیق تھا اور خدا نے تجھے بے نیاز کیا ہے، تو بھی نعمت کے آثار کو آشکار کر، اور گفتار و عمل سے اس خدائی نعمت کو بیان کر۔

لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ”نعمت“ سے مراد صرف معنوی نعمتیں ہیں، منجملہ ان کے نبوت یا قرآن مجید ہے کہ پیغمبرؐ اس کی تبلیغ کے ذمہ دار تھے، اور نعمت کو بیان کرنے سے مراد یہی ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ یہ تمام مادی و معنوی نعمتوں کو شامل ہو۔

لہذا ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: کہ آیت کا معنی اس طرح ہے:

حدث بما اعطاك الله، وفضلک، ورزقک، واحسن اليک وهداک:

”جو کچھ خدا نے تجھے بخشا ہے، برتری دی ہے، روزی عطا کی ہے، اور تیرے ساتھ

نیکی اور احسان کیا ہے اور تجھے ہدایت کی ہے، ان سب کو بیان کر“

اور بالآخر ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دستور لکلی کے عنوان سے آیا ہے :
 "من اعطی خیراً فلعیر علیہ ، سحی بفض اللہ معادیا لنعم اللہ"
 "جس شخص کو کوئی خیر و نعمت دی جائے ، لیکن اس کی شخصیت میں اس کے آثار نظر آئیں
 تو اُسے خدا کا دشمن اور اس کی نعمتوں کا مخالف شمار کرنا چاہیئے۔
 ہم اس گفتگو کو : امیر المؤمنینؑ کی ایک دوسری حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں ، آپؐ نے فرمایا :
 "ان اللہ جمیل یحب الجمال ، ویحب ان یری اثر النعمۃ علی عبده۔"
 "خدا جمیل ہے اور وہ جمال و زیبائی کو دوست رکھتا ہے ، اور اسی طرح سے وہ اس
 بات کو دوست رکھتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کے آثار دیکھے۔" ٹ

چند نکات

۱۔ مصائب و آلام کے درمیان سے مبعوث ہونے والا پیغمبر
 اُپر والی آیات جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی نعمتوں کی تشریح و تفصیل کو بیان کرتی ہیں ، ضمنی طور پر اس نکتہ کو بھی بیان
 کرتی ہیں کہ آپؐ بچپن کے آغاز سے ہی یتیم تھے ، مادی لحاظ سے سخت و شدید حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے ، مصائب و آلام
 میں گھرے ہوئے تھے اور انہیں مصائب میں مبعوث ہوئے تھے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔
 ایک خدائی اور انسانی رہبر کو زندگی کی تلخیوں کو چکھنا ، پریشانیوں کو ذاتی طور پر لمس کرنا ، اور اپنے سارے وجود کے ساتھ تلخیوں کا احساس
 کرنا چاہیئے۔ تاکہ معاشرے کے محروم طبقات کی صحیح طور سے قدر کر سکے ، اور ایسے لوگوں کے حالات سے جو مصائب و آلام میں مبتلا ہیں
 باخبر ہو سکے۔
 پھر بچپن میں ہی باپ کی شفقت سے محروم ہو جائے ، تاکہ اپنے یتیم بچوں کی مصیبت سے باخبر رہے ، دن اس کے بھوک
 میں گزریں ، اور راتوں کو بھوکا سوئے تاکہ بھوکوں کے درد اور تکلیف کو اپنے سارے وجود کے ساتھ محسوس کرے۔
 یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ کسی یتیم کو دیکھتے تھے تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ اُسے اپنی گود میں بٹلاتے تھے
 اس پر نوازش و شفقت کرتے تھے ، اور اپنی جان شریں کی طرح اپنی آغوش میں لے لیتے تھے۔
 اور پھر اس نے معاشرے کے تمدن میں فقر کو اچھی طرح سے درک کیا ہو ، تاکہ جو لوگ علم و دانش کے حصول کے لیے اس کی
 خدمت میں آئیں ان کا احترام کرے ، اور کھلی آغوش کے ساتھ اُن کی پذیرائی کرے۔
 نہ صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ شاید تمام کے تمام انبیاء مصائب اور محرومیوں کے پروردہ تھے ، اور نہ صرف انبیاء بلکہ
 تمام سچے اور موقر رہبر ایسے ہی ہوئے ہیں اور انہیں ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

۲۔ "تفسیر قرطبی" جلد ۱۰ ص ۱۹۲ ، اسی معنی کے قریب قریب کافی جلد ۶۔ کتاب الزی والتجمل حدیث ۲ میں بھی آیا ہے۔

۳۔ فروع کافی جلد ۶ ص ۲۳۸ حدیث

جس شخص نے ناز و نعمت کے درمیان پرورش پائی ہو، شان و شوکت والے سخلوں میں بسر کی ہو، اُس نے جب بھی کوئی خواہش کی ہو وہ پوری ہوگئی ہو، وہ محروم لوگوں کے درد و تکلیف کو کس طرح سے درک کر سکتا ہے اور فقر و مساکین کے کاشانی اور یتیموں کے گھروں کا منظر اُس کی نظروں میں کیسے عجم ہو سکتا ہے اور وہ ان کی کمک اور مدد کے لیے بنے تابی کے ساتھ کیسے آگے بڑھ سکتا ہے؟

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”ما بعث اللہ نبیا قط حتی یسترعیہ الغنم لعلہ بذالك رعیة الناس“

”خدا نے ہرگز کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں کیا جب تک اس سے بھیڑ بکریوں کی چوپائی

کا کام نہیں کرایا، تاکہ وہ اس طریقہ سے انسانوں کی نگہبانی کا طریقہ سیکھ سکیں۔“

یعنی ایک تورنچ و تکلیف برداشت کیا، دوسرے کم شعور افراد کے مقابلہ میں صبر و تحمل کا تجربہ کیا اور کوہ و صحرا اور فطرت و مادہ کی آغوش میں توحید و عرفان کے عظیم سبق حاصل کیے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ”موسیٰ بن عمران“ نے اپنے خدا سے سوال کیا کہ میں کس بنا پر اس مقام تک پہنچا؟ خطا قدرت ہوا، کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب گوسفند کا ایک بچہ تیرے گلے سے بھاگ گیا تھا، تو اُس کے پیچھے گیا اور اس کو پکڑ لیا اور اس سے کہا: اے حیوان! تُو نے اپنے آپ کو کیوں تھکا لیا؟ پھر تُو اُس کو دوش پر اٹھا کر گوسفندوں کے گلدے میں واپس لے آیا، میں نے اسی بنا پر تجھے مخلوق کا سرپرست بنا دیا ہے۔ (ایک جانور کے مقابلہ میں تیرا یہ عجیب و غریب تحمل و حوصلہ، تیری عظیم روحی قدرت کی دلیل ہے۔ لہذا تو اس عظیم مقام کے لائق ہے)۔

۲۔ یتیموں پر نوازش و شفقت

چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کا وجود، جو بچپن میں اپنے باپ کی شفقت سے محروم ہو چکے ہوں، ہر معاشرے میں اجتناب ناپذیر ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے بچوں کی کئی جہات سے حمایت ہونی چاہیے۔ شفقت و مہربانی کے لحاظ سے بہت سی محرومیاں ہوتی ہیں۔ اگر ان کے وجود کا خلا اس لحاظ سے پر نہ ہو تو غیر صحیح و غیر سالم اور بہت سے مواقع پر سنگ دل، مجرم اور خطرناک بچے پروان چڑھتے ہیں۔ علاوہ ازیں عواطف انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ تمام لوگ ان کی طرف معاشرے کے تمام بچوں کی طرح توجہ اور حمایت کریں۔ اور ان تمام باتوں سے قطع نظر لوگ اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں جو ممکن ہے انہیں حالات سے دوچار نہ ہو جائیں، مطمئن ہوں۔

بہت سے موارد میں یتیم بچے ایسے مال کے مالک ہوتے ہیں جسے وقت و امانت کے ساتھ ان کے مستقبل کے لیے محفوظ رکھنا چاہیے۔ اور بہت سے موارد میں ان کے ہاں مالی امکانات و وسائل کا فقدان ہوتا ہے۔ لہذا انہیں اس لحاظ سے بھی مورد توجہ ہونا چاہیے اور دوسرے لوگوں کو، مہربان ماں باپ کی طرح، ان کی رُوح سے یتیمی کے رنج اور تکلیف کو دور کرنا چاہیے اور تنہائی کے گرد و غبار کو ان کے

پھر سے ہٹا دینا چاہیئے۔

اسی لیے قرآن مجید کی آیات، اور بہت سی اسلامی روایات میں اس مسئلہ پر تنبیہ ہو رہی ہے جس میں اخلاقی پہلو بھی ہے معاشرتی اور انسانی پہلو بھی۔

یہ حدیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معروف ہے کہ آپ نے فرمایا :

”ان الیتیم اذا بکی اهتز لکائتہ عرش الرحمن!“

”جب یتیم روتا ہے تو خدائے رحمان کا عرش لرز اٹھتا ہے۔“

”خدا اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے : اے میرے فرشتو! اس یتیم کو جس کا باپ

مٹی میں ردپوش ہو گیا ہے، کس نے رلا دیا؟ فرشتے کہتے ہیں : خدایا تو زیادہ بہتر

طور سے جانتا ہے۔ خدا فرماتا ہے : اے میرے فرشتو! میں تمہیں گواہ بنا کر رکھتا ہوں

کہ جو شخص اس کو رونے سے خاموش کرے گا، اور اس کے دل کو خوش کرے گا، میں

قیامت کے دن اسے خوش کر دوں گا۔“

اس سے بالاتر ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”اذا بکی الیتیم وقعت دموعہ فی کف الرحمن۔“

”جب یتیم روتا ہے تو اس کے آنسو خدائے رحمان کے ہاتھ میں پڑتے ہیں۔“

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”انا وکافل الیتیم کھاتین فی الجنة اذا اتقی اللہ عز وجل وانشاء

بالسبابة والوسطی“ :

”میں اور یتیم کا سرپرست ان دو کی طرح جنت میں ہوں گے، بشرطیکہ وہ خوف خدا

اور تقویٰ رکھتا ہو۔ پھر آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔“

اس موضوع کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے مشہور وصیت نامہ میں یتیموں کی طرف توجہ

اور دھیان دینے کو نماز و قرآن کی طرف توجہ کرنے کے ساتھ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں :

”اللہ اللہ فی الایتام فلا تقبوا افواہہم ولا یضیعوا بحضرتکم۔“

”خدا کو یاد رکھو، خدا کو یاد رکھو! یتیموں کو کبھی سیر اور کبھی بھوکا نہ رکھو، اور تمہارے سامنے وہ ضائع نہ ہوں۔“

۱۔ ”مجمع السیاق“ جلد ۱۰ ص ۵۰۶۔

۲۔ ”تفسیر فخر رازی“ جلد ۳۱ ص ۲۱۹۔

۳۔ ”نور الثقلین“ جلد ۵ ص ۵۹۷ حدیث ۲۳۔

۴۔ ”نہج البلاغہ خط نمبر ۴۷ حصہ خطوط۔“

ایک حد

آپ کی خدمت

نے آپ کو کھا۔

نے کہ آپ،

پیغمبر صلی

”معاذ۔“

(یتیم بچہ ہاجرین)

پیغمبر صلی

آپ صلی

البتہ ایہ

نہ کریں، بلکہ انہیں

اور انہیں اسلامی

۳۔ نعمتوں

وہ حکم جو

دکھانے اور فقر

اثرات رکھتا ہے

۱۔ ”مجمع ال

ایک حدیث میں پیغمبرؐ کے ایک صحابی سے آیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم رسول خداؐ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بچہ آپؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: "میں ایک یتیم بچہ ہوں، میری ایک یتیم بہن ہے، اور ایک بیوہ ماں ہے، جو کچھ خدا نے آپ کو کھانے کے لیے دیا ہے اس میں سے ہمیں بھی کھلائیے تاکہ خدا کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے وہ آپ کو اس قدر دے کہ آپ راضی اور خوش ہو جائیں!"

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بیٹا تم نے کتنی اچھی بات کہی ہے! پھر آپؐ نے حضرت بلالؓ کی طرف رخ کر کے فرمایا: جاؤ اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ لے آؤ۔ بلال اکیس خرے کے دانے لے آئے پیغمبرؐ نے فرمایا: سات دانے تیرے لیے، سات دانے تیری بہن کے لیے اور سات دانے تیری ماں کے لیے۔"

"معاذ بن جبلؓ" اُٹھے اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا: خدا تیری یتیمی کی تلافی کرے اور تجھے اپنے باپ کا اچھا جانین بنائے۔ (یتیم بچہ ماہرین کی اولاد میں سے تھا)۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "معاذ" کی طرف رخ کر کے فرمایا:

"تیرے اس کام کا کیا سبب تھا؟" اُس نے عرض کیا: محبت اور رحمت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص تم میں سے کسی یتیم کی سرپرستی اپنے ذمہ لے، اور اس کا حق ادا کرے،

اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو خدا ہر سال کی تعداد میں اس کے لیے ایک نیکی تحریر کرے گا،

اور ہر سال کی تعداد میں اس کی بُرائیوں کو محو کر دے گا، اور ہر سال کے بدلے اس کو ایک درجہ

عطا کرے گا۔"

البتہ ایسے وسیع معاشروں میں جیسا کہ آج کے معاشرے میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں انفرادی کاموں پر قناعت نہ کریں، بلکہ انہیں چاہیے کہ اپنی توانائیوں کو یکجا طور پر استعمال کرتے ہوئے یتیموں کو اقتصادی، علمی اور تربیتی پروگراموں کے ذریعے کارآمد بنائیں اور انہیں اسلامی معاشرے کے لائق افراد بنائیں۔ اور یہ اہم کام عمومی تعاون کا محتاج ہے۔

۳۔ نعمتوں کو بیان کرنا

وہ حکم جو اس سلسلہ میں اوپر والی آیات میں بیان ہوا ہے، اگر وہ خدا کے شکر و سپاس کے عنوان سے ہو، اور خود کو بڑا کر کے دکھانے اور فخر کے عنوان سے نہ ہو، تو وہ نہ صرف انسان کو پروردگار کے مقام عبودیت میں مکمل و ارتقا بخشتا ہے اور اجتماعی مثبت اثرات رکھتا ہے، بلکہ خود انسان کی روح و جان میں بھی آرام بخش اثر پھوڑتا ہے۔

خدا کی نعمتوں کے ذکر کرنے سے انسان اپنے پاس کسی چیز کے کم ہونے کا احساس ہی نہیں کرتا، بیماری کا شکوہ نہ کرتا، دوسرے اعضاء کی سلامتی پر شکر گزار ہوتا ہے، کسی چیز کے کھوئے جانے پر جزع و فزع نہ کرنے سے وہ اپنے باقی امکانات کو بیان کرتا ہے۔

اس قسم کے افراد زندگی کی سختیوں اور طوفانوں میں یاس و نا اُمیدی میں گرفتار نہیں ہوتے اور نہ ہی مضطرب و پریشان ہوتے ہیں۔ ان کی روح سکون و آرام میں، اور دل مطمئن ہوتا ہے۔ اور مشکلات سے مقابلہ کرنے میں ان میں زیادہ توانائی ہوتی ہے۔ خداوند! تیری نعمتیں اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ انہیں بیان کیا جاسکے، ان کو ہم نے سلب نہ کرنا، اور اپنے فضل و کرم سے ان میں اضافہ فرماتا۔

پروردگارا! ہم اس دنیا میں تیرے احسان میں غرق ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ اُس جہان میں بھی اسی طرح ہوں۔ بارالہا! ہمیں توفیق مرحمت فرما کہ ہم ہمیشہ محروم لوگوں کے پشتیبان اور یتیموں کے حقوق کے محافظ ہوں۔

آمین یا رب العالمین
سُورہ "الضحیٰ" کا اختتام

اختتام ترجمہ

قلم مقدس برمکان حقیر

۱۳ رمضان ۱۴۰۸ھ بروز ہفتہ

گیارہ بج کر اکتالیس منٹ صبح

سُورَةُ الْمُلَشَّرِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا

❖ اس میں ۸ آیات ہیں

www.sirat-e-rafique.com

حال دشادمان۔
 لیکن یہ استد
 ت میں مشکلات کو پیچ
 تی اور مشکلات سے
 ہر حال ان دو
 مردہ قریش میں بھی آ۔
 اس بارے میں
 ائل ہوا ہے، لیکن آ
 یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے
 یہ ہے کہ یہ دلیل اطمینان
 چکی تھی، اور تمام محفلوں
 ذریعے یہ شہرت حجاز۔
 اس سورہ کی تلاو

سورہ "الم نشرح" کے مضامین اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ، سورہ والضحیٰ کے بعد نازل ہوا ہے اور اس کے مضامین بھی اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں، کیونکہ اس سورہ میں بھی پھر سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی نعمتوں کے ایک حصہ کو شمار کیا گیا ہے۔ حقیقت میں تین قسم کی عظیم نعمتیں سورہ والضحیٰ میں آئی تھیں، اور تین ہی عظیم نعمتیں سورہ الم نشرح میں آئی ہیں۔ گزشتہ نعمتوں میں تو بعض مادی اور بعض معنوی تھیں، لیکن اس سورہ کی تمام نعمتیں معنوی پہلو رکھتی ہیں اور یہ سورہ خصوصیت کے ساتھ تین محوروں کے گرد گردش کرتا ہے:

ایک تو انہی تینوں نعمتوں کا بیان ہے، دوسرا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مستقبل میں ان کی دعوت کی مشکلات کے برطرف ہونے کے لحاظ سے بشارت ہے، اور تیسرا خداوند یگانہ کی طرف توجہ اور اس کی عبادت و بندگی کی طرف تحریریں و ترغیب۔

اسی بنا پر روایات اہل بیت ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ یہ دونوں ایک ہی سورہ شمار ہوتی ہیں۔ اسی لیے قرائت نماز میں اس بنا پر کہ ایک مکمل سورت پڑھی جائے، دونوں کو اکٹھا پڑھتے ہیں۔

اہل سنت میں بھی بعض حضرات اسی نظریہ کے طرف دار ہیں جیسا کہ فخر رازی نے طائوس اور عمر بن عبدالعزیز سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی سورت ہیں اور وہ ایک رکعت میں دونوں کو تلاوت کیا کرتے تھے، البتہ وہ ان دونوں کے درمیان بسم اللہ کو حذف کر دیتے تھے۔ (لیکن ہمارے فقہاء کے مطابق بسم اللہ دونوں میں ہونا چاہیئے، اور یہ جو مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے کہ ہمارے فقہاء بسم اللہ کو حذف کرتے ہیں درست نظر نہیں آتا)۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ فخر رازی ان لوگوں کا قول نقل کرنے کے بعد جو ان دونوں کو ایک سورہ کہتے ہیں، کہتا ہے کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کے مضامین ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سورہ والضحیٰ اس وقت نازل ہوا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی افیت رسائی سے پریشان تھے اور سختی اور غم و اندوہ میں بسر کر رہے تھے، حالانکہ دوسری سورت اس وقت نازل ہوئی جب کہ پیغمبر

خوش حال و شادمان تھے، تو یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟
لیکن یہ استدلال عجیب ہے کیونکہ دونوں سورتیں پیغمبر کی گزشتہ زندگی کی بات کر رہی ہیں، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ
بہت سی مشکلات کو پیچھے چھوڑ چکے تھے، اور آپ کا پاک دل اُمید و سرور میں غرق تھا۔ یہ دونوں سورتیں خدا کی نعمتوں کی بات کر رہی ہیں، اور
سنجی اور مشکلات سے پُر ماضی کی یاد دلا رہی ہیں، تاکہ پیغمبر کے دل کی تسلی اور زیادہ سے زیادہ کامل اُمید کا باعث ہو۔
بہر حال ان دونوں سورتوں کے مضامین کا قریبی تعلق ایسی چیز نہیں ہے جو شک اور تردید کے قابل ہو، اسی معنی کی نظیر سورہ فیل اور
سورہ قریش میں بھی آئے گی۔ انشاء اللہ۔

اس بارے میں کہ یہ سورہ (الم نشرح) مکہ میں نازل ہوا ہے یا مدینہ میں، اُوپر والے بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مکہ میں
نازل ہوا ہے، لیکن آیہ ورفعالک ذکر کر کے ”ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا“ کی طرف توجہ کرتے ہوئے بعض کا نظریہ یہ ہے کہ
یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے، اس وقت جب کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ لیکن انسان
یہ ہے کہ یہ دلیل اطمینان بخش نہیں ہے کیونکہ پیغمبر کی شہرت، ان تمام مشکلات کے باوجود، جو آپ کو مکہ میں درپیش تھیں، ہر طرف پھیل
چکی تھی، اور تمام محفلوں میں آپ کے قیام، رسالت اور دعوت کے بارے میں چرچے ہو رہے تھے اور حج کے سالانہ اجتماع کے
ذریعے یہ شہرت حجاز کے دوسرے علاقوں خصوصاً مدینہ میں پہنچ چکی تھی۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”من قرأھا اعطی من الاجر کمن لقی محمداً ص مغتماً ففرج عنه“

”جو شخص اس سورہ کو پڑھے اس کو اس شخص کا اجر ملے گا، جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کو ملگین دیکھا اور آپ کے قلب مبارک سے غم و اندوہ کو دور کیا ہو۔“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۔ اَلْمُنْشَرَحُ لَكَ صَدْرُكَ ۝

۲۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝

۳۔ الَّذِي اَقْضٰ ظَهْرَكَ ۝

۴۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

۵۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

۶۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

۷۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝

۸۔ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

۱۔ کیا ہم نے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کیا؟

۲۔ اور تجھ سے بھاری بوجھ برطرف نہیں کیا؟

۳۔ وہی بوجھ جو تیری پشت کو جھکائے دے رہا تھا۔

۴۔

۵۔

۶۔

۷۔

۸۔

تف

ہم

آیات

رکھتا ہے۔

پہلی آ

(الم نشرح

نشر

اور زیادہ نازک

کے ذریعے ا

نظمی معانی کی د

وہ پیغمبر صلی اللہ

کے طریق سے

کے تحمل و ا

اسی۔

"فرعون کے

میرے سینہ

دوسر

- ۴۔ اور تیرے ذکر کو ہم نے بلند کیا۔
- ۵۔ اس بنا پر یقینی طور پر سختی کے ساتھ آسانی ہے۔
- ۶۔ اور یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے۔
- ۷۔ پس جب تو ایک اہم کام سے فارغ ہو جائے تو دوسری ہم کو شروع کر دے۔
- ۸۔ اور اپنے پروردگار کی طرف توجہ اور رغبت کر۔

تفسیر ہم نے تجھے انواع و اقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں

آیات کا لب و لہجہ پروردگار کے حد سے زیادہ لطف و محبت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی و دلداری کے پہلو رکھتا ہے۔

پہلی آیت میں خدا کی اہم ترین نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "کیا ہم نے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کیا؟" (الم نشرک لک صدرک)۔

"نشر" "شرح" کے ماوہ سے، مفردات میں راغب کے قول کے مطابق اصل میں گوشت کے ٹکڑوں کو کشادہ کرنے اور زیادہ نازک اور پتلے ورق بنانے کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ شرح صدر سے مراد نور الہی اور خدا داد سکون آرام کے ذریعے اس کو دلچ کرنا ہے، اور اس کے بعد کہتا ہے: گفتگو اور کلام کی مشکلات کی شرح کرنا، اس کو پھیلائے اور اس کے مخفی معانی کی وضاحت کرنے کے معنی میں ہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں ہے کہ یہاں شرح صدر سے مراد اس کا کٹائی معنی ہے۔ اذ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح و فکر کو وسعت دینا ہے اور یہ وسعت ممکن ہے کہ ایک وسیع مفہوم رکھتی ہو جو وحی و رسالت کے طریق سے پیغمبر کے وسعت علم کو بھی شامل رکھتا ہو اور دشمنوں اور مخالفین کی ہٹ دھرمیوں اور کار شکنیوں کے مقابلہ میں آپ کے تحمل و استقامت میں وسعت و کشادگی کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہو۔

اسی لیے جب موسیٰ علیہ السلام بن عمران، فرعون جیسے سرکش کی دعوت پر مامور ہوئے، اذہب الیٰ فرعون انہ ظنی "فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے"، تو بلا فاصلہ عرض کرتے ہیں: رب اشرح لی صدری ویسر لی امری "پروردگار میرے سینہ کو کشادہ کر دے اور میرے کام کو آسان کر دے" (ظہ - ۲۵ - ۲۶)

دوسرے مقام پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت

اب جب کہ یہ حال ہے تو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہ، اور استقامت اور صبر و شکیبائی اختیار کر اور یس کی طرح (جو ضروری و لازمی صبر و شکیبائی کو ترک کرنے کی بنا پر ان تمام مشکلات اور تلخیوں میں گرفتار ہوا)۔ (قم - ۴۸)

شرح صدر حقیقت میں ضیق صدر کا نقطہ مقابل ہے جیسا کہ سورہ حجر کی آیہ ۹۷ میں آیا ہے۔ ولقد نعلم انک صدرك بما یقولون : ”ہم جانتے ہیں کہ تیرا سینہ ان کی (مغرضانہ) باتوں سے تنگ ہو جاتا ہے“ اصولی طور پر کو رہبر شرح صدر کے بغیر مشکلات کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور وہ شخص جن کی رسالت سب سے زیادہ عظیم ہے۔ (جیسا کہ پیغمبر اکرم علیہ وآلہ وسلم کی تھی) تو اس کا شرح صدر سب سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ ابتلاؤں کے طوفان اس کی روح کے سمندر کے سکون کو دہم دہم نہ کریں، اور مشکلات سے اس کے گھٹنے نہ ہلک جائیں، دشمنوں کی کارشکنیاں اسے مایوس نہ کریں، پیچیدہ مسائل کے سوالات اسے ہر طرف سے محجور کر کے لاجواب نہ کر دیں، اور یہ خدا کا رسول اللہ کے لیے ایک عظیم ترین ہدیہ تھا۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”میں نے اپنے پروردگار سے ایک درخواست کی، حالانکہ میں چاہتا تھا کہ یہ درخواست نہ کرتا۔ میں نے عرض کیا مجھ سے پہلے پیغمبروں میں سے بعض کو ہوا کہ چلنے پر اختیار دیا، بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ خدا نے مجھ سے فرمایا، کیا تو یتیم نہیں تھا تو میں نے تجھے پناہ دی؟ میں نے عرض کیا، ہاں! فرمایا: کیا تو گمشدہ نہیں تھا، میں نے تجھے ہدایت کی؟ میں نے عرض کیا، ہاں! اے پروردگار! فرمایا: کیا میں نے تیرے سینہ کو کشادہ اور تیری پشت کے بوجھ کو ہلکا نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا، ہاں! اے پروردگار! ۱۷

یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ ”شرح صدر“ کی نعمت انبیاء کے معجزات سے مافوق تھی، اور واقعاً اگر کوئی شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرے اور آپ کے شرح صدر کا اندازہ آپ کی زندگی کے فود کے سخت اور پیچیدہ حوادث سے لگائے، تو وہ یقین کر لے گا کہ یہ چیز عام طریقہ سے ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تائید الہی اور توفیق ربانی ہے۔

اس مقام پر بعض نے یہ کہا ہے کہ اس شرح صدر سے مراد وہی حادثہ ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن یا جوانی میں پیش آیا تھا کہ آسمان سے فرشتے اُترے، آپ کا سینہ شکافتہ کیا، آپ کے دل کو باہر نکال کر اسے پاک و صاف کیا، اور اس کو علم و دانش اور رافت و رحمت سے بھر دیا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ جسمانی دل نہیں ہے، بلکہ یہ روحانی اور پیغمبر کے عزم و ارادہ کی تقویت اور اس کی ہر قسم کے اخلاقی نقائص اور دوسرے شیطانی سے پاک سازی کے لحاظ سے، خدائی امدادوں کی طرف، ایک کنایہ اور اشارہ ہے۔ لیکن بہر حال ہمارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ زیر بحث آیت خاص طور پر اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، بلکہ

کا ایک وسیع منہم ہے کہ یہ داستان بھی اس کا ایک مصداق شمار ہو سکتی ہے۔

اسی شرح صدر کی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کی مشکلات کو اعلیٰ ترین صورت میں برواشت کیا اور اس طریقہ میں نئی ذمہ داریوں کو بھی طرح سے نبھایا۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ”کیا ہم نے میرے سنگین بوجھ کو اٹھا نہیں لیا؟“ (ووضعنا عنک وزرک)۔

”وہی بوجھ جو تیری پشت پر سخت گرانی کر رہا تھا“ (الذی انقض ظہرک)۔

”وزر“ لغت میں بوجھ کے معنی میں ہے۔ ”وزیر“ کا لفظ بھی اسی معنی سے مشتق ہوا ہے چونکہ وہ حکومت کے سنگین بوجھ اپنے کندھے پر اٹھاتا ہے۔ اور گناہوں کو بھی اسی بنا پر ”وزر“ کہتے ہیں، کیونکہ وہ گناہگار کے دوش پر ایک سنگین بوجھ ہوتا ہے۔ ”انقض“ ”نقض“ کے مادہ سے، رسی کی گرہ کو کھولنے کے معنی میں ہے، یا کسی عمارت کے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے حصوں کو الگ کرنے کے معنی میں ہے، اور ”انتقاض“ اس آواز کو کہا جاتا ہے جو کسی عمارت کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتے وقت کان میں پڑتی ہے۔ یا کمر کے مہروں کی اس آواز کو کہتے ہیں جو سنگین بوجھ کے زیر بار آنے کے وقت آتی ہے۔

یہ لفظ عہد و بیمان اور معاہدوں کو توڑنے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے نقض عہد کیا۔

اس طرح اوپر والی آیت یہ کہتی ہے کہ: ”خدا نے وہ سنگین اور کمر کو توڑنے والا بوجھ تجھ سے اٹھالیا“۔

یہ کون سا بوجھ تھا جو خدا نے پیغمبر کی پشت سے اٹھالیا؟ آیات کے قرائن اس بات کی اچھی طرح نشان دہی کرتے ہیں کہ اس مراد وہی رسالت و نبوت اور توحید و یکتا پرستی کی طرف دعوت کی مشکلات، اور اس آلودہ ماحول سے فساد کے آثار کو ختم کرنا ہے، نہ صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ سارے کے سارے انبیاء کا دعوت کے آغاز میں اس قسم کے عظیم مشکلات سے سامنا رہا، اور وہ صرف ندائی امراؤں سے ہی ان پر کامیاب ہوتے تھے، البتہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماحول اور زمانہ کے حالات کئی بہت سے زیادہ سخت اور زیادہ سنگین تھے۔

بعض نے ”وزر“ کی تفسیر آغاز نزول میں وحی کے بار سنگین کے معنی میں بھی کی ہے۔

بعض نے مشرکین کی ضلالت و گمراہی اور عناد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ بھی۔

اور بعض نے ان کی حد سے زیادہ اذیت و آزار سے۔

اور بعض نے اس غم و اندوہ سے جو آپ کے چچا حضرت ابوطالب اور آپ کی زوجہ حضرت خدیجہ کی وفات سے پیدا ہوا تھا۔

اور بعض نے گناہ سے عصمت و پاکیزگی کے مسئلہ سے تفسیر کی ہے۔

لیکن ظاہراً وہی پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے اور یہ سب اس کے شاخ و برگ ہیں۔

اور تیسری نعمت کے بارے میں فرماتا ہے: ”ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا“ (ورفعنا لک ذکرک)۔

”رفع“ کا تیسرا ”وضع“ کے بعد اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ایک دوسرے کی ضدیں یہاں ایک خاص لطف دیتی ہے۔

تیرا نام اسلام اور قرآن کے نام کے ساتھ ہر جگہ پہنچا۔ اور اس سے بہتر یہ ہے کہ تیرا نام ہر صبح شام اذان کے گزرتوں پر اذان کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اور تیری رسالت کی شہادت خدا کی توحید و یگانگت کی شہادت کے ساتھ اسلام کا نشان اور اس پاک دین کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

اس سے بڑھ کر فخر کی بات اور رفعت مقام کا اس سے بالاتر تصور اور کیا ہوگا؟
ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
”جبریل نے مجھ سے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جس وقت میرا نام لیا جاتا ہے تو اس وقت تیرا نام بھی میرے ہی ساتھ لیا جاتا ہے۔“ (اور تیرے مقام کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے)

”لن“ (تیرے لیے) کی تعبیر اس بات کی تاکید کے لیے ہے کہ ہم نے تیرے نام اور شہرت کو ان تمام کارکنیوں اور دشمنیوں کے باوجود بلند کیا۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے، جب کہ اسلام کا پھیلنا اور پیغمبر کے کاندھے سے رسالت کے بوجھ کا ہلکا ہونا اور اطراف عالم میں آپ کے نام کا بلند ہونا اندیشہ میں ہوا ہے۔

اس سوال کے جواب میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی بشارت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے سے دی گئی تھی، اور اسی چیز نے آپ کے دل سے غم و اندوہ کا بوجھ ہٹا دیا تھا۔

اور کبھی یہ کہا ہے کہ یہاں فعل ”ماضی“ ”مستقبل“ کا معنی دیتا ہے، اور یہ آئندہ کے لیے ایک خوشخبری ہے۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ ان امور میں سے بعض، مکہ میں ہی، خصوصاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیرہ سالہ دور کے آخری حصہ میں ہی، جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں لوگوں کو دعوت دینے میں مشغول تھے، پورے ہو چکے تھے۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں ایمان و اسلام نفوذ کر چکا تھا اور مشکلات نسبتاً کم ہو چکی تھیں، اور پیغمبر اکرم کا نام اور کام ہر جگہ پہنچ چکا تھا، اور آئندہ کی عظیم کامیابیوں کی تمہید فراہم ہو چکی تھی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”حسان بن ثابت“ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور شاعر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں اس آیت کے مضمون کی طرف بڑے خوبصورت انداز میں اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

”وَضُمَّ إِلَيْهِ اسْمُ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهِ

إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَدَّنِ اشْهَدُ

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اسْمِهِ لِيَجْلَهُ

فَذَوِ الْعَرْشِ ”مَجْمُودٌ“ وَهَذَا ”مُحَمَّدٌ“

”خدا نے پیغمبر کا نام اپنے نام کے ساتھ ضم کر دیا ہے“

جب کہ مؤذن پانچ مرتبہ اشہد۔۔۔۔۔ کہتا ہے۔

بعد
کرتا ہے
اس
غم
نازی محروم
جو
جس دن
راہ حق کو
اگر
کے مفہوم
اختصاص کا
اور یہ تمام
یہاں تک
ہا
کے ساتھ
کو انسان

اس نے اپنے نام سے اس کے نام کو مشتق کیا ہے تاکہ اس کا احترام برقرار رکھے۔
لہذا صاحب عرش خدا تر "محمود" ہے اور وہ "محمد" ہے۔
"سیمرغ" فہم ہیچس از انبیاء زلفت
آنجا کہ تو بہ بال کرامت پریدہ امی
"ہر یک بقدر خورش بجائی رسیدہ اند

آنجا کہ جائے نیست بجائی رسیدہ امی
انبیاء میں کسی کا بھی طائر فکر و فہم دہاں تک نہیں پہنچا
جہاں آپ کرامت و بزرگی کے پر دہاں سے پہنچے ہیں
ان میں سے ہر ایک اپنی قدر و منزلت کے ایک مقام تک پہنچا ہے
جہاں کسی کے لیے کوئی مقام نہیں ہے آپ اس مقام پر پہنچے ہیں
بعد والی آیت میں اپنے پیغمبر کو اہم ترین بشارت دیتا ہے اور آپ کے قلب پاک میں اُمید کے انوار کی روشنی پیدا
کرتا ہے اور فرماتا ہے : "یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے" (فان مع العسر یسرًا)۔
اس کے بعد پھر تاکید کرتا ہے : "یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے" (ان مع العسر یسرًا)۔
غم نہ کھاؤ یہ مشکلات اور سختیاں ایسی شکل میں باقی نہیں رہیں گی، دشمنوں کی کار شکنیاں ہمیشہ کے لیے جاری نہیں رہیں گی اور
مادی محرومیاں، مادی مشکلات اور مسلمانوں کا فقر و فاقہ اس صورت میں باقی نہیں رہے گا۔
جو شخص مشکلات کو برداشت کرتا ہے، اور طوفانوں کے مقابلہ میں ڈٹ جاتا ہے، وہ ایک دن اس کا میٹھا پھل بھی کھاتا ہے۔
جس دن دشمنوں کی چیخ و پکار بند ہو جائے گی، اور ان کی کار شکنیاں ختم ہو جائیں گی، ترقی و تکامل کے راستے صاف ہو جائیں گے، اور
راہ حق کو طے کرنا آسان ہو جائے گا۔

اگرچہ بعض مفسرین نے ان آیات کو ظہور اسلام کے آغاز میں مسلمانوں کے عمومی فقر و فاقہ کی طرف اشارہ شمار کیا ہے لیکن آیات
کے مفہوم کی وسعت تمام مشکلات کو شامل ہے۔ یہ دونوں آیات اس طرح سے پیش کی گئی ہیں کہ نہ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ
اختصاص رکھتی ہیں اور نہ ہی آپ کے زمانہ سے، بلکہ یہ ایک قاعدہ کلی کی صورت ہیں اور سابقہ مباحث کی ایک علت کے طور پر پیش کی گئی ہیں
اور یہ تمام مخلص مومن اور سعی و کوشش کرنے والے انسانوں کو نوید اور خوش خبری دیتی ہیں کہ ہمیشہ سختیوں کے ساتھ آسانیاں ہوتی ہیں،
یہاں تک کہ "بعد" کی تعبیر نہیں کرتا بلکہ "مع" (ساتھ) کی تعبیر کرتا ہے، جو ہمراہ ہونے کی علامت ہے۔
ہاں! اسی طرح ہے، ہر مشکل کے ساتھ آسانی ملی ہوئی ہے اور ہر سختی کے ساتھ سہولت ہے، یہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے
کے ساتھ رہے ہیں اور رہیں گے۔

یہ ایسی نوید اور وعدہ الہی ہے، جو دل کو نور و صفا بخشتا ہے، اور کامیابیوں کا اُمیدوار بناتا ہے، اور یاس و نا اُمیدی کے گرد و غبار
کو انسان کے صفحہ رُوح سے صاف کر دیتا ہے۔
حاشیہ: اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”واعلم ان مع العسر یسر“، وان مع الصبر النصر، وان الفرج مع الکرب“۔
”جان لو کہ سختیوں کے ساتھ آسانی ہے، اور صبر کے ساتھ کامیابی ہے، اور غم و اندوہ کے ساتھ
کشائش و خوش حالی ہے۔“

ایک حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :

”ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کی کہ وہ مجھے
کوئی خرچہ نہیں دیتا، جب کہ اس کا شوہر واقفا تنگ دست تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے
اس کے شوہر کو زنداں میں ڈالنے کی بجائے اس کے جواب میں فرمایا : ان مع العسر یسر
(اور اُسے صبر کی تلقین کی)۔“

ہاں !

صبر و ظفر ہر دو دوستان قدیمند

بر اثر صبر نوبت ظفر آید

”صبر اور کامیابی دونوں قدیمی دوست ہیں

صبر کے بعد ہی کامیابی کی نوبت آتی ہے“

اس کے بعد اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے : ”پس جب تم کسی اہم کام سے فارغ ہو جاؤ تو دوسرے کام میں لگنا شروع
(فاذا فرغت فانصب)۔

ہرگز بھی بیکار نہ رہو، تلاش و کوشش کو نہ چھوڑو، ہمیشہ جدوجہد میں مشغول رہو، اور ہر اہم کام کو ختم کرنے کے ساتھ ہی دوسرے
اہم کام کو شروع کر دیا کرو۔

اور ان تمام حالات میں خدا پر بھروسہ رکھو“ اور اپنے پروردگار کی طرف توجہ رکھو“ (والی سربك فانهب)۔

اس کی رضا و خوشنودی طلب کر اور اس کے قرب و جوار کی طرف جلدی کرو۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے جو ہر نعم سے فارغ ہونے اور دوسری نعم کو شروع کرنے
کو شامل ہے، اور تمام کوششوں کا رخ پروردگار کی طرف کرنے کا حکم دیتی ہے، لیکن بہت سے مفسرین نے اس آیت کے لیے محدود معانی
ذکر کیے ہیں، جن میں سے ہر ایک کو اس کے ایک مصداق کے عنوان سے قبول کیا جاسکتا ہے۔

”جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ ”العسر“ میں الف و لام جنس کے لیے ہے، اور عسر کے لیے نہیں ہے اور ”یسر“
کا لفظ اگرچہ نکرہ کی صورت میں ذکر ہوا ہے لیکن وہ بھی جنس کے معنی دیتا ہے، اور ایسے مقام پر نکرہ ہونا عظمت کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔

۱۳، ۱۱ حدیث ۶۰۴

۱۳، ۱۱ حدیث ۶۰۴

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تو واجب نماز سے فارغ ہو جائے تو دُعا میں مشغول ہو جا، اور خدا سے درخواست کر کہ وہ تیری حاجت کو پورا کر دے۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو فرائض سے فارغ ہو جائے تو نافلہ شب کے لیے کھڑا ہو جا۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو دُنیا کے کاموں سے فارغ ہو جائے تو آخرت کے امور، عبادت اور اپنے پروردگار کی نماز میں مشغول ہو جا۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو واجبات سے فارغ ہو جائے، تو ان مستحبات کی طرف توجہ کر جن کا خدا نے حکم دیا جائے۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو دشمن سے جہاد کرنے سے فارغ ہو جا۔ تو جہاد نفس کے لیے کھڑا ہو جا۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو ادائے رسالت سے فارغ ہو جائے تو شفاعت کی درخواست کرنے کے لیے کھڑا ہو جا۔

متعدد روایات میں، جنہیں اہل سنت کے مشہور عالم حافظ "حاکم حاکمی" نے "شواہد التنزیل" میں نقل کیا ہے، امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یعنی: "جب تو فارغ ہو جائے تو علی کی ولایت کے لیے نصب کر دے۔"

قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں بعض سے یہ نقل کیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تو فارغ ہو جائے تو اس امام کو جو تیرا جانشین ہے نصب کر دے، (اگرچہ مفسر مذکور نے خود اس معنی کو قبول نہیں کیا)۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ آیہ شریفہ میں فراغت کا موضوع معین نہیں ہوا ہے، اور "فانصب" نصب کے مادہ سے (نسب کے وزن پر) تعب اور زحمت کے معنی میں ہے، یہ آیت ایک ہمہ گیر اصل کلی کو بیان کرتی ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ پیغمبر کو کسی امر مهم کے ختم ہونے کے بعد آرام سے بیٹھ جانے سے روکے اور انہیں ایک نمونہ اور مثال کے طور پر زندگی میں ہمیشہ مسلسل طور پر سعی و کوشش میں مصروف رہنے کی تلقین کرے۔

اس معنی کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ اُد پر دالی تمام تفاسیر صحیح ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک اس وسیع اور عام معنی کے ایک مصداق کے عنوان سے ہے۔

اور کیا ہی اصلاحی اور مؤثر پروگرام ہے، جس میں کامیابی اور تکامل و ارتقا کی رمز چھپی ہوئی ہے۔ اصولی طور پر بیکار رہنا اور مکمل طور پر فارغ ہو کر بیٹھ رہنا تھکاوٹ، غشی کے کم ہونے اور سستی و فرسودگی کا سبب ہوتا ہے، اور بہت سے مواقع میں فساد و تباہی اور انواع و اقسام کے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اعداد و شمار اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ تعلیمی اداروں کی تعطیلات کے زمانے میں بعض اوقات فتنہ و فساد کی تعداد سات گنا تک پہنچ جاتی ہے۔

بہر حال یہ سورہ مجموعی طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی خاص عنایت اور مصائب و آلام میں تسلی اور رسالت کے

ج رات
عدل و
بجہ
تر

کیے قوال
پر "اشہ
اور ہمارا
دراک و سلم کا

اور مشورہ
معنی ہوگا
خ

مشکلات
با

کام کی مشکلات اور تشیب و فزاز کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کی تائید و نصرت کا وعدہ ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ تائید بھی ہے۔
اور راہ حق پر چلنے والوں کے لیے ایک اُمید بخش، اصلاحی اور حیات آفرین مجموعہ ہے۔

چند نکات

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، متعدد روایات میں آیا ہے کہ (ایک اہم مصداق کے بیان کے عنوان سے) "خالد بن فرغت خانصب" کی آیت سے مراد "کارِ رسالت کی انجام دہی کے بعد امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو خلافت کے لیے نصب کرنا" ہے۔ "آلوسی" "روح المعانی" میں بعض امامیہ (شیعہ) کی گفتگو کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے، انہوں نے "خانصب" کو "ص" کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ بالفرض اگر ایسا ہو بھی تو وہ اس بات کی دلیل نہیں بناتا کہ اس سے علی ابن ابی طالب کو نصب کرنا مراد ہو۔ اس کے بعد وہ زنجیری کی کشف سے نقل کرتا ہے کہ اگر شیعوں کے لیے اس قسم کی تفسیر ممکن ہو تو "ناصبی" (دُشمنانِ علی) بھی اس کی نصب کے دستور کے عنوان سے (بعض علی بن ابی طالب کے معنی میں) تفسیر کر سکتے ہیں۔

کیونکہ "انصب" (ص کی زبر کے ساتھ) خود کو مشقت میں ڈالنے اور جدوجہد کرنے کے معنی میں آیا ہے، جب کہ "انصب" (ص کی زیر کے ساتھ) نصب کرنے، اُپر لے جانے اور قائم کرنے کا حکم دینے کے معنی میں ہے۔

ان مفسرین نے یہ خیال کر لیا ہے کہ شیعہ مسئلہ ولایت پر استدلال کرنے کے لیے آیت کی قرأت کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی تبدیلی کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ مذکورہ تفسیر کے لیے وہی مشہور اور جانی پہچانی قرأت ہی کافی ہے کیونکہ وہ یہ کہ رہا ہے کہ رسالت کے اہم امر سے فارغ ہو جانے کے بعد دوسرے اہم امر کے لیے جیسا کہ ولایت ہے، سعی و کوشش کر اور یہ ایک اعتبار سے مکمل طور پر قابل قبول ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر مشہور حدیث غدیر اور دوسری بہت سی احادیث کے مطابق، جو تمام علماء اسلام کی کتابوں میں آئی ہیں، ہمیشہ مسلسل طور پر کوشش کرتے رہتے تھے، لیکن کتنی قابل افسوس اور دکھ دینے والی بات ہے کہ زنجیری جیسا عالم جو علی علیہ السلام کو پیغمبر کا چوتھا جانشین اور اسلام کا عظیم پیشوا سمجھتا ہے، یہ کہنے کے لیے تیار ہو گیا کہ "ناصبی بھی یہ حق رکھتے ہیں کہ آیت کو علی بن ابی طالب کے بعض کے ساتھ تفسیر کریں، یہ کتنی رکیک اور چھپنے والی تعبیر ہے؟ وہ بھی ایسے مفسر ہے؟

واقعاً تعصب بھی کیسے کیسے گل کھلاتا ہے؟

۲۔ مشہور معترضی عالم "ابن ابی الحدید" نے "نہج البلاغہ" کی شرح میں "زبیر بن بکار سے جو اس کے قول کے مطابق نہ شیعہ تھا اور نہ ہی معاویہ سے دشمنی رکھتا تھا، بلکہ علی سے جدا ہو کر گوشہ گیر ہو گیا تھا، اور آپ کے مخالفین سے جا ملا تھا، روایت کی ہے کہ وہ مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے سے نقل کرتا ہے کہ میرا باپ "مغیرہ" معاویہ کی عقل اور سمجھ کے بارے میں بہت باتیں کیا کرتا تھا اور اس کے طرز فکر پر حیران ہوا کرتا تھا، لیکن ایک رات وہ اس کے پاس سے بہت ہی غمگین اور پریشانی کی حالت میں آیا، میں سمجھ گیا کہ کوئی اہم سلسلہ پیش آگیا ہے، میں نے اس سے سوال کیا تو اس نے معاویہ کو سخت بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا

آج رات جب میں اور وہ خلوت میں تھے تو میں نے اس سے کہا، تو جس مقام اور مرتبہ کا خواہش مند تھا وہ تو نے حاصل کر لیا ہے اب تو عدل و انصاف اور نیکی کرنے میں کوشش کر، کیونکہ تیری عمر بھی اب بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ لہذا بنی ہاشم کے بارے میں بھی نیکی کر کیونکہ اب تجھے ان سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ اور یہ بات تیرے لیے نیک نامی کا سبب بن جائے گی۔

تو اس نے جواب میں کہا، ہیہات اب میرے لیے کون سی نیک نامی باقی رہ جائے گی، خلیفہ اول و دوم نے کتنے کام کیے تو ان کا کون سا نام باقی رہ گیا، لیکن تم "ابن ابی کبشہ" (محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھو کہ لوگ اس کا نام ہر روز پانچ مرتبہ پکارتے ہیں "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کی صورت میں لیتے ہیں، اے بیچارے! اب اس کے بعد کون سا کام باقی رہ گیا ہے اور ہمارا کون سا نام باقی رہ جائے گا، نہیں خدا کی قسم نہیں، سوائے اس صورت کے کہ یہ حالت بدل جائے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام دفن ہو جائے۔

لیکن ورفعنالك ذکرک کے مقتضی کے مطابق خدا نے چاہا کہ یہ مبارک نام ساری دُنیا کے تاریخ اور تمام عالم بشریت میں بلند اور مشہور رہے، چاہے دوسرے لوگ پسند کریں یا پسند نہ کریں؟ خوش ہوں یا ناخوش؟ اگر ہم ان تعبیرات کو کھول کر دیکھیں تو ان کا کیا معنی ہوگا؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

خداوند! ہمارے دل کو حُب ذات سے خالی کر دے اور اپنے عشق و محبت سے پُر کر دے۔

پروردگارا! تو نے خود وعدہ دیا ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ راحت اور آسودگی ہے، اس زمانہ کے مسلمانوں کو ان عظیم اور سخت مشکلات سے جو دشمنوں کی طرف سے انہیں پہنچ رہی ہیں، آسودہ کر دے۔

بارِ الہا! تیری نعمتیں اور مواہب ہم پر بہت زیادہ ہیں۔ ہمیں ان کی شکر گزاری کی توفیق مرحمت فرما۔

آمین یا سِرِّ العالمین

سورہ "الم نشرح" کا اختتام

اختتام ترجمہ تم مقصد برکات حقیر
پڑنے چھ بجے شام پودہ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
احقر صفدر حسین نجفی

۱۔ شرح نہج البلاغہ جلد ۵ ص ۱۲۹۔ (ابن ابی الحدید کی عبارت یہاں اس طرح ہے: "فای عمل یبقی؟ وای ذکر یدوم بعد هذا؟ لا ایاک، لا واللہ الا دفناً دفناً!"

آش رنگارش
اہلِ تسلیم کی ایک جماعت

زبیر نظر
استاد محقق آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

تفسیر نمونہ

جلد ۱۵

ترجمہ
حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی حوٹاٹہ مدظلہ

زبیر مہر مہنتی
حضرت آیت اللہ العظمیٰ الحاج سید علی رضا سیستانی مدظلہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ التِّينِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۸ آیات ہیں

کے شرور
اور خدا کی
ایک

یہ
گئی ہے

لہ

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ التِّينِ کے مطالب اور فضیلت

یہ سُورہ حقیقت میں انسان کی خلقتِ زیبا، اور اس کے تکامل و ارتقا اور انحطاط و پستی کے گرد گھومتا ہے اور یہ تطلبِ سُورہ کے شروع میں پُر معنی قسموں کے ساتھ شروع ہوا ہے، اور انسان کی نجات اور کامیابی کے عوامل کو شمار کرنے کے بعد آخر میں سلسلہ معاد اور خدا کی حاکمیتِ مطلقہ کی تاکید پر ختم ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من قرأها اعطاه الله خصلتين : العافية واليقين ما دام في دار الدنيا“

فاذا مات اعطاه الله من الاجر بعدد من قرأ هذه السورة صيام يوم !“

”جو شخص اس سُورہ کو پڑھے گا جب تک وہ دنیا میں رہے گا خدا اس کو دو نعمتیں عطا

کرے گا : سلامتی اور یقین اور جب دنیا سے رخصت ہو جائے گا، تو ان تمام لوگوں

کی تعداد کے برابر جنہوں نے اس سُورہ کو پڑھا ہے، اُن سب کے ایک دن کے روزہ کا

ثواب اجر کے طور پر اُسے عطا کرے گا۔“

یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور آیہ ”وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ“ جس میں اسم اشارہ قریب کے ساتھ مکہ کے شہر کی قسم کھائی گئی ہے اس کی دلیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ ۝
- ۲۔ وَطُورِ سَيْنِينَ ۝
- ۳۔ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝
- ۴۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝
- ۵۔ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝
- ۶۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝
- ۷۔ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدَ الدِّينِ ۝
- ۸۔ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ انجیر اور زیتون کی قسم (یا سرزمین شام اور بیت المقدس کی قسم)۔
- ۲۔ اور طور سینین کی قسم۔

تفسیر

ہم

اس سورہ

فرماتا ہے

"اور طور

اور اس ا

"تین"

اس بارے

اگرچہ بعض

بعض کا نظریہ یہ ہے

اور خدا کے بزرگ ہیں

بعض نے "د

ہیں ہے، تو

نے یہ کہا ہے

- ۱۔ اور اس اسن والے شہر (مکہ) کی قسم۔
- ۲۔ کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت اور بہترین نظام میں پیدا کیا ہے۔
- ۵۔ پھر ہم نے اُسے پست ترین مرحلہ کی طرف لوٹا دیا۔
- ۶۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور عملِ صالح بجالائے، تو ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔
- ۷۔ پس ان تمام چیزوں کے باوجود تیرے روزِ جزا کے تکذیب کرنے کا کیا سبب ہے؟
- ۸۔ کیا خدا بہترین حکم کرنے والا نہیں ہے؟

تفسیر

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔

اس سورہ کے آغاز میں بھی چار پُر معنی قسمیں بیان کی گئی ہیں جو بہت ہی اہم معنی کے بیان کا مقدمہ ہیں۔
فرماتا ہے: "انجیر اور زیتون کی قسم" (والتین والزیتون)۔

"اور طور سینین کی قسم" (و طور سینین)۔

اور اس اسن دامن والے شہر کی قسم (ولهذا البلد الامین)۔

"تین" لغت میں انجیر کے معنی میں ہے اور "زیتون" وہی معروف زیتون ہے جس سے ایک مفید روغنی مادہ حاصل کیا جاتا ہے۔
اس بارے میں کہ کیا اس سے انہیں دو مشہور پھلوں کی قسم مراد ہے یا کسی اور چیز کی، مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اگرچہ بعض اس سے انہیں دو مشہور پھلوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، جو حد سے زیادہ غذائی اور دوائی خواص کے حامل ہیں، لیکن
بعض کا نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دو پہاڑ ہیں جن پر شہر دمشق اور بیت المقدس واقع ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں مقامات بہت سے انبیاء

اور خدا کے بزرگ پیغمبروں کے قیام کی سرزمین ہیں، اور یہ دونوں قسمیں تیسری اور چوتھی قسموں کے ساتھ، جو مقدس سرزمینوں کی قسمیں ہیں،

بعض نے "سینین" کو "سینہ" کی جگہ سمجھا ہے جو درخت کے معنی میں ہے، اور اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "طور" پہاڑ کے معنی

میں ہے، تو اس کا معنی درختوں سے پُر پہاڑ ہوگا، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "سینین" ایک زمین کا نام ہے کہ جس پر وہ پہاڑ واقع ہے، بعض

نے یہ کہا ہے کہ "سینین" پُر برکت اور خوبصورت کے معنی میں ہے، اور یہ اہل حبشہ کی زبان کا لفظ ہے۔ (روح المعانی جلد ۲۰ ص ۱۷۲)

ہم آہنگ ہیں۔

اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کو تین اور زیتون اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ایک پرائمر کے درخت اگتے ہیں اور دوسرے پر زیتون کے درخت۔

اور بعض نے ہمیں کو آدم علیہ السلام کے زمانہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، کیونکہ وہ لباس جو آدم علیہ السلام اور حوئے بنتی ہیں پہنا تھا وہ انجیر کے درختوں کے پتوں کا تھا، اور زیتون کو نوحؑ کے زمانہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، کیونکہ طوفان کے آخری زمانہ میں نوحؑ نے ایک کبوتر اس مقصد سے چھوڑا تھا تاکہ پانی کے نیچے سے خشکی کے ظاہر ہونے کو معلوم کرے وہ (کبوتر) زیتون کی ایک شاخ لے کر واپس آیا تو نوحؑ سمجھ گئے کہ طوفان ختم کیا ہے، اور خشکی پانی کے نیچے سے ظاہر ہو گئی ہے۔ (اس لیے زیتون صلح و امنیت کی رمز ہے)۔

بعض "تین" کو اس مسجد نوحؑ کی طرف بھی اشارہ سمجھتے ہیں جو کہ جودی پر تعمیر کی گئی تھی۔ اور زیتون کو بیت المقدس کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔

ابتدائی نظریں تو آیت کا ظاہر وہی دو مشہور پھیل ہیں، لیکن بعد والی قسموں کی طرف توجہ کرتے ہوئے دو پہاڑ یا مور و اترام دو مقدس مراکز ہی مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

اسی لیے ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ خدا نے شہروں میں سے چار شہروں کو منتخب کیا ہے اور ان کے بارے میں فرمایا ہے: "والتین والزیتون وطور سينين وهذا البلد الامين"۔
"تین" مدینہ ہے، اور "زیتون" بیت المقدس، "طور سینین" کوفہ ہے اور

"هذا البلد الامين" مکہ "ط"۔
"طور سینین" سے مراد ظاہراً وہی "طور سینا" ہے جسے مفسرین نے اسی مشہور کوہ "طور" کی طرف اشارہ سمجھا ہے اور صحرائے سینا میں ہے، اور وہاں زیتون کے پربار درخت موجود ہیں۔

"سینا" کو برکنوں والا یا درختوں سے پُر یا خوبصورت پہاڑ سمجھتے ہیں اور یہ وہی پہاڑ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام مناجات کے وقت گئے تھے۔

بعض نے اسے کوفہ کے نزدیک سرزمین نجف کا ایک پہاڑ بھی سمجھا ہے۔
اور بعض نے تصریح کی ہے کہ "سینین" اور "سینا" ایک ہی چیز ہے، اور اس کا معنی پُر برکت ہے۔

باقی رہا "هذا البلد الامين" تو یہ یقیناً سرزمین مکہ کی طرف اشارہ ہے، وہ سرزمین جو زمانہ جاہلیت میں بھی منظر امن اور حرم خدا سمجھی جاتی تھی، اور کوئی شخص وہاں دوسرے پر تعرض کا حق نہیں رکھتا تھا، یہاں تک کہ مجرم اور قاتل بھی جب اس سرزمین میں

۱۔ تفسیر نور الثقلین جلد ۵ ص ۶۶۔ حدیث ۴۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانہ میں کوفہ ایک بڑا شہر نہیں تھا، لیکن اس سرزمین سے دیکھنے فرات کے گزرنے کی وجہ سے یقینی طور پر بہت سی آبادیاں اس زمانہ میں بھی وہاں ہی موجود تھیں (تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پہلے بھی وہاں پر ایک شہر آباد تھا)۔ (دائرة المعارف مصاحب جلد ۲ مادہ کوفہ)۔

۲۔ لفظ "امین" سرزمین جس

جاتے تھے تو وہ بھی امن میں ہوتے تھے۔

یہ سرزمین اسلام میں کد سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اور انسان تو رہے ایک طرف اس کے جانور، درخت اور پرنس بھی شریعت کے ساتھ امن سے رہنے چاہئیں۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "زین" صرف اسی جگہ استعمال ہوا ہے۔ جب کہ لفظ زیتون قرآن مجید میں چھ مرتبہ اہت کے ساتھ آیا ہے۔ اور ایک دفعہ اشارہ کی صورت میں جہاں فرماتا ہے: و شجرة تخرج من طور دینا زیتون الدهن وصیغ للأكلیل، اور وہ درخت جو طور سینا میں اگتا ہے، اس سے کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن فراہم کرتا ہے۔ (مؤمن - ۲۰)

اب اگر ان دونوں قسموں (زیتون) کو ان کے ابتدائی معنی پر محمول کریں، یعنی معروف انجیر وزیتون پر، تو پھر بھی یہ ایک معنی قسم ہے، کیونکہ:

"انجیر" بہت زیادہ غذائی قدر و قیمت کا حامل ہے، اور ہر سن و سال کے لیے ایک مقوی اور غذا ستھ پھر پور فوائد دیتا ہے۔ اس میں پھلکا، گٹھلی اور کوئی نامذہب چیز نہیں ہوتی۔

غذا کے ماہرین کہتے ہیں کہ: انجیر کو بچوں کے لیے طبی شکر کے طور پر استعمال کرایا جاسکتا ہے اور درزش یا محنت مشقت کرنے والے اور بڑھاپے والے کو دردی میں مبتلا لوگ اپنی غذا کے لیے انجیر سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ "افلاطون" انجیر کو اس قدر دوست رکھتا تھا کہ بعض نے اس کا نام ہی فلسفیوں کا دوست رکھ دیا ہے اور اسقاطی اس پھل کو فائدہ مند اجزاء کو جذب کرنے والا اور نقصان دہ مادوں کو دفع کرنے والا سمجھتا تھا۔

"جالینوس" نے انجیر سے پہلوؤں کے لیے ایک خاص قسم کی غذا تیار کی تھی، روم اور قدیم ایران کے پہلوؤں کو بھی انجیر پاتے تھے۔

غذا شناس ماہرین کہتے ہیں کہ انجیر میں مختلف قسم کے بہت سے دوائیں اور شکر موجود ہے۔ اور بہت سی بیماریوں میں اس کا دوا کے طور پر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر جب انجیر اور شہد کو سادی طور سے مخلوط کر دیں تو زخم و دھبہ و کھسک انجیر کا کھانا داغ کو تقویت دیتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ انجیر میں معدنی عناصر کے وجود کی بنا پر وہ انسان کے لیے بہت ہی مفید ہے۔ ان میں اعتدال کا سبب بنتے ہیں انجیر ہر سن و سال اور ہر قسم کے حالات میں غذا کے طور پر بہترین پھل ہے۔

ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے:

"التین یدھب بالبخیر و یشد الغم و الیہ ظلم و ینبت الشجر"

بالداء و لا یحتاج معہ الی دواء و قال علیہ السلام: التین سبب شئ

۱۔ لفظ "امین" ممکن ہے کہ یہاں "فعیل" معنی "فاعل" ہو اور اس کا معنی "ذوال اثر" ہو اور "امیل" معنی "مغلول" ہو۔

سرزمین جس میں لوگ امن میں ہیں۔

بنبات الجنة :

” انجیر منہ کی بلبو کو دُر کرتا ہے، سُوڑھوں اور بڑیوں کو مضبوط بناتا ہے، بالوں کو اگاتا ہے

درد اور تکلیف کو بظرف کرتا ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوا کی ضرورت نہیں ہے۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انجیر جنت کے پھلوں سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔^۱

باقی رہا ”زیتون“ تو اس کے بارے میں غذا شناس اور بڑے بڑے ماہرین جنہوں نے سالہا سال تک پھلوں کے نخلت خواص کا مطالعہ کرنے میں اپنی عمریں صرف کی تھیں، زیتون اور اس کے تیل کی حد سے زیادہ اہمیت کے قائل ہیں، اور وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بزرگ ہمیشہ صبح و سالم رہنا چاہیں انہیں اس حیاتی اکسیر سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

روغن زیتون انسان کے جگر کا رنگ اور مخلص دوست ہے۔ اور گردوں کی بیماریوں، صفراوی پتھریوں اور دردِ گردہ اور دردِ جگر کو دور کرنے اور خشکی کو رفع کرنے کے لیے بہت ہی مؤثر ہے۔

اسی بنا پر زیتون کے درخت کو قرآن مجید میں شجرہ مبارکہ کہا گیا ہے۔

روغن زیتون بھی انواع و اقسام کے دوائیوں سے سرشار ہے اور اس میں فاسفورس، سلفر، کیلشیم، فیوم، پوٹاشیم اور منگنیز بھی پائی جاتی ہے۔

وہ مرہم جو روغن زیتون اور لہسن کے ساتھ بنائی جاتی ہے گھٹیا کے دردوں کے لیے مفید بتائی جاتی ہے، پتھر کی پتھری روغن زیتون کے کھانے سے ختم ہو جاتی ہے۔^۲

ایک روایت میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :

” ما افقر بیت یا تدمون بالخل والنزيت وذالك اداہم الانبياء “

” وہ گھر جس میں سرکہ اور زیتون سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے، وہ کبھی کھانے سے

خالی نہ ہوگا اور یہ پیغمبروں کی غذا ہے۔“

اور ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے :

” نعم الطعام الزيت : يطيب النكهة ، ويذهب البلبغور ، ويصفى

اللون ، ويشد العصب ويذهب الوصب ، ويطفي الغضب “ :

” روغن زیتون ایک اچھی غذا ہے، منہ کو خوشبودار کرتا ہے، بلغم کو دور کرتا ہے، چہرے

۱۔ ”کافی“ جلد ۶ ص ۳۵۸۔ مرحوم علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۶ ص ۱۸۲ میں انجیر کے خواص کے بارے میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔

۲۔ ”اولین دانش گاہ و آخرین پیغمبر“ جلد ۹ ص ۹۰ سے آگے۔

۳۔ ”اولین دانش گاہ و آخرین پیغمبر“ جلد ۹ ص ۱۳۰ کے بعد۔

۴۔ ”بحار الانوار“ جلد ۶ ص ۱۸۰ حدیث ۶

کے رنگ کو صاف کرتا ہے۔ اور تروتازہ بنا آتا ہے، اعصاب کو تقویت دیتا ہے، بیمار مری، درد اور ضعف کو دور کرتا ہے، اور غصہ کی آگ کو بجھاتا ہے۔

ہم اس بحث کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

”کلوا الزيت وادھنوا به فانہ من شجرة مباركة“

”روغن زیتون کھاؤ اور بدن پر اس کی مالش کرو کیونکہ یہ ایک مبارک درخت سے ہے۔“

ان چاروں پر معنی قسموں کو ذکر کرنے کے بعد جواب قسم پیش کرتے ہوئے اس طرح فرماتا ہے: ”یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت اور نظام میں پیدا کیا ہے۔“

(لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم)

”تقویم“ کا معنی کسی چیز کو مناسب صورت، معتدل نظام اور شائستہ کیفیت میں لانا ہے۔ اور اس کے مفہوم کی وسعت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے انسان کو ہر لحاظ سے موزوں اور شائستہ پیدا کیا ہے، جسم کے لحاظ سے بھی، اور روحانی و عقلی لحاظ سے بھی، کیونکہ اس کے وجود میں ہر قسم کی استعداد رکھی گئی ہے اور اُسے ایک بہت ہی عظیم قوس صعودی کو طے کرنے کے لیے آمادہ کیا گیا ہے، اور اس کے باوجود کہ انسان ایک ”جرم صغیر“ ہے، ”عالم کبیر“ کو اس میں جگہ دی گئی ہے، اور اُسے اس قدر استعدادیں اور شائستگیاں بخشی ہیں کہ وہ ولقد کرمنا بنی آدم“ ہم نے بنی آدم کو کرامت و عظمت بخشی ہے۔ (سورۃ اسراء آیہ ۷۰) کی خلقت کے لائق ہو گیا ہے۔ وہی انسان جس کی خلقت کی تکمیل پر فرماتا ہے: فتبارک الله احسن الخالقین ”پس وہ خدا بہت ہی بزرگ و برتر اور برکتوں والا ہے جو بہترین خلق کرنے والا ہے!“

لیکن یہی انسان ان تمام امتیازات و اعزازات کے ہوتے ہوئے اگر حق کے راستے سے منحرف ہو جائے تو اس طرح سقوط کرنا ہے کہ ”اسفل السافلین“ میں جا پہنچتا ہے، اس لیے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ”پھر ہم اُسے پست ترین مراحل میں لوٹا دیتے ہیں۔“ (شعور دناہ اسفل سافلین)۔

کہتے ہیں کہ ہمیشہ بلند پہاڑوں کے ساتھ بہت ہی گہری گھاٹیاں ہوتی ہیں اور انسان کی اس تکامل و ارتقاء کی قوس صعودی کے ساتھ ہی ایک وحشت ناک قوس نزولی بھی نظر آتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ وہ ایک ایسا موجود ہے جو ہر قسم کی استعدادیں رکھتا ہے۔ اگر وہ ان سے صلاح و درستی کے لیے فائدہ اٹھائے تو افتخار کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ جاتا ہے اور اگر ان تمام استعدادوں کو فساد اور خرابی کی راہ پر ڈال دے تو اس سے عظیم ترین مفسدہ پیدا کر دیتا ہے، اور طبعی طور پر وہ ”اسفل السافلین“ کی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے۔ لیکن بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔“ (الا الذین امنوا و عملوا الصالحات فالہم اجر غیر ممنون)۔

لیکن جیسے
ایک حد
”الیں اللہ“

خداوند! خداوند!
پروردگار! پروردگار!
بہترین صورت
بار الہا!
لطف و کرم فرما

آخر
۱۲ رمضان
قم مقدس
برز مہل بوقت
احقر

”ممنون“ ”من“ کے مادہ سے یہاں ختم ہونے یا کم ہونے کے معنی میں ہے۔ اسی بنا پر ”غیر ممنون“ دائمی اور ہر قسم کے نقص سے خالی اجر و ثواب کے معنی میں ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ منت و احسان سے خالی مراد ہے، لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔

بعض نے شعور و دناہ اسفل سافلین کے جملہ کی بڑھاپے کے دور کے ضعف و ناتوانی اور حد سے زیادہ ہوش کی کمی کے معنی میں تفسیر کی ہے، لیکن اس صورت میں یہ بعد والی آیت کے استثناء کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ اس بنا پر قبلہ بعد کی آیات کے مجموعہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے وہی پہلی تفسیر ہی درست نظر آتی ہے۔

بعد والی آیت میں اس ناشکرے اور معاد کے دلائل اور نشانیوں سے بے اعتناء انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: کیا سبب ہے کہ تو ان تمام دلائل کے باوجود روز جزا کی تکذیب کرتا ہے؟! (فما یحکذک بعد بالذین)۔

ایک طرف تو خود تیرے وجود کی ساخت اور دوسری طرف اس وسیع و عریض عالم کی عمارت اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ دنیا کی چند روزہ زندگی تیری خلقت اور اس عظیم جہان کی خلقت کا اصل ہدف نہیں ہو سکتی۔

یہ سب کچھ وسیع تر اور کامل تر جہان کے لیے ایک مقدمہ ہے اور قرآن کی تعبیر میں ”نشأۃ اولیٰ“ خود ”نشأۃ اخریٰ کی خبر دیتی ہے۔ تو پھر انسان متذکر کیوں نہیں ہوتا۔ ولقد علمتوا النشأۃ الاولیٰ فلو لا تذکرون۔ (واقعہ ۶۲)۔

عالم نباتات ہمیشہ اور ہر سال نئے ہرے سے موت و حیات کے منظر کو انسان کی آنکھ کے سامنے مجسم کرتا ہے اور جنینی دور کی پے در پے خلقتیں ہر ایک معاد اور ایک نئی زندگی شمار ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود یہ انسان روز جزا کا کس طرح انکار کرتا ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں مخاطب نوع انسان ہے، اور یہ احتمال کہ یہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مخاطب ہے اور مراد یہ ہے کہ معاد کے دلائل کے باوجود کون کون سی چیز تیری تکذیب کر سکتی ہے، بعید نظر آتا ہے۔

اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ”دین“ سے مراد یہاں آئین و شریعت نہیں ہے، بلکہ وہی جزا اور روز جزا ہے۔ اس کے بعد والی آیت بھی اسی معنی کی گواہ ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے: ”کیا خدا بہترین حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا نہیں ہے؟“ (الیں اللہ با حکم الحاکمین) اور اگر ہم دین کو کل شریعت اور آئین کے معنی میں لیں تو پھر آیت کا مفہوم و معنی اس طرح ہوگا، ”کیا خدا کے احکام و فرامین سب سے زیادہ حکیمانہ اور قابل یقین نہیں ہیں؟“ یا یہ کہ انسان کے لیے خدا کی خلقت ہر لحاظ سے حکمت، علم اور تدبیر کے ساتھ آمیختہ ہے۔

لہ جلد ۱۳ ص ۳۰۶ سے آگے سورۃ واقعہ کی آیات سے استفادہ کرتے ہوئے سات دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔

لہ ”مجمع“
آیت کے

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔
ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ "والتین" کی تلاوت فرماتے تھے تو جیسے ہی
یہ "الین اللہ باحکام الحاکمین" پر پہنچتے تھے تو فرماتے تھے:
"بلی وانا علی ذالک من الشاہدین"

"ہاں خدا احکام الحاکمین ہے، اور میں اس بات کا گواہ ہوں۔" ^۱
خداوند! ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ تو احکام الحاکمین ہے۔
پروردگار! تُو نے ہماری خلقت کو بہترین صورت میں قرار دیا ہے۔ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہمارا عمل اور ہمارے انخلاق
بہترین صورت میں ہوں۔
بارہالہ! ایمان و عمل صالح کی راہ کو طے کرنا تیرے لطف و کرم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہم پر اس راہ میں اپنا
لطف و کرم فرما۔

آمین یا سرِّ العالین
سورہ التین کا اختتام

اختتام ترجمہ
۱۶ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
قم مقدس برکانِ حقیر
بلاز منگل بوقت بارہ بج کر اکتالیس منٹ
احقر: صفدر حسین نجفی

۱۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۱۲۔ یہی مضمون تفسیر "روح البیان" و "قرطبی" اور "فی ظلال" میں بھی زیر بحث
آیت کے ذیل میں آیا ہے۔

سُورَةُ الْعَلَقِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔
❖ اس میں ۱۹ آیات ہیں۔

مفسر
اور یہ بات جو لیا
یہ سور
قیمت قطرہ خوار
اور بی
کے بارے میں
اور ۳۱
کی راہ اختیار کر
اور آخر
اور سور
اس

www.sirat-e-mustaqeem.net

سورہ علق کے مطالب اور فضیلت

مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ یہ سورہ پہلا سورہ ہے جو پیغمبر گرامی اسلام پر نازل ہوا اور اس کے مطالب بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ بات جو بعض نے کہی ہے کہ پہلا سورہ، سورہ "حمد" یا سورہ "مدثر" ہے، یہ بات قطعی مشہور نہیں ہے۔

یہ سورہ پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرأت و تلاوت کا حکم دیتا ہے اور اس کے بعد اس با عظمت انسان کی ایک بے قدرو ت قطرہ خون سے خلقت کی بات کرتا ہے۔

اور بعد کے مرحلہ میں پروردگار کے لطف و کرم کے سائے میں انسان کے تکامل و ارتقاء اور اس کی علم و دانش اور قلم سے آشنائی بارے میں بحث ہوتی ہے۔

اور اس کے بعد کے مرحلہ میں ان ناشکرے انسانوں کے بارے میں جو ان تمام خدائی نعمتوں اور الطاف الہی کے باوجود سرکشی راہ اختیار کرتے ہیں، گفتگو کرتا ہے۔

اور آخر میں ان لوگوں کی دردناک سزا کی طرف اشارہ کرتا ہے جو لوگوں کو ہدایت اور نیک اعمال سے روکتے ہیں۔

اور سورہ کو "سجدہ" اور بارگاہ پروردگار میں تقرب حاصل کرنے کے حکم پر ختم کرتا ہے۔

اس سورہ کی قرأت کی فضیلت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا :

"من قرأ فی یومہ اولیٰلئہ اقرأ باسم ربک ثم مات فی یومہ اولیٰلئہ مات شہیداً ولعنه اللہ شہیداً، و احیاء کمں ضرب بسیفہ فی سبیل اللہ مع رسول اللہ۔"

"جو شخص دن میں یا رات کو سورہ اقرأ باسم ربک پڑھے گا اور وہ اس رات یا دن کو مر جائے گا

تو وہ دنیا سے شہید جائے گا اور خدا اُسے شہید مبعوث کرے گا اور شہیدوں کی صف

میں اُسے جگہ دے گا، اور وہ قیامت میں اس شخص کی مانند ہوگا جس نے راہ خدا میں

پیغمبر اکرم ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں شمشیر سے جہاد کیا ہو۔
 یہ سورہ اُن مختلف تعبیروں کی مناسبت سے جو اس سورہ کے آغاز میں آئی ہیں سورہ "علق" یا سورہ "اقرأ"
 یا سورہ "قلو" کے نام سے موسوم ہوا ہے۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝
- ۲۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
- ۳۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝
- ۴۔ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝
- ۵۔ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے جہان کو پیدا کیا۔
- ۲۔ وہی جس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا۔
- ۳۔ پڑھ کہ تیرا پروردگار سب سے زیادہ مکرم و باعزت ہے۔
- ۴۔ وہی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔
- ۵۔ اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

شان نزول

جیسا کہ ہم نے سورہ کے مطالب کی تشریح میں بھی اشارہ کیا ہے کہ اکثر مفسرین کے نظریہ کے مطابق یہ پہلا سورہ ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے، بلکہ بعض کے قول کے مطابق تو ادرپر والی پانچ آیات سب ہی مفسرین کے نزدیک آغاز وحی میں ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں اور ان کا مضمون بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہرگز پر گئے ہوئے تھے کہ جبریل آئے اور کہا: اے محمد پڑھ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

جبریل نے انہیں آغوش میں لے کر دیا اور پھر دوبارہ کہا: پڑھ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اسی جواب کو دیا۔ اس کے بعد جبریل نے پھر وہی کام کیا اور وہی جواب سنا، اور تیسری بار کہا: اقرأ باسم ربك الذي خلق۔۔۔ پانچوں آیات کے آخر تک۔

جبریل یہ بات کہہ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وحی کی پہلی شاع کو حاصل کرنے کے بعد بہت تھکے ہوئے تھے خدیجہ کے پاس آئے اور فرمایا: "زملونی و دثرونی": مجھے اڑھا دو اور کوئی کپڑا میرے اوپر ڈال دو تاکہ میں آرام کروں۔

"طبری" بھی مجمع البیان میں یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہ سے فرمایا: "جب میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک آواز سن کر پریشان ہو جاتا ہوں۔"

حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا: خدا آپ کے بارے میں خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں کرے گا۔ کیونکہ خدا کی قسم آپ امانت کو ادا کرتے ہیں اور صلہ رحم بجالاتے ہیں، اور جو بات کرتے ہیں اس میں سچ بولتے ہیں۔ "خدیجہؓ کہتی ہیں: اس واقعہ کے بعد ہم ورقہ بن نوفل کے پاس گئے (نوفل خدیجہؓ کا چچا زاد بھائی اور عرب کے علماء میں سے تھا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ "ورقہ" سے بیان کیا۔ ورقہ نے کہا: جس وقت وہ پیکارنے والا آپ کے پاس آئے تو غور سے سنو کہ وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد مجھ سے بیان کرنا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خلوت گاہ میں سنا کہ وہ کہہ رہا ہے:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہو: بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين
الرحمن الرحيم مالك يوم الدين اياك نعبد واياك نستعين اهدنا الصراط المستقيم
صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

۱۔ "ابراہیم رازی" جلد ۱۱ ص ۹۶، (تھوڑی سی تلخیص کے ساتھ، اسی مطلب کو بہت سے مفسرین عامہ و خاصہ نے بہت سے شاخ و برگ اور پھول بٹے لگا کر نقل کیا ہے، جن میں سے بعض بالکل قابل قبول نہیں ہے۔)

مورہ
علی بن مرہ
آج
جب

یقینی
ناموزوں مطالب
نزول وحی کے
کا پختہ ارادہ
اور نہ ہی پیغمبر
تاریخوں میں ثبت
ایسا
کو بھی مورد
کرتے ہو۔

تو

اچھا

پہلی

جس نے سا

بعض

طہ "تہ"

لہ "را"

اسی

اور کو لا الہ الا اللہ ، اس کے بعد آپ ورقہ کے پاس آئے اور اس ماجرے کو بیان کیا۔

”ورقہ نے کہا : آپ کو بشارت ہو ، پھر بھی آپ کو بشارت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم نے بشارت دی ہے ، آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب شریعت میں اور پیغمبرِ مرسل (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ آج کے بعد بہت جلد جہاد کے لیے مامور ہوں گے اور اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کروں گا ؛ جب ”ورقہ“ دنیا سے رخصت ہو گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”میں نے اس روحانی شخص کو بہشت (برزخی جنت) میں دیکھا ہے کہ وہ جسم پر ریشمی لباس پہنے ہوئے تھا ، کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا تھا اور میری تصدیق کی تھی۔“

یقینی طور پر مفسرین کے بعض کلمات یا تاریخ کی کتابوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی اس فصل کے بارے میں ایسے ناموزوں مطالب نظر آتے ہیں جو مسلمہ طور پر جعلی ، وضعی ، گھڑی ہوئی روایات اور اسرائیلیات سے ہیں ، مثلاً یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے پہلے واقعہ کے بعد بہت ہی ناراحت ہوئے اور ڈر گئے کہ کہیں یہ شیطانی القاآت نہ ہوں ، یا آپ نے کئی مرتبہ اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا کہ خود کو پہاڑ سے گرا دیں ، اور اسی قسم کے فضول اور بے ہودہ باتیں جو نہ تو نبوت کے بلند مقام کے ساتھ سازگار ہیں اور نہ ہی پیغمبر کی اس عقل اور حد سے زیادہ دانش مندی ، مدیریت ، صبر و تحمل و شکیبائی ، نفس پر تسلط اور اس اعتماد کو ظاہر کرتی ہیں جو تاریخوں میں مثبت ہے۔

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس قسم کی ضعیف و رکیک روایات دشمنانِ اسلام کی ساختہ و پرداختہ ہیں جن کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو بھی موردِ اعتراض قرار دے دیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو بھی جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

تفسیر

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ

پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کتاب ہے : ”اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے سارے جہان کو خلق کیا ہے“ (اقرأ باسم ربك الذي خلق)۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اوپر والے جملہ میں مفعول محذوف ہے اور اصل میں اس طرح تھا اقرأ القرآن باسم ربك اپنے

۱۔ ”تفسیر مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۱۴

۲۔ ”راغب“ ”مفردات“ کتاب ہے ”قرأت“ حروف و کلمات کو ایک دوسرے میں ملانے اور ضم کرنے کے معنی میں ہے ، اسی لیے ایک حرف کو قرأت نہیں کہتے۔

پروردگار کے نام سے قرآن مجید پڑھ، اور اسی بنا پر بعض علمائے اس آیت کو اس پر دلیل بنایا ہے کہ بسم اللہ قرآن کی سورتوں کا جوہر ہے اور بعض نے "با" کو زائد سمجھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اپنے پروردگار کے نام کو پڑھ ہے، لیکن یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے، کیونکہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے اپنے پروردگار کے نام کو یاد کر۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں سب سے پہلے پروردگار کی "ربوبیت" کے مسئلہ پر تکیہ ہوا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ "رب" "مالک مصلح" کے معنی میں ہے، یعنی وہ ہستی جو کسی چیز کی مالک بھی ہے اور اس کی اصلاح و تربیت بھی کرتی ہو۔

اس کے بعد پروردگار کی ربوبیت کو ثابت کرنے کے لیے عالم ہستی کی خلقت و آفرینش پر تکیہ ہوا ہے، کیونکہ اس کی ربوبیت کی بہترین دلیل اس کی خالقیت ہے، اور عالم کی تدبیر وہی کر سکتا ہے جس نے اس کو خلق کیا ہے۔

یہ حقیقت میں عرب کے مشرکوں کا جواب ہے جو خدا کی خالقیت کو تو قبول کرتے تھے لیکن ربوبیت اور تدبیر کے ضمن میں بتل کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ نظام ہستی میں خدا کی ربوبیت اور اس کی تدبیر اس کی ذات مقدس کو ثابت کرنے کی بہترین دلیل ہے۔

اس کے بعد تمام مخلوقات میں سے عالم خلقت کے اہم ترین موجود اور آفرینش کے گل سرسبد یعنی انسان پر تکیہ کرتا ہے اور اس کی آفرینش کو ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہی خدا جس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا۔" (خلق الانسان من علق)۔

"من علق" اصل میں کسی چیز کے چپک جانے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے جسے ہوئے خون کو اور اسی طرح "جوہمک" کو جو خون پوسنے کے لیے بدن سے چپک جاتی ہے "علق" کہتے ہیں، اور چونکہ نطفہ عالم جنین کا پہلا دور گزارنے کے بعد جسے ہوئے اور چپکے ہوئے خون کے ٹکڑے کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جو ظاہر میں بہت ہی کم قدر و قیمت رکھتا ہے لہذا اس آیت میں انسان کی خلقت کا مبداء اسی ناچیز موجود کو شمار کرتا ہے تاکہ پروردگار کی عظیم قدرت منائی واضح ہو جائے جس نے اس قسم کی بے قدر قیمت

موجود سے ایسی قابل قدر اور قیمتی مخلوق پیدا کر دی ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ علق سے مراد یہاں آدم علیہ السلام کی مٹی ہے جو چپکنے کی حالت بھی رکھتی تھی، اور یہ بات واضح ہے کہ وہ خدا جو اس عجیب مخلوق کو اس "چپکی ہوئی مٹی" کے ایک ٹکڑے سے وجود میں لایا ہے وہی ہر قسم کی حمد و ستائش کے لائق ہے۔

کبھی "علق" کو "صاحب علقہ" وجود کے معنی میں لیا ہے، جو انسان کی اجتماعی روح اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کی طرف ایک اشارہ ہے، اور یہ حقیقت میں محال بشر اور تمدنوں کی پیش رفت کا پایہ اصلی ہے۔

بعض "علق" کو نر کے نطفہ (سپرم) کی طرف بھی اشارہ سمجھتے ہیں جو "جوہمک" کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے یہ خوردبینی موجود نطفہ کے پانی میں تیرتا ہے، رحم میں عورت کے نطفہ کی طرف بڑھتا ہے، اس کے ساتھ چپک جاتا ہے اور ان دونوں کی ترکیب سے انسان کا کامل و مکمل نطفہ وجود میں آتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانہ میں یہ مسائل تحقیق و دریافت نہیں ہوئے تھے، لیکن قرآن مجید نے علمی اعجاز کے طریق سے ان سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان چاروں تفاسیر میں سے پہلی تفسیر زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے، اگرچہ چاروں تفسیروں کے درمیان جمع کرنے سے

اس صورت میں "با" ملا بست کے لیے ہے۔

بھی کوئی مانع نہ
ہم۔
میں ہے او
دوبار
اور با عزت۔
بعض ا
یہ کہا ہے کہ
لیکن تاکید زیادہ
بہر حال
نہیں ہوں۔ یعنی
اس کے
"وہی
" اور ا
یہ آیات

نہیں جانتا تھا ا
رکھتا ہے۔
"الذی
اس عظیم کام کی
دوسرا
خلاصہ
انسان تک پہنچ
بہر حال

لے "وریک

کی کوئی مانع نہیں ہے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ "انسان" ایک تفسیر کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے معنی میں ہے اور دوسری تین تفسیر کے مطابق مطلق انسانوں کے معنی میں ہے۔

دوبارہ تاکید کے لیے مزید کہتا ہے، "پڑھ کہ تیرا پروردگار ہر کریم سے زیادہ کریم اور ہر بزرگوار اور باعزت سے بڑھ کر بزرگوار و باعزت ہے" (اقراء وربك الاكرم)۔

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ دوسرا "اقراء" اسی "اقراء" کی ایک تاکید ہے جو اس سے پہلی آیات میں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس سے مختلف ہے۔ پہلے جملہ میں پیغمبر کا اپنے لیے پڑھنا مراد ہے، اور دوسرے جملہ میں لوگوں کے لیے پڑھنا۔ ان تاکید زیادہ مناسب نظر آتی ہے کیونکہ اس فرق پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

بہر حال اس آیت کی تعبیر حقیقت میں پیغمبر کی اس گفتگو کا جواب ہے جو جبریل کے جواب میں آپ نے کہی تھی کہ میں پڑھا ہوا ہوں۔ یعنی پروردگار کی برکت سے جو حد سے زیادہ کریم و بزرگوار ہے تو قرأت و تلاوت کی طاقت و توانائی رکھتا ہے۔ اس کے بعد اس خدا کی توصیف کرتے ہوئے جو سب کریموں سے بڑھ کر کریم و بزرگوار ہے، فرماتا ہے:

"وہی ہستی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی" (الذی علّم بالقلم)۔

"اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا" (علّم الانسان ما لم يعلم)۔

یہ آیت بھی درحقیقت پیغمبر کی اُسی گفتگو کا جواب ہیں جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ:

"میں قرأت کرنے والا نہیں ہوں۔ یعنی وہی خدا جس نے انسان کو قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے اور جو کچھ انسان کو جانتا تھا اُسے سکھایا ہے، وہ اس بندے کو بھی جس نے کسی سے سبق نہیں پڑھا ہے قرأت و تلاوت سکھانے کی قدرت رکھتا ہے۔"

"الذی علّم بالقلم" کے جملہ کے دو معنی نکلتے ہیں، ایک یہ کہ: خدا نے انسان کو لکھنا اور کتابت کرنا سکھایا، اور عظیم کام کی قدرت و توانائی، جو تاریخ بشر کا مبداء اور تمام علوم و فنون اور تمدنوں کا سرچشمہ ہے، اس میں ایسا وہی۔

دوسرا یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اس طریق سے اور اس وسیلہ سے علوم و فنون سکھائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک تفسیر کے مطابق تو لکھنے کی تعلیم مراد ہے، اور دوسری تفسیر کے مطابق وہ علوم مراد ہیں جو کتابت کے ذریعے ان تک پہنچتے ہیں۔

بہر حال یہ ایک ایسی پُر معنی تعبیر ہے، جو نزول وحی کے ان حساس لمحات میں ان عظیم اور پُر معنی آیات میں منعکس ہو گئی ہے۔

چند نکات

۱۔ وحی کا آغاز ایک حرکت علمی کے آغاز کے ساتھ ہوا

یہ آیات ، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ، اکثر مفسرین یا تمام کے تمام مفسرین کے نظریہ کے مطابق وہ سب سے پہلی آیات ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پاک پر نازل ہوئی تھیں اور وحی کی پہلی شعاعوں کی روشنی سے تاریخ بشریت میں ایک نئی فصل کا آغاز ہوا ، اور نوع انسانی ایک عظیم ترین الطاف الہی کی مشمول ہوئی ، اور خدا کا وہ اکل ترین دین جو سارے دینوں کا نقطہ اختتام تھا ، نازل ہوا ، اور تمام احکام اور اسلامی تعلیمات کے نزول کے بعد الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ۔ (مائہ - ۳) کے مطابق دین الہی کی تکمیل ہوئی اور اس کی نعمت حد کمال کو پہنچ گئی اور اسلام خدا کا پسندیدہ دین قرار پایا ۔

یہاں ایک بہت ہی عمدہ موضوع ہے ، (اور وہ یہ ہے) کہ باوجود اس بات کے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " اُمّی تھے اور آپ نے کسی سے درس نہیں لیا تھا ، اور حجاز کے ماحول کو سراسر جہالت و نادانی کے ماحول نے گھیر رکھا تھا ، وحی کی پہلی آیات میں " علم " اور " قلم " کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی ، جو ان آیات میں خلقت و آفرینش جیسی عظیم نعمت کے فوراً بعد بلا فاصلہ ذکر ہوا ہے ۔ حقیقت میں یہ آیات پہلے انسانی جسم کی ایک بے قدر و قیمت لوتھڑے " علقہ " جیسے موجود سے تکامل و ارتقاء کی خبر دیتی ہیں ، اور دوسری طرف سے روح کے تکامل کی ، تعلیم و تعلم کے ذریعے ، خصوصاً قلم کے ذریعے بات کرتی ہیں ۔ جس دن یہ آیات نازل ہو رہی تھیں اس دن نہ صرف حجاز کے ماحول میں ، جو جہالت کا ماحول تھا ، کوئی شخص قلم کی قدر و منزلت کا قائل نہ تھا بلکہ اس زمانہ کی تمدن دنیا میں بھی قلم کی کم ہی قدر کی جاتی تھی ۔

لیکن آج کے زمانہ میں ہم جانتے ہیں کہ وہ تمام تمدن ، علوم و فنون اور ترقیاں جو ہر میدان میں نوع بشر کو نصیب ہوئی ہیں ، قلم کے محور کے گرد ہی گردش کرتی ہیں ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ " ملوہ علماء " (علماء کے قلم کی سیاہی) " دما شہدا " (شہداء کے قلم کی سبقت لے چکی ہے کیونکہ شہید کے خون کی بنیاد اور اس کی پشتپان علماء کے قلموں کی سیاہی ہی ہے ، اور اصولی طور پر انسانی معاشرہ کی سر نوشت پہلے درجہ میں قلم کی نوک سے ہی لکھی گئی ہے ۔

انسانی معاشرہ کی اصلاحی باتیں مومن و متہمد قلموں سے لکھی جاتی ہیں ، اور معاشرہ کے فساد اور تباہیوں کی باتیں بھی سوسم لاد فاسد قلموں سے ہی تحریر میں آتی ہیں ۔

یہ بات بلا وجہ نہیں ہے کہ قرآن مجید نے قلم کی اور جو کچھ قلم سے لکھتے ہیں ، اس کی قسم کھائی ہے ۔ یعنی " آلہ " کی قسم کی قسم اور جو کچھ اس سے حاصل ہوتا ہے اس کی قسم بھی ، جیسا کہ فرماتا ہے : " ن والقلم وما یسطرون " (قلم - ۱) ہم جانتے ہیں کہ بشر کی زندگی کے ادوار کو دو ادوار میں تقسیم کرتے ہیں ۔

۱۔ " تاریخ کا دور

۲۔

تاریخ

کی کوئی چیز

ہم

مبتوطہ تشریح

اسی

فنون میں اس

کے نورین

عصر میں داخل

اور اس

لکھی گئی ہیں ۔

کس

محتاج ہو جا

۲۔

پیغمبر اک

اور قاب

آپ کا

توقف کرتے

جب آ

ابن عب

آسمان کی طرف

والنہاس

پھر عرض

۲۔ قبل از تاریخ کا دور

تاریخ کا دور وہ ہے جس میں قلم، پڑھنے اور لکھنے کا زمانہ شروع ہوا، اور انسان اس قابل ہو گیا کہ قلم کے ذریعے اپنی زندگی کی کوئی چیز لکھ سکے، اور آنے والے لوگوں کے لیے بطور یادگار چھوڑ جائے۔ اس طرح تاریخ بشر قلم اور خط کی تاریخ کے برابر ہے۔ ہم نے انسانوں کی زندگی میں قلم کے اثرات کے بارے میں تفسیر نمونہ کی جلد ۱۲ میں سورہ قلم کے آغاز میں ایک مفصل اور مبسوط تشریح پیش کی ہے۔

اسی بنا پر ابتدا سے ہی اسلام کی بنیاد علم و قلم پر رکھی گئی ہے، اور یہ بات بلاوجہ نہیں ہے کہ اس قسم کی پس ماندہ قوم علوم و فنون میں اس قدر ترقی کر گئی کہ، دوست و دشمن کے اعتراف کے مطابق، انہوں نے ساری دنیا میں علم و دانش کو پھیلایا اور یورپ کے مورخین کے اعتراف کے مطابق یہ مسلمانوں کا نور علم و دانش ہی تھا جو قرون وسطیٰ میں تاریک یورپ کے صفحہ پر چمکا اور انہیں تمدن عصر میں داخل کر گیا۔

اور اس سلسلہ میں خود انہیں کی طرف سے بہت سی کتابیں "تاریخ تمدن اسلام" یا "میراث اسلام" کے عنوان سے لکھی گئی ہیں۔

کس قدر نامناسب بات ہے کہ اس قسم کی ہمت اور ایسا دین علم و دانش کے میدان میں پیچھے رہ جائے اور دوسروں کا محتاج ہو جائے، یہاں تک کہ ان سے وابستہ ہو جائے۔

۲۔ ہر حال میں ذکر خدا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا آغاز خدا کے نام کے ذکر سے شروع ہوا "اقرأ باسم ربك" اور قابل غور بات یہ ہے کہ آپ کی بھرپور زندگی ذکر خدا اور یاد خدا سے ملی ہوئی تھی۔ آپ کا ہر سانس ذکر خدا کے ساتھ وابستہ تھا۔ کھڑے ہوتے، بیٹھتے، سوتے، چلتے، سوار ہوتے، پیادہ چلتے یا توقف کرتے سب یاد خدا کے ساتھ اور "اللہ" کے نام کے ساتھ تھا۔ جب آپ نیند سے بیدار ہوتے تھے تو فرماتے تھے:

"الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور"

"حمد کے لائق وہی ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی جانب ہم سب نے لوٹ کر جانا ہے"

"ابن عباس" کہتے ہیں کہ ایک رات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں سویا ہوا تھا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے آسمان کی طرف سر کر بلند کیا اور سورہ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائی۔ ان فی خلق السماوات والارض واختلاف الليل والنهار۔۔۔

پھر عرض کیا:

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ ... اللَّهُمَّ

لَكَ اسَلَمْتُ وَبِكَ أَمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أُنِيتُ ...

"خدا یا سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے،

سب کا نور ہے۔۔۔۔۔ خدا یا میں تیرے سامنے سر تسلیم خم کر چکا ہوں، تجھ پر ایمان

لا چکا ہوں، تجھ پر توکل کر چکا ہوں اور تیری طرف لوٹ چکا ہوں۔"

جس وقت آپ گھر سے نکلتے تو فرماتے :

"بِسْمِ اللَّهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ إِنْ أَضَلُّ

أَوْ أُضِلُّ، أَوْ أَظْلَمُ، أَوْ أَظْلَمُ، أَوْ أَجْهَلُ، أَوْ أَجْهَلُ عَلَيَّ"

"اللہ کے نام سے، میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، خدا یا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں گمراہ

ہو جاؤں، یا کسی کی گمراہی کا سبب بنوں، یا میں پھسل جاؤں، یا کسی پر ظلم کروں یا ظلم کیا

جاؤں، یا جہالت سے کام لوں، یا مجھ سے جہالت کا بڑاؤ کیا جائے۔"

جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے :

"أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ، وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَبِسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ

الرَّجِيمِ"

"میں عظیم خدا سے اور اس کی کریم ذات سے اور اس کی قدیم سلطنت کے ذریعہ زندہ

درگاہ شیطان سے پناہ مانگتا ہوں۔"

اور جس وقت آپ نیا لباس زیب تن کرتے تو فرماتے :

"اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ اسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صَنَعَ لَهُ وَ

أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صَنَعَ لَهُ"

"خدا یا سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو نے ہی یہ لباس مجھے پہنایا ہے۔ میں

تجھ سے اس کی خیر چاہتا ہوں اور جس خیر کے لیے یہ بنا ہے اور تجھ سے اس کے شر سے

پناہ مانگتا ہوں اور جس شر کے لیے یہ بنا ہے۔"

اور جب گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے :

"الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَفَانِي وَأَوَانِي وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي وَأَسْقَانِي"

"حمد ہے اس اللہ کی جس نے میری کفایت کی اور مجھے پناہ دی اور حمد ہے اس اللہ کی جس نے مجھے کھلایا اور پلایا۔"

اور اسی طرح آپ کی تمام زندگی یا دُخدا، نام خدا اور الطاف خدا کے تقاضوں سے گونجی ہوئی اور ملی ہوئی تھی۔"

لہ "فی ظلال القرآن جلد ۸ ص ۶۱۹ سے آگے (بہت زیادہ تلخیص کے ساتھ)۔"

- ۶۔ کَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا ۖ
 ۷۔ اَنْ رَّاهُ اسْتَكْبَرُ ۖ
 ۸۔ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرَّجْعُ ۖ
 ۹۔ اَرَاَيْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی
 ۱۰۔ عَبْدًا اِذَا صَلَّى ۖ
 ۱۱۔ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلٰی الْهُدٰی ۖ
 ۱۲۔ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ۖ
 ۱۳۔ اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰی ۖ
 ۱۴۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ۖ

ترجمہ

- ۶۔ ایسا نہیں ہے کہ انسان حق شناس ہو، یقیناً وہ سرکش کرتا ہے۔
 ۷۔ اس وجہ سے کہ وہ خود کو بے نیاز سمجھتا ہے۔
 ۸۔ یقینی طور پر سب کی بازگشت تیرے پروردگار کی طرف ہے۔

عزت کا خیال
انسان
محتاج اور نیاز
فنا ہو جائیں۔
طرف اشارہ ہے
بعض کا
کی دعوت کے آ
جیسے افراد اس
بہر حال!
ہی ان کی دعوت
یہ جان لیں کہ ایک
اس کے

الی ربك الرجعی

اور وہی

اصولی طور

ذات کے لیے رہ

اس بات کی گنجائش

اس کے لیے

بیان کرتے ہوئے

”بندہ کو ج

کیا ایسا آ

اعادیت

ٹکا پر پھرے کور

یوں گا تو اپنے

الوجہل چلا

علوم دیتا تھا جیسے

نے کہا: میں

۹۔ مجھے بتا کیا وہ شخص جو نہیں کرتا ہے۔

۱۰۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے (کیا وہ مستحق عذاب الہی نہیں؟)

۱۱۔ مجھے بتا اگر یہ بندہ طریق ہدایت پر ہو۔

۱۲۔ یا لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے (کیا اُسے نہیں کرنا مناسب ہے؟)

۱۳۔ مجھے بتا اگر (یہ سرکش) حق کی تکذیب کرے اور اس کی طرف سے پشت پھیر لے

(تو اس کی کیسی دردناک سرنوشت ہوگی؟)

۱۴۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا اس کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟

تفسیر

کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تیرے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟

گزشتہ آیات کے بعد، جن میں انسان کے لیے پروردگار کی مادی و معنوی نعمتوں کی طرف اشارہ ہوا تھا، اور ایسی دین
نعمتوں کا لازمہ یہ ہے کہ انسان شکر ادا کرے اور خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، لہذا زیر بحث آیات میں فرماتا ہے: ”ایسا نہیں
ہے کہ خدائی نعمتیں ہمیشہ ہی انسان میں شکر گزاری کی روح بیدار کرتی ہوں، بلکہ وہ یقینی طور پر طغیان و سرکشی کرتا ہے۔“ (کَلَّا
ان الانسان لیطغیٰ)

”اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے۔“ (ان راہ استغنیٰ) ۱

یہ عام لوگوں کی فطرت ہے، ان لوگوں کی فطرت اور عادات جنہوں نے عقل و وحی کے مکتب میں پرورش نہ پائی ہو۔
جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتے ہیں تو سرکشی و طغیان شروع کر دیتے ہیں۔

نہ تو وہ خدا کا بندہ بنتے ہیں، نہ اس کے احکام کو قبول کرتے ہیں، نہ وجدان کی پکار پر کان دھرتے ہیں اور نہ ہی

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے ”کَلَّا“ اس چیز کو رد کرنے کے لیے ہے جو گزشتہ آیات کے مضمون کا لازمہ ہے، اور بعض نے

کے معنی میں بھی لیا ہے جو تاکید کے لیے ہے۔

۱ ”ان راہ استغنیٰ“ کا جملہ مفعول لاجلہ ہے اور تقدیر میں لان۔۔۔ ہے، اور رویت یہاں علم کے معنی میں ہے، لہذا اس کے

ہوئے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ رویت جسی کے معنی میں ہو اور ”استغنیٰ“ بمنزلہ ”حال“ کے ہو۔

عدالت کا خیال کرتے ہیں۔

انسان اور کوئی بھی دوسری مخلوق ہرگز بے نیاز اور مستغنی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ تمام ممکن موجودات ہمیشہ خدا کے لطف اور نعمتوں کے محتاج اور نیازمند رہتے ہیں۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا فیض و کرم منقطع ہو جائے تو ٹھیک اسی لمحہ سب کے سب نابود و فنا ہو جائیں۔ البتہ انسان بعض اوقات غلطی سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے، اور آیت کی تعبیر لطیف بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہے، جو یہ کہتی ہے کہ: ”وہ خود کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے“ یہ نہیں کہتی کہ وہ بے نیاز ہو جاتا ہے۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں ”انسان“ سے مراد خصوصیت کے ساتھ ”الوجہل“ ہے، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے آغاز ہی سے مخالفت کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن مسئلہ طور پر یہاں ”انسان“ ایک مہموم کلمہ کہتا ہے، اور ”الوجہل“ جیسے افراد اس کے مصداق ہیں۔

بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا ہدف اور مقصد یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ لوگ فوراً ہی ان کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔ بلکہ انہیں چاہیے کہ وہ خود کو سرکش مستکبرین کے انکار اور مخالفت کے لیے آمادہ و تیار رکھیں اور یہ جان لیں کہ ایک تشیب و فزاز سے بھرا ہوا راستہ ان کے سامنے ہے۔ اس کے بعد ان مستکبر سرکشوں کو تہدید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”یقیناً سب کی بازگشت تیرے پروردگار کی طرف ہے۔ (ان الی ربک الرجعی)۔

اور وہی سرکشوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچاتا ہے۔ اصولی طور پر جس طرح کہ ہر چیز کی بازگشت اس کی طرف ہے اور سب مرجائیں گے، اور آسمان و زمین کی میراث اس کی پاک ست کے لیے رہ جائے گی: ولله میراث السماوات والارض (آل عمران - ۱۸۰)۔ ابتدا میں بھی تمام چیزیں اسی کی طرف سے تھیں، اور بات کی گنجائش نہیں ہے کہ انسان خود کو بے نیاز سمجھنے لگ جائے، اور مغرور ہو کر سرکش بن جائے۔ اس کے بعد مغرور سرکشوں کے کاموں کے ایک حصہ، یعنی راہ حق پر چلنے اور ہدایت و تقویٰ کے طریق کو طے کرنے سے روکنے کو کہتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”مجھے بتا کیا وہ شخص جو منع کرتا ہے۔ (ارایت الذی یمنہی)۔ بندہ کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ (عبداً اذا صلی)۔

کیا ایسا آدمی عذاب الہی کا مستحق نہیں ہے؟!

احادیث میں آیا ہے کہ ”الوجہل“ نے اپنے اطرافوں سے سوال کیا! کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سامنے بھی (بجھکے) پرچہ رکھتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: قسم ہے اس کی جس کی ہم قسم کھاتے ہیں، اگر میں اُسے اس حالت میں ان کا تو اپنے پاؤں سے اس کی گردن کو کچل کر رکھ دوں گا۔ انہوں نے اس سے کہا: وہ دیکھو! وہ اس جگہ نماز پڑھنے میں مشغول ہے۔ الوجہل چلا، تاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن کو اپنے پاؤں کے نیچے کچلے۔ لیکن جب وہ قریب پہنچا تو پیچھے ہٹ گیا اور ایسا دیتا تھا جیسے کہ وہ کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے ہٹا رہا ہے۔ ان لوگوں نے اس سے کہا، ہم تیری یہ کیا حالت دیکھ رہے ہیں؟ نے کہا: میں نے اچانک اپنے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق دیکھی ہے، اور ایک وحشت ناک منظر اور کچھ پر وبال مشاہدہ

کیے ہیں !

اس موقع پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ، اگر وہ میرے قریب آجائے تو خدا کے فرشتے اس کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اور اس کے ایک ایک عضو کو اچک کر لے جاتے !
اس موقع پر اُدپر والی آیات نازل ہوئیں ،

ان روایات کے مطابق اُدپر والی آیات آغازِ بعثت میں نازل نہیں ہوئیں ، بلکہ اس وقت نازل ہوئیں جب اسلام کی دعوت بر ملا ہو چکی تھی۔ اسی لیے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ اس سورت کی صرف پہلی پانچ آیات ہی آغازِ بعثت میں نازل ہوئی تھیں ، اور باقی کافی مدت کے بعد نازل ہوئیں۔

لیکن بہر حال یہ شانِ نزول آیت کے مفہوم کی وسعت سے مانع نہیں ہے۔
بعد والی آیت میں اور زیادہ تاکید کے لیے مزید کتاب ہے : ”مجھے بتا اگر یہ نماز گزار بندہ طریقِ ہدایت پر ہو“ (ارایت ان کان علی الہدیٰ)۔

”یا لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے۔“ (وامر بالتقویٰ)۔ کیا اس کو منع کرنا مناسب ہے ، اور کیا اس قسم کے شخص کی سزا جہنم کی آگ کے علاوہ کچھ اور ہو سکتی ہے ؟!

”مجھے بتا اگر یہ سرکش آدمی جو راہِ حق کے راہِ روا فرد کو نماز ، ہدایت اور تقویٰ سے روکتا ہے اگر حق کی تکذیب کرے ، اور اس سے روگردانی کرے ، تو اس کی کیسی دردناک سزا ہوگی ؟“ (ارایت ان کذب و فوٹی)۔
”کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا اس کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے ، اور ان سب کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لیے ثبت و ضبط کر رہا ہے۔“ (المر یعلم بان اللہ یلی)۔

اُدپر والی آیات میں تفسیرِ شرطیہ کی تفسیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس مغرور سرکش کو کم از کم یہ احتمال تو دینا چاہیے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طریقِ ہدایت پر ہیں ، اور اُن کی دعوت تقویٰ کی طرف دعوت ہے ، یہی احتمال اس کی سرکشی کو روکنے کے لیے ہے اس بنا پر ان آیات کا مفہوم ، پیغمبر کی تقویٰ کی طرف دعوت ، اور ہدایت میں تردید نہیں ہوگا ، بلکہ یہ اُدپر والے باریک بینی سے طرف اشارہ ہے۔

بعض مفسرین نے ”کان“ و ”امر“ کی ضمیر کو اسی نہی کرنے والے شخص کی طرف لوٹایا ہے ، جیسا کہ ”ابو جہل“ نے کیا اس بنا پر آیات کا مفہوم اس طرح ہو جائے گا ، اگر وہ ہدایت کو قبول کر لے اور نماز سے منع کرنے کی بجائے تقویٰ کی دعوت کرے اس کی حالت کے لیے یہ کتنا مفید ہوگا ؟
لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

تفسیر ”مجمع السببان“ جلد ۱۰ ص ۵۱۵

بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق اُدپر والی تین آیات میں ”رأیت“ کے جملے ”اخبیرنی“ کے معنی میں ہیں ، جس کا ہم ”مجھے بتاؤ“ کے ساتھ ترجمہ کر رہے ہیں۔
آیات میں جو شرطیں آئی ہیں ان کے جواب منہوف ہیں اور تقدیر میں اس طرح ہے کہ کیوں کیوں حالہ و عجزاتہ و عذابہ ؟ : ایسے انسان کی سزا سزا

ایک

عالم

اس واقعہ

میں ہے اور ان

زیادہ اثر انداز ہو

ایک قطعی یقین کہ

ایک حد

کہتے ہیں

کیا تو نہیں جانتا

نے مجھے گناہ کرنے

ایک نکتہ

عالم ہستی محضر خدا میں ہے

اس واقعیت کی طرف توجہ کہ انسان جو کام بھی انجام دیتا ہے، وہ خدا کے سامنے ہے، اور اصولاً "تمام عالم ہستی محضر خدا میں ہے" اور انسان کے اعمال میں سے کوئی بھی چیز، یہاں تک کہ اس کی نیت بھی خدا سے پنہاں نہیں ہیں، انسان کی زندگی کے پروگرام پر ان کا اثر انداز ہو سکتی ہے، اور اس کو غلط کاریوں سے روک سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ واقعی اس مطلب پر ایمان رکھتا ہو اور اس نے قطعی یقین کی صورت اختیار کر لی ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے :

"اعبد الله كأنك تراه فان لم تکن تراه فانه يراك"

"خدا کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اُسے نہیں دیکھ سکتا

تو وہ تجھے ابھی طرح سے دیکھ رہا ہے۔"

کہتے ہیں کہ ایک بیدار دل نے گناہ کے بعد توبہ کر لی تھی، لیکن ہمیشہ روتا رہتا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تو اتنا کیوں روتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ خداوند تعالیٰ بخشنے والا ہے؟ اس نے کہا، ہاں! ممکن ہے کہ وہ معاف کر دے، لیکن یہ خجالت و شرمساری کراس مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے؟ اس کو اپنے سے کیسے دُور کر دوں؟

گیرم کہ تو از سترِ گنہ در گزری

زان شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چکنم؟

میں نے مانا کہ تو میرے گناہ کو ضرور معاف کر دے گا۔

لیکن اس شرم کا کیا کر دوں کہ تو نے یہ دیکھ لیا ہے کہ میں نے کیا کیا ہے؟

- ۱۵۔ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۚ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝
 ۱۶۔ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝
 ۱۷۔ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝
 ۱۸۔ سَدْعُ الزَّبَانِيَةِ ۝
 ۱۹۔ كَلَّا ۚ لَا تُطِيعُهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

ترجمہ

- ۱۵۔ جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے، اگر وہ اپنے کام سے دستبردار نہ ہوگا تو ہم اس کی ناصیہ (اس کے سر کے اگلے حصہ کے بال) پکڑ کر (عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے)
 ۱۶۔ وہی دروغ گو اور خطا کار ناصیہ (پیشانی)
 ۱۷۔ پھر وہ جسے چاہے پکارتا رہے (کہ وہ اس کی مدد کرے)
 ۱۸۔ ہم بھی عنقریب دوزخ کے مامورین کو پکاریں گے۔
 ۱۹۔ جیسا کہ وہ سمجھتا ہے، ایسا نہیں ہے، ہرگز اس کی اطاعت نہ کر، اور سجدہ کر، اور خدا کا تقرب حاصل کر۔

سچ
 اس
 کے بارے
 (وہ یہ گمان
 سے روک سکا
 "اگر
 طرف کھینچ
 "دہ
 "لند
 سختی کے ساتھ
 کے طور پر
 کرنے اور
 اور
 بہر حال
 کو پکڑیں گے
 ہی مراد ہوں
 ایک
 "جبر
 حاضر
 "عبد
 پھوٹے سے
 گرد آکھٹے
 ل "فخر

تفسیر

سجدہ کر اور تقرب حاصل کر !

اس بحث کے بعد، جو گزشتہ آیات میں کافر سرکشوں، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نماز گزاروں کے لیے ان کی رحمت کے بارے میں آئی تھی، ان آیات میں اُن پر سخت دھمکیوں کی بارش کرتے ہوئے فرماتا ہے، "جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے (وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن پر ان کے سجدہ کے وقت پاؤں رکھ سکتا ہے، اور انہیں اس عبادتِ خدا سے روک سکتا ہے) (کَلَّا)۔

"اگر وہ اپنے اس غرور اور بہالت سے دستبردار نہ ہوگا تو ہم اس کے سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو پکڑ کر اُسے عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے۔" (لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ)۔

"وہی دروغ گو اور خطا کار کے سر کا اگلا حصہ (پیشانی) (ناصیۃ کاذبۃ خاطئة)

"لنسفعا" "سفع" (بروزن عفو) کے مادہ سے بعض مفسرین کے قول کے مطابق مختلف معنی رکھتا ہے، پکڑنا، اور سختی کے ساتھ کھینچنا، منہ پر طمانچہ مارنا، منہ کو کالا کرنا۔ (ان تین پتھروں کو بھی، جو دیگ کو آگ پر رکھتے وقت دیگ کے پایے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، سفع کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سیاہ اور ڈھونگیں سے آلودہ ہوتے ہیں)۔ اور آخری بات نشان زدہ کرنے اور ذلیل کرنے کے لیے آتا ہے۔

اور یہاں سب سے زیادہ مناسب وہی پہلا معنی ہے۔ اگرچہ زیر بحث آیت میں دوسرے معانی کا احتمال بھی ہے۔ بہر حال کیا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ماجرا قیامت میں واقع ہوگا کہ ابوجہل جیسے افراد کے سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو پکڑیں گے اور جہنم کی طرف کھینچ کر جائیں گے، یا دنیا میں پورا ہو جائے گا، یا دونوں باتیں ہوں گی؟ یہ بات بعید نہیں ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں، اور اس کا گواہ ذیل کی روایت ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے :

"جس وقت سورۃ الرحمن نازل ہوا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا :

"تم میں سے کون ہے؟ جو اس سورہ کو روسائے قریش کے سامنے جا کر پڑھے۔"

حاضرین کچھ دیر کے لیے خاموش رہے چونکہ وہ سردارانِ قریش کی ایذا رسانی سے ڈرتے تھے۔

"عبداللہ بن مسعود" کھڑے ہو گئے اور کہا : اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں یہ کام کروں گا۔۔۔۔۔ ابن مسعودؓ

پھر اُسے جُثہ کے تھے اور جمالی لحاظ سے کمزور بھی تھے، کھڑے ہو کر سردارانِ قریش کے پاس پہنچ گئے۔ انہیں دیکھا کہ وہ کعبہ کے گرد اکٹھے بیٹھے ہیں، لہذا ابن مسعودؓ نے سورہ الرحمن کی تلاوت شروع کر دی۔

د آلم وسلم
تجہ ۳۱

سرزمین

نادیب

۳۱

ایک خوف

چونکہ وہاں

۳۱

۳۱

دوست

(بروزن)

کے معنی

۳۱

ترک کر

۳۱

۳۱

میں روڑ

راستہ میر

۳۱

اسی لیے

۳۱

ابو جہل نے کھڑے ہو کر ابن مسعود کے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ ان کا کان پھٹ گیا اور خون جاری ہو گیا۔ ابن مسعود روتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب پیغمبر کی نگاہ ان پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ ہوا۔ آپ نے سر نیچے کر لیا اور گہرے غم و اندوہ میں ڈوب گئے۔ اچانک جبریل نازل ہوئے جب کہ وہ خنداں اور مسرور تھے، آپ نے فرمایا: اے جبریل تم کس لیے ہنس رہے ہو جب کہ ابن مسعود رو رہا ہے؟ (جبریل نے) عرض کیا عنقریب آپ کو اس کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔ یہ ماجرا گزر گیا۔ جب مسلمان جنگ بدر کے دن کامیاب و کامران ہوئے تو ابن مسعود مشرکین کے مقتولین کے درمیان گردش کر رہے تھے ان کی نظر ابو جہل پر پڑی کہ وہ آخری سانس لے رہا تھا، ابن مسعود اس کے سینہ پر سوار ہو گئے، جب اس کی نگاہ ان پر پڑی تو کہا: اے حقیر چرواہے، تو کتنے بلند مقام پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابن مسعود نے کہا: الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ: "اسلام برتری حاصل کرے گا اور کسی چیز کو اسلام پر برتری نہیں ہوگی"۔ ابو جہل نے ان سے کہا اپنے دوست محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دے: نہ تو زندگی میں کوئی شخص میری نظر میں اس سے زیادہ مبغوض تھا اور نہ ہی موت کی حالت میں۔

جب یہ بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: "میرے زمانے کا فرعون موسیٰ کے زمانے کے فرعون سے بدتر ہے۔ کیونکہ اس نے تو اپنی عمر کے آخری لمحات میں یہ کہا تھا: میں ایمان لے آیا ہوں، لیکن اس کی سرکشی اور بھی بڑھ گئی۔"

اس کے بعد ابو جہل نے ابن مسعود کی طرف رخ کر کے کہا: میرا سر اس تلوار سے قطع کر جو زیادہ تیز ہے۔ جب ابن مسعود نے اس کا سر قلم کیا تو وہ اس کو اٹھا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ لاسکے۔ (لہذا اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر زمین پر پھینچے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر پہنچے اور آیت کا مضمون اس دنیا میں پورا ہو گیا)۔ "ناصیہ" سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو کہتے ہیں۔ اور ان بالوں کو پکڑنا ایسی جگہ بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو کسی کام کے لیے ولایت و غواہی کے ساتھ لے جائیں، کیونکہ جب کسی کے سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو پکڑتے ہیں تو اس سے ہر قسم کی حرکت کی قدرت سلب ہو جاتی ہے اور اس کے لیے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ البتہ لفظ "ناصیہ" افراد و اشخاص کے لیے بھی اور نفیس اشیاء کے بارے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم فارسی (اور اردو) زبان میں "جمعیت کی پیشانی" یا "عمارت کی پیشانی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "ناصیہ کا ذبہ خاطئہ" کی تعبیر ایسے شخص کی طرف اشارہ ہے، جو یہ ناصیہ رکھتا ہے، جو بھوٹا بھی تھا اور خطا کا بھی، جیسا کہ ابو جہل تھا۔

ایک روایت میں ابن عباس سے آیا ہے کہ ایک دن ابو جہل رسول خدا صلی اللہ علیہ

۱ "تفسیر قرآنی" جلد ۳۲ ص ۲۳ (تخصیص کے ساتھ)۔

و آلم وسلم کے پاس آیا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ابراہیم کے پاس نماز میں مشغول تھے، اس نے پکار کر کہا کیا میں نے تجھے اس کام سے منع نہیں کیا تھا؟ حضرت نے اس کو جھڑک کر دھتکار دیا۔
الوجہل نے کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! تم مجھے جھڑکتے ہو اور مجھے دھتکارتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس سرزمین میں میری قوم اور قبیلہ سب سے زیادہ ہے؟
اس موقع پر بعد والی آیت نازل ہوئی: "یہ جاہل و مغرور اپنی ساری قوم و قبیلہ کو پکار لے اور انہیں مدد کے لیے بلا لے" (فلیدع نادیه)۔

"ہم بھی مامورین دوزخ کو پکار لیں گے" (سندع الزبانیۃ)۔
تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ اس بے خبر غافل سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مامورین عذاب کے چنگل میں پرکاش کی طرح ایک خوفناک طوفان کے درمیان میں ہے۔
"نادی" "ندا" (پکارنا) کے مادے سے مجلس عمومی کے معنی میں ہے، اور بعض اوقات مرکز تفریح کو بھی نادی کہا جاتا ہے، چونکہ وہاں لوگ ایک دوسرے کو پکارتے اور ندا دیتے ہیں۔
بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ "ندا" سے لیا گیا ہے جو بخشش کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہاں ایک دوسرے کی پذیرائی کرتے ہیں۔
"دارالندوة" بھی جو قریش کی مشہور مجلس مشاورت کہی جاتی تھی اسی معنی سے لی گئی ہے۔
لیکن یہاں "نادی" سے مراد وہ جماعت ہے جو اس مجلس میں جمع ہوتی تھی۔ یا دوسرے لفظوں میں اس سے وہ قوم و قبیلہ اور دوست مراد ہیں جن کی قوت پر الوجہل جیسے لوگ اپنے کاموں میں بھروسہ کرتے تھے۔
"زبانیۃ" جمع "زبانیہ" (زبان کی زبیر کے ساتھ) اصل میں انتظامی مامورین کے معنی میں ہے جو "زبان" (بروزن متین) کے مادہ سے دفع کرنے، ضرب لگانے اور دُور کرنے کے معنی میں ہے، اور یہاں فرشتگان عذاب اور دوزخ کے مامورین کے معنی میں ہے۔

اس سورہ کی آخری آیت میں جو آیہ سجدہ ہے، فرماتا ہے: "اس طرح نہیں ہے جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے اور تیرے سجدہ کے ترک کرنے پر اصرار کرتا ہے" "کَلَّا"
"مہرگز اس کی اطاعت نہ کر، اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ کر اور اس کا تقرب حاصل کر" (لا تطعه واسجد واقترب)۔
دنیا زمانے کے الوجہل اس سے کہیں زیادہ حقیر و ناچیز ہیں کہ تجھے سجدہ کرنے سے روک سکیں، یا تیرے دین و ایمان کی ترقی میں روڑے اٹھا سکیں اور اس میں کوئی رکاوٹ ڈال سکیں۔ تو پروردگار پر توکل کرتے ہوئے اس کی عبادت و بندگی اور سجدہ کے ساتھ اس راستہ میں قدم بڑھائے جا، اور ہر روز اپنے خدا سے نزدیک سے نزدیک تر ہوتا چلا جا۔
ضمنی طور پر اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ سجدہ انسان کے لیے بارگاہ خدا کے قرب اور نزدیکی کا باعث ہے۔ اور اسی لیے ایک حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

خداوند! ہمیں کبر و غرور سے، جو تجھ سے دُوری کا اصل سبب ہے، محفوظ رکھ۔
 پروردگارا! ہمیں دنیا و آخرت میں ایک لمحہ کے لیے بھی ہمارے اپنے سپرد نہ کرنا۔
 بارالہا! ہمیں ایسی قدرت عطا فرما کہ ہم ان مغرور مستکبرین کی ناک کو، جو تیرے سامنے سدا رہ بنے ہوئے ہیں،
 رگڑ کر رکھ دیں اور ان کے تمام منصوبوں کو مٹا دیں۔

آمین یا سرّ العالمین

سُورۃ اعلق کا اختتام

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ الْقَدْرِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
 ✦ اس میں ۵ آیات ہیں۔

اس
 شب قدر کی
 اس
 ہونا ہے کیا
 علیہ وآلہ وسلم
 علیہ وآلہ وسلم
 تسلی دی، ۱
 تقریباً ایک
 اس

لہ "رُزق"
 لہ "بجہ"

www.sirat-e-mustaqim.net

سُورۃ "قدر" کے مطالب اور اس کی فضیلت

اس سُورہ کا مضمون ، جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے ، شبِ قدر میں قرآن کا نزول ہے۔ اس کے بعد شبِ قدر کی اہمیت اور اس کے برکات و آثار کا بیان ہے۔

اس بارے میں کہ یہ سُورہ "مکہ" میں نازل ہوا ہے یا "مدینہ" میں ، مفسرین کے درمیان مشہور اس کا "مکی" ہونا ہے لیکن بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے کیونکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ "بنی اُمیہ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر چڑھ گئے ہیں۔ یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گراں گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ ہوئے تو سُورہ قدر نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی، (لہذا بعض علماء "لیلۃ القدس خیر من الف نشہس" کو بنی اُمیہ کی حکومت کی طرف ناظر سمجھتے ہیں جو تقریباً ایک ہزار ماہ رہی) اور ہم جانتے ہیں کہ مسجد اور منبر مدینہ میں بنائے گئے تھے ۱۔

اس سُورہ کی فضیلت میں یہی کافی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"من قراها اعطی من الاجر کمین صام رمضان واحیا لیلۃ القدس"
"جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور شبِ قدر کو احیا کیا ہو" ۲۔

۱۔ "روح المعانی" جلد ۳۰ ص ۱۸۸ و "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۷۱

۲۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۱۶

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

”من قرأ آنا انزلناہ بجھرکان کشاہر سیفہ فی سبیل اللہ“

و من قرأھا سرّاً کان کالمتشحط بدمہ فی سبیل اللہ“

” جو شخص سورہ آنا انزلناہ کو بلند آواز سے پڑھے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے

راہِ خدا میں تلوار کھینچی اور جہاد کیا ، اور جو شخص اسے آہستہ اور پنهان طور سے پڑھے

وہ اس شخص کے مانند ہے جو راہِ خدا میں اپنے خون میں کت پرت ہو۔

واضح ہے کہ یہ سب فضیلت اس شخص کے لیے نہیں ہے جو اسے پڑھے تو سہی لیکن اس کی حقیقت کو نہ سمجھے بلکہ

یہ اس شخص کے لیے ہے جو اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھتا بھی ہو ، اور اس کے مضمون پر عمل کرتا ہو ، قرآن کو عظیم سمجھتا ہو

اور اس کی آیات کو اپنی زندگی میں عملی شکل دیتا ہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝
- ۲۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝
- ۳۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝
- ۴۔ تَنْزِيلُ الْمَلَكِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝
- ۵۔ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

ترجمہ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔
- ۲۔ اور تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے ؟
- ۳۔ شب قدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔
- ۴۔ فرشتے اور رُوح اس رات میں اپنے پروردگار کے اذن سے ہر کام (کی تقدیر) کے لیے اترتے ہیں۔
- ۵۔ یہ ایک ایسی رات ہے جو طلوع صبح تک سلامتی (اور برکت و رحمت) سے پُر ہے۔

تفسیر

شب قدر نزول قرآن کی رات

قرآن کی آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید ماہ مبارک رمضان میں نازل ہوا ہے : شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ، (بقرہ - ۱۸۵) اور اس تعبیر کا ظاہر یہ ہے کہ سارا قرآن اسی ماہ میں نازل ہوا ہے ۔

اور سورہ قدر کی پہلی آیت میں مزید فرماتا ہے : ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے : (انا انزلناہ فی لیلة القدس) ۔ اگرچہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ قرآن کا نام ذکر نہیں ہوا ، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ " انا انزلناہ " کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا ظاہری ابہام اس کی عظمت اور اہمیت کے بیان کے لیے ہے ۔

" انا انزلناہ " (ہم نے اسے نازل کیا ہے) کی تعبیر بھی اس عظیم آسمانی کتاب کی عظمت کی طرف ایک اور اشارہ ہے جس کے نزول کی خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے مخصوصاً صیغہ متکلم مع الغیر کے ساتھ جو جمع کا مفہوم رکھتا ہے ، اور یہ عظمت کی دلیل ہے ۔ اس کا شب قدر " میں نزول " وہی شب جس میں انسانوں کی سرنوشت اور مقدرات کی تعیین ہوتی ہے ۔ یہ اس عظیم آسمانی کتاب کے سرنوشت ساز ہونے کی ایک اور دلیل ہے ۔

اس آیت کو سورہ بقرہ کی آیت کے ساتھ ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شب قدر ماہ مبارک رمضان میں ہے ، لیکن وہ کون سی رات قرآن سے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن روایات میں اس سلسلہ میں بہت زیادہ بحث آئی ہے ۔ ہم انشاء اللہ اس سورہ کے آخر میں اس سلسلہ میں بھی اور دوسرے مسائل کے بارے میں بھی گفتگو کریں گے ۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخی لحاظ سے بھی اور قرآن کے مضمون کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے ارتباط کے لحاظ سے بھی یہ مسلم ہے کہ یہ آسمانی کتاب تدریجی طور پر اور ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوئی ہے ۔ یہ بات اُپر والی آیت جو یہ کہتی ہیں کہ ماہ رمضان میں اور شب قدر میں نازل ہوئی ، کس طرح سازگار ہوگی ؟

اس سوال کا جواب - جیسا کہ بہت سے محققین نے کہا ہے - یہ ہے کہ قرآن کے دو نزول ہیں ۔

۱۔ نزول دفعی جو ایک ہی رات میں سارے کا سارا پیغمبر اکرم کے پاک قلب پر یا بیت المعمور پر یا لوح محفوظ سے نچلے آسمان پر نازل ہوا ۔

۲۔ نزول تدریجی : جو تین سال کے عرصہ میں نبوت کے دوران انجام پایا ۔ (ہم سورہ ذخان کی آیہ ۳ جلد ۱۲ تفسیر نمونہ سے آگے اس مطلب کی تشریح کر چکے ہیں) ۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آغاز نزول قرآن شب قدر میں ہوا تھا ، نہ کہ سارا قرآن ، لیکن یہ چیز آیت کے ظاہر کے خلاف ہے ۔ کہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے ۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کے نازل ہونے کے سلسلے میں بعض آیات میں " انزال " اور بعض میں " تنزیل " کی تعبیریں استعمال ہوئی ہیں اور لغت کے کچھ مفسرین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ " تنزیل " کا لفظ عام طور پر وہاں بولا جاتا ہے جہاں کوئی چیز تدریجاً نازل ہو لیکن

یعنی مفہوم رکھتا ہے جو نزول دفعی کو بھی شامل ہوتا ہے۔ تعین کا یہ فرق جو قرآن کی آیات میں آیا ہے ممکن ہے کہ اوپر والے دو نزولوں کی طرف اشارہ ہو۔ بعد والی آیت میں شب قدر کی عظمت کے بیان کے لیے فرماتا ہے: "تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے؟" (وما ادراك ما ليلة القدر)۔

اور بلا فاصلہ کہتا ہے: "شب قدر ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے" (ليلة القدر خير من الف شهر)۔

یہ تعبیر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس رات کی عظمت اس قدر ہے کہ پیغمبر اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی اپنے اس وسع و عریض علم کے باوجود آیات کے نزول سے پہلے واقف نہیں تھے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہزار ماہ اسی (۸۰) سال سے زیادہ ہے۔ واقعاً کتنی با عظمت رات ہے جو ایک پُر برکت طولانی عمر کے برابر قدر و قیمت رکھتی ہے۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے لباس جنگ زیب تن کر رکھا تھا، اور ہزار ماہ تک اُسے نہ اتارا، وہ ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول (یا آمادہ) رہتا تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب و انصار نے تعجب کیا، اور آرزو کی کہ کاش اس قسم کی فضیلت و افتخار انہیں بھی میسر آئے تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں۔ اور بیان کیا کہ شب قدر ہزار ماہ سے افضل ہے۔"

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار افراد کا ذکر کیا جنہوں نے اسی سال بغیر بیت کیے خدا کی عبادت کی تھی۔ اصحاب نے آرزو کی کہ کاش وہ بھی اس قسم کی توفیق حاصل کرتے تو اس سلسلہ میں اوپر والی آیات نازل ہوئیں۔ اس بارے میں کہ یہاں ہزار کا عدد "تعداد" کے لیے ہے یا "تکثیر" کے لیے بعض نے کہا ہے: یہ تکثیر کے لیے ہے۔ شب قدر کی قدر و منزلت کسی ہزار ماہ سے بھی زیادہ ہے، لیکن وہ روایات جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں وہ اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ عدد مذکور تعداد ہی کے لیے ہے۔ اور اصولی طور پر بھی عدد ہمیشہ تعداد کے لیے ہوتا ہے مگر یہ کہ تکثیر پر کوئی واضح قرینہ موجود ہو۔ اس کے بعد اس عظیم رات کی مزید تعریف و توصیف کرتے ہوئے اضافہ کرتا ہے: "اس رات میں فرشتے اور رُوح اپنے پروردگار کے سے ہر کام کی قدر کے لیے نازل ہوتے ہیں" (تنزل الملائكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر)۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "تنزل" فعل مضارع ہے اور استمرار پر دلالت کرتا ہے (جو اصل میں "تنتزل" تھا)۔ ہر جاتا ہے کہ شب قدر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نزول قرآن کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، بلکہ یہ ایک امر مستمر ہے، اور ایسی رات مفرات راغب مادہ نزل۔

جو ہمیشہ آتی رہتی ہے اور ہر سال آتی ہے۔

اس بارے میں کہ رُوح سے کیا مراد ہے بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد "جبریل امین" ہے، جسے "رُوح الامین" بھی کہا جاتا ہے، اور بعض نے "رُوح" کی سورہ شوریٰ کی آیہ ۵۲ "وَكَذَلِكَ اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا" "جیسا کہ ہم نے ارشاد فرمایا: پر وحی کی تھی، اسی طرح سے تجھ پر بھی اپنے فرمان سے وحی کی ہے" کے قرینہ سے "وحی" کے معنی میں تفسیر کی ہے۔

اس بنا پر آیت کا مفہوم اس طرح ہوگا "فرشتے وحی الہی کے ساتھ، مقررات کی تعیین کے سلسلہ میں، اس رات میں نازل ہوتے ہیں" یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے جو سب سے زیادہ قریب نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "رُوح ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو فرشتوں سے مافوق ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا، کیا رُوح وہی جبریل ہے؟" امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

"جبریل من الملائکۃ، والروح اعظم من الملائکۃ ان الله عز وجل

يقول: تنزل الملائکۃ والروح"

"جبریل تو ملائکہ میں سے ہے، اور رُوح ملائکہ سے زیادہ عظیم ہے، کیا خداوند تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: ملائکہ اور رُوح نازل ہوتے ہیں؟"

یعنی مقابلہ کے قرینہ سے یہ دونوں آپس میں مختلف ہیں۔ لفظ "روح" کے لیے یہاں دوسری تفاسیر بھی ذکر ہوئی ہیں کیونکہ ان کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی، لہذا ان سے صرف نظر کی گئی ہے۔

"من کل امر" سے مراد یہ ہے کہ فرشتے سر نوشتوں کی تقدیر و تعیین کے لیے، اور ہر خیر و برکت لانے کے لیے اس رات میں نازل ہوتے ہیں، اور ان کے نزول کا مقصد ان امور کی انجام دہی ہے۔

یا یہ مراد ہے کہ وہ ہر امر خیر اور ہر سر نوشت اور تقدیر کو اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے امر و فرمان سے نازل ہوتے ہیں لیکن مناسب وہی پہلا ہے۔

"رہو" کی تعبیر کو، جس میں ربوبیت اور تدبیر جہاں کے مسئلہ پر بات ہوئی ہے، ان فرشتوں کے کام کے ساتھ قریبی مناسبت ہے۔ وہ امور کی تدبیر و تقدیر کے لیے نازل ہوتے ہیں، اور ان کا کام بھی پروردگار کی ربوبیت کا ایک گوشہ ہے۔

اور آفری آیت میں فرماتا ہے: "یہ ایک ایسی رات ہے، جو طلوع صبح تک سلامتی اور خیر و برکت و رحمت سے پُر رہتی ہے" (سلام ہی حتی مطلع الفجر)۔

قرآن بھی اسی میں نازل ہوا، اس کا احیا اور شب بیداری بھی ہزار ماہ کے برابر ہے، خدا کی خیرات و برکات بھی اسی شب اس کی رحمت خاص بھی بندوں کے شامل حال ہوتی ہے، اور فرشتے اور رُوح بھی اسی رات میں نازل ہوتے ہیں۔

۱۔ "تفسیر برہان" جلد ۴ ص ۴۸۱

۲۔ پہلی تفسیر کے مطابق "من" "لام" کے معنی میں ہے اور "من کل امر" کا مطلب "لاجل کل امر" ہے،

۳۔ کے مطابق "من" "باء مصاحبت" کے معنی میں ہے۔

اسی بنا

اس رات میں

اس بنا

جیسا کہ بعض اوقات

بعض نے

پہلی کے حضور

ان تفسیر

ہر حال یہ

ایک حدیث

فرمایا:

حضرت ابو

امام کیا، (رحمہ)

کہتے ہیں

کیونکہ جب شب

!!

جب ابراہیم

ان کے سلام

ہاں! یہ اُن

پر

چند

شب

اس سوال

تفسیر برہان

تفسیر فرما

اسی بنا پر یہ ایک ایسی رات ہے جو آغاز سے انتہا تک سراسر سلامتی ہی سلامتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق اس رات میں شیطان کو زنجیر میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ لہذا اس لحاظ سے بھی یہ ایک ایسی رات ہے جو سالم اور سلامتی سے توام ہے۔ اس بنا پر "سلام" کا اطلاق جو سلامت کے معنی میں ہے۔ (سالم کے اطلاق کے بجائے) حقیقت میں ایک قسم کی تاکید ہے۔ تاکہ بعض اوقات ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آدمی نین عدالت ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس رات پر "سلام" کا اطلاق اس بنا پر ہے کہ فرشتے مسلسل ایک دوسرے پر یا مومنین پر سلام کرتے ہیں۔ غیر کے حضور میں اور آپ کے معصوم جانثین کے حضور میں جا کر سلام عرض کرتے ہیں۔ ان تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

بہر حال یہ ایک ایسی رات ہے جو ساری کی ساری نور و رحمت، خیر و برکت، سلامت و سعادت، اور ہر لحاظ سے بے نظیر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا، کیا آپ جانتے ہیں کہ شب قدر کون سی رات ہے؟ تو آپ نے "کیف لا نعرف والملائکۃ تطوف بنا فیہا"

"ہم کیسے نہ جانیں گے جب کہ فرشتے اس رات ہمارے گرد طواف کرتے ہیں" حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں آیا ہے کہ خدا کے کچھ فرشتے آپ کے پاس آئے اور انہیں بیٹے کے تولد کی بشارت دی اور ان پر ام کیا، (صود - ۶۹)

کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو جو لذت ان فرشتوں کے سلام میں آئی، ساری دنیا کی لذتیں بھی اس کے برابر نہیں یقیناً۔ اب غور کرنا ہے کہ جب شب قدر میں فرشتے گروہ در گروہ نازل ہو رہے ہوں، اور مومنین کو سلام کر رہے ہوں، تو اس میں کتنی لذت، لطف اور برکت ہے!

جب ابراہیمؑ کو آتش نرود میں ڈالا گیا، تو فرشتوں نے آکر آپ کو سلام کیا اور آگ ان پر گلزار بن گئی، تو کیا شب قدر میں مومنین ان کے سلام کی برکت سے آتش دوزخ "برو" و "سلام" نہیں ہوگی؟

ہاں! یہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی نشانی ہے کہ وہاں تو خلیل پر نازل ہوتے ہیں اور یہاں اسلام کی اس ت پر۔

چند نکات

شب قدر میں کون سے امور مقدر ہوتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں کہ اس رات کو، شب قدر، کا نام کیوں دیا گیا ہے، بہت کچھ کہا گیا ہے، منجملہ یہ کہ:

"تفسیر برہان" جلد ۲ ص ۴۸۸ حدیث ۲۹

"تفسیر فخر رازی" جلد ۳۲ ص ۳۶

میں آیا ہے کہ
ایک
کہ ان دونوں را
تو بھی امام نے

لیکن
زیادہ تر روایات
ایک

اور اس

لیکن

۳۔ شد

بہت

لوگ ان سب

اور اطاعت کی ط

دوستوں کو لوگوں۔

اسم اعظم کو اپنے

اور یہ نہ

۴۔ کیا

اس سب

۵۔ نورانی

۶۔ نورانی

۱۔ شب قدر کو شب قدر کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ بندوں کے تمام سال کے سارے مقدرات اسی رات میں تعین ہوتے ہیں، اس معنی کی گواہ سورہ دخان ہے جس میں آیا ہے کہ: اَنَا نَزَّلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْمُبَارَكَةِ اَنَا كُنَّا مُنْذِرِينَ فَيُفَارِقُ كُلٌّ امْرُؤًا حَكَيمًا: ”ہم نے اس کتاب مبین کو ایک پُر برکت رات میں نازل کیا ہے، اور ہم ہمیشہ ہدایت کرتے رہے ہیں، اس رات میں ہر امر خداوندِ عالم کی حکمت کے مطابق تنظیم و تعین ہوتا ہے۔“ (دخان - ۹۳)

یہ بیان متعدد روایات کے ساتھ ہم آہنگ ہے جو کہتی ہیں کہ اس رات میں انسان کے ایک سال کے مقدرات کی تعین ہوتی ہے اور رزق، عمریں اور دوسرے امور اسی مبارک رات میں تقسیم اور بیان کیے جلتے ہیں۔

البتہ یہ چیز انسان کے ارادہ اور مسئلہ اختیار کے ساتھ کسی قسم کا تضاد نہیں رکھتی کیونکہ فرشتوں کے ذریعے تقدیر الہی لوگوں کی نشاندہی اور لیاقتوں، اور ان کے ایمان و تقویٰ اور نیت اعمال کی پاکیزگی کے مطابق ہوتی ہے۔

یعنی ہر شخص کے لیے وہی کچھ مقدر کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے، یا دوسرے لفظوں میں، اس کے مقدرات خود اسی کی طرف سے فراہم ہوتے ہیں اور یہ امر نہ صرف یہ کہ اختیار کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا، بلکہ یہ اس پر ایک تاکید ہے۔

۲۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس رات کا اس وجہ سے شب قدر نام رکھا گیا ہے کہ وہ ایک عظیم قدر و شرافت کی حامل ہے جس کی نظیر سورہ حج کی آیہ ۷۴ میں آئی ہے (ما قُدرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِهِ) انہوں نے حقیقت میں خدا کی قدر و عظمت کو ہی نہیں پہچانا

۳۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اپنی پوری قدر و منزلت کے ساتھ، قدر و منزلت والے رسول پر اور صاحب قدر و منزلت فرشتے کے ذریعے اس میں نازل ہوا ہے۔

۴۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ ایک ایسی رات ہے جس میں قرآن کا نازل ہونا مقدر ہوا ہے۔

۵۔ یا یہ ہے کہ جو شخص اس رات کو بیدار رہے تو وہ صاحب قدر و مقام و منزلت ہو جاتا ہے۔

۶۔ یا یہ بات ہے کہ اس رات میں اس قدر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے عرصہ زمین تنگ ہو جاتا ہے، کیونکہ تقدیر تنگ ہونے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ وَمَنْ قَدَّرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ (طلاق - ۷)

ان تمام تفاسیر کا ”لیلۃ القدر“ کے وسیع مفہوم میں جمع ہونا پورے طور پر ممکن ہے اگرچہ پہلی تفسیر زیادہ مناسب اور زیادہ مشہور ہے۔

۲۔ شب قدر کون سی رات ہے ؟

اس بارے میں کہ ”لیلۃ القدر“ ماہ رمضان میں ہوتی ہے، کوئی شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ قرآن کی تمام آیات اسی معنی کا اظہار کرتی ہیں، ایک طرف تو وہ کہتی ہیں کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا ہے (بقوہ - ۱۸۵) اور دوسری طرف یہ کہتی ہیں کہ شب قدر میں نازل ہوا ہے۔ (آیات زیر بحث)۔

لیکن اس بارے میں کہ ماہ رمضان کی راتوں میں سے کون سی رات ہے، بہت اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں بہت تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ: پہلی رات، سترھویں رات، اکیسویں رات، تیسویں رات، ستائیسویں رات اور انتیسویں رات۔ لیکن روایات میں مشہور و معروف یہ ہے کہ ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے اکیسویں یا تیسویں رات ہے اسی لیے کہ

میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ مبارک کی آخری دس راتوں میں تمام راتوں کا احیا فرماتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ شب قدر اکیسویں یا تیسویں رات ہے، یہاں تک کہ جب راوی نے اسرار کیا کہ ان دونوں راتوں میں سے کون سی رات ہے۔ اور یہ کہا کہ اگر میں ان دونوں راتوں میں عبادت نہ کر سکوں تو پھر کون سی رات کا انتخاب کروں؟ تو بھی امام نے تعیین نہ فرمائی اور مزید کہا:

”ما اليسر ليلتين فيما تطلب“

”اس چیز کے لیے جسے تو چاہتا ہے دو راتیں کس قدر آسان ہیں؟“

لیکن متعدد روایات میں جو اہل بیت کے طریقہ سے پہنچی ہیں، زیادہ تر تیسویں رات پر تکیہ ہوا ہے۔ جب کہ اہل سنت کی زیادہ تر روایات ستائیسویں رات کے گرد گردش کرتی ہیں۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

”التقدير في ليلة القدر تسعة عشر، والابرار في ليلة احدى

وعشرين، والامضاء في ليلة ثلاث وعشرين“

”تقدیر مقدرات تو انیسویں کی شب کو ہوتی ہے، اور ان کا حکم اکیسویں رات کو، اور ان کی تصدیق اور منظور تیسویں رات کو۔“

اور اس طرح سے روایات کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔

لیکن بہر حال، اس وجہ کی بنا پر جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا، شب قدر کو ابہام کے ایک ہالے نے گھیر رکھا ہے۔

۳۔ شب قدر مخفی کیوں رکھی گئی؟

بہت سے علما کا نظریہ یہ ہے کہ سال بھر کی راتوں یا ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں شب قدر کا مخفی ہونا اس بنا پر ہے کہ لوگ ان سب راتوں کو اہمیت دیں۔ جیسا کہ خدا نے اپنی رضا و خوشنودی کو مختلف قسم کی عبادتوں میں پنہاں کر رکھا ہے تاکہ لوگ سب عبادتوں اور اطاعتوں کی طرف رُخ کریں۔ اور اپنے غضب کو معاصی کے درمیان پنہاں رکھا ہے، تاکہ لوگ سب گناہوں سے پرہیز کریں، اپنے دُعاؤں کو لوگوں سے مخفی رکھا ہے تاکہ سب کا احترام کریں اور دُعاؤں کی قبولیت کو مختلف دُعاؤں میں پنہاں رکھا ہے تاکہ دُعاؤں کی طرف رُخ کریں۔ اہم اہم کو اپنے اسماء میں مخفی رکھا ہے تاکہ تمام اسماء کو بزرگ و عظیم سمجھیں۔ اور موت کے وقت کو مخفی رکھا ہے تاکہ ہر حالت میں آمادہ و تیار رہیں۔ اور یہ فلسفہ مناسب نظر آتا ہے۔

۴۔ کیا گزشتہ اُمتوں میں بھی شب قدر مخفی؟

اس سورہ کی آیات کے ظاہر سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ شب قدر منزل قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے

۱۔ ”نور الشکلیں“ جلد ۵ ص ۶۲۵ حدیث ۵۸

۲۔ ”نور الشکلیں“ جلد ۵ ص ۶۲۶ حدیث ۶۲

ساتھ مخصوص نہیں تھی۔ بلکہ دنیا کے اختتام تک اس کا ہر سال تکرار ہوتا رہے گا۔

فعل مضارع (تنزل) کی تعبیر، جو استمرار پر دلالت کرتی ہے، اور اسی طرح جملہ اسمیہ "سلام ہی حتی مطلع الفجر" کی تعبیر بھی، جو دوام کی نشانی ہے، اسی معنی کی گواہ ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی روایات بھی، جو شاید حد تو اتر میں ہیں، اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔

لیکن یہ بات کہ کیا یہ گزشتہ اُمتوں میں بھی تھی یا نہیں؟ متعدد روایات کی تصریح یہ ہے کہ یہ اس اُمت پر مواہب الہیہ میں سے ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"ان الله وهب لامتي ليلة القدر لم يعطها من كان قبلها"
"خدا نے میری اُمت کو شب قدر عطا کی ہے، گزشتہ اُمتوں میں سے کسی کو بھی یہ نعمت نہیں ملی تھی۔"

اوپر والی آیات کی تفسیر میں بھی بعض وارد شدہ روایات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

۵۔ شب قدر ہزار ماہ سے کیسے برتر ہے؟

ظاہر ہے کہ اس شب کا ہزار ماہ سے بہتر ہونا اس رات کو بیدار رہنے اور اس کی عبادت کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہے، اور لیلۃ القدر کی فضیلت اور اس میں عبادت کی فضیلت کی روایات، جو شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں فراوان ہیں، اس مطلب کی مکمل طور سے تائید کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ اس رات میں قرآن کا نزول اور اس میں برکات اور رحمت الہی کا نزول بھی اس بات کا سبب ہے کہ یہ ہزار ماہ سے برتر و بالاتر ہو۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے "علی بن ابی حمزہ ثمالی" سے فرمایا:

شب قدر کی فضیلت کو اکیسویں اور تیسویں رات میں تلاش کرو، اور ان دونوں راتوں میں سے ہر ایک میں ایک سو رکعت نماز بجالاؤ۔ اور اگر تم سے ہو سکے تو ان دونوں راتوں کا طلوع صبح تک احیا کرو، اور اس رات کو غسل کرو۔
"ابو حمزہ" کہتا ہے: میں نے عرض کیا: "اگر میں کھڑے ہو کر یہ سب نمازیں نہ پڑھ سکوں۔"

آپؑ نے فرمایا: پھر بیٹھ کر پڑھ لو۔ میں نے عرض کیا: اگر اس طرح بھی نہ پڑھ سکوں۔ آپؑ نے فرمایا: پھر بستر میں (لیٹ کر) اور رات کے پہلے حصہ میں تھوڑا سا سولینے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے، اور اس کے بعد عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ ماہ رمضان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور شیاطین طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں اور مومنین کے اعمال مقبول ہوتے ہیں، ماہ رمضان کتاب

۶۔ قرآن شب قدر میں کیوں نازل ہوا ؟

کیونکہ شب قدر میں ایک سال کے لیے انسانوں کی سرنوشت ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے مطابق مقدر کی جاتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ انسان اس رات بیدار رہے۔ اور توبہ اور اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کوشش کرے اور خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خود میں اس کی رحمت کے لیے زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر لیاقت پیدا کرے۔

ہاں ! جن لمحات میں ہماری سرنوشت کی تعیین ہوتی ہے، ان میں انسان کو سوچنا ہونا نہیں ہونا چاہیئے، اور نہ ہی ہر چیز سے غافل اور بے خبر رہنا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں ایک غم ناک سرنوشت ہو جائے گی۔

قرآن چونکہ ایک سرنوشت ساز کتاب ہے، اور اس میں انسانوں کی سعادت و خوش بختی اور ہدایت کی باتوں کی وضاحت کی گئی ہے، لہذا ضروری ہے کہ سرنوشتوں کی تعیین کا پروگرام شب قدر میں نازل ہو۔ قرآن اور شب قدر کے درمیان کتنا خوبصورت رابطہ ہے، اور ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور رشتہ کس قدر پُر معنی ہے ؟

۷۔ کیا مختلف علاقوں میں ایک ہی شب قدر ہوتی ہے ؟

ہم جانتے ہیں کہ تمام شہروں میں قمری مہینوں کا آغاز یکساں نہیں ہوتا اور یہ ممکن ہے کہ ایک علاقہ میں تو آج اول ماہ ہو، اور دوسرے علاقہ میں دوسری تاریخ ہو۔ اس بنا پر شب قدر سال میں ایک معین رات نہیں ہو سکتی، کیونکہ مثال کے طور پر مکہ کی تیسویں رات، ایران و عراق میں بائیسویں کی رات ہو سکتی ہے، اس طرح سے اصولی طور پر ہر ایک کی علیحدہ شب قدر ہوگی۔ کیا یہ بات اس چیز سے، جو آیات و روایات سے معلوم ہوتی ہے، کہ شب قدر ایک معین رات ہے، سازگار ہے ؟

اس سوال کا جواب ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رات وہی کرۂ زمین کے آدھے سایہ کو ہی کہتے ہیں، جو کرۂ زمین کے دوسرے حصہ پر پڑتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ سایہ گردش زمین کے ساتھ حرکت میں ہے، اور اس کا ایک مکمل دورہ چوبیس گھنٹوں میں انجام پاتا ہے، اس بنا پر ممکن ہے کہ شب قدر رات کا زمین کے گرد ایک مکمل دورہ ہو۔ یعنی تاریکی کی چوبیس گھنٹے کی مدت جو زمین کے تمام نقاط کو اپنے سائے کے نیچے لے لے، وہ شب قدر ہے، جس کا آغاز ایک نقطہ سے ہوتا ہے، اور دوسرے نقطہ میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ (غور کیجئے)۔

خداوند ! ہمیں اس قسم کی بیداری و آگاہی عطا فرما کہ لیلۃ القدر کی فضیلت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

پروردگارا ! ہماری چشم امید تیرے لطف و کرم پر لگی ہوئی ہے، ہمارے مقدرات کو اس کے موافق معین فرما۔

بار الہا ہمیں اس مہینہ کے مومنین میں سے قرار نہ دے کہ جس سے بالاتر کوئی محرومیت نہیں ہے۔

آمین۔ یا رب العالمین

سُورہ "قدر" کا اختتام

آخر ماہ مبارک رمضان ۱۴۰۷ھ

اختتام ترجمہ

بلوز جمعہ ایک بج کر پانچ منٹ

(عجیب اتفاق ہے)

برمکان حقیر قسم مقدس ایران

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۸ آیات ہیں ۔

کے بار

۱

لیکن اس

۲

آمینتہ ہو

تو ایک گرا

۳

ایک ایسا

گروہ جدا

اختیار کر لے

۳

مشہور سورا

ایک

سورہ بینہ کے مطالب اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا ہے اور اس کے مطالب بھی اسی معنی کی گواہی دیتے ہیں، کیونکہ اس میں بار بار اہل کتاب کے بارے میں بحث ہوئی ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اہل کتاب سے مسلمانوں کا زیادہ تر سروکار مدینہ میں ہی ہوا۔ اس سے قطع نظر نماز اور زکوٰۃ دونوں کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ زکوٰۃ کا شرعی حکم تو مکہ میں ہی ہو گیا تھا، لیکن اس کو قانونی صورت اور وسعت مدینہ میں دی گئی۔

بہر حال یہ سورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے ہمہ گیر ہونے، اور اس کے روشن و واضح دلائل اور نشانیوں سے آئینہ ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ایسی رسالت جس کے لیے پہلے سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ لیکن جب ان کے پاس یہ رسالت پہنچی تو ایک گروہ نے اس بنا پر کہ ان کے مادی منافع خطرے میں پڑ رہے تھے، اس کی طرف سے پشت پھیری۔ ضمنی طور پر یہ اس حقیقت کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہے کہ انبیاء کی دعوت کا اصول، مثلاً ایمان و توحید و نماز و روزہ، ایک ایسا اصول ہے جو ثابت اور جاودانی ہے اور یہ تمام آسمانی ادیان میں موجود رہا ہے۔

اس سورہ کے ایک دوسرے حصہ میں اہل کتاب اور مشرکین کے اسلام کے مقابلہ میں اعتراضات کو شخص کرتا ہے کہ وہ گروہ جو ایمان لے آیا ہے اور اعمال صالح انجام دیتا ہے وہ تو بہترین مخلوق ہے۔ اور وہ گروہ جس نے کفر، شرک اور گناہ کی راہ اختیار کر لی ہے، وہ بدترین مخلوق شمار ہوتی ہے۔

اس سورہ کے مختلف نام ہیں، جو اس کے الفاظ کی مناسبت سے انتخاب ہوئے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور سورہ ”بینہ“ و ”لہو یکن“ و ”قیمۃ“ ہیں۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں اس طرح نقل ہوا ہے:-

”اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس سورہ میں کون کون سی برکتیں ہیں تو وہ اپنے گھروالوں اور مال و منال کو چھوڑ کر اس کی طرف بڑھتے۔“
قبیلہ ”خزاعہ“ کے ایک شخص نے عرض کیا : اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اس کی تلاوت کا اجر و ثواب کیا ہے ؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :
”کوئی منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں شک و شبہ ہے ، اس کی تلاوت نہیں کریں گے خدا کی قسم مقرب فرشتے اس دن سے جب سے سارے آسمان اور زمین پیدا ہوئے ہیں اسے پڑھتے ہیں ، اور اس کی تلاوت میں ایک لمحہ کے لیے بھی سستی نہیں کرتے جو شخص اسے رات کے وقت پڑھے گا ، خدا ایسے فرشتوں کو مامور کرے گا ، جو اس کے دین دنیا کی حفاظت کریں گے ، اور اس کے لیے بخشش اور رحمت طلب کریں گے ، اور اگر دن کے وقت پڑھے گا تو ان چیزوں کی مقدار میں جہنم دن روشن کرتا ہے ، اور رات انہیں تاریک بنا دیتی ہے ، اُسے ثواب دیں گے یہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
وَالشُّرَكِيِّينَ مُنْكَرِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝
- ۲۔ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝
- ۳۔ فِيهَا كُتِبَ الْقِيَمَةُ ۝
- ۴۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ
الْبَيِّنَةُ ۝
- ۵۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝
خُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ
دِينُ الْقِيَمَةِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفار (کہتے تھے) جب تک ان کے لیے واضح دلیل نہ آجائے
وہ اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

۲۔ خدا کی طرف سے ایسا رسول جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرے۔

۳۔ اور اُن میں صحیح اور قابل قدر تحریریں ہوں۔

۴۔ لیکن اہل کتاب نے (خدا کے دین میں) اختلاف نہیں کیا مگر اُن کے پاس واضح دلیل پہنچ جانے کے بعد۔

۵۔ حالانکہ انہیں کوئی حکم اس کے سوا نہیں دیا گیا تھا کہ وہ کمال اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کریں، شرک سے توحید کی طرف لوٹیں، نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور یہی مستقیم اور صحیح دین ہے۔

تفسیر

یہ جاودانی دین ہے

سُورہ کے شروع میں ظہور اسلام سے پہلے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب کی حالت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ اس بات کا دعویٰ کیا کرتے تھے کہ جب تک کوئی واضح دلیل اور مستقیم پیران کے پاس نہ آجائے، وہ اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوں گے۔“ (لَوْ يَكُنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالشُّرَكِيِّينَ مُنْفَكِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ) ”ایسا پیغمبر جو خدا کی طرف سے ہو اور پاک و پاکیزہ صحیفوں کو ہمارے سامنے تلاوت کرے۔“ (رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً)۔

ایسے صحیفے جن میں موزوں، ثابت اور قابل قدر تحریریں ہوں۔ (فیہا کتب قیمۃ)۔

ہاں! وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے پہلے اسی قسم کے دعوے کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور اور آپ کی کتاب آسمانی کے نزول کے بعد میدان بدل گیا اور وہ خدا کے دین میں اختلاف کرنے لگ گئے۔ ”اور اہل کتاب سے اختلاف نہیں کیا، مگر واضح دلیل اور سچا اور آشکار پیغمبر ان کے پاس آجانے کے بعد“ (وَمَا تَفْشِقُ الَّذِينَ أَوْ تَوَا الْكِتَابَ) من بعد ما جاءتهم البینۃ)۔

اس طرح سے اوپر والی آیات اہل کتاب اور مشرکین کے دعووں کو بیان کر رہی ہیں کہ ابتداء میں یہ اصرار تھا کہ اگر کوئی واضح دلائل کے ساتھ ہمیں دعوت دینے کے لیے آئے گا تو ہم قبول کر لیں گے۔

لیکن ۳۱

اس گروہ کے جنہوا

اس بنا

لہما معہما

اللہ علی الہ

اور اس سے پہلے

پاس آیا تو وہ کافر

ہم جانے

زیادہ عالم اور زیادہ

کو ہل لیا اور سخت

مفسرین

وہ اپنے ادعا کے

لیکن اس

نشان دہی کرتی

چاہے وہ بالکل قلیا

لیکن ہر حال

پیچیدہ آیت شمار

طریقے بیان کرتا ہے

یہاں ایک

جب تک کہ ان پر

دائم و علم کو ان کی ہوا

حقیقت

کے لیے واضح دلائل

بہر حال

کی ذات ہے جب

اس بات

بنا پر اسم

لیکن اس کے آجانے کے بعد وہ اپنے اس قول سے پھر گئے اور اس کے مقابلہ میں جنگ و جدال کے لیے کھڑے ہو گئے، سوائے اس گروہ کے جنہوں نے ایمان کی راہ اختیار کر لی۔

اس بنا پر اوپر والی آیت اسی چیز کے مشابہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیہ ۸۹ : ولما جاءهم کتاب من عند اللہ مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة اللہ علی الکافرین ، میں آئی ہے۔ یعنی جب خدا کی طرف سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان نشانوں کے موافق تھی جو ان کے پاس تھیں اور اس سے پہلے وہ خود کو فتح کی خوش خبری دیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ کتاب اور وہ پیغمبر جسے انہوں نے پہلے سے پہچانا ہوا تھا، ان کے پاس آیا تو وہ کافر ہو گئے، پس کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ اہل کتاب اس قسم کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے، اور اصولی طور پر، مشرکین عرب بھی، جو اہل کتاب کو اپنے سے زیادہ عالم اور زیادہ آگاہ سمجھتے تھے، اس پروگرام میں ان کے ساتھ ہم آواز تھے۔ لیکن جب ان کی آرزوئیں پوری ہو گئیں تو انہوں نے اپنے راستہ کو بدل لیا اور مخالفین کی صفوں میں جا ملے۔

مفسرین کی ایک جماعت کا ان آیات کی تفسیر کے بارے میں ایک دوسرا نظریہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ واقعاً وہ اپنے ادعا کے مطابق اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوئے، اور اُسے نہیں چھوڑا جب تک کہ واضح دلیل ان کے پاس نہ آگئی۔

لیکن اس بات کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس قسم کی واضح دلیل آجانے کے بعد وہ ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ بعد والی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ یہ مطلب اس طرح نہیں تھا۔ مگر اس صورت میں کہ یہ کہا جائے کہ اس سے مراد ان میں سے ایک گروہ کا ایمان لانا ہے، اسے وہ بالکل قلیل تعداد میں ہی ہوں، اور اصطلاح کے مطابق یہ ”موجبہ جزئیہ“ کی قبیل سے ہے۔

لیکن بہر حال یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے، اور شاید اسی بنا پر ”فخر رازی“ اپنی تفسیر میں پہلی آیت کو قرآنی آیات میں سب سے زیادہ پیچیدہ آیت شمار کرتا ہے، جو (اس کی نظر میں) بعد والی آیات سے تضاد رکھتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے چند طریقے بیان کرتا ہے جن میں سے بہترین یہی ہے جو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔

یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا مشرکین اور اہل کتاب کو ان کی حالت پر نہیں بھڑکے گا، جب تک کہ ان پر اتمام حجت نہ کر دے اور کوئی دلیل ”بیتنہ“ نہ بھیجے، اور انہیں راستہ نہ بتا دے۔ اسی لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

حقیقت میں یہ آیت قاعدہ کُلف کی طرف اشارہ ہے جو علم کلام میں بیان کیا جاتا ہے کہ خدا اتمام حجت کے لیے ہر قوم و ملت کے لیے واضح دلائل بھیجے گا۔

بہر حال ”بیتنہ“ سے مراد یہاں واضح و روشن دلیل ہے جس کا مصداق دوسری آیت کے مطابق ”رسول اللہ“ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے جب کہ آپ کی زبان پر قرآن مجید تھا۔

۱۔ اس بات پر توجہ کرنا چاہیے کہ ”منفکین“ جو ”منفک“ کی جمع ہے، ممکن ہے کہ اسم فاعل ہو، یا اسم مفعول ہو، پہلی اور دوسری تفسیر کی بنا پر اسم فاعل کے معنی دیتا ہے اور تیسری تفسیر کی بنا پر اسم مفعول کا (غور کیجئے)

”صحف“ صحیفہ کی جمع ہے، جو ایسے اوراق کے معنی میں ہے جن پر کوئی چیز لکھتے ہیں، اور یہاں اس سے مراد ان اوراق کے مطالب ہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز کوئی چیز اوراق سے نہیں پڑھتے تھے۔

اور ”مطہرہ“ سے مراد، اس کا ہر قسم کے شرک، کذب، دروغ اور باطل سے پاک ہونا ہے اور شیاطین جن و انس کے اس میں دخل دینے سے پاک ہے۔

جیسا کہ سورہ لحم مجیدہ کی آیہ ۲۲ میں آیا ہے: ”لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ“ اس کے پاس کسی قسم کا باطل نہ اس کے سامنے سے آتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔

”فیہا کتب قیمۃ“ کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان صحف آسمانی میں ایسے مطالب لکھے ہوئے ہیں جن میں کسی قسم کا انحراف اور کجی نہیں ہے۔ اس بنا پر تو ”کتب“ ”مکتوبات کے معنی میں ہے، یا یہ ان احکام و مقررات کے معنی میں ہے جو خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں کیونکہ کتابت تعین حکم کے معنی میں بھی آئی ہے جیسا کہ فرماتا ہے: ”کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلكم“۔ ”روزہ تمہارے اوپر اسی طرح سے مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر مقرر کیا گیا تھا“۔ اور اس طرح ”قیمۃ“ صاف و مستقیم، یا محکم و پائیدار، یا قدر و قیمت والا کے معنی میں ہے، یا یہ سب مفاسد اس میں جمع ہیں۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ قرآن میں تمام گزشتہ کتب کے مضامین و مطالب بہت سے اضافات کے ساتھ ہیں، لہذا یہ کہا گیا ہے کہ اس میں گزشتہ کتب قیمہ ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں اہل کتاب کا ”مشرکین“ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اور چوتھی آیت میں صرف اہل کتاب کا بیان ہے اور مشرکین کے سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی گئی، حالانکہ آیت دونوں کی طرف ناظر ہے۔

یہ تعبیرات ظاہر اس وجہ سے ہیں کہ ان پر گراموں میں اہل کتاب اصل اور بنیادی حیثیت رکھتے تھے اور مشرکین ان کے تابع یا اس بنا پر ہے کہ اہل کتاب زیادہ لائق مذمت تھے کیونکہ ان میں بہت سے علماء اور دانش مند موجود تھے اور وہ اس لحاظ سے مشرکین بلند سطح پر تھے۔ اس بنا پر ان کی مخالفت زیادہ قبیح اور زیادہ ناپسندیدہ تھی، لہذا وہ زیادہ سرزنش کے لائق تھے۔

اس کے بعد ”اہل کتاب“ کو اور ان کے تابع ”مشرکین“ کو ملاست کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”انہوں نے اس جدید دین میں کیوں کیا کہ بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہو گئے حالانکہ اس دین میں انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا ہے کہ خدا کریں، اور اس کی عبادت کو اس کے غیر کی عبادت سے خالص رکھیں، اور ہر قسم کے شرک سے باز رکھیں اور توحید کی طرف مائل ہوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ (وما امروا الا لعبدوا اللہ مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ)

”وما امروا“ کا جملہ ممکن ہے کہ ”جملہ حالیہ“ ہو یا ”استینافیہ“ ہو اور ”لعبدوا“ میں ”لام“ ”لام غرض“ ہو، اور یہاں اس سے مراد اور تعظیم ہو جو بندوں کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ وہ ہدف و نتیجہ جو خدا کی طرف لوٹے، جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے انہوں

کا انکار کیا ہے۔ اصولی طور پر خدا کے تمام افعال کی کوئی نہ کوئی غرض اور علت ہوتی ہے، لیکن وہ اغراض ایسے ہوتے ہیں جو بندوں کی طرف لوٹتے ہیں نہ کہ انکار کیا ہے۔ ”وما امروا“ ان کے معنی میں سمجھا ہے جیسا کہ ”یومید اللہ لیبین لکم“ (نساء: ۲۶) میں ہے۔

اس کے
”اور یہ کہ“
اس بارے
کے اپنے دین
دوسرا معنی
سب جانتے تھے
دوسرا معنی
بات کر رہی تھی،
اس سے
کو شامل ہے۔
بعض مفسرین
اللہ کا جملہ بھی جو
لیکن یہ احتمال
بت سے اپنے
دین کو وسیع معنی میں
”حنفاء“
راہی سے راہ مستقیم
حنیف“ کہا کرتے
مجموعی طور سے
ان اور اسلامی روایات
اس تعبیر کا اثر
لانا تھا، اُسے ”حنفیہ“
ان سے پہچانی گئی،
اور ہر قسم کے افراط
”وذا لک دین
(مخلوق کی طرف
(حاشیہ اگلے صفحہ)

اس کے بعد فرماتا ہے :

”اور یہ ایک مستقیم و پائیدار دین ہے“ (وَذَا لَکَ دِیْنُ الْقَیْمَةِ)

اس بارے میں کہ یہاں ”وما امروا“ سے کیا مراد ہے ؟ ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب کے اپنے دین میں مسئلہ توحید اور نماز و زکوٰۃ موجود تھا ، اور یہ ایسے مسائل ہیں جو ثابت ہیں ، لیکن وہ ان احکام کے بھی وفادار نہیں رہے تھے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ دین اسلام میں سوائے خالص توحید اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے اور کوئی حکم نہیں آیا۔ اور یہ ایسے امور ہیں جنہیں وہ بجا جانتے تھے۔ تو پھر وہ ان کو قبول کرنے سے روگردانی کیوں کرتے ہیں ؟ اور ان کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔

دوسرا معنی زیادہ نزدیک دکھائی دیتا ہے ، کیونکہ گزشتہ آیت کے بعد ، جو دین جدید کے قبول کرنے میں ان کے اختلاف کرنے کی تکرار ہی تھی ، مناسب یہی ہے کہ ”امروا“ جدید دین کی طرف ناظر ہو۔

اس سے قطع نظر پہلا معنی صرف اہل کتاب کے بارے میں صادق آتا ہے ، اور مشرکین پر صادق نہیں آتا ، جب کہ دوسرا معنی سب شامل ہے۔

بعض مفسرین کے نظریے کے مطابق ”دین“ سے مراد جسے خدا کے لیے خالص کرنا چاہیے وہی ”عبادت“ ہے ، اور ”الایعبدوا“ کا جملہ بھی ، جو اس سے پہلے ذکر ہوا ہے ، اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے دین و شریعت کا مجموعہ مراد ہو ، یعنی وہ اس بات پر مامور ہوئے تھے کہ خدا کی پرستش کریں اور ہر شے سے اپنے دین و آئین کو خالص رکھیں۔ یہ معنی ”دین“ کے وسیع مفہوم کے ساتھ زیادہ سازگار ہے۔ اور بعد والا جملہ ”وَذَا لَکَ دِیْنُ الْقَیْمَةِ“ دین کو وسیع معنی میں پیش کرتا ہے اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

”حنفاء“ ”حنیف“ کی جمع ہے ، جو ”حنف“ (بروزن کنف) کے مادہ سے ہے ، اور ”مفروات“ میں ”راغب“ کے قول کے مطابق ہی سے راہ مستقیم کی طرف مائل ہونے کے معنی میں ہے اور عرب ان تمام لوگوں کو جو ”حج“ بجا لاتے تھے یا ”نعتہ“ کیا کرتے تھے ، ”حنف“ کہا کرتے تھے (اور احنف) اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا پاؤں ٹیڑھا ہو۔

مجموعی طور سے لغت کی مختلف کتابوں سے اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اصل میں انحراف اور ٹیڑھے پن کے معنی میں تھا ، البتہ اور اسلامی روایات میں بشرک سے توحید و ہدایت کی طرف انحراف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اس تعبیر کا انتخاب ممکن ہے اصل میں اس بنا پر ہو کہ ثبت پرست معاشرے ہر اس شخص کو جو ان کے دین کو چھوڑ کر توحید کی طرف قدم اٹھا ، اُسے ”حنیف“ (منحرف) شمار کرتے تھے ، اور پھر آہستہ آہستہ یہ تعبیر راہ توحید کو طے کرنے والوں کے لیے ایک رائج تعبیر کے لیے پہچانی گئی ، اور حقیقت میں اس کا مفہوم ”ضلالت“ سے ہدایت کی طرف انحراف تھا۔ اور اس کا لازمہ ، وہی توحید خالص اور اعتدال اور ہر قسم کے افراط و تفریط سے اجتناب ہے ، لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ سب اس نقطہ کے ثانوی معنوی ہیں۔

”وَذَا لَکَ دِیْنُ الْقَیْمَةِ“ کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اصول یعنی توحید خالص اور نماز (خالق کی طرف توجہ) اور (مخلوق کی طرف توجہ) تمام ادیان کے ثابت اور پائیدار اصول ہیں ، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

کیونکہ ایک طرف تو انسان کی سرگزشت مسئلہ توحید پر ہے اور دوسری طرف سے اس کی فطرت منعم کا شکر ادا کرنے اور اس کی معرفت و شناخت کی دعوت دیتی ہے، اور تیسری طرف سے رُوح اجتماعی اور انسان کی مدنیت اُسے محروم افراد کی مدد کے لیے پکارتی ہے۔

اس بنا پر ان احکام و دستورات کی جڑ بنیاد کلی طور پر فطرت کی جملہ گہرائیوں میں موجود ہے۔ اسی لیے یہ تمام گزشتہ البیہ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں پائی جاتی ہے۔

گزشتہ صفحہ کا ماحشر

۱۔ اس بات پر زور رکھنا چاہیے کہ "دین القیمۃ" اضافت کی صورت میں ہے، وصف کی صورت میں نہیں ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے ایسا دین ہے جو گزشتہ (سنتیم اور قابل قدر) کتب قیمہ میں آیا ہے، یا یہ ایک ایسا دین ہے جس میں اسلام کے سنتیم اور قابل قدر احکام اس بنا پر قیمہ کا مؤنث ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ "کتب" یا ملت و شریعت کا وصف ہے (غور کیجئے)

۶۔
۷۔
۸۔
۹۔
۱۰۔
۱۱۔
۱۲۔
۱۳۔
۱۴۔
۱۵۔
۱۶۔
۱۷۔
۱۸۔
۱۹۔
۲۰۔
۲۱۔
۲۲۔
۲۳۔
۲۴۔
۲۵۔
۲۶۔
۲۷۔
۲۸۔
۲۹۔
۳۰۔
۳۱۔
۳۲۔
۳۳۔
۳۴۔
۳۵۔
۳۶۔
۳۷۔
۳۸۔
۳۹۔
۴۰۔
۴۱۔
۴۲۔
۴۳۔
۴۴۔
۴۵۔
۴۶۔
۴۷۔
۴۸۔
۴۹۔
۵۰۔
۵۱۔
۵۲۔
۵۳۔
۵۴۔
۵۵۔
۵۶۔
۵۷۔
۵۸۔
۵۹۔
۶۰۔
۶۱۔
۶۲۔
۶۳۔
۶۴۔
۶۵۔
۶۶۔
۶۷۔
۶۸۔
۶۹۔
۷۰۔
۷۱۔
۷۲۔
۷۳۔
۷۴۔
۷۵۔
۷۶۔
۷۷۔
۷۸۔
۷۹۔
۸۰۔
۸۱۔
۸۲۔
۸۳۔
۸۴۔
۸۵۔
۸۶۔
۸۷۔
۸۸۔
۸۹۔
۹۰۔
۹۱۔
۹۲۔
۹۳۔
۹۴۔
۹۵۔
۹۶۔
۹۷۔
۹۸۔
۹۹۔
۱۰۰۔

۶۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ
فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ
سُرُّ الْبَرِیَّةِ ۝

۷۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمُ
خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۝

۸۔ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتُ عَدْنٍ تَجْرِی
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ۚ رَضِیَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهُ ۝

ترجمہ

اہل کتاب اور مشرک کفار دوزخ میں جائیں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے، وہ بدترین مخلوق ہیں۔

یقینی طور سے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں، وہ (خدا کی) بہترین مخلوق ہیں۔

ان کی جزا ان کے پروردگار کے یہاں بہشت جاودانی کے باغات ہیں، جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، خدا بھی ان سے راضی ہے اور

وہ بھی خدا سے راضی ہیں، اور یہ (بلند مقام) اس شخص کے لیے ہے، جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔

تفسیر

بہترین اور بدترین مخلوق

گزشتہ آیات میں آیا تھا کہ کفار اہل کتاب اور مشرکین اس انتظار میں تھے کہ خدا کی طرف سے کوئی واضح و روشن دلیل ان کے پاس آئے، لیکن واضح و روشن دلیل "بینہ" کے آجانے کے بعد وہ متفرق اور پراگندہ ہو گئے اور ہر ایک نے الگ الگ راہ اختیار کر لی۔ زیر بحث آیات میں اس دعوت الہی کے مقابلہ میں "کفر کرنے والے" اور "ایمان لانے والے" دونوں گروہوں اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ اس جدید دین سے کافر ہوئے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں۔" (ان الذین کفروا من اهل الكتاب والمشرکین فی نار جہنم خللین فیہا اولئک هم شر البریۃ)۔

"کفروا" کی تعبیر دین اسلام کے مقابلہ میں ان کے کفر کی طرف اشارہ ہے، ورنہ ان کا پہلے کا کفر و شرک کوئی نئی بات نہیں ہے۔ "اولئک هم شر البریۃ" (وہ بدترین مخلوق ہیں) کی تعبیر ایک لڑخیز تعبیر ہے، جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ تمام چلنے پھرنے والی مخلوق، اور نہ چلنے پھرنے والی مخلوق میں سے، ان لوگوں سے بڑھ کر مڑود اور دھتکاری ہوئی مخلوق اور کوئی نہیں ہے جنہوں نے حق کے واضح ہوتے ہوئے اور تمام محنت کے بعد سیدھی راہ کو چھوڑ دیا اور ضلالت و گمراہی کی راہ اختیار کر لی۔ اور یہ بات حقیقت میں اسی چیز کے مشابہ ہے جو سورہ انفال کی آیہ ۲۲ میں بیان ہوئی ہے: ان شر الدواب عند اللہ الصم البکمر الذین لا یعقلون؛ "خدا کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جو نہ سننے والے کان رکھتے ہیں، نہ گویا زبان اور نہ ہی بیدار فکر و اندیشہ؛ یا جو کچھ سورہ اعراف کی آیہ ۱۷۹ میں بیان ہوا ہے، جہاں دوزخیوں کے گردہ کو ان ہی اوصاف کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے: اولئک کا لانعام بل هم اضل اولئک هم الغافلون؛ وہ چوباول کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گراہ اور وہ غافل ہیں۔

زیر بحث آیت کا مطلب ان سے بھی کچھ آگے ہے کیونکہ یہ ان کا بدترین مخلوق ہونے کے ساتھ ان کا تعارف کراتی ہے اور حقیقت میں ان کے جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی ایک دلیل کے طور پر ہے۔ وہ بدترین مخلوق کیوں نہ ہوں گے جب کہ سعادت کے تمام دروازے ان کے سامنے کھلے ہوئے تھے لیکن وہ کبر و غرور اور عناد و ہٹ دھرمی کی وجہ سے جان بوجھ کر مخالفت کے لیے کھڑے ہو گئے۔

اس آیت
اور پیغمبر اسلام ص
بعد والی آیت
لائے ہیں اور انہوں

اس کے
کے جادوئی باغ،
جئات عند تجرؤ
"خدا بھی
"یہ بلند
خشی
قابل توجہ

پہلے ہے۔ اور یہ
ہونے چاہئیں
پر انواع و اقسام
"اولئک
انسان فرشتوں کے
کی گواہ ہیں مثلاً
بہر حال
کی معنوی و روحانی
وہ خدا۔
وہ جو کچھ چاہتا ہے
نظر کی اس سے
اس کا محبوب ۳۱

اس آیت میں بھی "اہل کتاب" کو مشرکین پر مقدم رکھنے کی وجہ بھی ممکن ہے یہ ہو کہ وہ کتاب آسمانی کے حامل اور دانشمند تھے۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیاں ان کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ آئی تھیں۔ اس بنا پر ان کا مخالفت کرنا زیادہ قبیح و بدتر تھا۔ بعد والی آیت میں دوسرے گروہ کی طرف، جو ان کے مخالف نقطہ مقابل اور قوس صعودی میں واقع ہوئے ہیں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں وہ خدا کی بہترین مخلوق ہیں: (ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ)۔ اس کے بعد ان کی جزا اور پاداش کو چند مختصر سے جملوں میں اس طرح بیان کرتا ہے: ان کی جزا ان کے پروردگار کے پاس بہشت کے جادوئی باغات میں، جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے " (جزاؤہم عند ربہم جئات عند نخری من تحتہا الانہاس خالدين فیہا ابدا)۔

"خدا بھی ان سے خوش اور راضی ہے، اور وہ بھی خدا سے خوش اور راضی ہیں" (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)۔ یہ بلند و والا مقام اور اہم و بے نظیر جزائیں اس شخص کے لیے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ (ذالک لمن خشی ربہ)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ مومنین کے بارے میں اعمال صالح کی گفتگو بھی درمیان میں آئی ہے، جو حقیقت میں ایمان کے درخت کا پھل ہے۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنا اکیلا کافی نہیں ہے، بلکہ انسان کے اعمال بھی اس کے ایمان پر گواہ ہونے چاہئیں، لیکن کفر اکیلا ہی، چاہے اس کے ساتھ غیر صالح اعمال نہ بھی ہوں، سقوط و بدبختی کا سبب ہے۔ اس سے قطع نظر کفر عاقل پر انواع و اقسام کے گناہوں، جرائم اور غلط اعمال کا مبداء بھی ہوتا ہے۔

"اولئک ہم خیر البریۃ" کی تفسیر اچھی طرح سے اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ مومن اور اعمال صالح بجالانے والے انسان فرشتوں تک سے بھی برتر و بالاتر ہیں، کیونکہ آیت مطلق ہے، اور اس میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے۔ قرآن کی دوسری آیات بھی اسی معنی کی گواہ ہیں مثلاً: فرشتوں کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کی آیات، اور آیہ ولقد کرمنا بنی آدم (اسراء- ۷۰) بہر حال اس آیت میں پہلے تو ان کے مادی و جسمانی صلہ، جو جنت کے پُر نعمت باغات ہیں، کا ذکر کرتا ہے، اور اس کے بعد ان کی معنوی و روحانی جزا کو بیان کرتا ہے کہ خدا بھی ان سے راضی ہے اور وہ بھی خدا سے راضی اور خوش ہیں۔

وہ خدا سے راضی اور خوش ہیں کیونکہ وہ کچھ دہ چاہتے تھے وہ اس نے انہیں دیا ہے، اور خدا ان سے راضی اور خوش ہے کیونکہ وہ جو کچھ چاہتا تھا وہ انہوں نے انجام دے دیا، اور اگر ان سے کوئی نغزش ہو بھی گئی ہو تو اس نے اپنے لطف و کرم سے اس سے برف نظر کی، اس سے بڑھ کر اور کون سی لذت ہو سکتی ہے کہ اسے اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس کے کاموں کو معبود نے قبول کر لیا ہے اور اس کا محبوب اس سے راضی اور خوش ہے۔ اور اسے اس کی لقاء حاصل ہو گئی ہے۔

دارند ہر کس از تو مرادے و مطلبے

مقصود ما ز دنیا و عقبی لقائی تو است

"ہر شخص تجھ سے کوئی نہ کوئی خواہش اور مطلب رکھتا ہے

لیکن ہمارا مقصد دنیا و آخرت میں تیری لقاء ہے"

ہاں! انسان کے جسم کی جنت تو اس جہان کے جادوئی پاغلات ہیں، لیکن اس کی رُوح کی بہشت خدا کی رضا اور تقائے محبوب ہے۔
 "ذالک لمن خشى ربه" کا جملہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ ان تمام برکات کا سرچشمہ خدا کا خوف، خشیت اور ڈر ہے، کیونکہ یہی خوف ہی ہر قسم کی اطاعت، تقویٰ اور اعمالِ صالح کی طرف حرکت کرنے کا سبب بنتا ہے۔
 بعض مفسرین نے اس آیت کو سورۃ فاطر کی آیہ ۲۸ انصایخشى الله من عباده العلماء "صرف علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں" کے ساتھ ملا کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بہشت پر حقیقتاً علماء اور آگاہ دانش مند لوگوں کا سکہ حق ہے۔
 البتہ اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ خشیت اور خوف خدا کے کئی درجے اور مرتبے ہوتے ہیں اور علم و دانش و آگاہی میں بھی کئی درجے اور مرتبے ہوتے ہیں اس بات کا مفہوم واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔
 ضمنی طور پر بعض کا نظریہ یہ ہے کہ "مقام خشیت" "مقام خوف" سے بالاتر ہوتا ہے، کیونکہ خوف تو ہر قسم کے ڈر پر بولا جاتا ہے، لیکن خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو تعظیم و احترام کے ساتھ ہو۔

چند نکات

۱۔ علیؑ اور ان کے شیعہ خیر البریہ میں

بکثرت روایات میں جو اہل سنت کے طریقوں سے ان کی مشہور کتابوں میں اور اسی طرح شیعوں کی مشہور کتابوں میں نقل ہوئی ہیں، آیہ "اولئک هم خیر البریہ" (وہ خدا کی بہترین مخلوق ہیں) کی علی علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ تفسیر ہوئی ہے۔
 "حاکم حکانی" نیشاپوری نے، جو پانچویں صدی ہجری کے مشہور علماء اہل سنت میں سے ہیں، ان روایات کو اپنی مشہور کتاب "نشواہد التنزیل" میں مختلف اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے، اور ان کی تعداد بیس روایات سے زیادہ ہے جن میں سے ہم چند روایات کو نمونہ کے طور پر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ "ابن العباسؓ کہتے ہیں جس وقت آیہ "الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک هم خیر البریہ" نازل ہوئی تو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا،

"هوانت وشيعتك تأتي انت وشيعتك يوم القيامة راضيين مرضيين
 ویأتی عدوک غضباناً مقمحين"

"اس آیت سے مراد تو اور تیرے شیعہ ہیں جو روزِ قیامت عرصہٴ محشر میں اس حال میں وارد ہوں گے کہ تم بھی خدا سے راضی ہو گے اور خدا بھی تم سے راضی ہوگا، اور تیرا دشمن غصہ کی حالت میں عرصہٴ محشر میں وارد ہوگا اور زبردستی اس کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا" (حدیث کے بعض نسخوں میں تمہیں آیا ہے، جس کا معنی طوق و زنجیر کے ذریعہ سر کو اوچھا رکھنا ہے) ۷

۲۔ ایک دوسری حدیث میں "البرزہ" سے آیا ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی تو فرمایا :
 "ہم انت وشیتک یا علی ومیعاد ما بینی و بینک الحوض"

"اے علی ! وہ تو اور تیرے شیعہ ہیں، اور تیری اور میری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔"

۳۔ ایک اور حدیث میں "جابر بن عبد اللہ انصاری" سے آیا ہے کہ ہم خانہ خدا کے پاس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ علیؑ ہماری طرف آئے۔ جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ان پر پڑی تو فرمایا :
 "قد اتاکواخی"

"میرا بھائی تمہاری طرف آ رہا ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ خدا کی طرف رخ کیا اور فرمایا :

"فقال ورب هذه البنية ان هذا وشيعته هم الفائزون يوم القيامة"

"اس کعبہ کے خدا کی قسم یہ شخص اور اس کے شیعہ قیامت کے دن رست گار اور کامیاب ہوں گے"

اس کے بعد ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا :

"اما واللہ اتہ اولکم ایمانا باللہ، واقومکم بامر اللہ، ووافکم بعہد اللہ، واقضاکم بحکم اللہ، واقمکم بالسویۃ، واعدلکم فی الرعیۃ، واعظمکم عند اللہ منزیۃ"

قال "جابر" : فانزل اللہ : "ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اولئک هم خیر البریۃ" فكان علی اذا اقبل قال اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قد اتاکوا خیر البریۃ بعد رسول اللہ :

"خدا کی قسم یہ تم سب میں سے پہلے خدا پر ایمان لایا ہے اور اس نے خدا کے حکم سے تم سب میں سے پہلے قیام کیا ہے، خدا کے عہد کو تم سب سے زیادہ وفا کرنے والا ہے اور وہ تم سب سے زیادہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرنے والا ہے اور وہ (بیت المال) کی تقسیم میں سب سے زیادہ مساوات کرنے والا ہے، اور رعیت میں سب سے زیادہ عدل کرنے والا ہے، اور اس کا مقام و مرتبہ خدا کے نزدیک تم سب سے زیادہ ہے۔"

جابر کہتے ہیں کہ اس موقع پر خدا نے آیہ ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اولئک هم خیر البریۃ

نازل فرمائی۔ اس کے بعد جب بھی کبھی علی علیہ السلام آتے تو اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

انہیں آتا ہوا دیکھ کر کہتے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خدا کی مخلوق میں جو سب سے زیادہ بہتر ہے وہ
آکرہ ہے۔^۱

اس آیت کا خانہ کعبہ کے پاس نزول اس سورہ کے مدنی ہونے کے ساتھ منافات نہیں رکھتا، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ نزول مجدد کے
قبیل سے ہو، یا تطبیق کے عنوان سے ہو، علاوہ ازیں بعید نہیں ہے کہ ان آیات کا نزول ان سفروں میں ہوا ہو جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف آئے تھے، خصوصاً جب کہ اس روایت کا راوی "جابر بن عبد اللہ انصاری" ہے جو مدینہ میں آپ کے ساتھ
ملحق ہوئے تھے، اور اس قسم کی آیات پر مدنی ہونے کا اطلاق بعید نہیں ہے۔
ان احادیث میں سے بعض کو "ابن حجر" نے کتاب "صواعق مخرقة" میں نقل کیا ہے۔ اور بعض کو شبلنجی نے "نور الابصار"
میں ذکر کیا ہے۔^۲

"جلال الدین سیوطی" نے "در المنثور" میں بھی آخری روایت کا عمدہ حصہ "ابن ساکر" سے جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے۔^۳
۴۔ "در المنثور" میں آیا ہے کہ جس وقت آیہ "ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک هم خیر البریۃ"
نازل ہوئی، تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا :

"هوانت و شیعۃک یوم القیامۃ راضیین مرضیین"
"وہ تو اور تیرے شیعہ ہیں، قیامت کے دن تم خدا سے راضی ہو گے اور خدا تم سے
راضی ہو گا۔"^۴

۵۔ مذکورہ مؤلف نے ایک دوسری حدیث میں "ابن مردویہ" کے واسطے سے علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا :

"الم تسمع قول اللہ : ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک هم
خیر البریۃ ؟ انت و شیعۃک و موعدی و موعدکم و الحوض ، اذا جئت
الامر للحساب تدعون غلام محجلین،^۵

"کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ فرماتا ہے : جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے
اعمال صالح انجام دیے وہ بہترین مخلوق ہیں ؟ یہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ اور میری اور تمہاری
وعدہ گاہ حوض کوثر کا کنارہ ہے۔ جب میں امتوں کے حساب کے لیے آؤں گا تو تمہیں

۱۔ وہی مددک ص ۳۶۲ حدیث ۱۱۳۹

۲۔ "صواعق المخرقة" ص ۹۶ "نور الابصار" ص ۱۰۱، ۷۰

۳۔ "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۷۹

۴۔ "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۷۹

”غرا مجلیں“ (سفید پیشانیوں والے) کہہ کر پکارا جائے گا۔

اہل سنت کے اور بھی بہت سے دوسرے علمائے اسی مضمون کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، منجملہ ”خطیب خوارزمی نے ”مناقب“ میں ابو نعیم اصفہانی نے ”کفایت الخصام“ میں ”علامہ طبری“ نے ”اپنی مشہور تفسیر“ میں ”ابن صباغ مائکی نے ”فصول المہمہ“ میں ”علامہ شوکانی“ نے ”فتح القدیر“ میں ”شیخ سلیمان قندوزی“ نے ”ینابیع المودۃ“ اور ”آلوسی“ نے ”روح المعانی“ میں زیر بحث آیات کے ذیل میں، اور بہت سے دوسرے علمائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اُپر والی حدیث بہت ہی مشہور و معروف احادیث میں سے ہے جسے اکثر دانش مندوں اور علماء اسلام نے قبول کیا ہے۔ اور یہ علی علیہ السلام اور ان کے شیعوں کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔

ضمنی طور پر ان روایات سے یہ حقیقت اچھی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ لفظ ”شیعہ“ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے ہی آنحضرتؐ کے ذریعے مسلمانوں کے درمیان نشر ہوا، اور یہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے خاص پیروکاروں کی طرف اشارہ ہے لہذا وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ”شیعہ“ کی تعبیر صدیوں بعد وجود میں آئی ہے، بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

۲۔ عبادت میں خلوص نیت لازم ہے

اصول فقہ کے بعض علمائے آیہ ”وما امروا الا لیعبدا اللہ مخلصین لہ الدین“ سے عبادت میں قصد قربت کے لازم ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ کہ اوامر میں اہل ان کا تعبیدی ہونا ہے نہ کہ توصلی ہونا۔ اور یہ اس سے وابستہ ہے کہ یہاں ”دین“ کا معنی عبادت ہو، تاکہ یہ عبادات میں خلوص کے لازم ہونے کی دلیل بنے، اور ”امر“ کو ہم اس آیت میں مطلق قرار دیں، تاکہ اس کا مفہوم تمام اوامر میں قصد قربت کا لازم ہونا ہے۔ (سوائے ان موارد کے جو دلیل کی وجہ سے خارج ہوں) حالانکہ آیت کا مفہوم، ظاہر کے اعتبار سے، ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود بشرک کے مقابلہ میں توحید کا اثبات ہے۔ یعنی انہیں توحید کے سوا اور کسی چیز کی عورت نہیں دی گئی ہے اور اس حال میں اس کا احکام فرعی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔

۳۔ انسان کی عجیب قوس صعودی و نزولی

اس سورہ کی آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ عالم میں کسی بھی مخلوق کے قوس صعودی و نزولی کا فاصلہ انسان کے قوس صعودی و نزولی کے برابر نہیں ہے اگر انسان ایمان لے آئے اور اعمال صالح بجالائے (اس بات پر توجہ رہے کہ ”عملوا الصالحات“ تمام اعمال صالح کو شامل ہے، نہ کہ بعض کو) تو وہ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ افضل اور برتر ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ کفر و منکرات اور ہٹ دھرمی اور گناہ کا راستہ اختیار کر لے، تو اتنا گر جاتا ہے کہ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ بدتر بن جاتا ہے!

انسان کے ”قوس صعودی“ و ”نزولی“ کا یہ عظیم فاصلہ اگرچہ ایک حساس اور خطرناک مسئلہ ہے لیکن یہ نوع بشر کے مقام کی عظمت اور اس کے تکامل و ارتقاء کی قابلیت پر دلالت کرتا ہے، اور یہ ایک طبعی و فطری چیز ہے کہ اس قسم کی حد سے زیادہ قابلیت و استعداد کے ہوتے ہوئے، تنزل و سقوط کا امکان بھی حد سے زیادہ ہو۔

خداوند! ہم "خیر البریہ" کے بلند مقام تک پہنچنے کے لیے تیرے لطف و کرم سے مدد طلب کرتے ہیں۔

پروردگارا! ہمیں اس عظیم اور بزرگ ہستی کے شیعوں اور پیروکاروں میں سے قرار دے جو اس کے لیے سب سے زیادہ لائق اور شائستہ ہے۔

بار الہا! ہمیں اس قسم کا خلوص مرحمت فرما کہ ہم تیرے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور تیرے غیر سے محبت نہ کریں۔

آمین یا ارحم الراحمین
اختتام سورہ بیتہ

اختتام ترجمہ

بروز اتوار ۲۱ رمضان ۱۴۰۸ھ یونس نے گیارہ بجے

برمکان حقیر قم المقدسہ

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ الزَّلْزَالِ

❖ یہ سُورہ مدینہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۸ آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqim.net

سورہ "زلزلہ" کے مطالب اور فضیلت

اس بارے میں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہو چکی ہے یا مدینہ میں، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بہت سے ائمہ مدنی سمجھتے ہیں جب کہ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوا ہے۔ اس کی آیات کا لب و لہجہ جو "معاذ" اور "قیامت کی شرائط" کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، مکی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے، لیکن ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا تو "ابوسعید خدری" نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیہ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ... کے بارے میں سوال کیا، اور ہم جانتے ہیں کہ "ابوسعید" مدینہ میں مسلمانوں سے ملحق ہوئے تھے۔ لیکن اس سورہ کا مدنی یا مکی ہونا اس کے مفاہیم اور تفسیر پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

بہر حال یہ سورہ خصوصیت کے ساتھ تین محروروں کے گرد گردش کرتا ہے۔ پہلے "الشراط الساعۃ" اور قیامت کے وقوع کی نشانیوں سے بحث کرتا ہے۔ اور اس کے بعد انسان کے تمام اعمال کے بارے میں زمین کی گواہی کی گفتگو ہے۔

اور تیسرے حصہ میں لوگوں کی دو گروہوں "نیکوکار" و "بدکار" میں تقسیم، اور ہر شخص کے اپنے اعمال کا نتیجہ پانے کی بات ہے۔ اس سورہ کی فضیلت میں اسلامی روایات میں اہم تعبیریں آئی ہیں۔ منجملہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

"مَنْ قَرَأَهَا فَكَانَ قَرَأَ الْبَقْرَةَ وَاعْطِيَ مِنَ الْأَجْرِ كَمَنْ قَرَأَ رُبْعَ الْقُرْآنِ :

"جو شخص اس کی تلاوت کرے گویا اُس نے سورہ بقرہ کی قراءت کی، اور اس کا اجر و ثواب اس شخص کے برابر ہے جس نے قرآن کے چوتھے حصہ کی

قرأت کی ہو۔

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا :
 سورۃ " اذا زلزلت الارض " کی تلاوت کرنے سے ہرگز خسرت نہ ہونا، کیونکہ جو شخص
 اس کو نافذ نمازوں میں پڑھے گا وہ ہرگز بھی زلزلہ میں گرفتار نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی وجہ
 سے مرے گا۔ اور مرتے دم تک صاعقہ اور آفات دنیا میں سے کسی آفت میں گرفتار
 نہ ہوگا۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝
- ۲۔ وَاُخْرِجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝
- ۳۔ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝
- ۴۔ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝
- ۵۔ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا ۝
- ۶۔ یَوْمَئِذٍ یُّصْدِرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝ لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝
- ۷۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهُ ۝
- ۸۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهُ ۝

ترجمہ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ جس وقت زمین شدت کے ساتھ لرزنے لگے گی۔
- ۲۔ اور زمین اپنے سنگین بوجھ کو باہر نکال کر رکھ دے گی۔
- ۳۔ اور انسان کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے۔ (کہ اس طرح لرز رہی ہے)
- ۴۔ اس دن زمین اپنی تمام خبروں کو بیان کر دے گی۔

-۵

-۶

-۷

-۸

تف

جس

جس

اور وحشت نا

پہلے

اور اس

اُتقوا

زلزلہ

زلزلوں کے بڑے

اس

اس سے مراد

کہ "اذا"

یوم

سب

پہلی

زل

میں

آ

- ۵۔ کیونکہ تیرے پروردگار نے اُسے وحی کی ہے۔
- ۶۔ اس دن لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں قبروں سے نکلیں گے، تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں۔
- ۷۔ پس جس شخص نے ایک ذرہ کے وزن کے برابر بھی اچھا کام انجام دیا ہوگا وہ اُسے دیکھے گا۔
- ۸۔ اور جس نے ایک ذرہ کے وزن کے برابر بُرا کام کیا ہوگا وہ اُسے دیکھے گا۔

تفسیر

جس دن انسان اپنے تمام اعمال دیکھے گا

جس طرح سورہ کے مطالب کے بیان میں اشارہ ہوا ہے یہ سورہ اس جہان کے اختتام اور قیامت کے شروع کے بعض ہولناک اور وحشت ناک حوادث کے بیان کے ساتھ شروع ہوا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: "جس وقت زمین شدت کے ساتھ ہلنے لگے گی" (اذا زلزلت الارض زلزالها) اور اس طرح زیرِ دُربِ ہوگی کہ وہ سارے سنگین بوجھ، جو اس کے اندر ہیں، باہر نکال کر رکھ دے گی، (ولخرجت الارض اثقالها)۔

"زلزالها" (اس کا زلزلہ) کی تعبیر یا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس دن سارا کرہ زمین لرزنے لگے گا۔ (عام زلزلوں کے برخلاف جو سب کے سب کسی خاص موضع یا علاقہ میں ہوتے ہیں)۔ اور زلزلہ معہود یعنی زلزلہ قیامت کی طرف اشارہ ہے۔ اس بارے میں کہ "اثقال" (سنگین بوجھ) سے کیا مراد ہے، مفسرین نے متعدد تفاسیر بیان کی ہیں، بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد وہ انسان ہیں جو قیامت کے زلزلہ سے قبروں کے اندر سے باہر اُچھل پڑیں گے، جیسا کہ سورہ الشقاق کی آیہ ۴ میں آیا ہے "اذا یہاں شرط ہے، اور اس بارے میں کہ جزائے شرط کیا ہے کسی احتمال دیے گئے ہیں، بعض اس کی جزا "یومئذ تحدث اخبارها" کو سمجھتے ہیں، بعض "یومئذ یصدّر الناس اشتاتاً" کو، اور بعض نے جزا کو محذوف جانا ہے۔ اس طرح کہ لوگ یہ سوال کرتے تھے کہ متی الساعة قیامت کب واقع ہوگی، تو جواب میں فرمایا: جب وہ عظیم زلزلہ آئے گا، یعنی اس وقت قیامت واقع ہوگی۔

پہلی صورت میں اضافت عمومی معنی رکھتی ہے اور دوسری صورت میں عہد کے معنی دیتی ہے۔

۵ "زلزال" "زا" کی زیر کے ساتھ مصدری معنی دیتا ہے اور زلزال (زا کی زیر کے ساتھ) اسم مصدر کے معنی دیتا ہے اور یہ وضع عام طور پر ان افعال میں آتی ہے جو مضاعفت کی صورت میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً "صلصال" اور "وسواس"۔

”والقت ما فیہا وتخلت“

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے اندرونی خزانوں کو باہر پھینک دے گی۔ اور بے خبر دنیا پرستوں کے لیے حسرت کا سبب بنے گی۔

یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد زمین کے اندر بہنے والے بھاری مواد کو باہر پھینکا ہے جن کی کچھ مقدار عام طور پر آتش فشاں اور زلزلوں کے وقت باہر نکلتی ہے۔

عالم کے اختتام پر جو کچھ زمین کے اندر ہے وہ اس زلزلہ عظیم کے بعد باہر آجائے گا۔

پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اگرچہ ان تفاسیر کے درمیان جمع بھی بعید نہیں ہے۔

بہر حال اس دن انسان اس اُن دیکھے منظر کو دیکھ کر سخت متوحش ہوگا، اور کہے گا: ”یہ کیا ہو گیا ہے کہ زمین اس طرح لرز رہی ہے“

اور جو کچھ اس کے اندر تھا اُسے باہر پھینک دیا ہے۔ (وقال الانسان مالم یأ)۔

اگرچہ بعض نے یہاں انسان کی کافر انسانوں کے ساتھ تفسیر کی ہے، جو مسئلہ معاد و قیامت میں شک کرتے تھے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ انسان یہاں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو سب کو شامل ہے، کیونکہ زمین کے اوضاع و احوال سے تعجب اُس دن کفار کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا۔

کیا یہ تعجب، اور اس سے پیدا ہونے والا سوال ”نغمہ اولیٰ“ سے مربوط ہے یا ”نغمہ دوم“ سے؟

ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی پہلا نغمہ ہے جو اس عالم کے اختتام کا نغمہ ہے۔ کیونکہ یہ زلزلہ عظیم اختتام جہان پر آئے گا۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد ”نغمہ قیامت اور مردوں کے زندہ ہونے اور ان کے زمین سے باہر پھینک دیئے جانے کا نغمہ“ کیونکہ بعد والی آیات بھی سب کی سب نغمہ دوم کے ساتھ مربوط ہیں۔

لیکن چونکہ قرآن کی آیات میں ان دونوں نغموں کے حوادث بارہا اکٹھے ذکر ہوئے ہیں، لہذا اختتام جہان پر وحشت ناک زلزلہ آئے گا۔ بیان کی طرف توجہ کرتے ہوئے پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اور اس صورت میں زمین کے ”انقلاب“ سے مراد معدنیات، فحالت اور اس کے اندر موجود گھلے ہوئے مواد ہیں۔

اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ”زمین اس دن اپنی ساری خبریں بیان کرے گی“ (یومئذ تتحدث اخبارها)

جو خوبیاں اور بُرائیاں، اور خیر و شر کے اعمال رُوئے زمین پر واقع ہوئے ہیں، وہ ان سب کو ظاہر کر دے گی۔ اور اس دن انسان کے

اعمال کے گواہوں میں سے اہم ترین گواہ یہی زمین ہوگی جس پر ہم اپنے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اور جو ہماری شاہد و ناظر ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”اتدرون ما اخبارها؟“

”کیا تم جانتے ہو کہ زمین کے اخبار سے یہاں کیا مراد ہے؟“

لہ ”انقلاب“ جمع ہے ”ثقل“ (بردزن فکر) کی جو ”بار“ کے معنی میں ہے، اور بعض نے اُسے ”ثقل“ (میزون عمل) کی جمع سمجھا ہے جو وسائل

مسافر کے معنی میں ہے، لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب ہے۔

” قالوا : اللہ ورسولہ اعلم “ :
” انہوں نے کہا : خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں “
آپ نے فرمایا :

” اخبارہا ان تشہد علی کل عبد وامة بما عملوا علی ظہرہا ،
تقول عمل کذا وکذا ، یوم کذا ، فہذا اخبارہا “ :
” زمین کے خبر دینے سے مراد یہ ہے کہ زمین ہر مرد اور ہر عورت کے اعمال کی ، جو انہوں
نے رُوئے زمین پر انجام دیے ہیں ، خبر دے گی ، وہ کہے گی کہ فلاں شخص نے فلاں دن
فلاں کام کیا ہے ، یہ ہے زمین کا خبر دینا ۔
ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

” حافظوا علی الوضوء وخیر اعمالکم الصلوة فتحفظوا من
الارض فاتھا امکم ، ولیس فیہا احد یعمل خیرا وشررا الا وہی
منخبرة بہ “

” وضوء اور اپنے اعمال میں سے بہترین عمل ، نماز کی حفاظت کرو ، اور زمین کی طرف دیکھتے
رہو ، کیونکہ وہ تمہاری ماں ہے ۔ کوئی بھی انسان کوئی اچھا یا بُرا کام انجام نہیں دیتا مگر یہ کہ
زمین اس کی خبر دیتی ہے “ ۔

ابوسعید خدری سے نقل ہوا ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے : جب کبھی تم بیابان میں ہو ، تو بلند آواز کے ساتھ اذان دو ، کیونکہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :

” لا یسمعه جن ولا انس ولا حجر الا یشہد لہ “

” کوئی جن و انس ، اور پتھر کا کوئی ٹکڑا اُسے نہیں سُنتا ، مگر یہ کہ (قیامت میں) اس کے لیے
گواہی دے گا “ ۔

کیا واقعا خدا کے حکم سے زمین کی زبان کھل جائے گی اور وہ بات کرے گی ؟ یا اس سے مراد رُوئے زمین پر انسان کے اعمال
کے آثار کا ظاہر ہونا ہے ، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انسان جو عمل بھی انجام دیتا ہے ، وہ خواہ مخواہ اس کے اطراف میں کچھ آثار چھوڑتا ہے ۔
یہاں وہ آج ہمارے لیے محسوس نہ ہوں ۔ ٹھیک ایک دوست یا دشمن کی انگلیوں کے انہیں آثار کے مانند ، جو دروازے کے قبضہ پر رہ

۱۔ ” نور الثقلین “ جلد ۵ ص ۶۴۹

۲۔ ” مجمع البیان “ جلد ۱ ص ۵۲۶

۳۔ وہی مددک

جاتے ہیں، اور اس دن یہ سب کے سب آثار ظاہر ہو جائیں گے، اور زمین کا بات کرنا اس عظیم ظہور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جیسا کہ ہم کسی خواب آلود شخص سے کہتے ہیں، کہ تیری آنکھیں بتلا رہی ہیں کہ تو کل رات سویا نہیں ہے۔ یعنی بے خوابی کے آثار اس میں نمایاں ہیں۔ بہر حال یہ کوئی غیر مانوس بات نہیں ہے کیونکہ موجودہ زمانے میں انسان کے علم و دانش کی پیش رفت کی وجہ سے ایسے آلات و وسائل اختراع ہو چکے ہیں جو ہر جگہ اور ہر لمحہ انسان کی آواز کو گرفت میں لے سکتے ہیں، یا انسان اور اس کے اعمال و افعال کی تصویریں کھینچ سکتے ہیں، اور ایک مسلمہ سند کے عنوان سے اُسے عدالت میں پیش کر سکتے ہیں، اس طرح کہ انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ اگر لوگ گزشتہ زمانہ میں زمین کی گواہی سے تعجب کرتے تھے، تو موجودہ زمانہ میں ایک پتلی سی ریل (فیتہ) یا (ریکارڈ) ضبط کرنے کی مشین جو ایک بٹن کی صورت میں لباس پہنی ہوئی ہوتی ہے، بہت سے مسائل کو بیان کر سکتی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

”صلوا المساجد فی بقاع مختلفۃ، فان کل بقعۃ تشہد للمصلی علیہا یوم القیامۃ“

”مساجد کے مختلف حصوں میں نماز پڑھا کرو، کیونکہ زمین کا ہر ٹکڑا، اس شخص کے لیے جو اس پر نماز پڑھتا ہے، گواہی دے گا۔“

ایک اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام جب بیت المال تقسیم فرماتے تھے، اور وہ خالی ہو جاتا تھا تو وہاں دو رکعت نماز بجالاتے اور فرماتے :

”اشہدی انی ملأتک بحق و فرغتک بحق“

(قیامت کے دن) ”گواہی دینا کہ میں نے تجھے حق کے ساتھ پُر کیا تھا اور حق کے ساتھ ہی خالی کیا ہے۔“

بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے : یہ اس خبر (نبأ) پر ہے کہ تیرے پروردگار نے زمین کو وحی کی ہے۔ (بان ربك اوحی الی) اور زمین اس فرمان کے اجراء میں کوتاہی نہیں کرے گی، ”اولحی“ کی تعبیر یہاں اس بنا پر ہے کہ اس قسم کی اسرارِ امیرِ مکتومین کی طبیعت کے خلاف ہے۔ اور یہ چیز ایک وحی الہی کے طریقے کے سوا ممکن نہیں ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ زمین کو وحی کرے گا کہ جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر پھینک دے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح اور مناسب نظر آتی ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے، ”اس دن لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں قبروں سے نکل کر عرصہ عشر میں وارد ہوں گے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو

ل ”ثالی الاخبار“ جلد ۵ ص ۷۹ چاپ جدید

ل ”ثالی الاخبار“ جلد ۵ ص ۷۹ چاپ جدید

ل ”بان“ میں ”باء“ سببیت کے لیے ہے اور لھا میں ”لام“ ”الی“ کے معنی میں ہے جیسا کہ سورہ ”نحل“ کی آیت

”واولحی ربك الی النحل“

انہیں دکھائے جا
اشتاد

پر ہو کہ ہر مذہب
یا یہ ہے کہ ایک گر

تاریک چروں کے
یا ہر امت

اناس بامامہ
یا یہ ہے کہ

ان تمام تقاضا
یہ

صورت میں ہیجان
مختلف قوسوں کے قبرا

یہ احتمال بھی
پہلا معنی گزرتا

”لیروا ۷۷
یا نامہ اعمال

یا مشاہدہ باطن
یا ”تجسس

آخری تفسیر ظاہر
ہوتی ہے کہ اس دن

نہج دہلا کا باعث ہو
اس کے بعد ا

تو برابر بھی نیکی کی ہوگی
اور جس شخص نے

یہاں بھی مختلف
ان آیات کا ظا

ملک نیک ہو یا بُرا

میں دکھائے جائیں۔ (یومئذ یصحب الناس اشتاتاً لیروا اعمالہم)۔

اشتات "شت" (بروزن شط) کی جمع ہے، جو پرگندہ اور متفرق کے معنی میں ہے، یہ اختلاف و پرگندگی ممکن ہے اس بنا پر کہ ہر مذہب والے الگ الگ عرصہ محشر میں وارد ہوں گے، یا زمین کے علاقوں میں سے ہر علاقے کے لوگ جدا جدا وارد ہوں گے، ہے کہ ایک گروہ تو ہشاش بشاش، شاد و خندان، حسین و خوبصورت چہروں کے ساتھ آئے گا اور ایک گروہ تیوری چڑھائے تیرہ و ب چہروں کے ساتھ محشر میں وارد ہوگا۔

یا ہر امت اپنے امام، رہبر اور پیشوا کے ساتھ ہوگی جیسا کہ سورہ اسر کی آیہ ۱۷ میں آیا ہے: "یوم ندعوا کل یامامہمھو"۔ "اس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام و پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔ یا یہ ہے کہ مومنین، مومنین کے ساتھ، اور کفار کفار کے ساتھ محشر ہوں گے۔ ان تمام تفاسیر کے درمیان جمع بھی پورے طور پر ممکن ہے کیونکہ آیت کا مفہوم وسیع ہے۔

"صدر" "صدر" (بروزن صبر) کے مادہ سے اونٹوں کے پانی والی جگہ سے نکلنے کے معنی میں ہے، جو انہو کی ت میں پہچان میں آئے ہوئے باہر آتے ہیں۔ "ورود" کے برعکس جو پانی کی جگہ میں داخل ہونے کے معنی میں ہے۔ اور یہ ن قوس کے قبروں سے نکلنے اور حساب دینے کے لیے محشر میں آنے سے کنایہ ہے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد محشر سے نکل کر جنت یا جہنم میں اپنی جگہ کی طرف چلنا ہے۔ پہلا معنی گزشتہ آیات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

"لیروا اعمالہم" (تا کہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں) کے جملہ سے مراد اعمال کی جزا کا مشاہدہ ہے۔

یا نامہ اعمال کا مشاہدہ مراد ہے جس میں ہر نیک و بد عمل ثبت ہے۔

یا مشاہدہ باطنی مراد ہے جس کا معنی ان کے اعمال کی کیفیت کی معرفت و شناخت ہے۔

یا "تجسس اعمال" کی صورت میں خود اعمال کا مشاہدہ مراد ہے۔

آخری تفسیر ظاہر آیہ کے ساتھ سب سے زیادہ موافق ہے، اور یہ آیت مسئلہ تجسس اعمال پر روشن ترین آیات میں سے شمار ہے کہ اس دن انسان کے اعمال مناسب صورتوں میں تجسم ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے، اور ان کی ہم نشینی خوشی کا موجب یا آکا باعث ہوگی۔

اس کے بعد ان دونوں گروہوں مومن و کافر، نیکو کار و بدکار کے انجام کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "پس جس شخص نے نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھے گا" (ومن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ)۔

اور جس شخص نے ذرہ برابر بُرا کام کیا ہوگا وہ اُسے دیکھے گا" (ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ)۔

حال بھی مختلف تفسیریں ذکر ہوئی ہیں، کہ کیا اعمال کی جزا کو دیکھے گا، یا نامہ اعمال کا مشاہدہ کرے گا، یا خود عمل کو۔

آیات کا ظاہر بھی، قیامت کے دن "تجسس اعمال" اور خود عمل کے مشاہدہ کے مسئلہ پر، نئے سہرے سے ایک تاکید ہے، چاہے یہ ہو یا بُرا، یہاں تک کہ اگر ایک سوئی کے برابر بھی نیک یا بُرا کام ہوگا تو وہ بھی اپنے کرنے والے کے سامنے مجسم ہو جائے گا اور

ساب لے گا، چاہے وہ کچھ بھی ہو کم اہمیت نہیں ہے۔

اسی لیے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ لے مال کے خرچ کرنے کے سلسلہ میں بے اعتنائے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اجر و ثواب تو ان چیزوں پر دیا جاتا ہے جنہیں ہم دوست لے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی چیزیں ایسی نہیں ہوتیں جن سے ہمیں کچھ لگاؤ اور محبت ہو، اور اسی طرح سے وہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کے لہ میں بھی بے اعتنائے تھے، لہذا یہ آیات نازل ہوئیں، اور انہیں چھوٹی اور کم خیرات کرنے کی بھی ترغیب دی، اور چھوٹے چھوٹے کرنے سے ڈرایا۔

ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان آیات کے مطابق انسان قیامت میں اپنے سب اعمال، چاہے وہ ہوں یا بُرے، چھوٹے ہوں یا بڑے، دیکھے گا۔ یہ معنی آیات "اجباط" و "تکفیر" اور آیات "عفو" و "توبہ" کے ساتھ ہے سازگار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آیات "اجباط" تو یہ کہتی ہیں کہ بعض عمل مثلاً "کفر" انسان کی تمام نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ لہٰذا برکت لیحبطن عملک (زمرہ - ۶۵) اور آیات "تکفیر" کے مطابق بعض اوقات نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں ان الحسنات من الحسنات (ہود - ۱۱) اور عفو و توبہ کی آیات یہ کہتی ہیں کہ عفو الہی کے سامنے میں، یا توبہ کرنے سے، گناہ محو ہو جاتے ہیں، یہ اسے مفہوم تمام نیک و بد اعمال کا مشاہدہ کرنے کے مسئلہ کے ساتھ کیے مطابقت کرتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ: وہ دو اصول جو اوپر والی آیات میں بیان ہوئے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اچھے اور بُرے کام کا ایک ایک ذرہ تک دیکھے گا، ایک قانون کلی کی صورت میں ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ قانون میں کچھ مستثنیات ہو سکتے ہیں، لہذا آیات عفو و توبہ، اور اجباط و تکفیر حقیقت میں اس قانون کلی میں استثنا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ "اجباط" و "تکفیر" کے سلسلہ میں درحقیقت موازنہ اور ایک عجز و انکسار رونما ہوتا ہے، اور یہ ٹھیک مطالبات اور قرضوں کے مانند ہے، جن میں ایک دوسرے سے منہا ہو جاتے ہیں، جس وقت انسان اس موازنہ کا نتیجہ دیکھتا ہے تو حقیقت میں اُس نے اپنے تمام اچھے اور بُرے اعمال کو دیکھ لیا ہے۔ یہی بات "عفو" و "توبہ" میں بھی جاری ہے۔ کیونکہ عفو لیاقت و پاکیزگی کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا، اور توبہ خود ایک نیک عمل ہے۔

بعض نے یہاں ایک اور جواب دیا ہے، جو صحیح نظر نہیں آتا، اور وہ یہ ہے کہ کافر اپنے اچھے اعمال کا نتیجہ اسی دنیا میں دیکھ لیں گے، جیسا کہ موسیٰ نے اپنے بُرے اعمال کی سزا اسی جہان میں پالیتے ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ زیر بحث آیات قیامت کے ساتھ مربوط ہیں نہ کہ دنیا کے ساتھ، علاوہ ازیں یہ کوئی کلیہ نہیں ہے کہ

یعمل مثقال ذرۃ نشر ایرہ " ہی ہیں۔ اور وہ انہیں "جامعہ" سے تعبیر کیا کرتے تھے، اور سچی بات یہ ہے کہ ان کے مطالب پر گہرا ایمان، اس بات کے لیے کافی ہے کہ انسان کو راہ حق پر چلائے اور ہر قسم کے فساد و شر سے روکے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی: علمنی مما علمک اللہ جو کچھ خدا نے آپ کو تعلیم دی ہے اس میں سے مجھے بھی تعلیم دیجئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنے اصحاب میں سے ایک کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اُسے قرآن کی تعلیم دے۔ اور اُسے اُسے سورہ "اذا زلزلت الامرض" کی آفر تک تعلیم دی۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: میرے لیے تو یہی کافی ہے۔ (اور ایک اور دوسری روایات میں آیا ہے کہ اس نے یہ کہا: "تکفیننی ہذہ الایۃ": "یہی ایک آیت میرے لیے کافی ہے!") پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ ایک موقوفہ ہو گیا ہے۔ (اور ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: رجع فقیہا: وہ فقیہ ہو کر لوٹا ہے) اس کی وجہ بھی واضح ہے، کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہو کہ ہمارے اعمال، چاہے ایک ذرہ کے برابر ہوں، یا رائی کے ایک دانہ کے برابر، ان کا حساب لیا جائے گا، تو وہ آج ہی سے اپنے حساب کتاب میں مشغول ہو جائے گا۔ اور اس کا اس کی تربیت پر سب سے زیادہ اثر ہو گا۔

اس کے باوجود البوسعدی ضروری سے آیا ہے کہ جس وقت آیۃ فمن یعمل.... نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا: اے رسول خدا کیا میں اپنے تمام اعمال کو دیکھوں گا؟ آپ نے فرمایا، ہاں! میں نے کہا: اُن بڑے بڑے کاموں کو فرمایا: ہاں! میں نے کہا: چھوٹے چھوٹے کام بھی؟ فرمایا: ہاں! میں نے کہا: وائے ہے مجھ پر میری ماں میری عرا میں بیٹھے۔ فرمایا: اے البوسعدی! تجھے بشارت ہو، کیونکہ نیکیاں دس گنا شمار ہوں گی، جو سات سو تک ہو سکتی ہیں اور خدا جس شخص کے لیے چاہے گا اس سے بھی کئی گنا کر دے گا۔ لیکن ہر گناہ کے لیے صرف ایک ہی گناہ کی سزا ملے گی، یا خدا معاف کر دے گا اور جان لے کہ کئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا مگر یہ کہ خدا کا کرم اس کے شامل حال ہو، میں نے عرض کیا: اے رسول خدا! کیا آپ بھی؟ فرمایا: ہاں میں بھی مگر یہ کہ خدا مجھے اپنی رحمت کا مشمول قرار دے گا۔

خداوند! جب تیرا پیغمبر اس عظمت و بزرگی کے باوجود صرف تیری بخشش اور عفو پر دل بستہ ہے تو پھر ہماری حالت تو واضح ہے۔ پروردگار! اگر ہمارے اعمال ہماری نجات کا معیار ہوں تو وائے ہے ہماری حالت پر! اور اگر تیرا کرم ہمارا یار و مددگار ہو تو پھر غرنا بجاں ہمارا بار الہا! جس دن ہمارے سارے چھوٹے بڑے گناہ ہمارے سامنے مجسم ہو جائیں گے، اس دن کے لیے ہم تیرے ہی لطف و کرم پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔

اختتام ترجمہ

تیسویں شب ماہ مبارک رمضان ۱۴۰۸ھ

بوقت ۱۲ بجکر ۲۱ منٹ شب

برمکان حقیر قم مقدس جہوی اسلامی ایران

آمین۔ یا مہدی (عجل اللہ فرجہ)
سورہ "زلزلہ" کا اختتام

لہ "تفسیر روح البیان" جلد ۱۰ ص ۴۹۵۔ یہی مضمون "نور الثقلین" جلد ۵ ص ۶۰ میں بھی آیا ہے۔

نیل "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۸۱

سُورَةُ الْعَدِیَّتِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

اور اس کے
گرمیا اشارے
اس

ایک

سُورۃُ "الْعَادِیَات" کے مطالب اور اس کی فضیلت

اس بارے میں کہ یہ سُورہ "مکہ" میں نازل ہوا ہے یا "مدینہ" میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ بہت سوں نے تو اسے مکہ شمار کیا ہے جب کہ ایک جماعت اسے مدنی سمجھتی ہے۔ آیات کے مقطع کا مختصر اور چھوٹا ہونا اور قسموں پر تکیہ، اور اسی طرح مسئلہ معاد کے بارے میں بیان ایسے قرائن ہیں جو اس کے "مکہ" ہونے کی تائید کرتے ہیں۔

لیکن دوسری طرف سے اس سُورہ کی قسموں کا مضمون، جو جہاد کے مسائل سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، جیسا کہ انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا، اسی طرح وہ روایات جو یہ کہتی ہیں کہ یہ سُورہ جنگ "ذات السلاسل" کے بعد نازل ہوا ہے۔ (یہ وہ جنگ ہے جو ہجرت کے اٹھویں سال واقع ہوئی تھی، اور اس میں کفار کے بہت سے گردہ قیدی بنائے گئے تھے، اور انہیں محکم رسیوں سے باندھا گیا تھا، لہذا اس کا نام "ذات السلاسل" ہو گیا، جس کی تفصیل انشاء اللہ آیات کی تفصیل میں آئے گی)۔ یہ اس سُورہ کے مدنی ہونے پر گواہ ہے، یہاں تک کہ اگر ہم اس سُورہ کے آغاز کی قسموں کو حاجیوں کے منی و مشعر کی طرف جانے پر ناظر سمجھیں، تب بھی یہ مدینہ ہی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ مراسم حج اپنی اکثر فردعات کے ساتھ زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی — سنت ابراہیمی کی اقتدا کرنے کی وجہ سے — رواج رکھتے تھے لیکن وہ عرفات کے ساتھ ایسے آلودہ ہو چکے تھے کہ یہ بات بعید نظر آتی ہے کہ قرآن نے ان کی قسم کھائی ہو۔

ان تمام جہات کی طرف توجہ کرتے ہوئے ہم اس کے "مدنی" ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے سُورہ کے مطالب بھی واضح ہو گئے ہیں کہ آغاز میں کچھ بیدار کرنے والی قسموں کا ذکر کرتا ہے۔

بعض

یہ بار

اس کے تمام

لہ "ج

خاص

لہ "ج

لہ "ج

لہ "ج

اور اس کے بعد نوع انسانی کی چند کمزوریوں مثلاً کفر، بخل اور دنیا پرستی کو درمیان میں لے آتا ہے، اور انجام کار مسئلہ معاد پر ایک مختصر اور گویا اشارے اور بندوں پر خدا کے علمی احاطہ پر سورہ کو ختم کرتا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من قرأھا اعطی من الاجر عشر حسنات، بعدد من بات بالمزلفۃ“
وشہد جمعاً“

”جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو ان تمام حاجیوں کی تعداد سے (جو عید قربان کی رات) ”مزلفہ“ میں توقف کرتے ہیں، اور دہاں حاضر رہتے ہیں، دس گنا زیادہ نیکیاں اُسے دی جائیں گی۔“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”من قرأ والعاذیات وادمن قرائتھا بعثہ اللہ مع امیر المؤمنین (سلام اللہ علیہ) یوم القیامۃ خاصہ، وکان فی حجرہ ورفقاءہ :

”جو شخص سورہ والعاذیات کو پڑھے گا، اور اس کی مداومت کرے گا، تو خدا اُسے

قیامت کے دن خصوصیت کے ساتھ امیر المؤمنین (سلام اللہ علیہ) کے ہمراہ مبعوث کرے گا، اور وہ آپ کی جماعت میں اور آپ کے دوستوں کے درمیان ہوگا۔“

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورہ والعاذیات نصف قرآن کے برابر ہے۔

یہ بات کہے بغیر ظاہر و واضح ہے کہ یہ تمام فضیلتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالیں گے، اور اس کے تمام مطالب و مضامین پر ایمان رکھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

لہ ”جمع“ و مشعر الحرام“ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس بنا پر کہ لوگ وہاں حج ہوتے ہیں، یا وہاں نماز مغرب و عشاء فاصلہ کے بغیر پڑھی جاتی ہے۔

لہ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۲۷

لہ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۲۷

لہ ”در المنثور“ جلد ۶ ص ۲۸۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ وَالْعِدَّتِ ضَبْحًا ۝
- ۲۔ فَالْمُورِيتِ قَدْحًا ۝
- ۳۔ فَالْمُغِيرَتِ صُبْحًا ۝
- ۴۔ فَآثَرْنَ بِهِ نَقْعًا ۝
- ۵۔ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۝
- ۶۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝
- ۷۔ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝
- ۸۔ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝
- ۹۔ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝
- ۱۰۔ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝
- ۱۱۔ إِنَّ رَبَّهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ ان فراٹے بھرتے ہوئے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم (جو میدانِ جہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں)۔
 - ۲۔ اور ان کی قسم جو (اپنے سموں سے پتھروں پر ٹاپ مارتے ہوئے) چنگاریاں نکالتے ہیں۔
 - ۳۔ اور صبح ہوتے ہی دشمن پر یلغار کر دیتے ہیں۔
 - ۴۔ اور اس سے ہر طرف گرد و غبار ہی گرد و غبار کر دیتے ہیں۔
 - ۵۔ اور یکایک دشمن کے دل بادل میں گھس جاتے ہیں۔
 - ۶۔ بے شک انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کے سامنے ناشکر اور بخیل ہے۔
 - ۷۔ اور وہ خود بھی اس معنی پر گواہ ہے۔
 - ۸۔ وہ مال کے ساتھ شدید لگاؤ اور محبت رکھتا ہے۔
 - ۹۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اُس دن جو بھی قبروں میں ہیں وہ سب زندہ ہو جائیں گے۔
 - ۱۰۔ اور جو کچھ سینوں کے اندر (چھپایا ہوا) ہے، وہ آشکار اور ظاہر ہو جائے گا۔
 - ۱۱۔ اس دن ان کا پروردگار ان سے مکمل طور پر باخبر ہے۔

شانِ نزول

ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ سورہ جنگ ”ذات السلاسل“ کے بعد نازل ہوا، اور اس کا واقعہ اس طرح ہے۔ ہجرت کے آٹھویں سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ بارہ ہزار سوار سرزمین ”یالیس“ میں جمع ہیں، اور انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ جب تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کو قتل نہ کر لیں اور مسلمانوں کی جماعت

کو منتشر نہ کر دیں آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی ایک بہت بڑی جماعت کو بعض صحابہ کی سرکردگی میں ان کی جانب روانہ کیا۔ لیکن وہ کافی گفتگو کے بعد بغیر کسی نتیجہ کے واپس لوٹ آئے۔

آخر کار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو مہاجرین و انصار کے ایک گروہ کثیر کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ دشمن کے علاقہ کی طرف روانہ ہوئے اور رات بھر میں سارا سفر طے کر کے صبحدم دشمن کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ پہلے تو ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ جب انہوں نے قبول نہ کیا تو ابھی فضا تاریک ہی تھی کہ ان پر حملہ کر دیا اور انہیں درہم برہم کر کے رکھ دیا، ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا اور بکثرت مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔ سورہ "والعادیات" نازل ہوئی حالانکہ ابھی سرایان اسلام مدینہ کی طرف لوٹ کر نہیں آئے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن نماز صبح کے لیے آئے تو اس سورہ کی نماز میں تلاوت کی۔ نماز کے بعد صحابہ نے عرض کیا، یہ تو ایسا سورہ ہے جسے ہم نے آج تک سنا نہیں ہے۔

فرمایا: ہاں! علیؑ دشمنوں پر فتح یاب ہوئے ہیں اور جبریلؑ نے گزشتہ رات یہ سورہ لاکر مجھے بشارت دی ہے۔ کچھ دن کے بعد علیؑ غنائم اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ میں وارد ہوئے۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ واقعہ اس سورہ کے واضح مصداق میں سے ایک ہے۔ یہ اس کا شان نزول نہیں ہے۔

تفسیر بیدار مجاہدین کی قسم

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سورہ بیدار کرنے والی قسموں سے شروع ہوا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: "ان فراٹے بھرتے ہوئے سر پٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم" (جو میدان جہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں)۔ "والعادیات ضبجاً" یا حاجیوں کے ان اونٹوں کی قسم جو ہانپتے ہوئے سرزمین عرفات سے مشعر الحرام اور مشعر سے مئی کی طرف چلتے ہیں۔ "عادیات" "عادیۃ" کی جمع ہے، جو "عدو" (بروزن صبر) کے مادہ سے ہے، اصل میں گزرنے اور جہاد ہونے کے معنی میں ہے، چاہے دل سے ہو، جسے "عداوت" کہتے ہیں، یا خارجی حرکت اور چلنے سے ہو جسے "عدو" (دوڑنا) کہتے ہیں اور کبھی یہ معاملات میں ہوتی ہے جسے "عدوان" کہتے ہیں اور یہاں وہی سرعت اور تیزی کے ساتھ دوڑنا مراد ہے۔ "ضبج" (بروزن مرح) تیزی اور سرعت کے ساتھ دوڑنے والے کے سانس کی آواز کے معنی میں ہے جو اس کے دوڑنے

لے "بحار الانوار" جلد ۲۱ ص ۶۶ سے آگے، "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۲۸ اور بعض دوسری کتب تاریخ۔

لے قاعدہ کی رو سے "والعادیات عدوا" کتنا چاہیے، لیکن چونکہ عدو (دوڑنے) کا لازمہ سانس نکالنا ہے، لہذا اس کے بجائے "ضبجاً" کہا گیا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ آیت میں ایک محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے۔ والعادیات یضبجن ضبجاً۔

کے وقت کانوں میں آتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے اُدھر اشارہ کیا ہے اس آیت کی تفسیر میں دو نظریے موجود ہیں۔ پہلا نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد ان گھوڑوں کی قسم ہے جو سرعت اور تیزی کے ساتھ میدانِ جہاد کی طرف آگے بڑھتے ہیں اور چونکہ جہاد ایک مقدس امر ہے اس لیے جانور بھی اس مقدس راستے میں اس طرح کی قدر و قیمت پیدا کر لیتے ہیں کہ وہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے۔

دوسری تفسیر ان اونٹوں کی قسم ہے جو حج جیسے عظیم فریضہ میں موافق اور امانت مقدس میں سرعت اور تیزی کے ساتھ چلتے ہیں، اس بنا پر وہ ایک تقدس کے حامل بن جاتے ہیں اور قسم کے لائق ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ "ابن عباسؓ" سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا :

"میں خانہ کعبہ کے پاس حجر اسماعیل میں تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے آیہ والعدایات

ضبطاً کے بارے میں مجھ سے سوال کیا۔ میں نے کہا : "اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں

جو راہِ جہاد میں حملہ کرتے ہیں اور رات کو اپنے آرام کرنے کی جگہ پر لوٹ آتے ہیں، اور وہ غازی

لڑنے والے مجاہدین ہیں جو آگ روشن کرتے ہیں اور اپنے لیے کھانا پکاتے ہیں۔"

وہ شخص میرے پاس سے چلا گیا اور علی علیہ السلام کے پاس پہنچا، آپ اس وقت چاہ زمزم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے آپ سے بھی اس آیت کے بارے میں سوال کیا۔

آپ نے فرمایا : کیا تو نے مجھ سے پہلے بھی کسی شخص سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا ہے ؟ اس نے عرض کیا :

ہاں ! میں نے ابن عباس سے پوچھا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ گھوڑے

ہیں جو راہِ جہاد میں حملہ کرتے ہیں آپ نے فرمایا : جاؤ اور اُسے میرے پاس بلا لاؤ۔

جب میں حضرتؓ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا :

جو بات تم نہیں جانتے اس کے بارے میں لوگوں کو فتوے کیوں دیتے ہو۔ اسلام میں سب

سے پہلا غزوہ جنگ بدر تھا، اور ہمارے پاس دو گھوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک گھوڑا "زبیر"

کے پاس اور دوسرا گھوڑا "مقداد" کے پاس تو "عادیات" سے مراد گھوڑے کیسے ہو سکتے ہیں ؟

ایسا نہیں ہے۔ اس سے مراد وہ اونٹ ہیں جو عرفات سے مشعر کی طرف اور مشعر سے منی کی طرف

جاتے ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں : جب میں نے یہ سنا تو میں نے اپنا نظریہ بدل لیا اور امیر المؤمنین

علی علیہ السلام کے نظریہ کو قبول کر لیا۔ ۱

یہ احتمال بھی ہے کہ "عادیات" ایک وسیع معنی رکھتا ہے۔ لہذا یہ مجاہدوں کے گھوڑوں کو بھی شامل ہے اور حاجیوں کے اونٹوں کو بھی،

اور اُدھر والی روایت سے مراد یہ ہو کہ اس کے معنی گھوڑوں میں محدود نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ معنی تمام مقامات پر صادق نہیں آتا۔ اس کا سب سے

۱۔ "مجمع البیان" جلد ۱ ص ۵۲۹۔ اس روایت کو قرطبیؒ نے بھی اپنی تفسیر کی جلد ۱ ص ۴۲۵ میں نقل کیا ہے۔

زیادہ واضح مصداق حاجیوں کے اونٹ ہیں۔

یہ تفسیر کئی جہات سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: "قسم ہے ان کی جو آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں۔" (فالموریات قدحاً)

مجاہدین کے وہ گھوڑے جو میدان جنگ کی طرف اتنی تیزی کے ساتھ جاتے ہیں کہ ان کے سمول کے پتھروں پر ٹکرائے سے چنگاریاں نکلتی ہیں، یا وہ اونٹ جو سرعت کے ساتھ موافق خج میں دوڑتے ہیں اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ٹکریاں اور ریت اڑتی ہے اور ان کے دوسرے سگرنیوں کے ساتھ ٹکرائے کی وجہ سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔

یا وہ قبیلے اور گروہ جو موافق خج میں کھانا پکانے کے لیے آگ جلاتے ہیں، یا ان لوگوں سے کنایہ ہے جو جنگ اور ہمد کی آگ بھڑکاتے ہیں، یا ان زبانوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے چھینے والے بیان سے دشمن کے دل میں آگ لگا دیتے ہیں، یا بعض مغسیرین کے قول کے مطابق اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی حاجات کو انجام دینے کے لیے کوشش کرتے ہیں اور اپنا مقصود حاصل کر لیتے ہیں جیسے کہ آگ چھتاق کے پتھر سے باہر آتی ہے۔ لیکن یہ سارے احتمالات بعید نظر آتے ہیں اور آیت کا ظاہر وہی پہلی دو تفسیریں ہیں۔

"موریات" "ایراء" کے مادہ سے "موریۃ" کی جمع ہے جو آگ بھڑکانے کے معنی میں ہے اور "قدح" چنگاری نکالنے والے پتھر یا لکڑی یا لوہے یا چھتاق کو ایک دوسرے پر مارنے کے معنی میں ہے۔

اس کے بعد تیسری قسم میں فرماتا ہے: "اور صبح ہوتے ہی دشمن پر حملہ کرنے والوں کی قسم" (فالمغیرات صبحاً)

عربوں کی عادت۔ جیسا کہ طبری نے مجمع البیان میں لکھا ہے۔ یہ تھی کہ وہ رات کے وقت دشمن کے علاقے کے قریب جا کر گھات میں بیٹھ جاتے تھے تاکہ صبح سویرے ان پر حملہ کر دیں۔

ان آیات کی شان نزول (یا اس کے ایک واضح مصداق) میں یہ آیا ہے کہ لشکر اسلام علیہ السلام کی کمان میں رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میدان جنگ کی طرف بڑھتا چلا گیا اور دشمن کے قبیلے کے قریب پہنچ کر گھات لگا کر بیٹھ گیا اور صبح سویرے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا اور دشمن کے رد عمل دکھانے سے پہلے پہلے ان کی طاقت کو درہم برہم کر دیا۔

اور اگر ہم ان قسموں کو حاجیوں کے اونٹوں کی طرف اشارہ سمجھیں تو پھر اس آیت سے مراد اونٹوں کے قافلوں کا سعید کی صبح مشعرے منیٰ کی طرف دوڑتے ہوئے آنا ہے۔

"مغیرات" "اغارة" کے مادہ سے "مغیرۃ" کی جمع ہے، جو ہجوم کرنے اور دشمن پر حملہ کرنے کے معنی میں ہے۔ چونکہ بعض اوقات یہ ہجوم اور حملہ مال لوٹنے کی غرض سے ہوتا ہے لہذا یہ لفظ بعض اوقات فارسی میں عام معنی یعنی غارت کرنے اور دوسروں کا مال چھیننے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس لفظ کے مادہ میں گھوڑے کے ساتھ ہجوم اور حملہ کرنا چھپا ہوا ہے، لیکن اس کے موارد استعمال بھی طرح اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اگر ابتدا میں یہ قید موجود تھی بھی تو تدریجاً اب ختم ہو گئی ہے۔

اور یہ جو بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہاں "مغیرات" سے مراد وہ ہجوم کرنے والے طوائف و قبائل ہیں جو میدان جنگ کی طرف، یا عجلت اور تیزی کے ساتھ منیٰ کی طرف چلتے ہیں، بعید نظر آتا ہے کیونکہ آیت "والاعدایات ضبیحاً" یقینی طور پر گھوڑوں یا اونٹوں کی

توضیف ہے

اس

ساتھ دوڑ کر جا

یا یہ کہ

اثر

معنی میں بھی اس

نفع

کے معنی میں ہے

ان کی

بہ جمعاً

انہوں

ان کے قتل

یا یہ

بعض

"فوسطن"

مجموع

بہرتے سائر

سے چنگاریاں

غفلت میں

اور انجام کار و

لہ "ب

"

کی

لہ "

تزیین ہے نہ کہ ان کے سواروں کی، اور یہ آیت بھی اسی مطلب کو جاری رکھے ہوئے ہے۔
 اس کے بعد ان مجاہدین اور ان کی سواروں کی ایک اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "دشمن پر اس قدر تیزی کے ساتھ دوڑ کر جاتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہر طرف گرد و غبار ہی گرد و غبار کر دیتے ہیں" (فاثون بہ نقعا) ۱۔
 یا یہ کہ حاجیوں کے اونٹوں کے شعر سے مٹی کی طرف ہجوم کے زیر اثر ہر طرف سے گرد و غبار اٹھتا ہے۔
 "اثرن" "اثرہ" کے مادہ سے "غبار" یا "دھوئیں" کو پرانہ کرنے کے معنی میں ہے۔ اور بعض اوقات ہیجان میں لانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اسی طرح فضا میں آواز کی لہروں کے پھیلنے کے معنی میں آیا ہے۔
 "نقع" (بروزن نفع) غبار کے معنی میں ہے اور اس مادہ کی اصل پانی کے نیچے چلا جانا، یا کسی کے پانی کے نیچے چلے جانے کے معنی میں ہے اور چونکہ "غبار" میں ڈوب جانا بھی اس سے مشابہت رکھتا ہے لہذا اس لفظ کا اس پر اطلاق ہوا ہے "نقع" ساکن اور کھڑے ہوئے پانی کو کہا جاتا ہے ان کی خصوصیات میں سے آخری خصوصیت کے بارے میں فرماتا ہے: "وہ اسی صبح دشمن کے درمیان پہنچ گئے" (فوسطن بہ جمعا) ۲۔

انہوں نے غفلت کی حالت میں دشمن پر ایسی برق رفتاری کے ساتھ حملہ کیا کہ چند ہی لمحوں کے اندر صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا، ان کے قلب لشکر پر حملہ کر کے ان کی جمعیت کو تتر بتر کر دیا اور یہ اسی سرعت عمل، بیداری، آمادگی، شہامت اور شجاعت کا نتیجہ ہے یا یہ حاجیوں کے "مشعر" سے قلب "مٹی" میں درود کی طرف اشارہ ہے۔
 بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد دشمن کو محاصرے میں لے لینا ہے۔ لیکن یہ تفسیر اسی صورت میں صحیح ہوگی جب "فوسطن" کا جملہ "سین" کی تشدید کے ساتھ پڑھا جائے جب کہ مشہور قرأت اس طرح نہیں ہے۔ اس بنا پر صحیح وہی پہلا معنی ہے مجموعی طور پر اس سارے مضمون کو یکجا کر کے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان مذکورہ گھوڑوں کی قسم جو پہلے تو بڑی سرعت کے ساتھ فراٹے بھرتے، سانس نکالتے میدان جہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں، پھر ان کی سرعت میں ایسی تیزی آتی ہے کہ پتھروں پر ان کے سہول کی ٹاپوں سے چنگاریاں نکلتی ہیں، جو رات کی تاریکی کو چیر کر رکھ دیتی ہیں اور اس کے بعد جب وہ دشمن کے علاقے میں پہنچ جاتے ہیں تو ابھی وہ غفلت میں ہی ہوتے ہیں کہ فضا کے صاف اور روشن ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیتے ہیں، ایسا حملہ، جس سے فضا میں گرد و غبار چھا جاتا ہے اور انجام کار وہ دشمن کی جمعیت کے قلب میں وارد ہو کر ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔

ان طاقتور اور پُر قدرت گھوڑوں کی قسم

ان شجاع اور بہادر سواروں کی قسم

مجاہدین کے گھوڑوں کے فراٹے بھرنے کی قسم

۱۔ "بہ" کی ضمیر "عدو" (دورنے) کی طرف لوٹتی ہے جس کا "والعادیات ضبجا" کے جملہ سے استفادہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر "باء" یہاں "سبیت" کے معنی میں ہے، یعنی اس دورنے کے سبب سے گرد و غبار فضا کو پُر کر دیتا ہے۔ بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہ اس زمانہ یا مکان کی طرف لوٹتی ہے جس میں یہ تاخت و تار انجام پائی ہے۔ اس بنا پر "باء" ظرفیت کے معنی میں ہے، لیکن صحیح وہی پہلا معنی ہے۔
 ۲۔ "بہ" کی ضمیر کے مرجع اور "باء" کے معنی کے سلسلہ میں یہاں وہی بحث ہے جو پہلی آیت میں تھی۔

ان چنگاریوں کی قسم جو ان کے سموں سے نکلتی ہیں۔

غفلت کی حالت میں ان کے حملے کی قسم

گرد و غبار کے ان ذرات کی قسم جو فضا میں پھیل جاتے ہیں۔

اور انجام کار ان کے دشمن کی صفوں کے قلب میں وارد ہو کر انہیں درہم برہم کر کے

فتح یاب ہونے کی قسم۔

اگرچہ وہ تمام باتیں جو بیان کی گئی ہیں وہ ان قسموں کے معنی میں نہیں آتی ہیں، لیکن کلام کی ضمنی دلالت میں یہ سب جمع ہیں۔

اور یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد اس قدر عظمت رکھتا ہے کہ مجاہدین کے گھوڑوں کا فراٹے بھڑنا اور سانس لینا سمجھ

بھی لائق قسم ہے۔ اسی طرح پتھروں پر ان کی ٹاپوں سے نکلنے والی چنگاریاں اور اسی طرح وہ گرد و غبار جو وہ فضا میں اڑاتے ہیں، ہاں! ہاں!

میدان جہاد کا گرد و غبار بھی قابل قدر اور با عظمت ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ ان قسموں سے مراد احتمالاً وہ نفوس ہیں جو اپنے کمالات کو دوسروں کی طرف منتقل کر سکیں اور اپنے انکار سے

علم و دانش کی چنگاریاں نکالیں اور ہواد ہوس پر حملہ آور ہوں اور اپنے اندر اور دوسروں میں خدا کا شوق پیدا کریں۔ اور انجام کار سائنین علیین کے

قلب میں مقام حاصل کریں!

لیکن یہ بات واضح ہے کہ ان باتوں کو اوپر والی آیات کی تفسیر کے عنوان سے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہ وہ تشبیہات ہیں جو آیت کی

تفسیر سے مناسبت کی وجہ سے ذہن میں آتی ہیں۔

ان عظیم قسموں کے بعد جواب قسم، یعنی وہ چیز جس کے لیے قسمیں کھائی گئی ہیں، پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”بے شک انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کے بارے میں ناشکرا اور بخیل ہے۔“ (اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ)۔

وہی غیر تربیت یافتہ انسان وہی انسان جس کے دل پر معارف الہی اور انبیاء کی تعلیمات کے انوار نہیں چمکے، اور وہی انسان

جس نے خود کو خواہشات نفسانی اور سرکش شہوتوں کا تابع بنا لیا ہے، یقیناً وہ ”نا شکرا“ اور ”بخیل“ ہے۔

”کنود“ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز نہیں اُگتی۔ ناشکرے اور بخیل انسان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

مفسرین نے کنود کے لیے بہت سے معنی بیان کیے ہیں۔ ”الوافتوح رازی“ نے تقریباً پندرہ معانی اس سلسلہ میں نقل کیے ہیں، لیکن

ان میں سے اکثر اسی اصل معنی کے شاخ و برگ میں جو اوپر بیان ہوا ہے۔ مزید معانی یہ ہیں :

۱۔ کنود اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی مصیبتوں کو تو بڑھا چڑھا کر بیان کرے لیکن نعمتوں کو بھول جائے۔

۲۔ کنود اس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کی نعمتوں کو اکیلا ہی کھاتا ہے اور دوسروں کو روکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”اتدرون من الکنود“

”کیا تم جانتے ہو کہ کنود کسے کہتے ہیں؟“

لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا:

”الكنود الذی یاكل و وحده، و يمنع رفده و یضرب عبده“

۲۔ ”کنود اس شخص کو کہتے ہیں جو اکیلے ہی اکیلے کھاتا ہے اور دوسروں سے عطا و بخشش کو روکتا ہے اور اپنے ماتحت غلاموں کو مارتا ہے۔“

۳۔ کنود وہ شخص ہے جو مشکلات و مصائب میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہمدردی نہیں کرتا۔

۴۔ کنود وہ ہے جس کی نیکیاں بہت ہی کم ہوں۔

۵۔ کنود وہ شخص ہے کہ جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اسے دوسروں کو نہیں دیتا اور اگر کسی مشکل میں گرفتار ہو جائے تو بے صبری دکھاتا اور بہت گرگڑاتا ہے۔

۶۔ کنود وہ جو اللہ کی نعمتوں کو مصیبت میں صرف کرتا ہے۔

۷۔ کنود وہ شخص ہے جو خدا کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، یہ سب معانی اسی ناشکری اور نجل کی شاخ و برگ اور مصادیق ہیں۔

ایسے موارد میں ”انسان“ کی تعبیر، بکار، ہوا پرست، سرکش اور باغی انسانوں کے معنی میں ہے، اور بعض نے اس کی کافر انسان سے تفسیر کی ہے ورنہ یقیناً ہر انسان ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے انسان ایسے ہیں کہ جن کی روح میں شکرگزاری اور عطا و بخشش گندھی ہوئی ہے، اور وہ ناشکری اور نجل سے بیزار ہیں۔ اسی طرح وہ انسان جنہوں نے اللہ پر ایمان کے سائے میں خود خواہی اور خود پرستی کو چھوڑ دیا ہے، اور پروردگار کے اسماء و صفات کی معرفت اور اخلاق الہی کی فضا میں آسمان پر بلند پروازی کر رہے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”اور وہ خود بھی اسی معنی پر گواہ ہے: (وانہ علی ذالک لشہید)۔“

کیونکہ انسان اپنے نفس کے بارے میں اچھی طرح آگاہ ہے اور اگر وہ اپنی اندرونی صفات کو ہر شخص سے چھپا سکتا ہو تو خدا اور اپنے وجدان سے مخفی نہیں رکھ سکتا، چاہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”انہ“ کی ضمیر ”خدا“ کی طرف لڑتی ہے، یعنی خدا انسان میں کنود کی صفت کے وجود کا گواہ ہے۔

لیکن قبل و بعد کی آیات کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جن میں اس سے مشابہ ضمیر پر انسان کی طرف لڑتی ہیں، یہ احتمال بہت ہی بعید نظر آتا ہے، اگرچہ بہت سے مفسرین نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد انسان کی اپنے گناہوں اور عیوب پر قیامت میں گواہی دینا ہے، جیسا کہ قرآن کی بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

اس تفسیر کے لیے بھی یہاں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے جو اس دنیا میں بھی اس کے کفران اور

نجل پر گواہی کو شامل ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ بعض اوقات انسان اپنی شناخت سے عاجز ہو جاتا ہے، اور اصطلاح کے مطابق اپنے وجدان کو دھوکا دیتا ہے اور

شیطان آرائش و زیبائش اس کی مذموم صفات کو اس کی نظریں خوبصورت بنا کر جلوہ گرہ کر دیتی ہیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ کفران و کجی کے بارے میں مطلب اس قدر واضح ہے کہ اس کی پردہ پوشی نہیں کی جاسکتی اور اپنے وجدان کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”وہ مادی چیزوں اور مال سے شدید لگاؤ اور محبت رکھتا ہے“ (وانہ لحب الخیر لشدید) اور مال و دولت کے ساتھ اس کا یہی شدید اور کثرت سے لگاؤ اس کے کجی، ناشکری اور کفران کا سبب بن جاتا ہے۔

البتہ ”خیر“ ایک وسیع معنی رکھتا ہے، جو ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے۔ اور یقینی طور پر بہت سی نیکیوں اور اچھی چیزوں مثلاً علم و دانش، تقویٰ اور بہشت و سعادت سے لگاؤ اور محبت کوئی ایسا مذموم مطلب نہیں ہے کہ قرآن اوپر والی تعبیر کے ساتھ اس کی مذمت کرے۔ اسی لیے مفسرین نے اس کی یہاں ”مال“ کے معنی سے تفسیر کی ہے، جس پر قرینہ مقام اور گزشتہ آیت بھی گواہ ہے، اور قرآن کی بعض دوسری آیات بھی (اس کی گواہی دیتی ہیں)۔ مثلاً: سورہ بقرہ کی آیہ ۱۸۰، جن میں فرماتا ہے: ”کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین“ تم پر فرض ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کچھ مال چھوڑ جائے تو وہ باپ، ماں اور نزدیکوں کے لیے وصیت کرے۔

مسئلہ طور پر ”مال“ پر ”خیر“ کا اطلاق اس بنا پر ہے کہ مال اپنی ذات کی حد تک ایک اچھی چیز ہے۔ اور وہ انواع و اقسام کی نیکیوں کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ لیکن ناشکرا اور کجیل انسان اس کو اس کے اصلی ہدف سے روک کر خود پسندی اور خود غرضی کی راہ میں استعمال کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک استقامت انکاری کی صورت میں، جو تمدید کے ساتھ توأم ہے، فرماتا ہے: ”کیا یہ ناشکرا، کجیل اور دنیا پرست انسان یہ نہیں جانتا کہ جب وہ سب کے سب جو قبول میں ہیں وہ زندہ ہو جائیں گے“ (افلا یعلموا اذا بعثوا فی القبور)۔ اور جب وہ تمام چیزیں جو سینوں میں ہیں، جیسے کفر و ایمان، اخلاص و ریا، تکبر و غرور، تواضع و انکسار اور اچھی اور بُری نیکیاں، آشکار ہو جائیں گی۔ (وحصل ما فی الصدور)۔

”اس دن ان کا پروردگار ان سے اور ان کے اعمال اور نیکیوں سے آگاہ ہے“۔ اور اس کے مطابق ہی انہیں جزا و سزا دے گا۔ ان رہے ہم یومئذ لخبیر)۔

”بعث“ ”بعثۃ“ (بروزن منقبۃ) کے مادہ سے اصل میں زیر و زبر کرنے، باہر نکالنے اور استخراج کرنے کے ہیں۔ اور چونکہ مردوں کو زندہ کرنے کے وقت قبریں زیر و زبر ہوں گی، اور جو کچھ ان میں ہے وہ ظاہر ہو جائے گا، لہذا اوپر والی آیات یہ تعبیر قیامت کے بارے میں استعمال ہوئی ہے۔

”ما فی القبور“ کی تعبیر (اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”ما“ عام طور پر غیر فوری العقول کے لیے آتا ہے) یا تو بنا پر ہے کہ اس میں یہ بات مد نظر ہے کہ مردے ابھی مٹی میں ہیں، یا یہ اُس ابہام کی بنا پر ہے جو اس پر حاکم ہے کہ معلوم نہیں کون اشخاص ہیں؟

”قبور“ (قبروں) کی تعبیر اس سے کوئی منافات نہیں رکھتی کہ لوگوں کا ایک گروہ اصولاً قبر نہیں رکھتا مثلاً وہ لوگ جو دریا میں ڈبو گئے۔

”لحب الخیر“ کی ”لام“ ممکن ہے ”لام تعدیہ“ ہو یا لام علت، پہلے احتمال کی بنا پر اس کی تفسیر وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے، اور دوسری بنا پر آیت کا منہم اس طرح ہے، انسان مال کی محبت کی وجہ سے کجیل ہے، لیکن مسئلہ طور پر پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

یا ان کی قبر ایک ممکن ہے کہ

”حدا“

سونے وغیرہ

میں استعمال

کفر ہو، یا

اور ہر شخص کو

جیسا کہ

”یوم“

حالا کہ ہم جانتے

کی جزا و سزا

بعض منہ

”میں عقرب“

ہاں! نہ

اور جزا و سزا کے

تو یہ چیز ان کے

اس اعتقاد کا تریب

چند

اس سہ

اس سورہ

لکنود“ کے

قسم کھائی گئی ہے،

زیر بحث

میں بے پردا ہو کر

بعض لوگ استغناء

یا ان کی قبر ایک مدت کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور ان کی مٹی بکھر جاتی ہے کیونکہ ان لوگوں کی اکثریت مد نظر ہے جو قبر رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ممکن ہے کہ قبر یہاں ایک وسیع معنی رکھتی ہو، یعنی وہ جگہ جہاں لوگوں کی مٹی موجود ہو اگرچہ وہ عام قبر کی صورت میں نہ ہو۔
 ”حاصل“ تحصیل کے مادہ سے اصل میں ”پھلکے“ سے ”مغز“ کو باہر نکالنے کے معنی میں ہے۔ اسی طرح معادن کو صاف کرنے اور سونے وغیرہ کو کان کے پتھر سے نکالنے پر بولا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ ایک وسیع معنی یعنی مطلق استخراج کرنے اور الگ کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اور زیر بحث آیت میں اس خیر و منکر اور نیکی و بُرائی کو جدا کرنا مراد ہو جو دلوں میں چھپی ہوئی ہے چاہے وہ ایمان و کفر ہو، یا صفات حسنہ و ذلیلہ، یا اچھی اور بُری نیتیں، وہ سب کی سب اس دن ایک دوسرے سے جدا اور ظاہر و آشکار ہو جائیں گی۔ اور ہر شخص کو ان کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

جیسا کہ سورہ طارق کی آیہ ۹ میں آیا ہے: ”یوم تبلی السرائر“ اس دن سارے اندرونی بھید ظاہر و آشکار ہو جائیں گے۔ ”یوم معذ“ کی تعبیر اور اس معنی پر تمکیم کہ خدا ”اس دن“ ان کے اعمال اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے بھیدوں سے آگاہ ہوگا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا ہمیشہ ان مسائل سے آگاہ ہے، اس بنا پر ہے کہ وہ دن روزِ جزا ہے، اور وہ انہیں ان کے اعمال و عقائد کی جزا دے گا۔

بعض مفسرین کے قول کے مطابق اس تعبیر کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص دوسرے سے تمہید کے طور پر کہے ”سأعرف لك امرک“ ”میں عنقریب تجھے تیرے عمل کا تعارف کراؤں گا“ حالانکہ آج بھی اس قسم کا تعارف موجود ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اس کا نتیجہ اور بدلہ تجھے دل کا ہاں! خدا ہمیشہ اور ہر حالت میں اندر اور باہر کے اسرار سے مکمل طور پر آگاہ ہے، لیکن اس آگاہی کا اثر قیامت میں اجمرد ثواب اور جزا و سزا کے وقت زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہو جائے گا۔ اور یہ تمام انسانوں کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ اگر واقفاً وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ چیز ان کے اور گناہوں کے درمیان ایک طاقتور سد بن جائے گی، چاہے وہ گناہ آشکار ہوں یا پنهان، اندرونی گناہ ہوں یا بیرونی، اور اس اعتقاد کا تربیت پر کیا اثر پڑتا ہے کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

چند نکات

اس سورہ کی قسموں اور اس کے ہدف کے درمیان ربط

اس سورہ کے سلسلہ میں جو سوالات سامنے آتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم اور ”ان الانسان لم یزک“ لکھنود کے جملہ کے درمیان کیا ربط ہے؟ کیونکہ قرآن کی آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ قسموں اور قسمیں بہ (جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے) کے درمیان ایک قسم کا ربط موجود ہوتا ہے، اور اصولی طور پر قرآن کی فصاحت و بلاغت بھی اس قسم کے مطلب کا اقتضا کرتی ہے۔ زیر بحث آیات میں ممکن ہے اس طرح کا ربط ہو کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ ایسے ایشار کرنے والے انسان بھی موجود ہیں جو جہاد کے راستہ میں بے پروا ہو کر پیش رفت کرتے ہیں اور کسی قسم کی فداکاری میں کوتاہی نہیں کرتے، اور اپنی جان و مال خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ اتنے بخیل اور ناشکرے کیوں بن جاتے ہیں کہ نہ تو وہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی راہ

میں ایثار کرتے ہیں؟

یہ ٹھیک ہے کہ قسم تو گھوڑوں ہی کی کھائی گئی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ وہ مجاہدین کے لیے ایک آلہ ہیں، اور حقیقت میں مجاہدین کے جہاد کی قسم کھائی گئی ہے۔ (اور اسی طرح اگر یہ حاجیوں اور خانہ خدا کے زائرین کے اڈنوں کی قسم ہو)۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ربط اس طرح سے حاصل ہوتا ہے کہ یہ جانور حق تعالیٰ کی راہ میں سرعت کے ساتھ جاتے ہیں۔ پس اسے انسان تو کیوں اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا جب کہ تو اشرف المخلوقات ہے اور اس کے زیادہ لائق ہے؟ لیکن پہلی مناسبت زیادہ واضح ہے۔

۲۔ کیا انسان طبعاً ناشکرا اور نجیل ہے؟

ممکن ہے کچھ لوگ ان الانسان لربہ لکنود کے جملہ سے یہ مفہوم لیں کہ "کنود" کی حالت میں ہونا یعنی ناشکری اور نجلی کرنا سب انسانوں کی طبیعت کا جزء ہے تو پھر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ امر بیدار وجدان اور فطری شعور کے ساتھ، جو انسان کو شکر منعم اور ایثار و قربانی کی دعوت دیتا ہے، کیسے سازگار ہو سکتا ہے؟

اس قسم کا سوال، قرآن مجید کی بہت سی آیات میں، جو انسان کی کمزوریوں کے واضح نقاط کو بیان کرتی ہیں، سامنے آتا ہے۔

ایک جگہ انسان کو "ظلم و جہول" شمار کیا گیا ہے۔ (احزاب - ۷۲)

دوسری جگہ "حلوغ" (کم ظرف) (سارج - ۱۹)

ایک دوسری جگہ "یٹوس کفور" (مایلوس و ناشکرا) (صمد - ۹)

ایک اور مقام پر طاعنی اور سرکش (علق - ۶) کے ساتھ متعارف ہوا ہے۔

کیا واقعاً ضعف و کمزوری کے یہ نقاط انسان کی طبیعت میں پوشیدہ ہیں، حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ خدا نے آدم کو کریم بنایا ہے اور سب مخلوق پر اسے برتری دی ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَجَعَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ رِزْقًا هُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (اسراء - ۷۰)

اس سوال کا جواب ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان دو بُعد و جہات وجودی رکھتا ہے اور اسی بنا پر وہ اپنے "قوس صعودی" میں "اعلیٰ علیین" تک پہنچ جاتا ہے اور اپنے "قوس نزولی" میں اسفل سافلین میں جا گرتا ہے۔ اگر وہ مریدان الہی سے تربیت پائے، عقل کے پیام سے ہدایت حاصل کرے اور اپنی اصلاح کرے تو وہ "فضلناہم علیٰ کثیر مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا" کا مصداق ہو جاتا ہے۔

اور اگر ایمان و تقویٰ سے منہ موڑے، اور اولیائے خدا کی رہنمائی سے باہر نکل جائے، تو پھر وہ "ظلم" و "کفار" یوس "کفور" اور "حلوغ" و "کنود" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس طرح ان آیات کے درمیان کسی قسم کا تضاد موجود نہیں ہے، البتہ ان میں سے ہر ایک کا انسان کے ایک بُعد اور جہت کے ساتھ تعلق ہے۔

ہاں! را

فضائل کے نقطہ

اور دوسری نہیں ہے

۳۔ جہا

قرآن مجید

اس غفلت کے

سے اٹھنے والا

خصوصاً

جو جگہ میں موقوف

اور یہ

قابل توجہ

کو تیار کر لیں، ان

پردہ ہٹا تو آپ

اسلام کے گھوڑے

غفلت کی

ہو گیا، اور قابل توجہ

یہ بات

ہونے والی چنگاری

اور اس کے بعد

طاقتور گھوڑوں کے

خداوند

پروردگار

بار الہا

بخشش سے

اختتام

برہان حقیرم مقدس

ہاں! انسان کی فطرت کے اندر تمام نیکیوں، اچھائیوں اور افتخارات و فضائل کی اصل اور جڑ پوشیدہ ہے اور اسی طرح انسان ان فضائل کے نقطہ مقابل کے لیے بھی آمادگی رکھتا ہے۔ اسی لیے عالم آفرینش کی کسی بھی مخلوق کے قوس صعودی و نزولی کے درمیان اس قدر فاصلہ دوری نہیں ہے، (غور کیجیے)

۳۔ جہاد کی عظمت

قرآن مجید میں جہاد اور راہ خدا کے مجاہدین کی عظمت کے بارے میں بہت ہی زیادہ گفتگو ہوئی ہے۔ لیکن شاید یہ مسئلہ کسی جگہ بھی عظمت کے ساتھ بیان نہیں ہوا کہ ان کے گھوڑوں کے پھنکارنے، ان کے سمنوں سے نکلنے والی چنگاریوں اور ان کے تیز دوڑنے سے اٹھنے والا گرد و غبار تک بھی اس قدر باعظمت سمجھا جائے، کہ اس کی قسم کھائی جائے۔

خصوصاً ان کے سرعت عمل پر، جو جنگوں میں کامیابی کا اہم ترین عامل ہے، تمکیہ ہوا ہے، اور عظمت کی حالت میں جالینے پر بھی جنگ میں موفق ہونے کا ایک اور عامل ہے، تمکیہ ہوا ہے۔

اور یہ سب جہاد کے پروگرام کے سلسلہ میں ایک تربیت اور تعلیم ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس سورہ کے شان نزول میں بھی آیا ہے کہ علی علیہ السلام نے یہ حکم دیا تھا کہ رات کی تاریکی میں اپنی سواروں کو تیار کر لیں، انہیں ضروری خوراک دیں، اُن پر زین کس لیں، اور مکمل طور پر (الرش) تیاری کی صورت میں آجائیں، جب رات کی تاریکی کا وہ ہٹا تو آپ نے فوراً اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز صبح ادا کی، اور بلا فاصلہ دشمن پر حملہ کر دیا، اور دشمن اس وقت بیدار ہوا جب مجاہدین کام کے گھوڑے ان کے سروں پر پہنچ گئے۔

عظمت کی حالت میں اس سرچشمہ سے تلف ہونے والوں کی تعداد بھی بہت کم رہی، اور جنگ کا خاتمہ بھی مختصر سے وقت میں کیا، اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں اس سورہ کی آیات میں بہت ہی عمدہ طریقہ سے بیان ہوئی ہیں۔

یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ نہ تو گھوڑوں میں کوئی خصوصیت ہے اور نہ ہی بیابان کے پتھروں پر سمنوں کے ٹکرانے سے پیدا ہونے والی چنگاریاں کوئی خصوصیت رکھتی ہیں، اور نہ ہی ان کے پاؤں سے اٹھنے والا گرد و غبار، جو چیز خصوصیت رکھتی ہے وہ مسئلہ جہاد ہے۔ اس کے بعد اس کے آلات ہیں جو موجودہ زمانہ کے تمام جنگی وسائل کو شامل ہیں جیسا کہ سورہ انفال کی آیہ ۹ میں ”رباط الخیل“ اتوی اور انڈر گھوڑوں کے بیان میں ”قوۃ“ اور ”طاقت“ کے بارے میں کلی طور پر گفتگو ہوئی ہے۔

خداوند! ہمیں اپنی رضا اور خوشنودی کی راہ میں جہاد کرنے اور قربانی دینے کی توفیق مرحمت فرما۔

پروہو گارا! نفس سرکش ناشکری اور کفران کی طرف مائل رہتا ہے۔ ہمیں اس کے خطرات سے محفوظ فرما۔

بار الہا! تو ہر شخص کے اندرونی اور بیرونی اسرار سے آگاہ ہے اور ہمارے اعمال سے باخبر ہے۔ اپنے لطف و کرم اور عنایت و

مشق سے ہمارے ساتھ سلوک کر۔

آمین یا رب العالمین

اختتام سورہ والعباديات

اختتام ترجمہ شب ۲۵ رمضان المبارک یکم حج ۱۴۲۱ھ
محکم دہلی قلم مقدس جمہوری اسلامی ایران

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۱۱ آیات ہیں

اس

اور صریح دوا

ایک

زندگی ہے۔ اد

اس

اس

سُورَةُ قَارِعَةٍ کے مطالب اور اس کی فضیلت

اس سورہ میں کئی طور پر معاد اور اس کے مقدمات کے بارے میں گفتگو ہے۔ اس میں پچھنے والی تعبیریں ہیں، ہلا دینے والے بیان ہیں، اور صریح و واضح انذار اور تنبیہ ہے۔ اور آخر میں انسانوں کی دو گروہوں میں تقسیم کا بیان ہے۔

ایک گروہ تو وہ ہے جن کے اعمال عدل الہی کی میزان میں وزنی ہوں گے، اور ان کی جزا حق تعالیٰ کے جوار رحمت میں سراسر رضایت بخش زندگی ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جن کے اعمال ہلکے اور کم وزن ہوں گے، ان کی سزا نشت جہنم کی جلائے والی آگ ہے۔ اس سورہ کا نام یعنی "قارعة" اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

اس کی فضیلت کے سلسلہ میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

"من قرأ القارعة آمنه الله من فتنة الدجال ان يؤمن به، ومن قبيح جهنم يوم القيامة ان شاء الله :

"جو شخص سورہ "قارعة" کو پڑھے گا تو خداوند تعالیٰ اسے دجال کے فتنہ اور اس پر ایمان لانے سے محفوظ رکھے گا، اور اسے قیامت کے دن انشاء اللہ پیپ سے دور رکھے گا۔"

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ الْقَارِعَةُ ۝
- ۲۔ مَا الْقَارِعَةُ ۝
- ۳۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝
- ۴۔ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝
- ۵۔ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝
- ۶۔ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝
- ۷۔ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝
- ۸۔ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝
- ۹۔ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝
- ۱۰۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَ ۝
- ۱۱۔ نَارُ حَامِيَةٍ ۝

تفسیر

حجہ

ان آیات

اور

اور

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ وہ چھینے والا حادثہ ۔
 - ۲۔ اور وہ کیسا چھینے والا حادثہ ہے ؟
 - ۳۔ اور تو کیا جانے کہ وہ چھینے والا حادثہ کیسا ہے ؟
 - ۴۔ وہ دن جس میں لوگ پراگندہ پروانوں کی طرح ہر طرف دوڑ رہے ہوں گے ۔
 - ۵۔ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے ۔
 - ۶۔ (اس دن) جس کے اعمال کا ترازو وزنی ہوگا ۔
 - ۷۔ وہ ایک پسندیدہ زندگی میں ہوگا ۔
 - ۸۔ لیکن جس کا ترازوئے اعمال ہلکا ہوگا ۔
 - ۹۔ اُس کی پناہ گاہ ہاویہ (جہنم) ہوگی ۔
 - ۱۰۔ اور تو کیا جانے کہ ہاویہ کیا ہے ؟
 - ۱۱۔ ایک جلا ڈالنے والی آگ ہے ۔

تفسیر

چھینے والا حادثہ

ان آیات میں جو قیامت کا تعارف کراتی ہیں، پہلے ارشاد ہوتا ہے : " وہ چھینے والا حادثہ " (القارعة) ۔
 " اور وہ کیسا چھینے والا حادثہ ہے " (ما القارعة) ۔
 " اور تو کیا جانے کہ وہ چھینے والا حادثہ کیسا ہے ؟ " (وما ادراك ما القارعة) ۔

”قارعة“ ”قرع“ (بروزن فرغ) کے مادہ سے، کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر اس طرح گرنے کے معنی میں سے کہ اس سے سخت آواز پیدا ہو، تازیانہ اور ہتھوڑے کو بھی اسی مناسبت سے ”مقرعة“ کہتے ہیں، بلکہ ہر اہم اور سخت حادثہ کو ”قارعة“ کہا جاتا ہے۔ (یہاں تانیث کا تاء ممکن ہے تاکید کی طرف اشارہ ہو۔

ان تعبیروں سے جو دوسری اور تیسری آیات میں آئی ہیں، جن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سے یہ فرماتا ہے کہ تو کیا جانے یہ سخت اور سرکوبی کرنے والا حادثہ کیا ہے؛ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ چھینے والا حادثہ اس قدر عظیم ہے کہ اس کے ابعاد اور مختلف جہات ہر شخص کے ذہن میں نہیں آسکتے۔

بہر حال بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ ”قارعة“ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، لیکن انہوں نے ٹھیک طور سے یہ واضح نہیں کیا کہ کیا یہ تعبیر قیامت کے مقدمات کی طرف اشارہ ہے جس میں عالم دنیا درہم برہم ہو جائے گا، آفتاب مابین تاریک ہو جائیں گے، سمندروں میں آگ لگ جائے گی۔ اگر اس طرح ہو تو پھر اس حادثہ کے لیے ”قارعة“ کے نام کے انتخاب کی وجہ واضح ہے۔

دوم اس سے دوسرا مرحلہ مراد ہو، یعنی مردوں کے زندہ ہونے اور عالم ہستی میں ایک نئی طرح ڈالنے کا مرحلہ، اور مکرانے اور چھینے کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ اس دن وحشت و خوف اور ڈر دلوں سے ٹکرائیں گے اور ان کی سرکوبی کریں گے۔

وہ آیات جو اس کے بعد آئی ہیں ان میں سے بعض تو جہان کے خراب و برباد ہونے کے حادثہ سے مناسبت رکھتی ہیں اور بعض مردوں کے زندہ ہونے کے ساتھ، لیکن مجموعی طور سے پہلا احتمال زیادہ مناسب نظر آتا ہے، اگرچہ ان آیات میں دونوں حادثے یکے بعد دیگرے ذکر ہوئے ہیں (قرآن کی اور بہت سی دوسری آیات کے مانند جو قیامت کی خبر دیتی ہیں)۔

اس کے بعد اس عجیب و غریب دن کے تعارف میں کہتا ہے: ”وہی دن جس میں لوگ پرلاگندہ، حیران و پریشان پروانوں کی طرح ہر طرف جائیں گے“ (یوم یکون الناس کالفراش المبتوث)۔

”فراش“ ”فراشة“ کی جمع ہے، بہت سے اسے ”پروانہ“ کے معنی میں سمجھتے ہیں، بعض نے اس کی ”ٹڈی دل“ کے معنی میں تفسیر کی ہے، اور ظاہر یہ معنی سورہ قمر کی آیہ ۷ سے لیا ہے جو لوگوں کو اس دن پرلاگندہ ٹڈی دل سے تشبیہ دیتی ہے، (کانہم جراد منتشر) ورنہ اس کے لغوی معنی ”پروانہ“ ہی ہیں۔

بہر حال ”پروانہ“ کے ساتھ تشبیہ اس لیے ہے کہ پروانے اپنے آپ کو دیوانہ وار آگ پر پھینک دیتے ہیں۔ بدکار لوگ بھی اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں ڈالیں گے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ پروانہ کے ساتھ تشبیہ ایک خاص قسم کی حیرت و سرگردانی کی طرف اشارہ ہے، جو اس دن تمام انسانوں پر غالب ہوگی۔

اور اگر ”فراش“ ٹڈی دل کے معنی میں ہو تو پھر مذکورہ تشبیہ اس لیے ہے کہ کہتے ہیں بہت سے پرندے اڑتے وقت اپنے سینے راستہ میں اکٹھے پرواز کرتے ہیں، سوائے ٹڈی دل کے، جو گروہ کی صورت میں اڑتے ہوئے بھی کوئی مشخص راستہ نہیں رکھتے، ان میں سے ہر ایک کسی دوسری ہی طرف اڑ رہا ہوتا ہے۔

پھر،
ہوگا، یا قیاس
اس
اس
جائیں گے۔ (ع)
اور
کے ذریعے ا
ہم
ساتھ ٹکرا کر رز
ادن سے تشبیہ
پھرنے کا آخر
مکن
رکھتا ہے۔
بہر حال
کی ہی بات ک
اس
کا ترازو کے
”وہ“
”یکہ“
”تو“
اور تو
”ایک“
”مو“
کے بعد معنوی
بعض
”ما“

پھر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حیرت و پرکندگی دوسرے گروانی اور وحشت و اضطراب جہان کے خاتمہ کے ہولناک حادثہ کی وجہ سے ہوگا، یا قیامت اور حشر و نشر کے آغاز کی وجہ سے۔

اس سوال کا جواب ہمارے اسی بیان سے جو ہم نے اُدپر بیان کیا ہے واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس دن کی ایک اور خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے : "اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُدن کے مانند ہو جائیں گے۔" (وتكون الجبال كالعهن المنفوش)۔

"عهن" (بروزن ذہن) رنگی ہوئی اُدن کے معنی میں ہے۔

اور "منفوش" "نفس" (بروزن نقش) کے مادہ سے اُدن کو پھیلانے کے معنی میں ہے۔ جو عام طور پر دھنکنے کے مخصوص آلات کے ذریعے اُدن کو دھنکنے سے انجام پاتی ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کی مختلف آیات کے مطابق قرب قیامت میں پہاڑ پہلے تو چلنے لگیں گے، پھر ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور انجام کار غبار کی صورت میں فضا میں اُڑنے لگیں گے۔ زیر بحث آیت میں ان کو رنگین اور دھنکی ہوئی اُدن سے تشبیہ دی گئی ہے، ایسی اُدن جو تیز آمدی کے ساتھ چلے اور اس کا صرف رنگ ہی رنگ نمایاں ہو، اور یہ پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر پھرنے کا آخری مرحلہ ہوگا۔

ممکن ہے یہ تعبیر پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرف اشارہ ہو کیونکہ رُوئے زمین کے پہاڑوں میں سے ہر ایک ایک خاص رنگ رکھتا ہے۔

بہر حال یہ جملہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُدپر والی آیات قیامت کے پہلے مرحلوں، یعنی اس جہان کی دیرانی اور اختتام کے مرحلہ کی ہی بات کرتی ہیں۔

اس کے بعد حشر و نشر، مردوں کے زندہ ہونے اور ان کی دو گروہوں میں تقسیم کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے : "پس جس شخص کا ترازوئے عمل وزنی ہوگا" (فاما من ثقلت موازينه)۔

"وہ ایک عمدہ اور پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔" (فهو في عيشة راضية)۔

"لیکن جس شخص کا ترازوئے اعمال ہلکا ہوگا" (واما من خفت موازينه)۔

"تو اس کی پناہ گاہ جہنم ہے۔" (فامه هاوية)۔

اور تو کیا جانے ہاویہ (دوزخ) کیا ہے؟ (وما ادراك ماهيه)۔

"ایک جلانے والی آگ ہے۔" (نار حامية)۔

"موازنین" میزان کی جمع ہے جو تولنے کے ایک آلہ کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ پہلے تو مادہ وزنیوں میں استعمال ہوتا رہا ہے اس

کے بعد معنوی موازن اور مقابلیں کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ اس دن انسان کے اعمال جسمانی اور قابل وزن موجودات کی صورت اختیار کر لیں گے اور واقعی طور پر انہیں اعمال کے

لجہ "ماہیہ" اصل میں "ماہی" تھا، پھر "ہاء سکت" کا اس سے الحاق ہوا۔

تولنے والے ترازوؤں کے ساتھ تولیں گے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ خود نامہ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ اگر اس میں کچھ اعمال صالحہ لکھے ہوئے ہیں تو وہ سنگین اور بھاری ہوگا ورنہ وہ ہلکا یا بے وزن ہوگا۔

لیکن ظاہراً ان توجہات کی ضرورت نہیں ہے۔ میزان یقینی طور پر ظاہری ترازو کے معنی میں نہیں ہے، جس میں مخصوص قسم کے پڑے ہوتے ہیں، بلکہ اس کا ہر قسم کے تولنے کے وسیلہ اور ذریعہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔

”ان امیر المؤمنین والائمة من ذریتہ (ع) هم الموازين“

”امیر المؤمنین اور وہ ائمہ جو آپ کی ذریت میں ہیں وہی تولنے کے ترازو ہیں۔“

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے میزان کے معنی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

”المیزان العدل“

”تولنے کی ترازو وہی عدل ہے۔“

اس طرح اولیاء اللہ یا قوانینِ عدل الہی ہی وہ ترازو ہیں جن کے سامنے انسانوں اور ان کے اعمال کو پیش کیا جاتا ہے اور جس قدر وہ ان کے ساتھ مشابہت اور مطابقت رکھتے ہیں وہی ان کا وزن ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ میزان کے ”ہلکا“ اور ”بھاری“ ہونے سے مراد خود تولنے کے ترازوؤں کی سنگینی و سبکی نہیں ہے، بلکہ ان چیزوں کا وزن ہے جن کو ان سے تولتے ہیں۔

ضمنی طور پر ”موازنین“ کی تعبیر جمع کی صورت میں اس بنا پر آئی ہے کہ اولیائے حق اور قوانینِ الہی میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ تولنے کی ایک میزان ہے۔ اس سے قطع نظر انسان کی صفات اور اعمال کا تنوع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر ایک کو ایک ترازو سے تولا جائے، اور تولنے کے نمونے اور ترازو مختلف ہوں۔

”راغب“ ”مفردات“ میں کہتا ہے: ”قرآن مجید میں میزان کبھی تو منفرد کی صورت میں آیا ہے اور کبھی جمع کی صورت میں، پہلی صورت میں اس کے لیے آیا ہے جو حساب کرتا ہے یعنی خدا کے کیتا، اور دوسری صورت میں ان کے لیے ہے جن کا حساب ہوگا۔

بعض مفتخرین نے یہ بھی کہا ہے کہ موازنین ”موزون“ کی جمع ہے، یعنی وہ عمل جس کا وزن کرتے ہیں۔ اس بنا پر موازنین کا ہلکا یا بھاری ہونا خود اعمال کے ہلکا اور بھاری ہونے کے معنی میں ہے، نہ کہ ترازوؤں کے ہلکا اور بھاری ہونے کے معنی میں۔

البتہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے، لیکن دو مختلف راستوں سے۔

اس سلسلہ میں ہم نے سورہ اعراف کی آیہ ۸، ۹ کے ذیل میں (جلد ۳ ص ۲۲) پر، اور اسی طرح سورہ کہف کی آیہ ۱۰۵ کے

۱۔ ”سجرات اللہ“ جلد ۴ ص ۲۵۱

۲۔ اس معنی کو ”زغشری“ نے ”کشاف“ میں اور ”فرازی“ نے ”تفسیر کبیر“ میں اور ”ابوالفتح رادی“ نے اپنی تفسیر میں ”موازنین“ کے معنی میں

دو احتمالات میں سے ایک احتمال کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

ذیل میں ()

”

سرسر سکون و

”مرضیۃ

اور

نوشنودی کے

آرام و سکون ا

فام

ایک ایسی پنا

والے گنہگار

بعض

پر آیت کا

ماہیہ ()

”ہا

کیونکہ گنہگار

اور ا

نظر آتی ہے۔

”حا

زیادہ حرارت

بہر جا

قیامت کا عذا

ایک

مین

اس

بعض

رضایہ

ذیل میں (جلد ۷ ص ۲۷) پر اور سورہ مومنوں کی آیہ ۱۰۲ کے ذیل میں (جلد ۸ ص ۸) پر زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔
 ”عیشۃ راضیۃ“ خوش و خرم زندگی کی تعبیر بہت ہی عمدہ اور ایک بلخ تعبیر ہے، جو قیامت میں اہل بہشت کی پُر نعمت اور سرسراہٹ کی آرام کی زندگی کے لیے بیان ہوئی ہے۔ یہ زندگی اتنی پسندیدہ اور رضایت بخش ہے گویا کہ وہ خود راضی ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ ”مرضیۃ“ کہا جائے، زیادہ سے زیادہ تاکید کے لیے ”اسم مفعول“ کی بجائے ”اسم فاعل“ استعمال ہوا ہے۔
 اور یہ عظیم امتیاز آخرت کی زندگی کے ساتھ ہی مخصوص ہے، کیونکہ دنیا کی زندگی چاہے جتنی بھی مرفہ، پُر نعمت، امن و امان اور رضایت و خوشنودی کے ساتھ ہو، پھر بھی ناخوشی اور ناپسندیدگی کے عوامل سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ صرف آخرت ہی کی زندگی ہے جو سرسراہٹ و خوشنودی آرام و سکون اور امنیت و دل جمعی کا سبب ہے۔

فامہ ہاویۃ کے جملہ میں ”ام“ کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ ”ام“ ماں کے معنی میں ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ ماں اولاد کے لیے ایک ایسی پناہ گاہ ہے جس کی طرف مشکلات میں پناہ لیتے ہیں اور اس کے پاس رہتے ہیں، اور یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ہلکے وزن والے گنہگار، دوزخ کے علاوہ اور کوئی جگہ پناہ لینے کے لیے نہ پائیں گے۔ اس شخص کے حال پر دائرے ہے جس کی پناہ گاہ دوزخ ہوگی۔
 بعض نے یہ بھی کیا ہے کہ یہاں ”ام“ کا معنی ”مغز“ (دماغ) ہے کیونکہ عرب سر کے مغز کو ”ام الرأس“ کہتے ہیں تو اس بنا پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ انہیں سر کے بل جہنم میں پھینکیں گے۔ لیکن یہ احتمال بعید نظر آتا ہے کیونکہ اس صورت میں بعد والی آیت ”وما ادراک ماہیہ“ (تو کیا جانے کہ وہ کیا ہے) کا مفہوم درست نہیں رہے گا۔
 ”ہاویۃ“ ”ہوی“ کے مادہ سے گرنے اور سقوط کرنے کے معنی میں ہے، اور وہ ”دوزخ“ کے ناموں میں سے ایک نام ہے کیونکہ گنہگار اس میں گریں گے اور یہ جہنم کی آگ کے علق اور گہرائی کی طرف بھی اشارہ ہے۔
 اور اگر ہم ”ام“ کو یہاں ”مغز“ کے معنی میں لیں، تو ”ہاویۃ“ کا معنی گرنے والی ہوگا، لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح اور زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

”حامیۃ“ ”حمی“ (بروزن نفی) کے مادہ سے شدت حرارت کے معنی میں ہے، اور ”حامیۃ“ یہاں جہنم کی آگ کی حد سے زیادہ حرارت اور جلانے کی طرف اشارہ ہے۔
 بہر حال یہ جملہ جو یہ کتاب ہے تو کیا جانے کہ ”ہاویۃ“ کیا ہے ”ہاویۃ“ جلانے والی آگ ہے۔ اس معنی پر ایک تاکید ہے کہ قیامت کا عذاب اور جہنم کی آگ تمام انسانوں کے تصور سے بالاتر ہے۔

ایک نکتہ

میزان اعمال کی سنگینی کے اسباب

اس میں شک نہیں کہ تمام نیک اور صالح اعمال کی قدر و قیمت یکساں نہیں ہے اور یہ آپس میں بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں،

بعض نے ”راضیۃ“ کو ”ذات رضا“ کے معنی میں سمجھا ہے، یا تقدیر میں کچھ فرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد اس زندگی والوں کی رضایت ہے، لیکن ان تین تفاسیر میں سے وہی تفسیر اُپر بیان ہوئی ہے جو سب سے زیادہ مناسب ہے۔

اور اسی وجہ سے مختلف اسلامی روایات میں کچھ اعمال خیر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اور ان کو ہی قیامت میں میزان عمل کے بھاری ہونے کے اسباب شمار کیا گیا ہے۔

منجملہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے لا الہ الا اللہ کی تفسیر میں فرمایا :
”یعنی بوجہ انیتہ لا یقبل الاعمال الا بها، وہی کلمۃ التقویٰ یشقل
اللہ بها الموازن یوم القيامة“

• لا الہ الا اللہ“ خدا کی وحدانیت کی طرف اشارہ ہے۔ اور کوئی عمل اس کے بغیر قبول نہیں ہوگا۔ یہ وہ کلمہ تقویٰ ہے جو عمل تو لے دے مگر ترازو کو قیامت میں سنگین اور وزنی بنائے گا۔

ایک اور حدیث میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے خدا کی وحدانیت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی شہادت کے بارے میں آیا ہے :

”خف میزان ترفعان منه و ثقل میزان توضعان فیہ“

”تو لے گا وہ ترازو جس سے شہادتین کو اٹھا لیا جائے وہ ہلکا ہو جائے گا، اور وہ ترازو

جس میں شہادتین کو رکھ دیا جائے وہ سنگین اور وزنی ہو جائے گا۔“

اور ایک اور دوسری حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”ما فی المیزان ثقیۃ الثقل من الصلوة علی محمد و آل محمد“

”میزان عمل میں کوئی چیز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد پر درود بھیجنے سے زیادہ سنگین نہیں“

اور روایت کے ذیل میں آیا ہے کہ قیامت میں کچھ لوگ میزان عمل کے نیچے کھڑے ہوں گے جن کے اعمال کا

پلڑا ہلکا ہوگا، پھر محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کو اس میں رکھ دیں گے تو وہ سنگین اور

وزنی ہو جائے گا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

”من کان ظاہرہ ارجح من باطنہ خف میزانہ“

”جس شخص کا ظاہر اس کے باطن سے بہتر ہوگا قیامت میں اس کا میزان عمل ہلکا

رہے گا۔“

ہم اس بحث کو سلمان فارسی کی ایک گفتگو پر ختم کرتے ہیں جو حقیقت میں وحی اور سنت کا خلاصہ ہے۔ اس حدیث میں آیا ہے

”نور الثقلین“ جلد ۵ ص ۶۵۹ حدیث ۱۲، ۸

”وہی مدرک حدیث“

”نور الثقلین“ ج ۵ ص ۶۶۰ حدیث ۱۳

خداوند

پروردگار

بار الہا

اپنے رحم و کرم کے

”نور الثقلین“

”کبھی شخص نے تحقیر کے طور پر سلمان فارسی سے کہا :
تُو کون ہے اور تیری حیثیت کیا ہے؟ تیری کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہے سلمانؑ“
نے جواب میں کہا :

”اما اولی و اولک فنطفة قذرة و اما اخرى و اخرک فجيفة
منتينة فاذا کان يوم القيامة ، ونصبت الموازين فمن ثقلت
موازينه فهو الکرم ومن خفت موازينه فهو اللئيم“ :
” لیکن ! میرے اور تیرے وجود کا آغاز تو ایک گندہ نطفہ سے ہوا ہے اور میرے اور
تیرے وجود کا اختتام ایک بدبودار مرداز سے ، اور جب قیامت کا دن ہوگا اور اعمال کے
ترتیب کے لیے ترازو نصب کیے جائیں گے تو جس شخص کے عمل کا ترازو سنگین اور بھاری ہوگا
وہ شریف و بزرگوار ہے ، اور جس کے عمل کا ترازو سبک اور ہلکا ہوگا وہ پست و ذلیل اور
کدینہ ہوگا۔“

خداوندا ! ہمارے عمل کے ترازو کو محمدؐ و آل محمدؑ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے ذریعے سنگین اور وزنی کر دے ۔
پروردگارا ! ”عیشة راضیة“ کا حصول تیرے لطف و کرم کے بغیر آسان نہیں ہے ۔ پس تو خود ہی اس راہ میں ہماری مدد فرما !
بارالہ ! تیری دوزخ کی آگ بہت ہی سخت جلانے والی ہے اور ہم میں اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے ۔ اسے
اپنے رحم و کرم کے پانی سے ہمارے لیے خاموش کر دے ۔

آمین یا رب العالمین
سورہ ”قارعة“ کا اختتام

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔
اس میں ۸ آیات ہیں۔

بہت۔
قابل قریش کے۔
لیکن۔
بیان ہوا ہے وہ یہ۔
صحیح نظر آتا ہے۔
اس سورہ۔
اس کے بعد قیامت۔
اس سورہ۔
اس کا

اور ایک۔
واضح ہو کہ
ل "مجمع السب"۔
ل "دہی مدر"۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ تَكَاثَّرُ کے مطالب اور اس کی فضیلت

بہت سے مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا ہے۔ اس بنا پر اس میں تفاعل کے بارے میں جو گفتگو آئی ہے وہ اصولی طور پر قبائلی قریش کے ساتھ مربوط ہے جو مہوم امور کی بنا پر ایک دوسرے پر فخر و مباہات کیا کرتے تھے۔

لیکن جیسا کہ مہوم طبری نے مجمع البیان میں لکھا ہے۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے اور اس میں تفاعل کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہودیوں یا انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں ہے، لیکن اس سُورہ کا مکی سُورہ توں سے زیادہ مشابہت رکھنے کی وجہ سے مکی ہونا زیادہ صحیح نظر آتا ہے۔

اس سُورہ کے مطالب میں مجموعی طور سے پہلے تو ایسے لوگوں کی جو مہوم مطالب کی بنیاد پر ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرتے تھے، سرزنش اور ملامت کے اس کے بعد قیامت و معاد اور جہنم کی آگ کے مسئلہ پر تنبیہ ہے اور آخر میں نعمتوں کے بارے میں سوال اور باز پرس کے مسئلہ میں تنبیہ کی گئی ہے۔ اس سُورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

اس کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

"وَمَنْ قَرَأَهَا لَمْ يَجَسِبْهُ اللَّهُ بِالْغَيْمِ الَّذِي أَنْفَعَهُ عَلَيْهِ فِي دَارِ الدُّنْيَا وَ
أَعْطَى مِنْ الْأَجْرِ كَمَا قَرَأَ الْفَاتِيحَةَ"

"جو شخص اس کو پڑھے گا تو خدا اس سے ان نعمتوں کا حساب نہیں لے گا جو اس نے اسے دُنیا

میں دی ہیں اور اسے اس قدر اجر و ثواب عطا کرے گا گویا کہ اس نے قرآن کی ہزار آیتوں کی تلاوت کی ہے۔"

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے کہ اس سورہ کا واجب اور غیب نمازیں پڑھنا شہداء کی شہادت کا ثواب رکھتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ سب ثواب ان لوگوں کے لیے ہیں جو اسے پڑھیں اور اسے اپنی زندگی کا پروگرام بنائیں اور دل جان سے اپنے آپ کو اس کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۴۔

۵۔

۱۔ اَلْهٰكُمْ التَّكَثُّرُ ۝

۶۔

۷۔

۸۔

۲۔ حَتّٰی زُرْتُمْ الْمَقَابِرَ ۝

۳۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

۴۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

۵۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عَلَٰمَ الْيَقِیْنِ ۝

۶۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۝

۷۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ۝

۸۔ ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

۱۔ تفاخر و تکاثر نے تمہیں اپنے حال میں مشغول رکھا۔ (اور اس نے تمہیں خدا سے غافل کر

۲۔ یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کے لیے گئے۔ (اور تم نے اپنے مردوں کی قبریں شمار کر

۳۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم نے خیال کر لیا ہے، تم جلدی ہی (اصل حقیقت کو) جان لو گے

شمار

جیسا کہ

پر فخر و مباحات

کرتے تھے، یہ

کرتے تھے۔

البشر بعد

انصار پیغمبر کے

لیکن یہ

تفسیر

تکاثر

ان آیات

نے تمہیں خدا

یہاں تک

نرسوا المق

- ۴۔ ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا کہ تمہارا خیال ہے، یہ جلد ہی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔
- ۵۔ اس طرح نہیں ہے جس طرح تم خیال کرتے ہو، اگر تم آخرت کا علم یقین رکھتے ہو تو (تو ان موہومات اور فخر و مباہات کے پیچھے نہ لگتے)۔
- ۶۔ تم یقیناً جہنم کو دیکھو گے۔
- ۷۔ پھر (اس میں وارد ہو کر) اس کو عین یقین کے ساتھ مشاہدہ کرو گے۔
- ۸۔ پھر اس دن تم سب سے ان نعمتوں کے بارے میں جو تمہیں دی گئی تھیں، سوال کیا جائے گا۔

شان نزول

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سورہ ان قبائل کے بارے میں نازل ہوا ہے جو ایک دوسرے پر فخر و مباہات کیا کرتے تھے اور اپنی جمیعت، افراد کی کثرت یا مال و دولت کی زیادتی کے باعث ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے، یہاں تک کہ اپنے قبیلہ کے افراد کی تعداد کو بڑھانے کے لیے قبرستان میں جاتے تھے اور ہر قبیلہ کی قبریں شمار کرتے تھے۔

البتہ بعض مفسرین تو اس کو مکہ میں قریش کے دو قبیلوں کے بارے میں سمجھتے ہیں، اور بعض مدینہ میں انصار پیغمبر کے بارے میں اور بعض یہودیوں کے دوسرے لوگوں پر فخر کرنے کے بارے میں۔ اگرچہ اس کا مکمل ہونا صحیح نظر آتا ہے لیکن یہ امر یقینی ہے کہ شان نزول چاہے جو کچھ بھی ہو آیت کے مفہوم کو ہرگز محدود نہیں کرتی۔

تفسیر

تکاثر و تفاخر کی مصیبت

ان آیات میں پہلے ملامت بھرے لہجہ میں فرماتا ہے: "تفاخر اور ایک دوسرے پر کثرت رکھنے کے خیال نے تمہیں خدا اور قیامت سے غافل کر کے اپنی طرف مشغول کر دیا ہے۔" (الہاکم التکاثر)۔

"یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت اور دیدار کے لیے بھی گئے اور تم نے اپنے مردوں کی قبروں کو شمار کیا" (حقیقی نذر والمقابر)۔

آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ "تکاثر" اور "تفاخر" نے انہیں اس طرح سے اپنی طرف مشغول کر لیا ہے کہ وہ قبروں میں وارد ہونے کے لمحہ تک جاری و ساری ہے۔
لیکن پہلا معنی "زرتھو المقابر" کی تعبیر، اور اسی طرح شان نزول اور نبج البلاغہ کے خطبہ کے ساتھ، جس کی طرف انشاء اللہ بعد میں اشارہ ہو گا، زیادہ سازگار ہے۔

"الهاکم" "لھو" کے مادہ سے، چھوٹے چھوٹے کاموں میں مشغول ہو جانا، اور اہم مقاصد اور کاموں سے غافل رہنے کے معنی میں ہے۔ "راغب" "مفردات" میں کہتا ہے "لھو" اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اپنی طرف مشغول رکھتے ہوئے اس کے اہداف و مقاصد سے اسے باز رکھتی ہے۔

"تکاثر" "کثرت" کے مادہ سے، تفاخر اور مباهات اور ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلانے کے معنی میں ہے۔ "زرتھو" "زیارۃ" اور "زور" (بروزن قول) کے مادہ سے اصل میں سینہ کے اوپر والے حصہ کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد ملاقات کرنے اور زور دہرے ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اور "زور" (بروزن قول) سینہ کے اوپر والے حصہ کے ٹیڑھا ہو جانے کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ جھوٹ ایک قسم کا حق سے انحراف ہے اس لیے اس پر "زور" (بروزن نور) کا اطلاق ہوتا ہے۔

"مقابر" "مقبرة" کی جمع ہے جو میت کی قبر کی جگہ کے معنی میں ہے اور یہاں قبروں کی زیارت کرنا یا تو (بعض تفاسیر کے مطابق) موت سے کنایہ ہے یا شمار کرنے اور فخر و مباهات کرنے کے لیے قبروں کے پاس جانے کے معنی میں ہے۔ (جو اس کی مشہور تفسیر کے مطابق ہے)۔

اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے دوسرا معنی زیادہ صحیح نظر آتا ہے اور اس کے شواہد میں سے ایک امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا وہ کلام ہے جو اس سلسلہ میں نبج البلاغہ میں آیا ہے، جو آپ نے "الهاکم التکاثر حتی زرتھو المقابر" کے بعد فرمایا ہے :

"یا لہ مراماً ما ابعدہ ؟ وزوراً ما اغفلہ ؟ وخطراً ما افضلہ ؟ لقد استخلوا منھوای مدکر و تناوشوھم من مکان بعید اقبصاع ابائھم یفخرون ؟ ام بعدید الھلکی یتکاثرون ؟ یرتجعون منھم اجماداً خوت، وحرکات سکنت، ولان یکونوا عبداً الحق من ان یکونوا مفتخراً !" :

"تعجب ہے وہ مقصد سے کتنے زیادہ دُور ہیں اور کیسے غافل زیارت کر لے والے ہیں ؟ اور کیسا موہوم اور رُسوا کرنے والا

لے فارسی کے روز مرہ کے استعمالات میں "تکاثر" دولت جمع کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، حالانکہ یہ معنی لغت کی اصل کے سے نہیں ہے۔ لیکن بعض روایات میں جن کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے، اس قسم کا استعمال ہوا ہے۔

یہ خط
الی الحدید مستزاد
لے کر آج تک
پیدا ہوئی ہے
ہوا، کہ میں اس
سامنے یہ بار
اس
اور ان کی باتوں
یہ تازہ
کے یقین دا
ابن

افتخار ہے؛ ایسے افراد کی بوسیدہ ہڈیوں کی یاد میں بڑے ہوئے ہیں جو سالہا سال سے مٹی ہو چکے ہیں اور وہ یاد بھی کیسی؟ اتنے دور دراز کے فاصلہ پر ایسے لوگوں کی یاد میں پڑے ہیں جو ان کی حالت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ کیا وہ اپنے آباد اجداد کی نابودی کی جگہ پر فخر کرتے ہیں یا اپنے مردوں اور معدومین کی تعداد کو شمار کر کے خود کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔ وہ ایسے جسموں کی بازگشت کے خواہاں ہیں جن کا تار و پود بکھر چکا ہے اور جن کی حرکتیں ختم ہو چکی ہیں۔ یہ بوسیدہ جسم اگر عبرت کا باعث ہوں تو وہ اس سے زیادہ سزاوار ہیں کہ موجب افتخار ہوں۔

یہ خطبہ جس کے صرف ایک حصہ کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اس قدر بلا دینے والا گویا و صریح ہے کہ "ابن ابی الحدید معتزلی" کہتا ہے کہ: میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کی تمام امتیں قسم کھاتی ہیں کہ میں نے پچھلے پچاس سال سے لے کر آج تک اس خطبہ کو ایک ہزار بار پڑھا ہے۔ اور ہر بار میرے دل میں ایک نیا لرزہ و خوف اور ایک نئی پند و نصیحت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس نے میری روح کے اندر ایک شدید اثر چھوڑا ہے۔ اور میرے اعضاء و جوارح لرزے لگتے اور کبھی الیا میں ہوا کہ میں اس میں غور و فکر کروں اور اس حال میں اپنے خاندان، عزیزوں اور دوستوں کی موت کو یاد نہ کروں۔ اور قیامت میرے سامنے یہ بات مجسم ہو جاتی تھی کہ میں وہی ہوں جس کی امام نے وضاحت کی ہے۔ اس سلسلے میں کتنے ہی واعظوں، خطباء، سخن وروں اور فصیح افراد نے گفتگو کی ہے۔ اور میں نے انہیں کمال کی بنا ہے اور ان کی باتوں میں غور و فکر کیا ہے۔ کسی ایک میں بھی میں نے کلام امامؑ والی تاثیر نہیں پائی۔ یہ تاثیر جو ان کا کلام میرے دل میں چھوڑتا ہے، یا تو اس کا سرچشمہ وہ ایمان ہے جو اس کا کہنے والا رکھتا ہے یا اس کے یقین و اخلاص والی نیت اس بات کا سبب بن گئی ہے کہ وہ اس طرح اراج میں خود کرے اور دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔ "ابن ابی الحدید" اپنی گفتگو کے ایک اور حصہ میں کہتا ہے:

"ینبغی لواجتمع فصحاء العرب قاطبة فی مجلس وتلی علیہم ان یسجدوا لہ!"

"یہ خطبہ اس لائق ہے کہ اگر فصحاء عرب سب کے سب کسی مجلس میں جمع ہوں اور یہ خطبہ ان کے سامنے پڑھا جائے تو وہ اس کے سامنے سجد کریں اور اسی مقام پر امیر المؤمنین علیؑ علیہ السلام کی فصاحت کے بارے میں عادیہ کی گفتگو کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ اس کے سبب "واللہ ما سن الفصاحة لقریش غیرہ" خدا کی قسم قریش کے لیے علیؑ کے سوا کسی نے فصاحت و بلاغت کی بنیاد نہیں رکھی۔

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۱

۲۔ "شرح نہج البلاغہ" ابن ابی الحدید "جلد ۱" ص ۱۵۳

بعد والی آیت میں ان لوگوں کو اس بات کے ساتھ سختی سے تہدید کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم گمان کرتے ہو، اور تم اس کے ذریعے ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرتے ہو۔ تم عنقریب اپنے اس موبہم تفاخر کا نتیجہ دیکھ لو گے۔" (کلاسوف تعلمون)۔

پھر دوبارہ مزید تاکید کے لیے کہتا ہے: "پھر بھی اس طرح نہیں ہے جس طرح تم خیال کرتے ہو۔ عنقریب تم جان لو گے۔" (ثو کلاسوف تعلمون)۔

مفسرین کی ایک جماعت نے ان دونوں آیتوں کو ایک ہی مطلب کی تکرار اور تاکید سمجھا ہے اور یہ دونوں ہی سربراہ طرہ اُن غفلتوں کی خبر دیتی ہیں، جو ان متعاصر مسکین کے انتظار میں ہے۔

جب کہ بعض دوسروں نے پہلی آیت کو عذاب قبر اور عذاب برزخ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جس سے انسان موت کے بعد روبرو ہوگا اور دوسری کو عذاب قیامت کی طرف۔

ایک حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"مازلنا تشک فی عذاب القبر حتی نزلت الہاکم التکاثر، الی قولہ کلاسوف تعلمون، یرید فی القبر، ثو کلاسوف تعلمون بعد البعث۔"

"ہم میں سے ایک گروہ ہمیشہ عذاب قبر کے بارے میں شک کیا کرتا تھا یہاں تک کہ سورہ "الہاکم التکاثر" نازل ہوئی، یہاں تک کہ فرماتا ہے: "کلاسوف تعلمون" اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے: "ثو کلاسوف تعلمون" اس سے مراد قیامت کا عذاب ہے۔"

تفسیر کبیر فخر رازی میں یہ مطلب علی علیہ السلام کے ایک صحابی "زر بن جہش" سے نقل ہوا ہے۔ جو کہتا ہے کہ "ہم عذاب قبر کے بارے میں شک کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم نے علی علیہ السلام سے آپؑ فرماتے ہیں؟

"یہ آیت عذاب قبر پر دلیل ہے۔"

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم ایک دوسرے پر فخر کرنے والے خیال کرتے ہو۔ اگر تمہارا پر ایمان ہوتا اور علم یقین کے ساتھ اُسے جان لیتے، تو ہرگز ایسا کام نہ کرتے اور ان باطل مسائل پر فخر و مباہات نہ کرتے۔" (کلا لو تعلمون علم الیقین)۔

۱۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۴

۲۔ "تفسیر فخر رازی" جلد ۲۲ ص ۷۸

۳۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر لفظ "کلا" تاکید کے لیے ہوتا ہے اور "حقاً" کے معنی میں ہوتا ہے، یہ بات طبری نے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "العرب تو کذب کلا وحقاً" عرب لفظ کلا اور حق سے تاکید کرتے ہیں۔

پھر دو

"پھر

"پھر"

اس دا

سے تم نے خ

کیا ہے؟

چند

۱۔ ثقافہ

اوپر والی آ

جزا و سزا کے بار

اس کے

تفاخر کے عوامل ہیں

آیات میں بیان کر

کس طرح سے نابو

ہواؤں سے

برسنے سے، خلا

نالود ہو گئے۔

ان حالات

اس بات سے

اپنی شکستوں کی پردہ پر

لہذا جب و

۱۔ "اصول کافی"

پھر دوبارہ تاکید اور مزید ڈرانے کے لیے اضافہ کرتا ہے : تم یقینی طور پر جہنم کو دیکھو گے۔ (لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ)۔
 ” پھر اس میں داخل ہو کر عین الیقین کے ساتھ اس کا مشاہدہ کرو گے۔ (ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ)۔
 ” پھر اس دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جو تمہیں دی گئی تھیں سوال کیا جائے گا۔ (ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ النَّعِيمَ)۔
 اس دن تمہیں اس بات کی وضاحت کرنی پڑے گی کہ تم نے ان خداوندی نعمتوں کو کس طریقہ سے صرف کیا ہے ؟ اور ان سے تم نے خدا کی اطاعت کے لیے مدد لی ہے یا اس کی معصیت کے لیے ، یا ان نعمتوں کو ضائع کر کے ہرگز ان کا حق ادا نہیں کیا ہے ؟

چند نکات

۱۔ تفاخر کا سرچشمہ

اوپر والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تفاخر اور ایک دوسرے پر فخر و مباحات کرنے کے عوامل اصل میں ایک دوسری چیز اور سزا کے بارے میں جہالت و نادانی اور معاد کے بارے میں ایمان کا نہ ہونا ہے۔

اس کے علاوہ انسان کا اپنی پیدائش کے آغاز سے لے کر انجام تک ، اپنی کمزوریوں اور مصیبتوں سے بے خبر رہنا بھی کبر و غرور اور تفاخر کے عوامل میں سے ایک عامل ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید اس تفاخر و تکاثر کو توڑنے کے لیے گزشتہ اقوام کی سرگزشت کو مختلف آیات میں بیان کرتا ہے کہ یہ قومیں اتنے امکانات اور فراوان قدرت رکھنے کے باوجود اتنے سادہ اور عام قسم کے وسائل کے ذریعے کس طرح سے نابود ہو گئیں۔

ہواؤں کے چلنے سے آسمانی بجلی (صاعقہ) کے گرنے سے ، زمین کے ایک زلزلہ سے ، حد سے زیادہ بارش کے برسنے سے ، خلاصہ یہ ہے کہ پانی ، ہوا اور مٹی سے اور بعض اوقات ” سبیل “ (کنکریوں) اور چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے بالاد ہو گئے۔

ان حالات میں یہ سب تفاخر و غرور کس لیے ہے ؟

اس بات کے لیے دوسرا عامل وہی ضعف و حقارت کا احساس ہے جو ناکامیوں اور شکستوں سے پیدا ہوتا ہے کہ کچھ افراد اپنی شکستوں کی پردہ پوشی کے لیے تفاخر و مباحات کی پناہ لیتے ہیں۔ اسی لیے ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

” مامن رجل تكبر او تجبر الا لذلّة وجدها في نفسه “

” کوئی شخص تکبر اور فخر و مباحات نہیں کرتا مگر اس ذلت کی وجہ سے جسے وہ اپنے

نفس کے اندر پاتا ہے۔ “

لہذا جب وہ یہ احساس کرتا ہے کہ وہ حد کمال کو پہنچ گیا ہے ، تو پھر وہ تفاخر کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

”ثلاثة من عمل الجاهلية، الفخر بالانساب، والطعن في الاحساب والاستسقاء بالانواء“

”تین چیزیں ایسی ہیں جو زمانہ جاہلیت کے عمل میں سے ہیں، نسب پر فخر کرنا، لوگوں کی شخصیت اور خاندانی شرافت میں طعن کرنا اور بتاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا۔“

ایک اور حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :

”اهلك الناس اثنان : خوف الفقر و طلب الفخر“

”دو چیزوں نے لوگوں کو ہلاک کیا : فقر و فاقہ کا خوف (جو انسان کو ہر طریقہ اور ہر ذریعہ سے مال جمع کرنے پر ابھارتا ہے) اور ایک دوسرے پر فخر کرنا۔“

اور حقیقتاً حرص، بخل، دنیا پرستی اور تباہ کرنے والی رقابتیں اور بہت سے اجتماعی مفاسد کے اہم ترین عوامل میں سے ایک یہی فقر و فاقہ کا بلا و جبر خوف اور افراد و قبائل اور امتوں کے درمیان ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرنا اور برتری کا اظہار کرنا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”ما اخشى عليكم الفقر، ولكن اخشى عليكم التكاثر“

”میں تم پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا، لیکن میں تمہارے تنکثر و تفاخر سے ڈرتا ہوں۔“

”تکاثر“ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے اصل میں تفاخر کے معنی میں ہے، لیکن بعض اوقات یہ زیادہ طلب اور مال جمع کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”التكاثر، (فی) الاموال جمعها من غير حقها، ومنعها من حقها، وشدها في الاوعية“

”تکاثر، غیر شرعی طریقہ سے مال جمع کرنا، اور اس کا حق ادا نہ کرنا اور اسے صندوقوں

اور خزانوں میں جمع کرنا ہے۔“

ہم اس وسیع بحث کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پُر معنی حدیث پر ختم کرتے ہیں، جو آپ نے ”الھاکم التكاثر“ کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے :

”يقول ابن آدم مالي مالي، ومالك من مالك الا ما اكلت فافنيت او“

۱۔ ”بخاری الاثر“ جلد ۳ ص ۲۹۱

۲۔ ”بخاری الاثر“ جلد ۳ ص ۲۹۰ حدیث ۱۲

۳۔ ”الدر المنثور“ جلد ۶ ص ۳۸۷

۴۔ ”نور المشتلین“ جلد ۵ ص ۶۶۲ حدیث ۸

اور یہ
حرام ہونے
میں خرچ کرنا
نہ ہونے کے

۲۔ یقین

”یقین“
کے معنی میں آ
امام محمد باقر علیہ السلام

درج بالا ترجمہ ہے۔

راوی :-

مقام تقویٰ
ایک دو

۱۔ ”صحیح مسلم“

۲۔ ”بخاری الاثر“

۳۔ ”بخاری الاثر“

لبت قابلیت او تصدقت فامضیت ۔

”انسان کتا ہے : میرا مال ، میرا مال ، حالانکہ تیرا مال تو صرف وہ غذا ہے جو تو کھاتا ہے وہ لباس جو تو پہنتا ہے اور وہ صدقات ہیں جو تو راہِ خدا میں دیتا ہے ۔“

اور یہ ایک بہت ہی عمدہ نکتہ ہے کہ اس فراوان مال میں سے ہر شخص کا حصہ ، جسے وہ جمع کرتا ہے ، اور اس کے حلال و حرام ہونے کے بارے میں کبھی تھوڑی سی دیر کے لیے بھی غور و فکر نہیں کرتا ، اس تھوڑے سے کھانے پینے ، پہننے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے ، اور ہم جانتے ہیں کہ وہ جو کچھ اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے وہ بہت ہی کم ، حقیر اور نہ ہونے کے برابر ہے ۔ اور کیا ہی اچھا ہو کہ وہ راہِ خدا میں خرچ کرنے میں اپنا حصہ زیادہ کرے ۔

۲۔ یقین اور اس کے مراحل

”یقین“ ”شک“ کا نقطہ مقابل ہے ، جیسا کہ علم ، جہالت کا نقطہ مقابل ہے ، اور کسی چیز کے واضح اور ثابت ہونے کے معنی میں آیا ہے ۔ اور اختیار و روایات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کے مطابق ایمان کے اعلیٰ مرحلہ کو یقین کہا جاتا ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا :

”ایمان اسلام سے ایک درجہ بالاتر ہے ، اور تقویٰ ایمان سے ایک درجہ بالاتر ہے اور یقین تقویٰ سے ایک درجہ بالاتر ہے ۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا :

”ولم یقسم بین الناس شیء اقل من الیقین“

”لوگوں میں یقین سے کمتر کوئی چیز تقسیم نہیں ہوئی ہے“

راوی نے سوال کیا : یقین کیا ہے ؟ امامؑ نے فرمایا :

”التوکل علی اللہ ، والتسليم لله ، والرضا بقضاء الله ، والتفویض الى الله“

”یقین کی حقیقت اللہ پر توکل کرنا ، اللہ کی پاک ذات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ،

قضاے الہی پر راضی رہنا اور اپنے تمام کاموں کو خدا کے سپرد کر دینا ہے ۔“

مقامِ تقویٰ و ایمان و اسلام سے مقامِ یقین کی بڑی ایک ایسی چیز ہے جس پر دوسری روایات میں بھی تاکید ہوئی ہے ۔

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”من صحۃ یقین المؤمن ان لا یرضی الناس بسخط الله . ولا

یلومهم علی ما لولئوتہ الله ان الله بعدله وقسطه جعل الروح

لہ ”صحیح مسلم“ (مطابق نقل مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۵۲۴)

لہ ”بحار انوار“ جلد ۴۰ ص ۱۳۸ حدیث ۴

لہ ”بحار الانوار“ جلد ۴۰ ص ۱۳۵ - ۱۳۴

والراحة في اليقين والرضا وجعل الصبر والحزن في الشب والسخط :
 ”مرد مسلمان کے یقین کے صحیح ہونے کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ خدا کو ناراض
 کر کے لوگوں کو راضی نہ کرے۔ اور جو کچھ خدا نے اُسے نہیں دیا اس پر لوگوں کو
 ملامت نہ کرے۔ (انہیں اپنی محرومیوں کا ذمہ دار نہ ٹھہرائے) خدا نے اپنے عدل و
 انصاف کی بنا پر راحت و آرام، یقین و رضا میں رکھا ہے، اور غم و اندوہ کو شک
 اور ناراضی میں قرار دیا ہے!“

ان تعبیرات اور دوسری تعبیروں سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جب انسان یقین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تو
 ایک خاص قسم کا سکون و آرام اس کے سارے دل و جان میں سرایت کر جاتا ہے۔
 لیکن اس کے باوجود یقین کے لیے کئی مراتب ہیں جن کی طرف اوپر والی آیات اور سورہ واقعہ کی آیہ (ان هذا الصو
 حق المیتین) میں اشارہ ہوا ہے، اور وہ تین مرحلہ ہیں۔
 ۱۔ علم الیقین : یہ ہے کہ انسان مختلف دلائل سے کسی چیز پر ایمان لائے، اس شخص کے مانند جو دھویں
 کو دیکھ کر آگ کے ہونے پر ایمان لے آتا ہے۔
 ۲۔ عین الیقین : اس مقام پر حاصل ہوتا ہے جب انسان مشاہدہ کے مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے، اور اپنی آنکھ
 سے مثلاً کسی آگ کو دیکھ لے۔
 ۳۔ حق الیقین : اور وہ اس شخص کے مانند ہے جو آگ میں داخل ہو جائے، اور اس کی سوزش اور حرارت
 کو لمس کرے، اور یہ یقین کا بالا ترین مرحلہ ہے۔
 محقق طوسی اپنی ایک گفتگو میں کہتے ہیں: ”یقین“ وہی پختہ، اور ثابت اعتقاد ہے، جس کا زوال ممکن نہیں ہے
 اور حقیقت میں وہ دو علموں سے مرکب ہے۔ ایک معلوم کے متعلق علم، اور دوسرا یہ علم کہ اس علم کے خلاف محال ہے
 اور اس کے کئی مراتب ہیں۔ ”علم الیقین“ و ”عین الیقین“ و ”حق الیقین“۔
 حقیقت میں پہلا مرحلہ عمومی پہلو رکھتا ہے اور دوسرا مرحلہ پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ اور تیسرا مرحلہ خواص اور مقربین کے
 ساتھ مخصوص ہے۔

اسی سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں صحابہ نے عرض کیا: ہم نے سنا
 کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعض اصحاب پانی پر چلتے تھے؟ آپ نے فرمایا:
 ”لو كان يقينه اشد من ذلك لمشي على الهواء“
 ”اگر اس کا یقین اس سے زیادہ پختہ اور محکم ہوتا تو وہ ہوا پر چلتا!“

۱۔ ”بجاء الانوار“ جلد ۴۰ ص ۱۴۳

۲۔ ”مطابق نقل بجاء الانوار“ جلد ۴۰ ص ۱۴۳

مرحوم "علامہ طباطبائی" اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد مزید کہتے ہیں : تمام چیزیں مخلوق سبحان پر یقین اور عالم تکوین کے اسباب کی تاثیر کے استقلال کو محو کرنے کے محور کے گرد گھومتی ہیں، اس بنا پر انسان کا قدرت مطلقہ الہیہ پر اعتقاد ایمان جتنا زیادہ ہوگا، اشیاء عالم اسی نسبت سے اُس کے سامنے مطیع و منقاد ہو جائیں گی۔
اور عالم آفرینش میں یقین اور خارق العادت تصرف کے رابطہ کی یہی رمز ہے۔

۳۔ سب لوگ دوزخ کا مشاہدہ کریں گے

"لترون الجحیم" کے جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ پہلی یہ کہ اس سے مراد آخرت میں دوزخ کا مشاہدہ کرنا ہے جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یا یہ تمام جن والنس کے لیے عام ہے، کیونکہ قرآن کی بعض آیات کے مطابق سب کو ہی جہنم کے پاس سے گزرنا پڑے گا۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد اسی عالم دنیا میں شہود قلبی ہے، اور اس صورت میں یہ جملہ تفسیر شرطیہ کا جواب ہے، فرماتا ہے : "اگر تم "علم الیقین" رکھتے ہو تو "جہنم" کو اسی عالم میں دل کی آنکھ سے مشاہدہ کر لیتے" کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بہشت دوزخ اب بھی خلق شدہ موجود ہیں، اور وجود خارجی رکھتی ہیں۔
لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ پہلی تفسیر بعد والی آیات کے ساتھ، جو روز قیامت کی بات کر رہی ہیں، زیادہ مناسب ہے۔ اس بنا پر یہ ایک قطعی اور غیر مشروط قضیہ ہے۔

۴۔ قیامت میں کون سی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا ؟

اس سورہ کی آخری آیت میں آیا ہے کہ یقینی طور پر تم سب سے قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس نعمت سے مراد "سلامتی" اور "فرغتِ خاطر" ہے، اور بعض اسے "تندرستی" اور "امن و امان" سمجھتے ہیں، اور بعض نے تمام ہی نعمتوں کو اس آیت کا مشمول سمجھا ہے۔
ایک حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :

"النعیم الرطب، والماء البارد :

"نعیم سے مراد تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے۔"

جب کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "ابو حنیفہ" نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا تو امام علیہ السلام نے اس کے سوال کو اسی کی طرف پلٹا کر فرمایا : تیرے نظریہ کے مطابق نعیم سے کیا مراد ہے ؟
اس نے عرض کیا : غذا ہے اور کھانا اور ٹھنڈا پانی ہے۔ آپ نے فرمایا : اگر خدا قیامت کے دن تجھے اپنی بارگاہ میں اس لیے کھڑا کرے کہ وہ ہر اس نعمت کا جو تو نے کھایا ہے، اور ہر اُس گھونٹ کا جو تو نے پییا ہے، تجھ سے سوال کرے، پھر تو تجھے

وہاں بہت زیادہ دیر تک ٹھہرنا پڑے گا! اس نے عرض کیا: پھر نعیم کیا ہے؟
 آپ نے فرمایا: وہ ہم اہل بیت ہیں کہ خدا نے ہمارے وجود کے ذریعے اپنے بندوں کو نعمت عطا کی ہے۔ اور ان کے
 درمیان اختلاف کے بعد اُلفت بخشی ہے، ان کے دلوں کو ہماری وجہ سے آپس میں جوڑ دیا ہے اور انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا
 جب کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور ہمارے ہی ذریعے سے انہیں اسلام کی طرف ہدایت کی ہے۔۔۔۔۔ ہاں! نعیم
 پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت ہی ہیں۔

ان روایات کی تفسیر، جو ظاہر مختلف ہیں، جو تمام مواہب الہی کو، چاہے وہ معنوی ہوں جیسے دین، ایمان، اسلام و قرآن
 اور ولایت یا انواع و اقسام کی انفرادی و اجتماعی نعمتیں ہوں، ان سب کو شامل ہے۔

البتہ جو نعمتیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں، مثلاً نعمت ”ایمان و ولایت“ تو ان کے بارے میں زیادہ سوال ہوگا کہ ان کا حق ادا ہوا ہے
 یا نہیں؟ اور ظاہر وہ روایات جو اس آیت کے مادی نعمتوں کے شمول کی نفی کرتی ہیں وہ اس معنی میں ہیں کہ تمہیں اہم تر مصادیق کو
 چھوڑ کر بہت ہی چھوٹے مصادیق کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ اور حقیقت میں یہ لوگوں کو خدائی نعمتوں اور مواہب کے مراتب کے سلسلے
 میں ایک تنبیہ ہے کہ ان کے لیے ان سے بہت ہی سخت قسم کی باز پرس ہوگی۔

اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ان نعمتوں کے بارے میں سوال نہ ہو حالانکہ یہ بہت ہی بڑے سرمائے ہیں جو نوع بشر کے اختیار میں
 دیے گئے ہیں۔ اور انہیں ان میں سے ہر ایک کی بڑی باریکی کے ساتھ قدر دانی کرنی چاہیے اور ان کا شکر بجالانا چاہیے۔ اور انہیں ان
 کے صحیح موارد میں صرف کرنا چاہیے۔

خداوند! تو اپنی بے انتہا نعمتوں کو، خصوصاً ایمان و ولایت کی نعمت کو ہمیشہ ہمیشہ ہم پر جاری رکھ۔

پروردگارا! ہمیں ان تمام نعمتوں کے حق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرما۔

بارِ الہا! ہم پر ان عظیم نعمتوں میں اضافہ کرتا رہ، اور انہیں ہرگز ہم سے سلب نہ کرنا۔

آمین یا رب العالمین

سورہ تکوین کا اختتام

اختتام ترجمہ

۱۱ منٹ کم ایک بجے شب

۲۶ رمضان ۱۴۰۸ھ

برمکان حقیر قم مقدس ایران

سُورَةُ الْعَصْرِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۳ آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqim.net

سُورَةُ وَالْعَصْرِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے اگرچہ بعض نے مدنی ہونے کا احتمال بھی ظاہر کیا ہے لیکن سورہ کی آیات کے چھوٹے چھوٹے مقاطع اور اس کا لب و لہجہ اس کے مکی ہونے کا شاہد ہے۔

بہر حال اس سورہ کی جامعیت اس حد تک ہے کہ بعض مفسرین کے قول کے مطابق قرآن کے تمام علوم و مقاصد کا خلاصہ اس سورہ میں موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس سورہ نے مختصر ہونے کے باوجود انسان کی سعادت و خوش بختی کا ایک مکمل اور جامع پروگرام پیش کیا۔ سب سے پہلے ”عصر“ کی معنی خیز قسم سے شروع ہوتا ہے، جس کی تفسیر عنقریب پیش کی جائے گی۔ اس کے بعد تمام انسانوں کے زیاں کار اور خسارے میں ہونے کی گفتگو ہے جو تدریجی زندگی کی فطرت میں پوشیدہ ہے۔ اس کے بعد صرف ایک گروہ کو اس اصل کلی سے جدا کرتا ہے، جو ذیل کی چار خصوصیات والے پروگرام کے حامل ہیں :

۱۔ ایمان ۔ ۲۔ عمل صالح ۔ ۳۔ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنے والے۔

۴۔ ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنے والے اور حقیقتاً یہ چار اصول اسلام کے اعتقادی و عملی اور اخلاقی و اجتماعی پروگراموں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں آیا ہے :

”من قرأ ”والعصر“ فی نوافلہ بعثہ اللہ یوم القیامۃ مشرقاً وجہہ ضاحکاً سنۃ قریرۃ عینہ حتی یدخل الجنة“

”جو شخص سورہ ”والعصر“ کو نوافل نمازوں میں پڑھے گا، خدا اُسے قیامت کے دن اس حالت میں اُٹھائے گا

کہ اس کا چہرہ نورانی، لب خنداں، اور اس کی آنکھ خدا کی نعمتوں سے روشن اور ٹھنڈی ہوگی یہاں تک کہ

وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ یہ سب ازاد و افتخار اور سرور و شادمانی اس شخص کے لیے ہے جو اپنی زندگی میں ان چار اصولوں پر عمل کر گیا، نہ کہ فیروزانہ پر

۱۔ ”تفسیر مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۴۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ وَالْعَصْرِ ۝
- ۲۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝
- ۳۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ قسم ہے عصر کی ۔
- ۲۔ کہ سب انسان خسارے میں ہیں ۔
- ۳۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمالِ صالح انجام دیے ہیں، ایک دوسرے کو حق کی وصیت و نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر و استقامت کی وصیت کی ۔

تفسیر

نجات کی صرف ایک راہ

اس سورہ کی ابتدا میں ہم ایک نئی قسم سے رُوبرو ہو رہے ہیں، فرماتا ہے: ”عصر کی قسم“ (والعصر)۔

”عصر“ کا لفظ اصل میں پھوڑنے کے معنی میں ہے، اس کے بعد اس کا وقت عصر پر اطلاق ہونے لگا کیونکہ اس میں روز کے پروگراموں اور کاموں کو لپیٹ کر مختصر کر دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ لفظ مطلق ”زمانہ“ اور تاریخ بشر کے دور یا زمانے کے ایک حصہ، جیسے ظہور اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے زمانے، اور اسی قسم کے دوسرے زمانوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اسی لیے اس قسم کی تفسیر میں مفسرین نے بہت زیادہ احتمال دیے ہیں۔

۱۔ بعض تو اسے اسی وقت ”عصر“ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، اس قرینہ سے کہ قرآن کی بعض دوسری آیات میں دن کے آغاز کی قسم کھائی گئی ہے مثلاً: ”والضحیٰ“ (سورہ ضحیٰ آیہ ۱) یا ”والصبح اذا اسفر“ (مذثرہ ۳۴)۔ یہ قسم اس اہمیت کی بنا پر ہے جو دن کے اس موقع کو حاصل ہے کیونکہ یہ وقت انسانوں کی حیات اور نظام زندگی کے خاتمے کا وقت ہوتا ہے، دن کے کام اپنے انجام کو پہنچتے ہیں، پرند و چرند اپنے اپنے اشیانوں اور ٹھکانوں کو لوٹتے ہیں، سورج اُفق مغرب میں اپنا سر چھپا لیتا ہے اور فضا بتدریج تاریک ہوتی چلی جاتی ہے۔

یہ اختتام اور تغیر انسان کو خدا کی لایزال قدرت کی طرف جو اس نظام پر حاکم ہے۔ متوجہ کرتا ہے اور حقیقت میں یہ توحید کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور پروردگار کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے جو قسم کے لائق ہے۔

۲۔ بعض دوسروں نے اسے تمام زمانے اور تاریخ بشریت کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جو درسمائے عبرت، ہلا دینے والے حوادث اور بیدار کرنے والے واقعات سے پُر ہے، اور اسی بنا پر ایسی عظمت رکھتا ہے کہ خدا کی قسم کے لائق ہے۔

۳۔ اور بعض نے زمانے کے ایک خاص حصہ کو، جیسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کا زمانہ یا مہدی علیہ السلام کے قیام کا زمانہ، جو تاریخ بشر میں خصوصیت اور مخصوص عظمت کا حامل ہے، مراد لیا ہے اور قسم کو اسی کے بارے میں سمجھتے ہیں۔

۴۔ بعض نے اس لفظ کے لغوی ریشہ اور جڑ بنیاد کی طرف بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ اور اس قسم کو ان مشکلات اور دشواریوں کے بارے میں سمجھتے ہیں جو انسانوں کی طویل زندگی میں رونما ہوتے ہیں، انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں، انہیں غفلت کے عظیم کی یاد دلاتے ہیں اور روح استقامت کی پرورش کرتے ہیں۔

۵۔ بعض اسے کامل انسانوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو عالم ہستی اور جہان خلقت کا پھوڑ ہیں۔

۶۔ اور آخر میں بعض اسے ”نماز عصر“ کے بارے میں سمجھتے ہیں، اس خصوصی اہمیت کی بنا پر جو اسے باقی نمازوں میں حاصل ہے کیونکہ وہ ”صلوة وسطیٰ“ جس کے لیے قرآن میں خاص قسم کی تاکید کی گئی ہے، نماز عصر کو سمجھتے ہیں۔

اگرچہ اوپر والی تفاسیر آپس میں ایک دوسرے سے کوئی تضاد نہیں رکھتی، اور ممکن ہے کہ وہ سب ہی آیت کے معنی جمع ہوں اور ان تمام اہم امور کی قسم کھائی گئی ہو، لیکن ان سب میں سے، سب سے زیادہ مناسب، عصر کو زمانہ اور تاریخ ہے۔

۷۔ ایک حدیث میں امام جنود حق سے آیا ہے کہ العصر ان الانسان لفوضی کی تفسیر میں فرمایا: العصر عصر خروج الفقاہ عصر ہے۔

مہدی (سلام اللہ علیہ) کے قیام کا زمانہ ہے۔ (نور الثقلین جلد ۵۔ ص ۶۶۶ حدیث ۵)

معنی میں لینا ہو
کیونکہ

طور سے انسانوں
بیان کیے گئے

جو کچھ

ہیں سے ایک

بعد والی آ

خارے میں ہیں

وہ اپنے

چلے جاتے ہیں

ہاں! از

ہر روز اس سے

ایک دل

رک جاتا ہے،

سے پہلے ہی فیا

”خسہ“

کبھی تو اس کی از

نبت دی جاتی

ہوتا ہے۔ اور بعض

جسے خداوند عالم۔

الفہم و اہل

اور اپنے گھر والوں

فخر رازی

سورہ کا معنی نہیں

ارحموا من یأ

ہیں نے اپنے آ

”مفردات

معنی میں لینا ہی نظر آتا ہے۔

کیونکہ ہم نے بار بار کہا ہے کہ قرآن کی قسمیں ہمیشہ اس مطلب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں جن کے لیے قسم کھائی گئی ہے۔ اور سہ طور سے انسانوں کی زندگی میں زیان و خسارہ ان کی عمر کے زمانے کے گزرنے کا نتیجہ ہے، یا پیغمبر خاتم کے قیام کا زمانہ، کیونکہ اس سورہ میں بیان کیے گئے چار اصولوں کا پروگرام اسی زمانہ میں نازل ہوا ہے۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے آیات قرآنی کی عظمت اور اس کے مفاسیم کی وسعت اچھی طرح سے واضح ہو گئی ہے۔ کرآن میں سے ایک ہی لفظ کس حد تک پُر معنی اور عمیق و گونا گوں تفاسیر کے لائق ہے۔

بعد والی آیت میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے جس کے لیے یہ اہم قسم کھائی گئی ہے، فرماتا ہے: "یقینی طور پر تمام انسان خسارے میں ہیں" (ان الانسان لفی خسر)۔

وہ اپنے وجودی سرمائے کو، خواہ چاہیں یا نہ چاہیں، کھو بیٹھے ہیں، عمر کی گھڑیاں، دن، مہینے اور سال تیزی کے ساتھ گزرتے چلے جاتے ہیں، معنوی اور مادی قوتیں تحلیل ہو جاتی ہیں اور طاقت و قدرت گھٹتی چلی جاتی ہیں۔

ہاں! انسان اس شخص کے مانند ہے جس کے پاس عظیم سرمایہ ہو اور اس کی مرضی اور خواہش کے بغیر اس سرمایہ کا ایک حصہ ہر روز اُس سے لے لیتے ہوں۔ یہ دنیا کی زندگی کا مزاج ہے، ہمیشہ کم ہوتے چلے جانے والا مزاج۔

ایک دل میں حرکت کرنے کی ایک معین استعداد ہوتی ہے، اور جب وہ استعداد اور طاقت ختم ہو جاتی ہے تو دل خود بخود رک جاتا ہے، حالانکہ اس میں کوئی عیب، بیماری یا علت نہیں ہوتی، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ وہ کسی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی فیل نہ ہو جائے۔ انسانی وجود کے باقی کارخانوں، اور اس کی مختلف استعدادوں کے سرمایوں کا بھی یہی حال ہے۔

"خسر" (بروزن عسی) اور خسران، جیسا کہ "راغب" "مفردات" میں کہتا ہے: سرمایہ کے کم ہونے کے معنی میں ہے۔ کبھی تو اس کی انسان کی طرف نسبت دی جاتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کو نقصان ہو گیا، اور بعض اوقات خود عمل کی طرف نسبت دی جاتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ اس کی تجارت میں نقصان ہو گیا۔ یہ لفظ عام طور پر خارجی سرمایوں مثلاً مال و مقام کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور بعض اوقات اندرونی سرمایوں، مثلاً صحت و سلامتی، عقل و ایمان اور ثواب کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہ دوسری چیز ہے خداوند عالم نے "خسران مبین" (واضح خسارہ) کے عنوان سے ذکر کیا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے: ان الخاسرین الذین خسرو انفسہم و اہلہم یوم القیامۃ الا ذلک هو الخسران المبین۔ واقعی زیاں کار لوگ تو وہ ہیں جو قیامت میں اپنے وجود اور اپنے گھر والوں کے وجود کا سرمایہ ہاتھ سے دے بیٹھیں گے۔ جان لو کہ خسران مبین (واضح خسارہ) یہی ہے۔ (زمر - ۵۱)۔

فخر رازی اس آیت کی تفسیر میں ایک بات نقل کرتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ بزرگوں میں سے ایک کہتے ہیں کہ اس سورہ کا معنی میں نے ایک برف فروش شخص سے سیکھا ہے جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا: ارحموا من یدوب رأس مالہ ارحموا من یدوب رأس مالہ! اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ بگھلا جا رہا ہے، اس شخص پر رحم کرو جس کی پونجی بچل رہی ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا یہ ہے معنی ان الانسان لفی خسرا: اس پر زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے اور اس کی عمر ختم ہو جاتی ہے اور

لہ "مفردات راغب" مادہ "خسر"

وہ کوئی ثواب حاصل نہیں کرتا، اور وہ اس حال میں خسارے میں ہے۔^۱
 ہر حال اسلام کی جہاں بینی کے لحاظ سے دنیا ایک بازار تجارت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں امام ہادی علی بن محمد السقی علیہ السلام سے آیا ہے،

”الدنيا سوق ربح فيها قوم وخسر اخرون“

”دنیا ایک بازار ہے جس میں ایک گروہ نے نفع کمایا اور دوسری جماعت خسارے میں رہی۔“
 زیر بحث آیت کہتی ہے کہ اس عظیم بازار میں سبھی لوگ خسارے میں رہتے ہیں، سوائے ایک گروہ کے جس کا پروگرام بعد والی آیت میں بیان ہوا ہے۔

ہاں! اس عظیم خسارے اور قہری و جبری نقصان سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، صرف ایک ہی راہ جس کی طرف اس سورہ کی آخری آیت میں اشارہ ہوا ہے، فرماتا ہے: ”سولتے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں، اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور صبر و استقامت کی نصیحت کرتے ہیں“ (الا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر)۔

دوسرے لفظوں میں جو چیز اس عظیم نقصان کو روک سکتی ہے اور اسے عظیم نفع میں تبدیل کر سکتی ہے، یہ ہے کہ اس سرمائے کو ہاتھ سے دینے کے مقابلہ میں زیادہ گران بہا اور زیادہ قیمتی سرمایہ حاصل کرے، جس سے نہ صرف اس سرمایہ کی خالی جگہ پُر ہوگی بلکہ اس سے سینکڑوں اور ہزار ہا گنا زیادہ اور بہتر ہو جائے گی۔

ہر وہ سانس جو انسان لیتا ہے، اس سے موت کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے، جیسا کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام اپنی اس نورانی عبارت میں فرماتے ہیں:

”نفس المرء خطاه الى اجله“

”انسان کا سانس موت کی طرف اس کا ایک قدم ہے۔“

اس بناء پر انسان کے دل کی ہر حرکت اسے اختتامِ عمر سے ایک قدم اور زیادہ نزدیک کر دیتی ہے۔ اس طرح سے اس قطعی نقصان کے مقابلہ میں کوئی ایسا کام کرنا چاہیے جس سے خالی جگہ پُر ہو جائے۔
 ایک گروہ عمر اور زندگی کا نفیس سرمایہ ہاتھ سے دے دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں تھوڑا یا زیادہ مال، معمولی گھریا خوبصورت محل فراہم کر لیتا ہے۔

ایک گروہ اس تمام سرمائے کو، مقام و منصب تک پہنچنے کے لیے ضائع کر دیتا ہے۔
 اور کچھ لوگ اسے عیش و نوش اور جلدی گزر جانے والی لذتوں میں صرف کر دیتے ہیں۔

۱۔ ”تفسیر فخر رازی“ جلد ۳۲ ص ۸۵

۲۔ ”تحف العقول“ ص ۳۶۱ (کلمات امام ہادی علیہ السلام)

۳۔ ”نہج البلاغہ“ کلمات قصار جلد ۴۲

مسکد طو
اور اس کا مقام
یا جیسا

یا جیسا

اور قیام
ذالك يوم الت
حسن
من المؤمن

اور تیس
”فی کل سنا
الیسیر وید
گناہوں کو بخش
اور چو
انہیں کو زیادہ گرا

ایک
خوش

قابل
پہلی
”نہج“

مسئلہ طور سے ان میں سے کوئی سی چیز بھی اس عظیم سرمایہ کی قیمت نہیں ہو سکتی۔ اس کی قیمت صرف اور صرف خدا کی رضا اور اس کا مقام قرب ہے۔

یا جیسا کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا ہے :

"انه ليس لانفسكم ثمن الا الجنة فلا تتبعوها الا بها"

"تمہارے وجود کی قیمت جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، کہیں لیسانہ ہو کر تم اس کو

اس سے کمتر کسی چیز کے بدلے میں بیچ دو۔"

یا جیسا کہ ماہِ رجب کی دُعا میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

"خاب الوافدون على غيرك وخسر المتعرضون الا لك"

"جو تیرے غیر کے پاس جائیں گے وہ مایوس ہو جائیں گے اور تیرے سوا دوسروں کی طرف

رجوع کرنے والے خسارے میں رہیں گے۔"

اور قیامت کے ناموں میں سے ایک نام "يوم التغابن" بلا وجہ نہیں ہے، جیسا کہ سورہ تغابن کی آیہ ۹ میں آیا ہے :

ذلك يوم التغابن "اس دن پتہ چل جائے گا کہ گھاسٹے میں کون لوگ ہیں۔"

حسن مطلب اور لطف مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف تو انسانی وجود کے سرمایوں کا خریدار خداوندِ عظیم ہے : "ان الله اشترى

من المؤمنين" (توبہ - ۱۱۱)

دوسری طرف وہ تھوڑے سے سرمایوں کو بھی خرید لیتا ہے : فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره (زلزال - ۷)

اور تیسری طرف اس کے مقابلہ میں وہ بہت زیادہ قیمت لگاتا ہے۔ کبھی دس گنا کبھی سات سو گنا اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔

في كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء (لقمہ - ۲۶۱) اور جیسا کہ دُعا میں وارد ہوا ہے، یا من يقبل

اليسير ويعفو عن الكثير : "اے وہ خدا جو تھوڑے سے حسنات اور نیکیوں کو بھی قبول کر لیتا ہے اور بہت زیادہ

گناہوں کو بخش دیتا ہے۔"

اور چوتھی طرف سے، باوجود اس کے کہ یہ تمام سرمایے خود اسی نے انسان کو دیے ہیں، وہ اس قدر بزرگوار ہے کہ پلٹ کر

انہیں کو زیادہ گراں قیمت پر خرید لیتا ہے۔

ایک نکتہ

خوش بختی کا چار نکاتی پروگرام

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ قرآن نے اس عظیم خسارے کے لیے ایک جامع پروگرام پیش کیا ہے، جس میں چار اصولوں پر تکیہ ہوا ہے :

پہلی اصل : اس پروگرام میں مسئلہ "ایمان" ہے جو انسان کی تمام کارکردگیوں کی بنیاد ہے۔ کیونکہ انسان کی عملی جدوجہد اس کی

لہ "نہج البلاغہ" کلماتِ قصار جلد ۴۵۶

فکری و اعتقادی بنیادوں سے سرچشمہ حاصل کرتی ہے۔ وہ حیوانات کے افعال کی طرح نہیں ہوتیں جن کی حرکات فطری و طبعی اسباب کی بنا پر ہوتی ہیں۔

دوسرے لفظوں میں انسان کے اعمال اس کے عقائد و افکار کی ایک مجسم صورت ہوتے ہیں، اور اسی بنا پر خدا کے تمام انبیاء ہر چیز سے پہلے امتوں کی اعتقادی بنیادوں کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ اور وہ خصوصیت کے ساتھ شرک سے جو انواع و اقسام کے رذائل، بدبختیوں اور پرگندگیوں کا سرچشمہ ہے۔ مبارزہ کرتے تھے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "ایمان" یہاں مطلق طور پر ذکر ہوا ہے تاکہ ایمان کے تمام کے تمام پہلوؤں کو شامل کیا جائے، یعنی خدا اور اس کی صفات پر ایمان سے لے کر قیامت و حساب و کتاب، جزا و سزا، کتب آسمانی، خدا کے انبیاء اور ان کے اوصیاء کے ایمان تک۔

دوسری اصل: میں ایمان کے بار آور اور پُر اثر و ثروت کے پھل اور نتیجہ کو پیش کرتے ہوئے "اعمال صالح" کی بات کرتا ہے۔ کیسی وسیع اور مطالب سے پُر تعبیر ہے، ہاں! "صالحات" وہی سارے کے سارے شائستہ اعمال، نہ صرف عبادات، نہ صرف اتفاق فی سبیل اللہ، نہ صرف راہ خدا میں جہاد، نہ صرف علم و دانش کا حصول، بلکہ ہر وہ شائستہ کام جو تمام میدانوں میں نفوس کے تکامل و ارتقاء، اخلاق کی پرورش، قرب الی اللہ اور انسانی معاشرے کی پیش رفت کا وسیلہ ہو۔

یہ تعبیر چھوٹے سے چھوٹے کاموں سے لے کر۔ جیسے لوگوں کے راستے سے ایک رکاوٹ ڈالنے والے پتھر کو ہٹانا۔ کوڑوں انسانوں کو گمراہی و ضلالت سے نجات دلانے اور دین حق و عدالت کی سارے جہان میں نشر و اشاعت کرنے تک کو شامل ہے۔

اور اگر ایک حدیث میں "اعمال صالح" کی جامع مصادیق علیہ السلام سے، "مسوات اور دینی بھائیوں سے مساوات کرنے" سے تفسیر ہوئی ہے، تو وہ واضح و روشن مصداق کے قبیل سے ہے۔

ممکن ہے کہ بعض اوقات اعمال صالح بعض غیر مومن انسانوں سے بھی سرزد ہوں، لیکن مستحکم طور پر وہ مضبوط و پائیدار اور مستحکم رکھنے والے نہیں ہوتے، کیونکہ وہ خدائی عمیق اور گہرے اسباب سے سرچشمہ حاصل نہیں کرتے۔ لہذا ان میں جامعیت نہیں ہوتی۔ قرآن نے یہاں "صالحات" کو خصوصیت کے ساتھ جمع کی صورت میں بیان کیا ہے، ایسی جمع جو "الف و لام" کے ساتھ اور عموم کے معنی رکھتی ہے۔ اور یہ اس حقیقت کو بیان کر رہی ہے کہ ایمان کے بعد اس طبعی و فطری خسارے سے روکنے والا راستہ اعمال صالح کو انجام دیتا ہے۔ نہ صرف ایک یا چند اعمال صالح پر قناعت کرنا، اور واقعا اگر ایمان عمیق اور گہرے طور پر انسان کے میں جاگزیں ہو جائے تو وہ ایسے ہی آثار ظاہر کیا کرتا ہے۔

ایمان کوئی ایسا فکر اور اعتقاد نہیں ہوتا جو رُوح کے گوشوں میں تو موجود ہو لیکن اس میں کسی قسم کی تاثیر موجود نہ ہو۔ ایمان تو ان کے سارے وجود کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔

ایمان اس پُر نور چراغ کے مانند ہے جو کسی کمرے کے اندر روشن ہے، جو نہ صرف اس کمرے کی فضا کو روشن کرتا ہے اس کی روشنی اس کمرے کے تمام درپچوں سے باہر نکلتی ہے اور جو شخص اس کے باہر سے گزرے وہ اچھی طرح سے سمجھ جائے گا کہ اس میں ایک پُر نور چراغ روشن ہے۔

اسی طرح
بائیں پاؤں سے

اسی طرح
سورہ

جو بھی

اور سورہ سمنوا

کیوں انجام نہیں

اور سورہ

"یا ایہا المرسلین"

اور سورہ

دعوت اور اس

دعوت ہو، اور

اور "عمل صالح"

تیسرا

سب لوگ حق

"توا"

افراد دوسرے

اور "و"

بارہ معانی اور

سب ہی اس

بہر حال

جابل کو تعلیم د

یہ بات

ہونا چاہیے

جو تھی

کے بعد ہر شخص

اور کوئی عمل نہ

اسی طرح سے جب ایمان کا چرخ انسان کے دل کی سرائے میں روشن ہوتا ہے تو اس کا نور انسان کی زبان، آنکھ، کان اور ہاتھ پاؤں سے منعکس ہوتا ہے، ان میں سے ہر ایک کی حرکت بتاتی ہیں کہ دل میں ایک نور موجود ہے جس کی شعاعیں باہر نکل رہی ہیں۔ اسی بنا پر قرآن کی آیات میں عام طور پر "عمل صالح"، "ایمان" کے ساتھ "لازم و ملزم" کے عنوان سے آیا ہے۔

سورۃ نحل کی آیت ۹۷ میں آیا ہے: "من عمل صالحاً من ذکر او انشئ و هو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة" جو بھی عمل صالح انجام دے، مرد ہو یا عورت، لیکن ہو وہ صاحب ایمان، تو ہم اُسے پاکیزہ حیات کے ساتھ زندہ کریں گے۔ اور سورۃ مؤمنون کی آیت ۹۹-۱۰۰ میں آیا ہے، اس عالم سے جدائی کے بعد بدکاروں کو اس بات پر افسوس ہو گا کہ انہوں نے اعمال صالح کیوں انجام نہیں دیے۔ لہذا بہت ہی زیادہ امداد کے ساتھ عمل صالح کو انجام دینے کے لیے بازگشت کا تقاضا کریں گے: "رب اجعل لى على عمل صالحاً فيما كنت اور سورۃ مؤمنون کی آیت ۵۱ میں آیا ہے کہ خدا اپنے رسولوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ "پاک و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح بجالاؤ" یا ايها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً

اور چونکہ ایمان و عمل صالح سوائے اس صورت کے ہرگز جاری نہیں رہتے کہ ایک طرف تو معاشرے میں حق کی طرف دعوت اور اس کی معرفت کے لیے کام کیا جائے اور دوسری طرف سے اس دعوت کی انجام دہی کی راہ میں صبر و استقامت کی دعوت ہو، اس لیے ان دو اصولوں کے بعد دوسرے دو اصولوں کی طرف اشارہ فرماتا ہے، جو حقیقت میں دو بنیادی اصول "ایمان" اور "عمل صالح" کے اجراء کے ضامن ہیں۔

"تیسری اصل میں" تو اسی بہ حق کے مسئلہ یعنی حق کی طرف سب کو عمومی دعوت دینے کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ سب لوگ حق کو باطل سے اچھی طرح پہچان لیں اور ہرگز اسے فراموش نہ کریں اور زندگی کی راہ میں اُس سے منحرف نہ ہوں۔ "تواصوا" تو اسی کے مادہ سے، جیسا کہ "راغب" نے "مفردات" میں بیان کیا ہے، اس معنی میں ہے کہ بعض افراد دوسرے بعض افراد کو نصیحت کریں۔

اور "حق" یا واقعیت یا واقعیت سے مطابقت کے معنی میں ہے۔ کتاب "دجوة قرآن" میں قرآن مجید میں اس لفظ کے بارہ معانی اور موارد استعمال ذکر ہوئے ہیں، مثلاً خدا، قرآن، اسلام، توحید، عدل، آشکار ہونا، اور واجب ہونا وغیرہ، لیکن وہ سب ہی اسی ریشہ اور جڑ کی طرف لوٹتے ہیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔

بہر حال "تواصوا بالحق" کا جملہ بہت ہی وسیع معنی رکھتا ہے، جو امر بہ معروف اور نہی از منکر کو بھی شامل ہے، اور جاہل کو تعلیم دینے اور اس کو ہدایت کرنے، غافل کو تنبیہ کرنے، شوق دلانے اور ایمان و عمل صالح کی تبلیغ کرنے کو بھی۔ یہ بات ظاہر و واضح ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں انہیں خود بھی حق کا طرف دار اور اس کا عامل ہونا چاہیے۔

چوتھی اصل میں "صبر" و استقامت اور اس کی نصیحت و وصیت کرنے کا مسئلہ پیش ہوا ہے، کیونکہ معرفت اور آگاہی کے بعد ہر شخص عمل کی راہ میں ہر قدم پر موانع سے روبرو ہوتا ہے۔ اگر استقامت اور صبر نہ ہو تو وہ ہرگز احقاق حق نہیں کر سکتا اور کوئی عمل صالح انجام نہیں دے سکتا، یا اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔

ہاں! احقاقِ حق، اور اجراءِ حق اور معاشرے میں حق کی ادائیگی، ایک عمومی فعالیت اور نچتر و عظیم استقامت یعنی موانع کے مقابلہ میں ٹٹ جانے کے سوا ممکن نہیں ہے۔

”صبر“ بھی یہاں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو اطاعت پر صبر کرنے کو بھی شامل ہے، گناہ پر ابھارنے والی چیزوں پر صبر کرنے، اور مصائب اور ناگوار حوادث پر صبر کرنے اور توانائیوں، سرمایوں اور ثمرات کو کھو بیٹھنے کے مقابلہ میں صبر کرنے کو بھی۔ ان چار اصولوں کے بارے میں جو کچھ اُد پر بیان کیا گیا ہے۔ اور جو حقیقت میں انسانوں کی زندگی اور سعادت کا جامع ترین پروگرام ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ روایات میں یہ کیوں آیا ہے کہ ”جب اصحابِ پیغمبرؐ ایک دوسرے کے پاس جاتے تھے، تو ایک دوسرے سے جُدا ہونے سے پہلے سورہ ”والعصر“ کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور اس چھوٹی سی سورت کے عظیم مطالب کو بیان کیا کرتے تھے اور پھر ایک دوسرے کو خدا حافظ کہتے ہوئے اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے۔ اور حقیقتاً اگر مسلمان آج بھی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں ان چار اصولوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان کی مشکلات اور بے سربلانی حل ہو جائیں، پس ماندگی کی تلافی ہو جائے، کمزوریاں اور ناکامیاں کامیابیوں سے بدل جائیں، اور دنیا جہان کے شریلوں کے شران سے منقطع ہو جائیں۔

خداوند! ہمیں صبر و استقامت اور حق و صبر کی ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ پروردگارا! ہم سب خسارے میں ہیں اور اس خسارے کی تلافی تیرے لطف و کرم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بارِ الہا! ہم ان چاروں احکام پر، جو تُو نے اس سورہ میں دیے ہیں، عمل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں اس کی توفیق عطا فرما۔

آمین یا ارحم الراحمین
سورہ والعصر کا اختتام

ترجمہ کا اختتام

روز اتوار ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

بوقت ۹ بجے صبح

برسکان حقیر قسم المقدسہ ایران

۱۔ ہم نے ”صبر کی حقیقت اور اس کے مراحل اور شعبوں کے بارے میں جلد اول میں سورہ بقرہ کی آیہ ۱۵۳ کے ذیل میں مفصل بحث کی ہے۔

۲۔ ”در المنثور“ جلد ۶ ص ۳۹۲

سُورَةُ هُمَزَةٍ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۹ آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqim.net

سُورۃ ہمزۃ کے مطالب اور فضیلت

یہ سُورہ جو کئی سورتوں میں سے ہے ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جو مال جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور ان کے نزدیک انسانی وجود کی تمام اقدار کا خلاصہ یہی ہے پھر وہ ان لوگوں کو جن کے ہاتھ اس سے خالی ہوتے ہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ مغرور دولت جمع کرنے والے اور خود پسند جیلہ گر، بادۂ کبر و نخوت سے ایسے مست ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کی تحقیر عیب جوتی، استہزاء اور عیبیت کرنے سے لذت اٹھاتے ہیں اور اس سے تفریح کرتے ہیں۔

اور سُورہ کے آخر میں ان کی دردناک سرنوشت کی بات کرتا ہے کہ وہ کیسی حقارت آمیز صورت میں دوزخ میں پھینکے جائیں گے اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہر چیز سے پہلے ان کے دل پر مسلط ہو جائے گی، اور ان کی روح و جان کو، جو اس سارے کبر و نخوت اور ان سب شرارتوں کا مرکز تھا، آگ میں ڈال دیا جائے گا، بھڑکتی ہوئی دوامی اور طولانی آگ۔

اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من قرأ سورة الهمزۃ اعطی من الاجر عشر حسنات بعدد من استهزأ به محمد (ص) واصحابه“

”جو شخص اس سُورہ کی تلاوت کرے گا اُسے ان لوگوں کی تعداد سے، جنہوں نے تمہارا اور ان کے اصحاب کا مذاق اڑایا تھا، دس گنا حسنات دیے جائیں گے۔“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے: ”جو شخص اس کو واجب نماز میں پڑھے گا، تو اس سے فقر و فاقہ دُور ہو جائے گا، اور

روزِی اس کا رُخ کرے گی اور قبیح اور بُری موت اس سے دُور ہو جائے گی۔“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ وَبِئْسَ لِكُلِّ فِتْنَةٍ مُمَزَّةٌ ۝
- ۲۔ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝
- ۳۔ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝
- ۴۔ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝
- ۵۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝
- ۶۔ نَارُ اللَّهِ الَّتِي سُوقِدَةُ ۝
- ۷۔ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْفِتَنِ ۝
- ۸۔ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۝
- ۹۔ فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ۝

ترجمہ

- ۱۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
ہر عیب جو اور تمسخر کرنے والے کے لیے وائے ہے۔

- ۲۔ وہی جو مال کو جمع کر کے گنتا رہا، (جائز و ناجائز کا حساب کیے بغیر)
- ۳۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے اموال اُس کے دوام کا سبب بن جائیں گے۔
- ۴۔ جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے، عنقریب اُسے حطمہ (ریزہ ریزہ کرنے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا۔
- ۵۔ اور تو کیا جانے کہ حطمہ کیا ہے؟
- ۶۔ خدا کی بھڑکتی ہوئی آگ۔
- ۷۔ ایسی آگ جو دلوں سے نکلتی ہے۔
- ۸۔ یہ آگ ان کے اُدپر درلبستہ صورت میں ہے۔
- ۹۔ کشیدہ اور طولانی ستونوں میں۔

شان نزول

مفسرین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سورہ کی آیات "ولید بن مغیرہ" کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس پشت تو آپ کی غیبت کیا کرتا تھا اور آپ کے سامنے طعن و تشنیع اور استہزاء کیا کرتا تھا۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے اسے رسولائے بشرک اور اسلام کے جانے پہچانے دوسرے کینہ در لوگوں مثلاً اُغنس بن شریق، و "امیہ بن خلف" و "عاص بن دائل" کے بارے میں سمجھا ہے۔ لیکن اگر ہم ان شان ہائے نزول کو قبول بھی کر لیں تو بھی آیات کے مفہوم کی عمومیت ختم نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو ان صفات کے حامل ہیں۔

تفسیر

عیب جوئی اور غیبت کرنے والوں کے لیے دائے ہے۔

یہ سورہ ایک چھیننے والی تہدید کے ساتھ شروع ہوتا ہے، فرماتا ہے: "ہر عیب جو اور تمہارا اڑانے والے کے لیے ہے"

(وہیل لے)

وہ لو

مذاق اڑاتے

ہم

پہلا

دوسروں کی شے

اور

اس با

اشارہ کرتے ہا

ہی معنی ہیں ا

لیکن

کرنے وا

اور بے

اور "لمزہ

اور بے

اور بے

سمجھا ہے۔

اور بے

سے یاد کرتا

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

اور آد

(وبیل لكل همزة لمزة).

وہ لوگ جو زبان کے ڈنک، ہاتھ اور پاؤں کی حرکات اور چشم و ابرو کے اشاروں سے، پیٹھ پیچھے اور زور زور دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں، یا ان کی عیب جوئی اور غیبت کرتے ہیں، یا انہیں طعن و تشنیع اور تہمت کے تیروں کا ہدف بناتے ہیں۔
”ہمزة“ و ”لمزة“ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔

پہلا ”ہمز“ کے مادہ سے اصل میں ”توڑنے“ کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ عیب جو اور غیبت کرنے والے دوسروں کی شخصیت کو توڑتے ہیں اس لیے ان پر ”ہمزہ“ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور ”لمزة“ ”لمز“ (بروزن رمز) کے مادہ سے اصل میں غیبت کرنے اور عیب جوئی کرنے کے معنی میں ہے۔ اس بارے میں کہ کیا یہ دونوں لفظ ایک ہی معنی میں ہیں اور غیبت کرنے والوں اور عیب جوئی کرنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یا ان دونوں کے درمیان کوئی فرق ہے؟ مفسرین نے بہت سے احتمال دیے ہیں، بعض نے انہیں ایک ہی معنی میں لیا ہے اور اس بنا پر ان دونوں کا اکٹھا ذکر تاکید کے لیے ہے۔

لیکن بعض نے یہ کہا ہے کہ ”ہمزة“ غیبت کرنے والے کے معنی میں ہے اور ”لمزة“ عیب جوئی کرنے والے کے معنی میں۔

اور بعض دوسروں نے ”ہمزة“ ان اشخاص کے معنی میں سمجھا ہے جو ہاتھ اور سر کے اشارہ سے عیب جوئی کرتے ہیں اور ”لمزة“ ان اشخاص کے معنی میں جو زبان سے یہ کام انجام دیتے ہیں۔

اور بعض نے ”پہلے“ کو زور و عیب جوئی کرنے اور ”دوسرے“ کو پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرنے کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ اور بعض نے پہلے کو آشکارا عیب جوئی اور دوسرے کو پنهان اور آنکھ اور ابرو کے اشارہ سے عیب جوئی کے معنی میں سمجھا ہے۔

اور بعض اوقات یہ کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ہی اس شخص کے معنی میں ہیں جو لوگوں کو بُرے اور چُھینے والے القاب سے یاد کرتا ہے۔

اور آخر میں ”ابن عباسؓ“ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ان دونوں کی تفسیر میں اس طرح کہا کرتے تھے :

”هو المشاؤون بالنميمة، المفرقون بين الاحبة، الناعتون للناس

بالعيب“

”یہ وہ لوگ ہیں جو چغل خوری کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں اور لوگوں میں عیب نکالتے ہیں“۔ گویا ابن عباسؓ نے اس بات کا اس حدیث سے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے استفادہ کیا ہے،

ل مبالغہ کا صیغہ مشہور چھ اوزان کے علاوہ دوسرے اوزان پر بھی آتا ہے، ہمہ ان کے ایک ہی وزن ہے، جس کی عربی زبان میں نظائر بھی موجود ہیں مثلاً: ”ضحکہ“ جو بہت زیادہ ہنسنے والے کے معنی میں ہے۔

ل م ”تفسیر فخر رازی“ جلد ۳۲ ص ۹۲۔

جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

”الا انبئکم بشرارکم؟ قالوا : بلی یا رسول اللہ (ص) قال : المشاؤون بالنميمة ، المفرقون بين الاحبة ، الباغون للبراء المصائب : ”
”کیا میں تمہیں شریر ترین افراد کی خبر نہ دوں؟ انہوں نے کہا : ”ہاں ! اے رسول خدا (ص)
فرمایا : وہ لوگ جو بہت زیادہ پچھل غوری کرتے ہیں ، دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں
اور پاکیزہ دے گناہ افراد کے عیوب کی جستجو میں رہتے ہیں۔“

لیکن ارباب لغت کے کلمات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ ایک ہی معنی میں ہیں اور ایک وسیع معنی رکھتے ہیں جو ہر قسم کی عیب جوئی ، غیبت ، طعن و تشنیع اور علام و اشارات اور زبان کے ذریعے ٹھٹھہ کرنے اور مذاق اڑانے اور پچھل غوری اور بدگوئی کو شامل ہے۔

بہر حال اس گروہ کے بارے میں ”ویل“ کی تعبیر ایک تہدید شدید ہے۔ اور اصولی طور پر آیات قرآنی نے اس قسم کے افراد کے لیے سخت تنقید اور اعتراض کیا ہے اور ان کے لیے ایسی تعبیریں استعمال کی ہیں کہ ان جیسی کسی بھی گناہ کے لیے نظر نہیں آتیں۔ مثلاً جب کور دل منافقین کو مومنین کا مذاق اڑانے کی بنا پر عذاب الیم کی تہدید کرتا ہے تو فرماتا ہے : استغفر لھم ولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرة فلن يغفر الله لھم : ”تو ان کے لیے استغفار کر اور چاہے نہ کر ، اگر تو ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے گا تو بھی خدا انہیں نہیں بخشنے گا۔“ (توبہ - ۸۰)

اسی معنی کے مشابہ ، ان منافقین کے بارے میں ، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استہزاء کرتے اور مذاق اڑاتے تھے ، سورہ منافقین کی آیہ ۵ میں آیا ہے۔

اصولی طور پر اسلام کی نظر میں اشخاص کی عزت اور حیثیت بہت ہی محترم ہے۔ اور ہر وہ کام جو لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سبب بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”اذل الناس من اهان الناس“

”لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے جو لوگوں کی توہین و تذلیل کرے۔“

ہم نے اس سلسلہ میں سورہ حجرات کی آیہ ۱۱ ، ۱۲ کے ذیل میں (جلد ۱۲ ص ۵۵۸ پر) زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے بعد اس قبیح عمل (عیب جوئی و استہزاء) کے سرچشمہ کو (جو عام طور پر مال و دولت سے پیدا ہونے والے کبر و غرور کے سبب سے ہوتا ہے) پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے : ”وہی شخص جو مال کو جمع کر کے گنتا رہا ، (حلال و حرام کا خیال رکھے نہ ہو) (الذی جمع مالا وعددہ)۔“

اُسے مال و دولت کے ساتھ اتنی محبت ہے ، کہ وہ ہمیشہ انہیں گنتا رہتا ہے اور درہم و دینار کی چمک اور دوسری قسم کے

سکوں سے لے
بلکہ تمام شخصیت
کا ہمیشہ مذاق
”عد“

کہ یہ ”عد
کرنے کے“

اور بعض
لیکن ؛
بہر حال
کے طور پر دیکھ
حقوق پر تجاوز
سمجھتے ہیں۔

وہ مال
میں جتنا اضافہ
صرف مذموم
وابتنوا من

احدکم
تو اگر اس نے

ایسا مال
کے استہزاء کا

مالکوں کو ”قار
خدا سے دوری

عام ط
اس۔

سکون سے لذت حاصل کرتا ہے، اور خوش ہوتا ہے۔ ہر درہم و دینار اس کے لیے ایک بُت ہے، وہ نہ صرف اپنی شخصیت بلکہ تمام شخصیتوں کو انہیں میں منحصر سمجھتا ہے اور یہ ایک طبعی و فطری امر ہے کہ اس قسم کا گمراہ اور دیوانہ و احمق آدمی فقیر و نادار مومنین کا ہمیشہ مذاق اڑایا کرتا ہے۔

”عَدَدہ“ اصل میں ”عَد“ کے مادہ سے اُسے شمار کرنے اور گننے کے معنی میں ہے۔ بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہ ”عَدہ“ (بر وزن غَدہ) کے مادہ سے ہے جو ان اموال کو آمادہ کرنے اور مشکلات اور بُرے دن کے لیے ذخیرہ کرنے کے معنی میں ہے۔

اور بعض نے اس کی تفسیر روک رکھنے اور بچانے کے ساتھ بھی کی ہے۔

لیکن پہلا معنی سب سے زیادہ مناسب ہے۔

بہر حال یہ آیت ان مال جمع کرنے والوں کے بارے میں ہے جو مال کو ایک وسیلہ کے طور پر نہیں بلکہ ایک ہدف اور مقصد کے طور پر دیکھتے ہیں اور اس کے جمع کرنے میں کسی قسم کی قید و شرط کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اسے حلال و حرام اور دوسروں کے حقوق پر تجاوز کر کے، شریفانہ طریقہ سے، یا پست و ذلیلانہ طریقہ سے، جمع کرتے ہیں۔ اور صرف اسی کو عظمت و شخصیت کی نشانی سمجھتے ہیں۔

وہ مال و دولت کو زندگی کی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے نہیں چاہتے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مال و دولت میں جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے ان کی حرص اور طمع بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ورنہ معقول حدود میں اور جائز طریقہ سے حاصل شدہ مال و دولت نہ صرف مذموم نہیں ہے بلکہ بعض اوقات قرآن مجید نے اسے ”فضل اللہ“ کے عنوان سے تعبیر کیا ہے، جہاں فرماتا ہے :
وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (جمد - ۱۰) اور دوسری جگہ اُسے خیر سے تعبیر کرتا ہے : کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ : تم پر واجب ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آپہنچے تو اگر اس نے کچھ خیر چھوڑی ہے تو اس کے لیے وصیت کرے۔

ایسا مال یقینی طور پر نہ تو طغیان و سرکشی کا باعث ہوتا ہے، نہ ہی تفاخر کا سبب بنتا ہے اور نہ ہی وہ دوسروں کے استہزاء کا موجب ہوتا ہے، لیکن وہ مال جو معبود بنا لیا گیا ہے اور وہی اصلی ہدف و مقصد بن چکا ہے، اور وہ اپنے مالکوں کو ”قارون“ کی طرح طغیان و سرکشی کی دعوت دیتا ہے، وہ ننگ و عار ہے، ذلت ہے اور مصیبت و کلبت ہے اور خدا سے دُوری اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہنے کا باعث ہے۔

عام طور پر اس مال کو زیادہ مقدار میں جمع کرنا بہت زیادہ آلودگیوں کے سوا ممکن نہیں ہے۔

اس لیے ایک حدیث میں امام علیؑ بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے، آپؑ نے فرمایا :

”لَا يَجْتَمِعُ الْمَالُ إِلَّا بِخَمْسِ خِصَالٍ : بِجُلْ شَدِيدٍ، وَامِلٍ طَوِيلٍ، وَحَرَصٍ غَالِبٍ،

وَقَطِيعَةٍ رَاحٍ، وَإِيشَارٍ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ“ :

”پانچ خصلتوں کے بغیر مال کسی کے پاس جمع نہیں ہو سکتا۔ (۱) بُجُل شدید (۲) طویل آرزوئیں

سبب ہیں، مثلاً

اس بیا
دل کے اندھوںقرآن ۱۰
بلکہ وہاس کے
”وہ خدا“”وہ آگ“
”لیذب“کی حقارت اور
یعنی خداکی آگ میں پھینکے
”حطہ“نشان دہی کرتی۔
سے معلوم ہوتا۔اس معنی
کے پھٹنے کی کہسے پیدا ہوا۔
یہ کوئی عجیب بار”نارالذ“
ہونے کی دلیلتعجب
اندر نفوذ کرتی۔اور اس کے بعد
یہ کس قدرقیامت کی ہرچ
”نارالذ“

۱۷ حرص غالب ۱۸ قطع رنجی ۱۹ اور دنیا کو آخرت پر مقدم رکھنا۔

جو لوگ سخی ہوتے ہیں اور لمبی لمبی آرزوں میں گرفتار نہیں ہوتے، حلال و حرام کا خیال رکھتے ہیں، اپنے اقربا کی مدد کرتے ہیں۔

عام طور پر ایسوں کے پاس مال جمع نہیں ہوتا، چاہے ان کی آمدنی زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”دولت جمع کرنے والا مال پرست انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے اموال اس کی ہمیشگی کا سبب ہیں

زیحسب ان مالہ اخلاہ۔“

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”اخلاہ“ یہاں ”فعل ماضی“ کی صورت میں آیا ہے، یعنی وہ یہ گمان کرتا ہے، کہ اس کے اموال نے

اسے ایک جادوئی اور دائمی موجود بنا دیا ہے، نہ تو موت اس کے پاس پہنچ سکتی ہے، اور نہ ہی بیماریاں اور دنیا کے حادثات

اس کے لیے کوئی مشکل پیدا کر سکتے ہیں، کیونکہ اس کی نظر میں مشکل کشا صرف مال و دولت ہے، اور یہ مشکل کشا اس کے پاس حاضر ہے

یہ تصور کتنا غلط اور خام خیالی ہے؟ اس قدر مال و دولت جو قارون کے قبضہ و اختیار میں تھا، کہ اس کے فرائض کی چابیاں

کئی طاقتور مرد بڑی مشکل سے اٹھا سکتے تھے، لیکن عذاب الہی کے حملہ کے وقت وہ اس کی موت کو ایک گھڑی کے لیے منفرذ کر کے

اور خدا نے اُسے اور اس کے فرائض کو ایک ہی لمحہ میں مختصر سے زلزلہ کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا: ”فخسفنا بہ وبدلہم

الارض (قص - ۸۱)

وہ اموال جن کا کامل نمونہ فراعنہ مصر کے پاس تھا، لیکن بمصدق ”کو ترکوا من جنات و عیون و زروع و

مقام کریم و نعمة كانوا فيها فاکھین“: ”وہ کتنے زیادہ باغات اور چشمے کھیتیاں اور عمدہ و قیمتی محلات، اور دھیری

فراطل نعمتیں جن میں وہ ناز و نعمت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے“ اپنے پیچھے پھوڑ گئے۔ (دُخان - ۲۵ تا ۲۷) لیکن یہ سب

کے سب آسانی کے ساتھ ایک ہی ساعت میں دوسروں کے ہاتھ میں پہنچ گئے: ”کذالک و اورشاھا قومًا اخرین،

(دُخان - ۲۸)

اور اسی لیے کیونکہ قیامت میں پروے ہٹ جائیں گے، اور انہیں اپنی عظیم غلطی کا علم ہو جائے گا، تو وہ پکارا کریں

ما اغنیٰ عنی مالہ ہلک عنی سلطانیہ: ”میرے مال و دولت نے مجھے ہرگز بے نیاز نہیں کیا، اور میری طاقت

طاقت و اقتدار بھی میرے پاس نہ رہے۔ (حاقہ - ۲۸ - ۲۹)

اصولی طور پر انسان فنا و نیستی سے متفق ہے۔ اور وہ ہمیشگی اور دوام کا طرف دار ہے، اور یہی اندرونی لگاؤ ہماری معادیت کا

مباحث میں مدد کرتا ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ انسان ہمیشگی اور دوام کے لیے پیدا ہوا ہے، ورنہ جادواں ہونے کے ساتھ

لگاؤ کی فطری خواہش اس میں نہ ہوتی۔

لیکن یہ مغرور و خود غرض اور دنیا پرست انسان اپنی ہمیشگی کو ایسے امور میں سمجھنے لگتا ہے جو ٹھیک اس کی فنا و نیستی

۱۷ ”نورالشمسین“ جلد ۵ ص ۶۶۸ حدیث ۷

۱۸ ”مالہ“ ممکن ہے کہ ”مال“ ضمیر غائب کی طرف مضاف ہو، یا ”ما“ موصولہ اور اس کے صلہ سے مرکب ہو، ”اخلاہ“ کا جملہ جو کر فاعل

مضارع کے معنی میں ہے۔ یا غلوہ کے موجبات و اسباب کے معنی میں ہے۔

سبب ہیں، مثلاً وہ مال و مقام کو، جو عام طور پر اس کی بقا کے دشمن ہیں، دوام کا ذریعہ شمار کرنے لگتا ہے۔
 اس بیان سے واضح ہو گیا کہ مال کے ذریعے دوام اور ہمیشگی کا تصور، مال کے جمع کرنے کی ایک دلیل ہے۔ اور ان
 دل کے اندھوں کی نظر میں مال کا جمع ہو جانا بھی دوسروں پر استعزاز اور تمسخر کرنے کا ایک عامل شمار ہوتا ہے۔
 قرآن اس گروہ کے جواب میں فرماتا ہے: ایسا نہیں ہے جیسا کہ وہ گمان کرتا ہے: (کَلَّا)۔
 بلکہ وہ عنقریب انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ پاش پاش کرنے والی آگ میں پھینک دیے جائیں گے۔ (لینبذن فی الحطمة)۔
 اس کے بعد حطمة کی اس طرح تفسیر کرتا ہے: "اور تو کیا جانے کہ حطمة کیا ہے" (وَمَا ادرَاكَ مَا الْحَطْمَةُ)۔
 "وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے" (نار اللہ الموقدة)۔

"وہ آگ جو دلوں سے نکلے گی اور اس کے ابتدائی شعلے دلوں میں ظاہر ہوں گے"۔ (التي تطلع علی الافئدة)
 "لینبذن" "نبذ" (بروزن سبز) کے مادہ سے "مفردات" میں "راغب" کے قول کے مطابق، اصل میں کسی چیز کو اس
 کی حقارت اور بے قدری کی وجہ سے دور پھینکنے کے معنی میں ہے۔

یعنی خدا ان مغرور، خود خواہ، اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں کو اس دن ذلیل اور بے قدر و قیمت موجودات کی صورت میں جہنم
 کی آگ میں پھینکے گا، تاکہ وہ اپنے کبر و غرور کا نتیجہ دیکھ لیں۔

"حطمة" "حطم" کے مادہ سے مبالغہ کا صیغہ ہے جو کسی چیز کو درہم برہم کرنے کے معنی میں ہے، اور یہ اس بات کی
 نشان دہی کرتی ہے کہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ بڑی سختی کے ساتھ ان کے اعضاء و جوارح کو توڑ کر رکھ دے گی، لیکن بعض روایات
 سے معلوم ہوتا ہے کہ "حطمة" ساری جہنم کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے حد سے زیادہ گرم اور بھڑکتے ہوئے حصہ کا نام ہے۔
 اس معنی کو سمجھنا کہ آگ جلانے کی بجائے اعضاء کو توڑ دے گی، شاید گزشتہ زمانوں میں تو مشکل ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں بم
 کے پھٹنے کی لمروں کی تاثیر کی شدت کا مسئلہ ہم سب پر واضح ہو چکا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خوفناک بم کے پھٹنے
 سے پیدا ہونے والی لہریں، نہ صرف انسانوں کو بلکہ لوہے کے محکم گاڑیوں اور عمارتوں کے بڑے بڑے ستونوں کو بھی توڑ دیتی ہیں
 یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

"نار اللہ" (خدا کی آگ) کی تعبیر اس کی عظمت کی دلیل ہے اور "موقدة" کی تعبیر اس کے ہمیشہ کے لیے روشن
 ہونے کی دلیل ہے۔

تعبیر کی بات یہ ہے کہ یہ آگ دنیا کی آگ کے برخلاف، جو پہلے چڑھے کو جلاتی ہے، اور اس کے بعد بدن کے
 اندر نفوذ کرتی ہے، سب سے پہلے دلوں میں شعلہ در ہوگی اور اندر کو جلائے گی۔ پہلے دل کو جلائے گی پھر دماغ اور نڈریوں کو
 اور اس کے بعد باہر کی طرف سرایت کرے گی۔

یہ کس قسم کی آگ ہے جس کا پہلا شعلہ انسان کے دل میں ظاہر ہوگا؟ یہ کیسی آگ ہے جو باطن کو ظاہر سے پہلے جلائے گی؟
 قیامت کی ہر چیز عجیب و غریب ہے اور اس کا اس جہان کی باتوں کے ساتھ بہت زیادہ فرق ہے، یہاں تک کہ اس کی جلانے

والی آگ کی گرفت میں بھی ایک آگ خاصیت ہے۔

ایسا کیوں نہ ہو؟ جب کہ ان کے دل ہی تو کفر اور کبر و نخوت کا مرکز تھے، اور وہ حُب دنیا اور مال و دولت کی محبت کا محور بنے ہوئے تھے۔

خدا کے قہر و غضب کی آگ ہر چیز سے پہلے ان کے دلوں پر کیوں مسلط نہ ہو، جب کہ انہوں نے اس دنیا میں مومنین کے دل کو تسخیر، عیب جوئی، غیبت اور حقیر و تذلیل کے ساتھ جلایا تھا۔ لہذا عدالت الہی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے اعمال جیسا ہی کبیر کردار دیکھیں۔

اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے: "یہ جلاسنے والی آگ ان پر دروازہ بند صورت میں ہوگی۔" (انہما علیہم مؤصدة) مؤصدة "ایصا" کے مادہ سے، دروازہ بند کرنے اور اس کو محکم کرنے کے معنی میں ہے، اسی لیے ان مردوں کو جو پہاڑوں کے اندر اموال جمع کرنے کے لیے بناتے ہیں۔ "وصید" کہتے تھے۔

حقیقت میں جیسا کہ وہ اپنے اموال کو مضبوط صندوقوں اور درست خزانوں میں محفوظ کر کے رکھا کرتے تھے، خدا بھی انہیں پھنک کے درست عذاب میں جس سے خلاصی اور نجات پانے کی کوئی راہ نہ ہوگی، قید کرے گا۔ اور آخر میں فرماتا ہے:

"انہیں کھینچے ہوئے اور طولانی ستونوں میں رکھا جائے گا" (فی عدم ممددة)۔

"عدم" "عمود" جیسا کہ لکڑی اور لوہے کے قطعات (شتیر) ہوتے ہیں، اور "ممددة" کھینچے ہوئے اور طولانی

کے معنی میں ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے اس تعبیر کو لوہے کی بڑی بڑی میخوں کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جن کے ساتھ جہنم کے دروازے محکم طور پر جڑے ہوئے ہوں گے، اس طرح کہ ان سے نکلنے کی بالکل کوئی راہ نہ ہوگی۔ اس بنا پر یہ گزشتہ آیت پر ایک تاکید ہے جو یہ کہتی ہے کہ جہنم کے دروازوں کو ان پر بند کر دیں گے، اور وہ ہر طرف سے محصور ہو کر رہ جائیں گے۔

بعض نے اسے عذاب و مجازات کے وسائل کی ایک قسم کی طرف بھی اشارہ سمجھا ہے، اس چیز کے مانند جو اس کے "ہتھکڑی اور بیڑی" کے ساتھ معروف ہے، اور وہ لکڑی یا لوہے کا ایک ذلتی ٹکڑا ہوتا ہے جس میں پاؤں کے ناپ کے برابر دو سوراخ ہوتے ہیں، اس میں پاؤں کو رکھ دیتے ہیں اور اس کے اوپر کے سوراخ سے پکڑ کر اس میں تالہ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح اس آدمی میں چلنے کی طاقت نہیں رہتی تھی، اور یہ ان شخصوں کی سزا ہوگی جو وہ بے گناہ لوگوں کو دیا کرتے تھے۔

بعض نے ایک تیسری تفسیر بھی آخری انکشافات کی مدد سے اس کے لیے بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جہنم کے جلاسنے والے شعلے کشیدہ اور طولانی ستونوں کی طرح ان پر مسلط ہو جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ آخری انکشافات میں یہ ثابت ہوا ہے کہ کبیر

کی مخصوص شعاعیں، دوسری شعاعوں کے برخلاف جو مخروطی صورت میں پھیلتی ہیں، وہ استوائی صورت میں ٹھیک ستون کی طرح منتشر ہوں گی اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ شعاعیں انسان کے سارے وجود میں نفوذ کر جاتی ہیں، یہاں تک کہ اس کے دل پر بھی مسلط ہوں گی اور اسی بنا پر داخلی اعضاء کا ایک سرے لینے کے لیے اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ

ایسی شعاعیں اٹھا

لیکن ان

"فی عدم"

چند

ا۔ کبر و

"اپنے"

نعتوں کا کفران،

بڑے اثرات پر

جاتے ہیں کہ کسی

اور معاشرے کے

وہ اپنے

یہاں تک کہ اپنے

بھی ان کی نظر میں

میں اور یوں اپنے

قابل توجہ

کا ڈنک مارنا کسی

ایک حد پر

جیسا کہ ہم

لے "ظنطادی"

ایسی شاعیں اٹھیں گی جو اُد پر والی شاعیوں سے بلتی جلتی ہوں گی۔

لیکن ان تفاسیر میں سب سے زیادہ مناسب وہی پہلی تفسیر ہے۔ (البتہ ان تفاسیر میں بعض کی بنا پر "فی عمد ممددة" کا جملہ دوزخ کی حالت کو بیان کرتا ہے اور دوسری بعض کی بنا پر دوزخیوں کی حالت کو)

چند نکات

۱۔ کبر و غرور بڑے بڑے گناہوں کا سرچشمہ ہے

"اپنے آپ کو بڑا خیال کرنا ایسی عظیم بلا ہے جو بہت سے گناہوں کی اصل اور بنیاد قرار پاتی ہے۔ خدا سے غفلت، نعمتوں کا کفران، عیاشی اور ہوس بازی میں غرق ہونا، دوسروں کی تحقیر و تذلیل، مومنین کا مذاق اڑانا، اسی صفتِ رذیلہ کے منحوس اور بُرے اثرات ہیں۔ کم ظرف لوگ جب کسی مقام و منصب یا کسی اچھی منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ ایسے کبر و غرور میں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ کسی دوسرے کے لیے کسی قدر و قیمت کے قائل ہی نہیں ہوتے۔ اور یہی چیز ان کے معاشرے سے جدا ہونے اور معاشرے کے ان سے الگ ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

وہ اپنے ہی تصورات و خیالات کی دنیا میں ڈوبے رہتے ہیں اور خود کو باقیوں سے علیحدہ کوئی اور مخلوق خیال کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اپنے آپ کو مقربانِ خدا میں بھی شمار کرنے لگتے ہیں، اور اسی وجہ سے دوسروں کی عزت و آبرو، بلکہ ان کی جان و مال بھی ان کی نظر میں بے قدر و قیمت ہو جاتی ہے، اور وہ "صغز" و "لمز" یا دوسروں کی عیب جوئی اور مذمت میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یوں اپنے خیال میں وہ اپنی عظمت میں اضافہ کرتے ہیں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ بعض روایات میں اس قسم کے افراد کو عقرب (بچھو) سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اگرچہ بچھو کا ڈنگ مارنا کسی کینہ کی وجہ سے نہیں ہوتا، لیکن ان کا ڈنگ مارنا کینہ پروری کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے شبِ معراج دوزخیوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے پہلوؤں سے گوشت

اُگ کر کے انہیں کھلاتے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ تو

انہوں نے کہا:

"هؤلاء الهمازون من امتك، اللمازون!"

"یہ آپ کی امت میں سے عیب جوئی کرنے والے اور استہزاء کرنے والے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اُد پر اشارہ کیا ہے، ہم نے سورہ حجرات کی آیات کے ذیل میں اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔

۲۔ مال جمع کرنے کی حرص

مال و دولت کے بارے میں افراط و تفریط کے لحاظ سے مختلف نظریے پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو اس کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اُسے تمام مشکلات کا حل سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس نظریہ کے طرف داروں نے اپنے اشعار میں اس سلسلہ میں ثوب وادِ سخن دی ہے، منجملہ ایک شاعر عرب کہتا ہے :

”فصاحة سبحان و خط ابن مقلہ“

وحكمة لقمان وزهد بن ادھم

إذا اجتمعت في المرء والمرء مفلس

فليس له قدر بمقدار درهم“

”(عرب کے معروف فصیح) ”سبحان کی فصاحت“ اور (معروف خطاط) ”ابن مقلہ“ کا خط

اور ”لقمان“ کی حکمت اور ”ابراہیم بن ادھم“ کا زہد اگر کسی انسان میں جمع ہو جائے اور

مفلس و نادار ہو، تو اس کی قدر و قیمت ایک درہم کے برابر بھی نہیں ہوگی!“

لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اگر یہ گروہ ہمیشہ مال جمع کرنے میں مشغول رہے اور ایک آن کے لیے بھی راحت و آرام سے نہ بیٹھے اور اس کے لیے کسی بھی قید و شرط کا قائل نہ ہو۔ اور حلال و حرام ان کی نظر میں یکساں ہو جائے۔ اس گروہ کے نقطہ مقابل میں وہ گروہ ہے جو مال و دولت کے لیے کم سے کم قدر و قیمت کا بھی قائل نہیں ہے۔ وہ فقر و فاقہ کی تعریف کرتا ہے اور اس کی عظمت و بلندی کا قائل ہے، یہاں تک کہ وہ مال کو تقویٰ اور قرب خدا میں مزا کم سمجھتے ہیں۔ لیکن ان دونوں نظریات کے مقابل میں (جو افراط و تفریط رکھتے ہیں) قرآن مجید اور اسلامی روایات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مال لے بھی چیز ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ :

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ذریعہ اور وسیلہ ہو نہ کہ ہدف اور مقصد۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنا ”اسیر“ نہ بنائے بلکہ انسان اس کا ”امیر“ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اُسے مشروع اور حلال طریقہ سے حاصل کیا جائے اور وہ رضائے خدا کے لیے صرف ہو۔ اس قسم کے مال سے محبت نہ صرف یہ کہ وہ دنیا پرستی نہیں ہے، بلکہ آخرت سے محبت کی ایک دلیل ہے۔ اسی لیے

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”جس وقت آپ نے ذہب و فضہ (سونا اور چاندی) پر لعنت کی، تو آپ کے

ایک صحابی نے تعجب کیا، اور اس بارے میں سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا :

”لیس حیث تذهب الیہ انما الذہب الذی ذہب بالذین والفضة الّتی

(افاضت الکفر)“

ایک ۱۱

ایک ۱۲

آپ پر قربان :-

بہت -

ان کا حساب تو

امیر المومنین علیؑ

آپ -

۱۔ ”بجارا

۲۔ ”بجارا

۳۔ ”توحید

۴۔ ”بجارا

" (ذہب) سونے سے مراد وہ چیز ہے جو دین کو ختم کر دے اور فتنہ (چاندی) سے

مراد وہ چیز ہے جو کفر و بے ایمانی کا سرچشمہ بنے۔ ۱۷

ایک اور حدیث میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے آیا ہے :

" السكر أربع سكرات سكر الشراب وسكر المال، وسكر النوم، وسكر الملك۔"

" فتنہ اور مستی چار قسم کی ہوتی ہے :

۱۔ شراب کی مستی۔ ۲۔ مال کی مستی۔ ۳۔ نیند کی مستی۔ ۴۔ اقتدار کی مستی۔ ۱۸

ایک اور حدیث میں امام غزالی علیہ السلام سے آیا ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا : میرے ماں باپ

آپ پر قربان مجھے کچھ وعظ و نصیحت فرمائیے، تو آپ نے فرمایا :

" ان كان الحسنات حقاً فالجمع لما ذا ؟ وان كان الخلف من

الله عز وجل حقاً فالبخل لما ذا ؟ ۱۹

" اگر حسنات حق ہیں اور ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر مال کا جمع کرنا کس لیے ؟ (کیوں

اُسے راہ خدا میں خرچ نہ کریں) اور اگر بدلہ دینا اور تلافی کرنا اللہ کی طرف سے حق ہے،

تو پھر بخل کس لیے ؟ ۲۰

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو آخر عمر تک مال جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور انجام کار دوسروں کے لیے پھوڑ جاتے ہیں۔

ان کا حساب تو انہیں دینا پڑے گا اور اس سے فائدہ دوسرے لوگ اٹھائیں گے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے

امیر المومنین علی سے سوال کیا، من اعظم الناس حسرة ؟ : لوگوں میں سب سے زیادہ حسرت و ندامت کس کو ہوگی ؟

آپ نے فرمایا :

" من رأى ماله في ميزان غيره وادخله الله به النار وادخله الجنة

به الجنة۔"

" وہ شخص جو اپنے اموال کو دوسروں کے اعمال تو لے کر دیکھے، خدا اُسے تو

اس کے اموال کی وجہ سے دوزخ میں داخل کرے، اور اس کے وارث کو اس کی وجہ سے

جنت میں داخل کرے۔ ۲۱

۱۷ " بحار الانوار " جلد ۷، ص ۱۴۱ حدیث ۱۷

۱۸ " بحار الانوار " جلد ۷، ص ۱۴۲

۱۹ " توحید صدوق " مطابق نقل " نور الثقلین " جلد ۵، ص ۶۶۸ حدیث ۸۔

۲۰ " بحار الانوار " جلد ۷، ص ۱۴۲

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے آیہ " کَذٰلِكَ يَرِىْهُمْ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسِرَاتٍ عَلَيْهِمْ " (اسی طرح سے خدا ان کے اعمال کو ان کے لیے حسرت بنا دے گا) کی تفسیر میں فرمایا :

" هو الرجل يبدع المال لا ينفقته في طاعة الله بخلا ثم يموت فيدعه لمن يعمل به في طاعة الله او في معصيته "

" یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو مال چھوڑ جاتا ہے اور بخل کی وجہ سے اُسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتا۔ پھر وہ مر جاتا ہے، اور اُسے ایسے شخص کے لیے چھوڑ جاتا ہے جو اُسے اللہ کی اطاعت یا اس کی معصیت میں خرچ کرتا ہے۔ "

اس کے بعد امام نے مزید فرمایا :

" اگر وہ خدا کی اطاعت میں خرچ کرے گا تو وہ اُسے دوسرے کی میزانِ عمل میں دیکھ کر حسرت کرے گا کیونکہ وہ مال تو اس کی ملکیت تھا، اور اگر وہ خدا کی معصیت و نافرمانی میں صرف کرے گا، تو وہ گناہ کرنے میں اس کی تقویت کا سبب بنا۔ (اس پر بھی اُسے عقوبت اور حسرت ہوگی) "

ہاں! انسان مال کو مختلف انداز میں استعمال کرتے ہیں، کبھی تو اُس سے ایک خطرناک بُت بنا لیتے ہیں، اور کبھی عظیم سعادت کا وسیلہ۔

اس گفتگو کو ہم " ابن عباسؓ سے منقول ایک پُر معنی حدیث پر ختم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں :

" ان اول درهم و دينار ضربا في الارض نظر اليهما ابليس فلما عاينهما اخذهما فوضعهما على عينيه، ثم ضمهما على صدره، ثم صرخ صرخة، ثم ضمهما الى صدره، ثم قال : انما قرة عيني ! و ثمرة فؤادي ما ابالي من بني ادم اذا احبوكما ان لا يعبدا و ثنا ! حبي من بني ادم ان يحبوكما " : ۲۰

" جب دُنیا میں درہم و دینار کا سب سے پہلا سکہ بنایا گیا تو ابلیس نے اُن پر نگاہ کی، جب انہیں دیکھا تو اس نے ان دونوں کو اٹھالیا اور دونوں کو اپنی آنکھوں پر رکھا، پھر انہیں سینے سے لگا لیا۔ پھر وہ والہانہ طور پر چیخا اور دوبارہ انہیں سینے سے لگا لیا اور کہنے لگا : تم (اے درہم و دینار) میری آنکھوں

۲۰ دہی مدرک حدیث

۳۷ دہی مدرک ص ۱۳۷ حدیث ۳

کی روشنی ہو، تم میرے دل کا سیوہ ہو۔ اگر انسان تمہیں دوست بنالیں تو پھر میرے لیے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ وہ بُت پرستی نہ کریں۔ بس میرے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ تم سے محبت کرنے لگیں، (کیونکہ تم سب بتوں سے بڑھ کر بُت ہو)۔

خداوند! ہمیں مال و غضب، دنیا و شہوات کی مُتقی سے محفوظ فرما۔
پروردگارا! ہمیں شیطان کے تسلط اور درہم و دینار کی بندگی سے رہائی عطا فرما۔
بار الہا! جہنم کی آگ سخت توڑنے والی ہے اور تیرے لطف و کرم کے بغیر اس سے نجات ممکن نہیں ہے۔
ہمیں اپنے لطف کا مشمول قرار دے۔

آمین یا رب العالمین
سُورۃ ہُمَزۃ کا اختتام

سُورَةُ الْفِيلِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۵ آیات ہیں۔

یہ سُ
صلی اللہ علیہ
محفوظ رکھا تھا
یہ سُورہ
واقع ہوئی تھی
اس
کے مقابلہ میں
ان نیم بند کنگ
بھی رکھتا ہے
نہ تو ا
پہنچی تھی۔ یعنی
اس سُ
"جو
وسے گا کہ و
میں تمہاری گواہ

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورۃ "فیل" کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ — جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے — ایک مشہور تاریخی داستان کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے سال واقع ہوئی تھی اور خدا نے خانہ "کعبہ" کو کفار کے اس عظیم لشکر کے شر سے محفوظ رکھا تھا، جو سرزمینِ مین سے ہاتھیوں پر سوار ہو کر آیا تھا۔ یہ سُورہ اس عجیب داستان کی یاد دلاتا ہے جو مکہ کے بہت سے لوگوں کو یاد تھی، کیونکہ وہ ماضی قریب میں ہی واقع ہوئی تھی۔

اس داستان کی یاد آدمی مغرور اور ہٹ دھرم کفار کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ وہ خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔ وہ خدا جس نے ہاتھیوں کے اس عظیم لشکر کو ان چھوٹے چھوٹے پرندوں اور ان نیم بند کنکریوں (حجارة من مسجیل) سے ریزہ ریزہ کر دیا۔ وہ ان ہٹ دھرم معجزین کو سزا دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

نہ تو ان کی قدرت ہی "ابرہہ" کی قدرت سے زیادہ تھی اور نہ ہی ان کے لشکر اور افراد کی تعداد کبھی اس حد تک پہنچی تھی۔ یعنی تم لوگ جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، غرور و تکبر کی سواری سے نیچے کیوں نہیں اترتے؟ اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

"جو شخص سُورہ فیل کو نماز واجب میں پڑھے گا قیامت میں ہر پہاڑ اور ہموار زمین اور ہر ڈھیلہ اس کی گواہی دے گا کہ وہ نماز گزاروں میں سے ہے اور ایک منادی ندا دے گا کہ تم نے میرے بندے کے بارے میں سچ کہا ہے میں تمہاری گواہی کو اس کے نفع یا نقصان میں قبول کرتا ہوں۔ میرے بندے کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دو، کیونکہ

وہ ایسا شخص ہے جسے میں دوست رکھتا ہوں اور اس کے عمل کو بھی دوست رکھتا ہوں۔
یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ یہ سب فضیلت و ثواب اور عظیم جزا اس شخص کے لیے ہے جو ان آیات کو
پڑھ کر غرور و تکبر کی سواری سے نیچے اتر آئے اور رضائے الہی کی راہ میں قدم رکھ دے۔

۱۔

۲۔

۳۔

۴۔

۵۔

ترجمہ

۱۔

۲۔

۳۔

۴۔

۵۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۝
- ۲۔ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ۝
- ۳۔ وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۝
- ۴۔ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝
- ۵۔ فَجَعَلَهُمْ کَعَصْفٍ مَّا کُوْلٍ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے اصحابِ فیل (ابرہہ کے لشکر کو جو کعبہ کو نابود کرنے کے ارادے سے آیا تھا) کے ساتھ کیا کیا۔
 - ۲۔ کیا ان کے منصوبہ کو خاک میں نہیں ملا دیا ؟
 - ۳۔ اور ان کے اوپر گروہ درگروہ پرندے بھیجے۔
 - ۴۔ جو اُن کے اوپر چھوٹی چھوٹی کنکریاں برسا رہے تھے۔
 - ۵۔ اور اس طرح انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کی مانند بنا دیا۔

شان نزول

ایک حدیث میں امام علی بن الحسین علیہ السلام سے آیا ہے کہ :
 " ابوطالب ہمیشہ اپنی تلوار کے ذریعے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ فرماتے ہیں : (ایک دن) ابوطالب نے کہا : اے بیٹے ! کیا آپ سب لوگوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں یا صرف اپنی قوم کے لیے بھیجے گئے ہیں ؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : " نہیں ! میں تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں ، وہ گورا ہو یا کالا ، عربی یا عجمی ۔ اسی ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ، میں تمام انسانوں کو چاہے وہ گورے ہوں یا کالے اس دین کی طرف دعوت دیتا ہوں ۔ اور ان تمام لوگوں کو جو پہاڑوں کی چوٹی پر بستے ہیں یا دریاؤں میں رہتے ہیں اس دین کی طرف بلاتا ہوں ، اور میں فارس و روم کی تمام زبانوں کو دعوت دیتا ہوں ۔
 جب یہ گفتگو قریش کے کافروں تک پہنچی تو انہوں نے تعجب کیا اور کہا ، کیا آپ اپنے بیٹے کی باتوں کو نہیں سنتے کہ وہ کیا کہتا ہے ۔ خدا کی قسم اگر فارس و روم کے لوگ یہ بات سن لیں گے تو ہمیں ہماری سرزمین سے باہر نکال کھڑا کریں گے اور خانہ کعبہ کے پتھروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے الگ الگ کر دیں گے ۔ اس موقع پر خدا نے آیہ شریفہ و قالوا ان تتبع الهادی مقلبہ من ارضنا اولعقہم لہم حریمًا امثا یجی الیہ فہرات کل شیء " انہوں نے کہا : اگر ہم تیرے ساتھ مل کر ہدایت کو قبول کر لیں تو ہمیں ہماری سرزمین سے باہر نکال دیں گے ، کیا ہم نے انہیں ، اس کے اس حرم میں ، جس کی طرف ہر طرح کے پھل لاتے ہیں ، جگہ نہیں دی " (قصص - ۵۷) نازل ہوئی ۔
 اور ان کے اس قول کے بارے میں کہ وہ خانہ کعبہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے سورۃ فیل نازل کی ۔ (اور انہیں گوش گزار کیا کہ کوئی شخص بھی اس قسم کے کام کی قدرت نہیں رکھتا)۔

اصحاب فیل کی داستان

مفسرین اور مؤرخین نے اس داستان کو مختلف صورتوں میں نقل کیا ہے ۔ اور اس کے وقوع کے سال میں بھی اختلاف ہے ۔ لیکن اصل داستان ایسی مشہور ہے کہ یہ اخبار متواتر میں شمار ہوتی ہے ۔ اور ہم اُسے مشہور روایات کے مطابق " سیرۃ ابن ہشام " و " بلوغ الاہرب " و " بحار الانوار " و " مجمع البیان " سے خلاصہ کر کے نقل کرتے ہیں ۔
 بین کے بادشاہ " ذوالناس " نے نجران کے عیسائیوں کو جو اس سرزمین کے نزدیک بستے تھے ، اس نیلے بہت تنگ کر کے وہ اپنا دین مسیحیت چھوڑ دیں ۔ قرآن نے اس واقعہ کو سورۃ " بروج " میں اصحاب الاخذود کے عنوان سے بیان کیا ہے ۔

لہ " روضۃ الواعظین " (مطابق نقل " نور الثقلین " جلد ۵ ص ۶۶۹ حدیث ۸)

اور ہم نے اسے اسی سورہ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس عظیم جرم کے بعد "دوس" نامی ایک شخص ان میں سے اپنی جان بچا کر بھل گیا اور وہ قیصر روم کے پاس جو دین مسیحیت پر تھا، جا پہنچا، اور اس کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔

چونکہ "روم" اور "مین" کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا لہذا اس نے حبشہ کے بادشاہ "نجاشی" کو خط لکھا کہ وہ "ذونواس" سے نصارا کے نجران کا انتقام لے، اور اس خط کو اسی شخص کے ہاتھ "نجاشی" کے پاس روانہ کیا۔ "نجاشی" نے ایک بہت بڑا لشکر جو ستر ہزار افراد سے زیادہ پر مشتمل تھا "اریاط" نامی شخص کی کمان میں مین کی طرف روانہ کیا۔ "ابرہہ" بھی اس لشکر کے افسروں میں سے ایک تھا۔

"ذونواس" کو شکست ہوئی، اور "اریاط" مین کا حکمران ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد "ابرہہ" نے اریاط کے خلاف بغاوت کر دی، اور اس کا خاتمہ کرنے کے بعد اس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔

اس واقعہ کی نجاشی کو خبر پہنچی تو اس نے "ابرہہ" کی سرکوبی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ابرہہ نے اپنی نجات کے لیے اپنے سر کے بال منڈوا کر مین کی کچھ مٹی کے ساتھ مکمل تسلیم کی نشانی کے طور پر نجاشی کے پاس بھیج دیے، اور وفاداری کا اعلان کیا۔ نجاشی نے جب یہ دیکھا تو ابرہہ کو معاف کر دیا، اور اُسے اس کے منصب پر برقرار رکھا۔

اس موقع پر "ابرہہ" نے اپنے حُسنِ خدمت کو ثابت کرنے کے لیے ایک اہم اور بہت ہی خوبصورت گرجا تعمیر کرایا، جس کی اس زمانہ میں گزہ زمین پر کوئی مثل و نظیر نہ تھی۔ اور اس کے بعد جزیرہ عرب کے لوگوں کو خانہ کعبہ کی بجائے اس گرجے کی طرف دعوت دینے کا مصمم ارادہ کر لیا، اور یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ اس جگہ کو عرب کے حج کا مرکز بنا کر مکہ کی اہم مرکزیت کو وہاں منتقل کر دے۔

اس مقصد کے لیے اس نے ہر طرف عرب کے قبائل اور سرزمین حجاز میں بہت سے مبلغ بھیجے۔ عربوں نے جو مکہ اور کعبہ کے ساتھ شدید لگاؤ رکھتے تھے اور اُسے ابراہیم خلیل کے آثار میں سے جانتے تھے، اس سے غلط محسوس کیا۔ بعض روایات کے مطابق ایک گروہ نے وہاں جا کر مخفی طور پر اس گرجے کو آگ لگا دی، اور دوسری روایت کے مطابق بعض نے اُسے مخفی طور پر گندہ اور ملوث کر دیا۔ اور اس طرح سے انہوں نے اس عظیم دعوت کے مقابلہ میں شدید ردِ عمل کا مظاہرہ کیا، اور "ابرہہ" کے عبادت خانے کو بے اعتبار اور حقیر بنا دیا۔

ظاہر ہے اس پر "ابرہہ" کو بہت غصہ آیا اور اس نے خانہ کعبہ کو کلی طور پر ویران کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اُس کا خیال تھا اس طرح وہ انتقام بھی لے لے گا اور عربوں کو نئے معبد کی طرف متوجہ بھی کر دے گا۔ چنانچہ وہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جن میں سے کچھ لوگ ہاتھیل پر سوار تھے، مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو اُس نے کچھ لوگوں کو مکہ والوں کے اونٹ اور دوسرے اموال لوٹنے کے لیے بھیجا۔ ان میں سے دو سوار "عبدالطلب" کے بھی ٹوٹ لیے گئے۔

ابہرہ نے کسی آدمی کو مکہ کے اندر بھیجا اور اس سے کہا کہ رئیس مکہ کو تلاش کر کے اس سے کہنا کہ "ابرہہ"

یمن کا بادشاہ کہتا ہے کہ : میں جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا۔ میں تو صرف اس لیے آیا ہوں کہ اس خانہ کعبہ کو دیران کر دوں۔ اگر تم جنگ نہ کرو تو مجھے تمہارا خون بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔

”ابرہہ“ کا قاصد مکہ میں داخل ہوا اور رئیس و شریف مکہ کے بارے میں دریافت کیا۔ سب نے ”عبدالطلب“ کی طرف راہنمائی کی۔ اس نے ”عبدالطلب“ کے سامنے حاضر بیان کیا۔ ”عبدالطلب“ نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم میں تم سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے، رہا خانہ کعبہ تو خدا خود اس کی حفاظت کرے گا۔

”ابرہہ“ کے قاصد نے عبدالطلب سے کہا کہ تمہیں میرے ساتھ اس کے پاس چلنا پڑے گا۔ جب عبدالطلب اس کے دربار میں داخل ہوئے تو وہ آپ کے بلند قد، حسین چہرے اور حد سے زیادہ رعب اور دبدبہ کو دیکھ کر سخت متاثر ہوا، یہاں تک کہ ”ابرہہ“ ان کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اور ”عبدالطلب“ کو اپنے پہلو میں بٹھالیا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے۔ اس کے بعد اس نے اپنے مترجم سے کہا کہ ان سے پوچھ کر ان کی کیا حاجت ہے ؟

آپ نے مترجم سے کہا : میری حاجت یہ ہے کہ میرے دو سو اونٹ تیرے لشکر کی لوٹ کر لے گئے ہیں، تو انہیں حکم دے کہ وہ میرا مال واپس کر دیں۔

”ابرہہ“ کو ان کے اس مطالبہ پر سخت تعجب ہوا اور اس نے اپنے مترجم سے کہا : ان سے کہو : جب میں نے تمہیں دیکھا تھا، تو میرے دل میں تمہاری بہت زیادہ عظمت پیدا ہوئی تھی، لیکن جب نے یہ بات کہی تو میری نظر میں تمہاری توقیر گھٹ گئی، تم اپنے دو سو اونٹوں کے بارے میں تو بات کرتے ہو لیکن ”کعبہ“ کے بارے میں جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین ہے، اور میں اسے دیران کرنے کے لیے آیا ہوں، بالکل کوئی بات نہیں کرتے۔ ”عبدالطلب“ نے کہا :

”انارب الابل ، وان للبيت ربا سيمنعه“

”میں اونٹوں کا مالک ہوں، اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔“

(اس بات نے ابرہہ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ سوچ میں پڑ گیا)۔

”عبدالطلب“ مکہ کی طرف آئے، اور لوگوں کو اطلاع دی کہ وہ پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو جائیں۔ اور آپ خود ایک گروہ کے ساتھ خانہ کعبہ کے پاس آئے تاکہ دعا کریں اور مدد طلب کریں۔ آپ نے خانہ کعبہ کے دروازے کی زنجیر میں ہاتھ ڈال کر اپنے یہ مشہور اشعار پڑھے :

لاهُوَ ان السوء يمنع مرحله فامنع رجالك

لا يغلبن صليهم ومخالصهم ابدا محالك

اس ایک بیٹے کو آپ آتا ہوا نظر آ رہا

دوسرے اطراف کے پڑ کی طرف گزرتا

اسی ایک کے پاس یہ کنکریاں ابرہہ ہل پر جہاں یہ

اس وقت طبع موزنین

جروا جميع بلادهم والفيل كى يسبوا عيالك

لاهم ان المريع يمنع رحله فامنع عيالك

وانصر على آل الصليب وعابديه اليوم الك

"خدايا ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو اپنے گھر کی حفاظت فرما۔"

ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی دن ان کی صلیب اور ان کی قدرت تیری قدرتوں پر غلبہ حاصل کرے۔"

اور اپنے شہروں کی تمام توانائیاں اور ہاتھی ساتھ لے کر آئے ہیں تاکہ تیرے حرم کے

ساکنوں کو قیدی بنالیں۔"

"خدايا ہر شخص اپنے گھر والوں کا دفاع کرتا ہے تو بھی اپنے حرم امن کے رہنے والوں کا

دفاع کر۔"

اور آج اس حرم کے رہنے والوں کی آل صلیب اور اس کی عبادت کرنے والوں کے برخلاف

مدد فرما۔"

اس کے بعد عبدالمطلب اطراف مکہ کے ایک درہ کی طرف آئے ، قریش کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں پناہ لی اور اپنے

بیٹے کو حکم دیا کہ وہ کوہ ابوقیس کے اوپر جا کر دیکھے کہ کیا ہو رہا ہے۔

آپ کا بیٹا بڑی تیزی کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور کہا : بابا جان ! سمندر (دریا ئے احمر) کی طرف سے ایک سیاہ بادل

ہوا نظر آرہا ہے۔ عبدالمطلب خوش ہو گئے اور ہلکار کر کہا :

"یا معشر قریش ! ادخلوا منازلکم فقد اتاکم اللہ بالنصر من عندہ"

"اے جمیعت قریش اپنے گھروں کی طرف پلٹ جاؤ کیونکہ خدا کی نصرت تمہاری مدد کے لیے

آ رہی ہے۔ یہ تو اس طرف کی بات تھی۔"

دوسری طرف سے ابرہہ اپنے مشہور ہاضی پر سوار جس کا نام "محمود" تھا ، اپنے کثیر لشکر کے ساتھ کعبہ کو تباہ کرنے کے لیے

اف کے پہاڑوں سے مکہ کی طرف اُترا ، لیکن وہ اپنے ہاتھی پر جتنا دباؤ ڈالتا تھا وہ آگے نہ بڑھتا تھا ، لیکن جب وہ اس کا رخ میں

طرف کرنا تھا تو وہ فوراً چل پڑتا تھا۔ ابرہہ اس واقعہ سے سخت متعجب ہوا اور حیرت میں ڈوب گیا۔

اسی اثناء میں سمندر کی طرف سے غول کے غول اور جھنڈ کے جھنڈ ، چھوٹے چھوٹے پرندوں کے آن پہنچے ، جن میں سے ہر

س کے پاس تین تین کنکریاں تھیں ، ایک ایک چونچ میں اور دو دو پنچوں میں ، جو تقریباً چنے کے دانے کے برابر تھیں۔ انہوں نے

کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برساتی شروع کر دیں۔ یہ کنکریاں جس کسی کو لگتیں وہ ہلاک ہو جاتا۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ کنکریاں ان کے

ن پر جہاں بھی لگتیں سوراخ کر دیتی تھیں ، اور دوسری طرف نکل جاتی تھیں۔

اس وقت ابرہہ کے لشکر پر ایک عجیب و غریب وحشت طاری ہو گئی۔ جو زندہ بچے وہ بھاگ کھڑے ہوئے ، اور داپسی کیلے

لے۔ مومنین دمسقرین نے اوپر والے اشارہ کو مختلف طور پر نقل کیا ہے جو کچھ اوپر نقل دیا گیا ہے وہ مختلف نقلوں کا مرکب خلاصہ ہے۔

میں کی راہ پر چھتے تھے، لیکن مسلسل غمراں کے بتوں کی طرح سڑک کے نیچوں بچ کر جاتے تھے۔

ایک پتھر غود "ابرہہ" کے آکر لگا اور وہ زخمی ہو گیا۔ اس کو صنعا میں کے پائے تخت کی طرف واپس لے گئے اور وہ وہاں جا کر ہلاک ہو گیا۔

بعض نے کہا ہے کہ پیچک کی بیماری پہلی مرتبہ عرب میں اسی سال پھیلی تھی۔ ہاتھیوں کی تعداد جو ابرہہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، بعض نے وہی "محمود" ہاتھی، بعض نے آٹھ، بعض نے دس اور بعض نے بارہ لکھی ہے۔

مشہور قول کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اسی سال ہوئی اور عالم آپ کے نور وجود سے منور ہو گیا۔ لہذا بہت سے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان دونوں واقعات کے درمیان ایک رابطہ موجود تھا۔ بہر حال اس عظیم حادثہ کی اس قدر اہمیت تھی کہ اس سال کا نام عام الفیل (ہاتھی کا سال) رکھا گیا اور یہ عربوں کی تاریخ کا مبداء قرار پایا۔^۱

تفسیر

"ابرہہ" سے کہہ دو کہ آنے میں جلدی نہ کرے

اس سورہ کی پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: "کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا کیا؟" (الحرز کیف فعل ربک باصحاب الفیل)۔ وہ اپنی پوری قدرت و طاقت اور لشکر کے ساتھ آئے تھے تاکہ خانہ خدا کو ویران و تباہ کر دیں اور خدا نے ایک ایسے لشکر کے ساتھ، جو بظاہر بہت ہی پھوٹا اور بے حیثیت تھا، انہیں درہم برہم کر دیا۔ ہاتھیوں کو چھوٹے سے پرندوں کے ساتھ، اور اس زمانہ کے ترقی یافتہ مسلم کو "سجیل" پتھر بلی کنکریوں کے ساتھ بیچارہ کر دیا تاکہ اس مغرور و سرکش انسان کی کمزوری و ناتوانی کو قدرت الہی کے مقابلہ میں ظاہر و آشکار کرے۔

الحرز (کیا تُو نے نہیں دیکھا؟) کی تعبیر حالانکہ یہ حادثہ ایسے زمانہ میں رونما ہوا تھا کہ پیغمبر نے ابھی دنیا میں آنکھ نہیں کھولی تھی، یا یہ آپ کی پیدائش سے قریب تر تھا، اسی وجہ سے مذکورہ حادثہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بہت ہی نزدیک تھا، اس کے علاوہ یہ اتنا مشہور و معروف اور متواتر تھا کہ گویا پیغمبر نے اپنی چشم مبارک سے اس کا مشاہدہ کیا ہوا تھا، اور پیغمبر کے معاصرین میں سے ایک گروہ نے یقینی طور پر اُسے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

"اصحاب الفیل" کی تعبیر انہیں چند ہاتھیوں کی وجہ سے ہے جنہیں وہ اپنے ساتھ مین سے لائے تھے تاکہ مخالفین کو

۱ "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱ ص ۳۸ تا ۴۲ "بلوغ اللارب" جلد ۱ ص ۲۵۰ تا ۲۶۳ "بحار الانوار" جلد ۱۵ ص ۱۲۰ سے

"مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۴۲

مڑوب کریں، اور اُونٹ اور گھوڑے انہیں دیکھ کر ہلک جانیں اور میدان جنگ میں نہ بٹھرسکیں۔
اس کے بعد مزید کہتا ہے: "کیا خدا نے ان کے منصوبہ کو خاک میں نہیں ملا دیا" (الو یجعل کیدہم فی تضلیل)۔
ان کا ارادہ یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو تباہ کر ڈالیں تاکہ مین کے گرجے کو مرکزیت حاصل ہو اور تمام قبائل عرب اس کی طرف
متوجہ ہو جائیں۔ لیکن وہ نہ صرف یہ کہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے بلکہ اس ماجرے نے جس کی شہرت تمام
جزیرہ نما کے عرب میں پھیل گئی تھی۔ مگر اور خانہ کعبہ کی عظمت کو اور چار چاند لگا دیے اور اس کے مشتاق دلوں کو پہلے سے بھی
زیادہ اس کی طرف متوجہ کر دیا اور شہر کو اور بھی زیادہ پُر امن بنا دیا۔

"تضلیل" سے مراد، جو وہی گمراہ کرنا ہے یہ ہے، کہ وہ ہرگز اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔
اس کے بعد اس ماجرے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "خدا نے گروہ درگروہ پرندے ان کے سرول پر
بیج دیے۔" (وارسل علیہم طیرا ابابیل)۔
"ابابیل" لوگوں کی زبانوں پر جو کچھ مشہور ہے اس کے برخلاف یہ اس پرندے کا نام نہیں تھا، بلکہ یہ وصفی معنی رکھتا ہے۔
بعض نے اسے (مستغرق گوہوں) کے معنی میں سمجھا ہے، اس معنی میں کہ مذکورہ پرندے گروہ درگروہ ہر طرف ہاتھیوں کے لشکر کی
طرف آئے تھے۔

یہ لفظ جمع کے معنی دیتا ہے، جس کا مفرد بعض نے "ابابلہ" یعنی پرندوں یا گھوڑوں یا اونٹوں کا گروہ سمجھا ہے اور بعض
یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی جمع ہے جس کی جنس کا مفرد نہیں ہے۔
بہر حال "طیر" یہاں جمع کا معنی دیتا ہے، اور یہ دونوں الفاظ "طیر" و "ابابیل" مجموعی طور پر گروہ درگروہ
پرندوں کے معنی میں ہے (ایسا نہیں ہے کہ ابابیل ان پرندوں کا نام ہو)۔
اس بارے میں کہ یہ پرندہ کون سا پرندہ تھا۔ جیسا کہ ہم نے داستانوں کی تفصیل میں بیان کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ
پرندے کوئے یا چیل کی طرح کے پرندے تھے جو بحر احمر کی راہ سے اُٹھے تھے اور ہاتھیوں کے لشکر کی طرف آئے تھے۔
بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے: "ان پرندوں نے اس لشکر کو سجیل (پتھر ملی مٹی) کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے
نشانہ بنایا تھا" (ترمیہو بحجاسۃ من سجیل)۔

اور جیسا کہ اس ماجرے کی تفصیل میں ہم نے تواریخ، تفاسیر اور روایات سے نقل کیا ہے، ان چھوٹے چھوٹے پرندوں
میں سے ہر ایک نے چنے کے دانے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی چھوٹی کنکریاں اٹھائی ہوئی تھیں، ایک ایک کنکری چرخیج میں
اور دو دو اپنے پنجن میں۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں جس پر بھی پڑتی تھیں، اسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھیں۔
جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے: "انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند بنا دیا" (فجعلہم کعصف ماکول)۔

۱ "فیل" اگرچہ یہاں مفرد ہے، لیکن جنس و جمع کا معنی رکھتا ہے۔
۲ "سجیل" فارسی کا لفظ ہے جو "سنگ" (پتھر) اور "گل" (مٹی) سے لیا گیا ہے، اسی بنا پر وہ ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو
نہ پتھر کی طرح سخت ہو اور نہ مٹی کی طرح نرم۔

”عصف“ (بروزن حذف) اُن پتوں کو کہتے ہیں جو زراعت کی شاخ پر ہوتے ہیں اور پھر خشک ہو کر ٹوٹے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ ”گھاس“ کے معنی میں ہے۔ اور بعض نے اس کی گندم کے اس چھکے کے معنی میں تفسیر کی ہے، جب کہ وہ خوشہ میں ہوتا ہے۔

”مأکول“ کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ گھاس جانوروں کے دانتوں کے نیچے آکر دوبارہ پس جاتا ہے اور مکمل طور پر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ پھر جانور کے معدہ نے بھی اُسے تیسری مرتبہ ریزہ ریزہ کیا ہے اور یہ چیز اس بات کی نشانی کرتی ہے کہ یہ سنگ ریزے جس کسی کو بھی جا کر لگتے تھے، اس کو مکمل طور پر ریزہ ریزہ کر دیتے تھے۔

یہ تعبیر ان کے شدت کے ساتھ پارہ پارہ ہونے کی دلیل قرار پانے کے علاوہ اس سرکش و مغرور اور ظاہراً طاقت ور گردہ اور جمعیت کے بے قدر و قیمت ہونے اور اس کے ضعف و ناتوانی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

چند نکات

۱۔ ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا ایک مالک ہے)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس مفصل و طولانی داستان کو چند مختصر اور چھپنے والے انتہائی فصیح و بلیغ جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ اور حقیقتاً ایسے نکات بیان کیے ہیں جو قرآنی اہداف، یعنی مغرور سرکشوں کو بیدار کرنے اور خدا کی عظیم قدرت کے مقابلہ میں انسان کی کمزوری دکھانے میں مدد دیتے ہیں۔

یہ باہر اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ معجزات و خوارق عادت، بعض لوگوں کے خیال کے برخلاف لازمی نہیں ہیں کہ پیغمبر یا امام ہی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔ بلکہ جن حالات میں خدا چاہے اور ضروری سمجھے انجام پا جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ لوگ خدا کی عظمت اور اس کے دین کی حقانیت سے آشنا ہو جائیں۔

یہ عجیب و غریب اہماز آمیز عذاب دوسری سرکش اقوام کے عذاب کے ساتھ ایک واضح فرق رکھتا ہے کیونکہ طوفان نور عذاب، اور قوم لوط کا زلزلہ اور سنگ باری، قوم عاد کی تیز آندھی اور قوم ثمود کا صاعقہ طبعی حوادث کا ایک سلسلہ تھے، کہ جن کا صبر ان خاص حالات میں وقوع معجزہ تھا۔

لیکن لشکر ابرہہ کی نابودی کی داستان ان سنگریزوں کے ذریعے جو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی چونچ اور پنوں سے گرتے تھے ایسی چیز نہیں تھی جو طبعی حوادث سے مشابہ ہو۔

ان چھوٹے چھوٹے پرندوں کا اٹھنا، اسی خاص لشکر کی طرف آنا، اپنے ساتھ کنکریوں کا لانا، خاص طور سے ان کو نشانہ بنانا اور ان چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے ایک عظیم لشکر کے افراد کے اجسام کا ریزہ ریزہ ہو جانا، یہ سب کے سب خارق عادت امور ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی قدرت کے سامنے بہت ہی معمولی چیز ہے۔

دہی خدا جس نے انہیں سنگ ریزوں کے اندر ایٹم کی قدرت پیدا کی ہے، کہ اگر وہ آزاد ہو جائے تو ایک عظیم تباہی پھیلا دے

اس کے لیے
(کھائے ہو)
ہمیں
یا چپک کے
اور اگر
اس بات کی دہ
اسی ط
درمیان کی فضا
یہ سب
تو اتنا ہی جانتے
کوئی اطلاع ہما
۲۔ معموم
قابل توجہ
دکھا دی ہے۔
سے تباہ و برباد
اتنی بڑی
سے کام لیا جا۔
قدرت کے مقابلہ
مطلب
دیتا ہے۔ مثلاً
ساتھ اپنی پیدائش
اور ایک مختصر سو
میں کا عذاب
کی پیدائش کا ذریعہ
۱۔ ”تفسیر عبد
اگر بعض قرار

اس کے لیے یہ بات آسان ہے کہ ان کے اندر ایسی خاصیت پیدا کر دے کہ ابرہہ کے لشکر کے جسموں کو "عصف مأكول" (کھائے ہوئے بھوسے کی مانند) بنا دے۔

ہمیں بعض مصری مفسرین کی طرح اس حادثہ کی توجیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ان کنکریوں میں دبا یا چیچک کے جراثیم تھے۔

اور اگر بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ صدر زہ لوگوں کے بدنوں سے چیچک میں مبتلا افراد کی طرح خون اور پیپ آتی تھی، تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حتی طور پر چیچک میں مبتلا تھے۔

اسی طرح سے ہمیں اس بات کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ یہ سنگ ریزے پہلے ہوئے ایٹم تھے جن کے درمیان کی فضا ختم ہو گئی تھی۔ اور وہ حد سے زیادہ سخت تھے، اس طرح سے کہ وہ جہاں بھی گرتے تھے سوراخ کر دیتے تھے۔

یہ سب کی سب ایسی توہمات ہیں جو اس حادثہ کو طبعی بنانے کے لیے ذکر ہوئی ہیں اور ہم اس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان سنگ ریزوں میں ایسی عجیب و غریب خاصیت تھی جو جسموں کو ریزہ کر دیتی تھی۔ اس سے زیادہ اور کوئی اطلاع ہمارے پاس نہیں ہے۔ بہر حال خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کوئی کام بھی مشکل نہیں ہوتا۔

۲۔ معمولی وسیلہ سے سخت ترین سزا

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خدا نے اس ماجرے میں مستحکمین اور سرکشوں کے مقابلہ میں اپنی قدرت اعلیٰ ترین صورت میں دکھا دی ہے۔ شاید دنیا میں ابرہہ کے لشکر کے عذاب سے بڑھ کر زیادہ سخت اور کوئی عذاب نہ ہو اور ان مغرور لوگوں کو اس طرح سے تباہ و برباد کر دیا جائے کہ ریزہ ریزہ اور کھائے ہوئے بھوسے (عصف مأكول) کی طرح ہو جائیں۔

اتنی بڑی قدرت و شوکت رکھنے والی جمیعت کی نابودی کے لیے نرم قسم کے سنگ ریزوں اور کمزور اور چھوٹے چھوٹے پرنڈوں سے کام لیا جائے۔ وہی بات کہ یہ دنیا جہان کے تمام مستحکمین اور سرکشوں کے لیے ایک تنبیہ ہے، تاکہ وہ جان لیں کہ وہ خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کس قدر ناتوان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خدا اس قسم کے عظیم کام بہت ہی چھوٹے سے موجودات کے سپرد کر دیتا ہے۔ مثلاً ایسے جراثیم کو، جو ہرگز آنکھ سے دیکھے نہیں جاسکتے، مامور کر دیتا ہے کہ وہ ایک مختصر سی مدت میں شریعت کے ساتھ اپنی پیدائش بڑھاکر طاقتور قوموں کو ایک خطرناک سرایت کرنے والی بیماری، مثلاً "دبا" و "طاعون" میں مبتلا کر دے اور ایک مختصر سی مدت میں غزاں کے ہر طرف کی طرح زمین پر پھیل کر دے۔

میں کا عظیم بند (سدنارب)۔ جیسا کہ ہم نے ثورۃ سبا کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ زیادہ آبادی اور ایک عظیم طاقتور تمدن کی پیدائش کا ذریعہ بنی۔ اور اس کے بعد اس قوم کی سرکشی بڑھ گئی، لیکن اس قوم کی نابودی کا فرمان جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے،

ل "تفسیر عبیدہ" جز ۱ ص ۱۵۸ ملاحظہ ہو۔

اگر بعض قاری بھی یہ آیا ہے کہ عرب کے شہزادوں میں چیچک کا مرض پہلی مرتبہ اسی سال دیکھنے میں آیا ہے تو یہ بات اس معنی پر دلیل نہیں بنتی۔

ایک یا چند صحرائی پتھر ہوں کے سپرد ہوا تاکہ وہ اس عظیم بنید کے اندر گھس جائیں اور اس میں ایک سوراخ کر دیں۔ اس سوراخ میں پانی داخل ہونے کی وجہ سے یہ سوراخ بڑے سے بڑا ہوتا چلا گیا اور آخر کار وہ عظیم بند ٹوٹ گیا اور وہ پانی جو اس بند کے تھپیڑے مار رہا تھا، اس نے ان سب آبادیوں، گھروں اور مغللوں کو دریاں اور تباہ و برباد کر دیا۔ اور وہ بڑی جمیعت یا تو نابود ہو گئی یا دوسرے علاقوں میں پراگندہ اور منتشر ہو گئی۔ یہ ہے خداوند بزرگ و برتر کی قدرت نمائی۔

۳۔ داستان "فیل" کے اہداف

آگے آنے والی سورت (سورۃ لایلاف) سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ سورۃ فیل کا ایک ہدف قریش پر خدا کی عظیم نعمتوں کی یاد آوری ہے تاکہ انہیں یہ بتا دے کہ اگر پروردگار کا لطف نہ ہوتا تو نہ تو اس مقدس مرکز یعنی مکہ و کعبہ کے آثار ہوتے اور نہ ہی قریش ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اسی طرح کبر و غرور کی سواری سے نیچے اتر آئیں۔ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

دوسری طرف یہ ماجرہ، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کے قریب قریب ساتھ واقع ہوا تھا، حقیقت میں اس عظیم ظہور کا پیش خیمہ تھا اور اس قیام کی عظمت کا پیام لانے والا تھا۔ اور یہ وہی چیز ہے جسے مفسرین نے "ارہاص" سے تعبیر کیا ہے۔ اس واقعہ کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ یہ ساری دنیا جہان کے سرکشوں کے لیے ایک تنبیہ ہے، چاہے وہ قریش ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور ہوں، کہ وہ جان لیں کہ وہ ہرگز پروردگار کی قدرت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ وہ خیال خام کو اپنے سر سے نکال دیں، اس کا حکم مانیں اور حق و عدالت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

چوتھا مقصد اس عظیم گھر کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے کہ جب "کعبہ" کے دشمنوں نے اس کو نابود کرنے کا منصوبہ بنایا، اور وہ اس ابراہیمی سرزمین کی مرکزیت کو دوسری جگہ منتقل کرنا چاہتے تھے، تو خدا نے ان کی اس طرح سے گوشمالی کی کہ ساری دنیا کے لیے باعث عبرت بن گئی اور اس مقدس مرکز کی اہمیت کو مزید بڑھا دیا۔

اور پانچواں مقصد یہ ہے کہ وہ خدا جس نے اس سرزمین مقدس کی امنیت کے بارے میں ابراہیم خلیل کی دعا کو قبول کیا تھا، اور اس کی ضمانت دی تھی، اس نے اس ماجرے میں اس بات کی نشان دہی کر دی ہے کہ اس کی مشیت یہی ہے کہ یہ توحید و عبادت کا مرکز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مرکز امن رہے۔

۴۔ ایک مسلم تاریخی روئیداد

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "اصحاب فیل" کا ماجرا عربوں کے درمیان ایسا ستم تھا کہ یہ ان کے لیے تاریخ کا آغاز قرار پایا اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، قرآن مجید نے ایک نہایت ہی عمدہ تعبیر "الحوقر" (کیا تو نے نہیں دیکھا) کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ "ارہاص" ان مجربات کے معنی میں ہے جو پیغمبر کے قیام سے قبل واقع ہوئے اور اس کی دعوت کے لیے زمین ہموار کرنے والے ہوں۔ یہ لفظ اہل میں بنیاد گزاری اور پہلا سنگ بنیاد رکھنے کے معنی میں ہے جسے دیوار کے نیچے رکھتے ہیں اور آمادہ ہونے اور (کھڑے ہونے) کے معنی میں بھی آیا ہے۔

ذکر کیا ہے

جو اس ماجرے

ان

کسی نے ا

کی طرح ہی

خدا

پرورد

پیام کو نظر

بار

۱۔

۲۔

ذکر کیا ہے، وہ بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے جو نہ تو اس زمانہ میں موجود تھے اور نہ ہی اُسے دیکھا تھا، جو اس ماجرے کے مسلم ہونے کی ایک اور نشانی ہے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین مکہ کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی تو کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ اگر یہ مطلب مشکوک ہوتا تو کم از کم کوئی تو اعتراض کرتا اور ان کا اعتراض ان کے باقی اعتراضوں کی طرح ہی تاریخ میں ثبت ہو جاتا، خصوصاً جب کہ قرآن نے جملہ "الھوتر" کے ساتھ اس مطلب کو ادا کیا تھا۔

خداوند! ہمیں توفیق مرحمت فرما کہ ہم اس توحید کے عظیم مرکز کی پاسداری کریں۔
پروردگارا! ان لوگوں کے ہاتھ، جو اس مقدس مرکز کی ظاہری حفاظت پر قناعت کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت کے پیام کو نظر انداز کرتے ہیں، اس مرکز سے کاٹ دے۔

بار الہا! تمام اشتیاق رکھنے والوں کو مکمل آگاہی و عرفان کے ساتھ اس کی زیارت نصیب فرما۔

❖

❖

❖

آمین یا سرّ العالمین

اختتام سورۃ فیل

اختتام ترجمہ

۲ شوال ۱۴۰۸ھ صبح سات بج کر دس منٹ

برسکان حقیر قم مقدس ایران

www.sirat-e-mustaqeem.ir

سُورَةُ الْقُرْشِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۴ آیات ہیں۔

یہ سُورہ
اس سُورہ
احساس پیدا ہو
جیسا کہ
اسی طرح سُورہ
پر غور کریں تو
کی دلیل بن گئے
اسی بن
کہ وہ دونوں
اس سلسلے
اس سو

مسئلہ طور پر
استقام کو مد نظر رکھ کر
لے کر حرم شریف حرامی

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورۃ "قریش" کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ حقیقت میں سُورۃ فیل کی تکمیل کرنے والی سمجھی جاتی ہے اور اس کی آیات اس مطلب پر واضح دلیل ہیں۔
اس سُورہ کا مضمون قریش پر خدا کی نعمت اور ان کے بارے میں اس کے الطاف اور محبتوں کا بیان ہے، تاکہ ان میں شکرگزاری کا احساس پیدا ہو اور یہ اس عظیم گھر کے پروردگار کی عبادت کے لیے جس سے ان کا سارا شرف اور افتخار ہے۔ تیار ہو جائیں۔
جیسا کہ ہم نے سُورۃ "الضحیٰ" کے آغاز میں بیان کیا تھا کہ یہ سُورہ اور سُورہ المونسرِح حقیقت میں ایک شمار ہوتی ہے۔
اسی طرح سُورۃ "فیل" اور سُورۃ "قریش" بھی ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ کیونکہ اگر ہم ٹھیک طرح سے ان دونوں کے مطالب پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کے مطالب ایک دوسرے کے ساتھ اتنے ملتے جلتے ہیں کہ وہ دونوں کے ایک ہونے کی دلیل بن سکتے ہیں۔

اسی بنا پر نماز کی ہر رکعت میں ایک مکمل سُورت پڑھنے کے لیے اگر کوئی شخص اُوپر والی سُورتوں کا انتخاب کرے تو ضروری ہے کہ وہ دونوں کو اکٹھا پڑھے۔

اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لیے فقہی کتابوں (کتاب صلوٰۃ بحث قرائت) کی طرف رجوع کیا جائے۔
اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں یہی بات کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"من قرأھا اعطی من الاجر عشر حسنات، بعدد من طاف بالکعبۃ، واعتکف بہا۔"

"جو شخص اس کو پڑھے تو اسے ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں دی جائے گی، جنہوں نے خانہ کعبہ

کا طواف کیا ہے، یا وہاں اعتکاف کیا ہے۔"

مسئلہ طور پر اس قسم کی فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس خدا کی بارگاہ میں جو کعبہ کا پروردگار ہے، مرتبہ عظیم بھگائے اس کی عبادت کرے، اس گھر کے

احترام کو مد نظر رکھے، اس کا پیام دل کے کان سے سُنے اور اس کی پابندی کرے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ لَا يُلْفِ قُرَيْشٌ ۝
- ۲۔ الْفِمْرُ حِلَّةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝
- ۳۔ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۝
- ۴۔ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّنْ جُوعٍ ۖ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۖ

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ (اصحابِ فیل کا عذاب) اس بنا پر تھا کہ قریش (اس سرزمینِ مقدس سے) اُلفت رکھیں۔ (اور پیغمبر کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں)۔
 - ۲۔ انہیں سردیوں اور گرمیوں کے سفروں سے اُلفت ہے۔
 - ۳۔ پس (اس عظیم نعمت کے شکرانے کے طور پر) اس گھر کے پروردگار کی عبادت کریں۔
 - ۴۔ وہی جس نے انہیں بھوک سے نجات دی اور بد امنی سے نجات بخشی۔

چو

اس خدائی

ہے، فرمانا

مقدس سرزمین

ایسا

کے معنی میں

جوابِ افغا

بہر

کی مرکزیت

اقتصادی اور

یہ

یا خانہ کعبہ وہ

قر

نوع کے معنی

ہوا کہ قریش کو

اس

لہ "لای"

فجہ

کے

تفسیر

اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے۔

چونکہ گزشتہ سورہ (سورہ فیل) میں اصحاب فیل اور ابرہہ کے لشکر کی نابودی کی تفصیل بیان ہوئی تھی، جو خانہ کعبہ کو نابود کرنے اور اس خدائی مرکز مقدس کو ویران کرنے کے ارادہ سے آیا تھا، لہذا اس سورہ کی پہلی آیت میں، جو حقیقت میں سورہ فیل کا ایک تکمیلی بیان ہے، فرماتا ہے: ”ہم نے ہاتھیوں کے لشکر کو نابود کر کے انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کے مانند ریزہ ریزہ کر دیا،“ تاکہ قریش اس مقدس سرزمین سے اُلفت پیدا کریں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں۔ (لایلاف قریش) بلکہ ”ایلاف“ مصدر ہے اور اُلفت بخشنے کے معنی میں ہے اور ”اُلفت“ انس و محبت اور گھل مل جانے کے ساتھ اجتماع کے معنی میں ہے، اور یہ جو بعض نے ”ایلاف“ کی مؤلفیت اور حمد و بیان کے ساتھ تفسیر کی ہے، تو وہ نہ تو اس لفظ کے ساتھ مناسب جو باب افعال کا مصدر ہے اور نہ ہی اس سورہ کی آیات کے مضمون سے۔

بہر حال اس سے مراد قریش اور سرزمین مکہ اور خانہ کعبہ کے درمیان اُلفت پیدا کرنا ہے کیونکہ قریش اور تمام اہل مکہ اس سرزمین کی مرکزیت اور امنیت کی بنا پر ہی وہاں رہائش پذیر تھے۔ حجاز کے بہت سے لوگ ہر سال وہاں آتے تھے اور مراسم حج، بجالاتے تھے، اقتصادی اور ادبی مبادلات رکھتے تھے اور اس سرزمین کی مختلف برکات سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اس کی مخصوص سلامتی کی وجہ سے تھا۔ اگر ابرہہ یا کسی اور کی لشکر کشی سے اس کی سلامتی اور امنیت مخدوش ہو جاتی، یا خانہ کعبہ ویران ہو جاتا، تو پھر کسی کو اس سرزمین سے اُلفت و محبت نہ رہتی۔

”قریش“ کا لفظ، جیسا کہ بہت سے مفسرین اور اباب لغت نے کہا ہے، اصل میں سمندر کے عظیم جانوروں کی ایک نوع کے معنی میں ہے، جو ہر جانور کو آسانی کے ساتھ کھا لیتی ہے۔ یہ عبارت ”ابن عباس“ سے مشہور ہے کہ جب ان سے سوال ہوا کہ قریش کو ”قریش“ کیوں کہتے ہیں؟ تو انہوں نے یہ جواب دیا:

”لدا بۃ تکون فی البحر من اعظم دوابہ یقال لہا القریش، لا تشر بشی من الفث والسمین الا اکلتہ!“

”یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سمندر کے ایک بہت بڑے جانور کا نام ہے، وہ جس دُبُلے یا موٹے جانور کے پاس سے گزرتا ہے اُسے کھا جاتا ہے۔“

اس کے بعد وہ اپنی بات کے ثبوت میں اشعار عرب سے شہادت پیش کرتے ہیں۔

لہ ”لایلاف“ میں ”لام“ علت کے معنی میں ہے اور ”بارد مجرور“ ”جعل“ سے متعلق ہے، جو گزشتہ سورہ کی آیت ”فجعلہم کعصف مأكول“ میں، یا کسی اور دوسرے فعل کے جو اس سورہ میں تھا۔ بعض نے اس بارد مجرور کو خلیعہ و عدا کے جملہ سے متعلق سمجھا ہے، جو بعد والی آیات میں آیا ہے لیکن یہ احتمال آیات کے منہوم کے ساتھ جن اس بارد مجرور نہیں ہے اور پہلا معنی بہتر ہے۔

اس بنا پر اس قبیلہ کے لیے اس نام کا انتخاب، اس قبیلہ کی قدرت و قوت اور اس قدرت سے غلط فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ہوا۔

لیکن بعض نے اسے "قرش" (بروزن قرش) کے مادہ سے اکتساب کے معنی میں لیا ہے، کیونکہ عام طور پر یہ قبیلہ تجارت اور کسب میں مشغول رہتا تھا۔

بعض اس مادہ کو خبرگیری اور دیکھ بھال کرنے کے معنی میں جانتے ہیں اور چونکہ قریش حاجیوں کے حالات کی خبرگیری کرتے تھے اور بعض اوقات ان کی مدد کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ ان کے لیے منتخب ہوا۔

"قرش" لغت میں اجتماع کے معنی میں بھی آیا ہے کیونکہ یہ قبیلہ ایک خاص قسم کی تنظیم اور اجتماع رکھتا تھا، اس لیے یہ نام ان کے لیے انتخاب ہوا۔

لیکن بہر حال موجودہ زمانہ میں قریش کسی اچھے مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا، اور باوجود اس کے کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ تھا، اسلام کا سخت ترین دشمن شمار ہوتا تھا جو کسی قسم کی عہد شکنی، عداوت اور دشمنی سے نہیں چوکتا تھا۔ یہاں تک کہ جب ان کی قدرت و طاقت اسلام کی کامیابی کی وجہ سے دم توڑ گئی تو پھر بھی انہوں نے مخنی سازشوں کو جاری رکھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی انہوں نے ایسے دردناک حوادث پیدا کیے جنہیں تاریخ اسلام کبھی فراموش نہیں کرے گی ہم جانتے ہیں کہ "بنی امیہ" اور "بنی عباس" جو طاغوتی حکومت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے، قریش میں سے ہی اُٹھے تھے۔

قرآن بھی اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ وہ عربوں کے زمانہ جاہلیت میں بھی لوگوں کے استعمار و استعمار کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور اسی وجہ سے جب آزادی بخش اسلام نے طلوع کیا اور ان کے ناجائز منافع خطرے میں پڑ گئے تو وہ پوری طاقت کے ساتھ مبارزہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ لیکن اسلام کی عظیم قدرت نے انہیں درہم برہم کر دیا۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "ہدف اور مقصد یہ تھا کہ خدا قریش کو سردیوں اور گرمیوں کے سفروں میں اُلفت بخشے۔" (ایلافہم رحلة الشتاء والصيف)۔

ممکن ہے کہ اس سرزمین مقدس سے قریش کو اُلفت بخشنا مراد ہو، تاکہ وہ گرمیوں اور سردیوں کے طویل سفروں میں اس مقدس مرکز سے اپنا تعلق اور لگاؤ دل سے نہ بھلائیں اور اس کی سلامتی کی وجہ سے اس کی طرف لوٹ آئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرزمین مین اور شام کی زندگی کی آسائشوں سے متاثر ہو کر مکہ کو خالی چھوڑ دیں۔

یا اس سے ان دو عظیم سفروں میں قریش اور دوسرے لوگوں کے درمیان اُلفت پیدا کرنا مراد ہے، کیونکہ ابھہ کی داستان کے

۱۔ "ایلافہم" اس "ایلاف" کا بدل ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے، اور "ہم" کی ضمیر پہلا مفعول ہے۔ اور "رحلة الشتاء" دوسرا

اور بعض کے نظریے کے مطابق ظرفیت کے معنی میں ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ "منصوب بنزع خافض" ہو، اور تقدیر میں اس طرح ہو "ایلافہم

رحلة الشتاء والصيف" (دوسرا اور تیسرا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے)۔

۲۔ "رحلة" اصل "رجل" (بروزن شہر) سے، اس پردہ کے معنی میں ہے جو سوار ہونے کے لیے ڈالتے ہیں۔ اسی مناسبت سے خود اُلف

یا ان مسافروں پر جو اونٹ یا دوسرے ذرائع سے ہوتی ہیں، پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

بعد لوگ انہیں وہ
قریش کو
نتیجہ میں یہ دونوں
ہمیں معا

کی درآمد زیادہ
موسم نسبتاً گرم ہو
اتفاق کی بات یہ
علقہ اتصالی شمار

البتہ قریش
یہ مقدر ہو چکا تھا
یہ لطف فرمایا۔

بعد والی آ
"اس گھر کے پر
"وہی خا

اطعمہ مز
ایک طرد
ضرر کیا۔ اور یہ سب

تھی۔ لیکن انہوں
کی عبادت پر ترجیح
خدا دنا!

پروردگارا
بار الہما!

اخت
۲۔ شوال
تم مکت
۱۔ بعض مفسرین

آیت ہے

بعد لوگ انہیں دوسری نظر سے دیکھتے تھے اور قریش کے قافلہ کے احترام و اہمیت کے قائل تھے۔
قریش کو اس طویل سفر میں بھی امن کی غرور دست تھی اور سرزمین مکہ کے لیے بھی، اور خدا نے ابرہہ کے لشکر کی شکست کے
نتیجہ میں یہ دونوں سلامتیاں انہیں بخش دی تھیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ ”مکہ“ کی زمین میں نہ تو کوئی باغ تھا اور نہ ہی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ جانوروں کی دیکھ بھال بھی ان کی محدود تھی ان
کی درآمد زیادہ تر انہیں تجارتی قافلوں کے ذریعے پوری ہوتی تھی۔ وہ سردی کے موسم میں جنوب یعنی سرزمین یمن کی طرف۔ جس کا
موسم نسبتاً گرم ہوتا تھا۔ رُخ کرتے تھے اور گرمی کے موسم میں شمال اور سرزمین شام کی طرف۔ جس کی ہوا اور موسم خوشگوار ہوتا تھا۔ اُد
اتفاق کی بات یہ ہے کہ سرزمین یمن بھی اور سرزمین شام بھی، اس زمانہ میں اہم تجارتی مراکز تھے۔ اور مکہ اور مدینہ ان دونوں کے درمیان
حلقہ اتصالی شمار ہوتے تھے۔

البتہ قریش ان غلط کاریوں کی وجہ سے، جو وہ انجام دیتے تھے، خدا کے ان الطاف و محبت کے مستحق تو نہ تھے۔ لیکن چونکہ
یہ مقدر ہو چکا تھا کہ اس قبیلہ اور اس سرزمین مقدس سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طلوع ہو، لہذا خدا نے ان پر
یہ لطف فرمایا۔

بعد والی آیت میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قریش کو ان سب خدائی نعمتوں کی وجہ سے جو انہیں کعبہ کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں
”اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنا چاہیے نہ کہ بتوں کی“ (فلیعبدوا رب هذا البيت)۔
”وہی خدا جس نے انہیں بھوک سے نجات بخشی اور کھانا دیا، اور بے امنی سے رہائی بخشی اور امن دیا“ (الذی
اطعمهم من جوع وامنهم من خوف)۔

ایک طرف تو انہیں تجارت میں فروغ عطا کیا اور انہیں فائدہ پہنچایا اور دوسری طرف بد امنی کو ان سے دور کر دیا اور دفع
فرمایا۔ اور یہ سب کچھ ابرہہ کے لشکر کی شکست سے فراہم ہوا۔ اور حقیقت میں یہ کعبہ کے بانی ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت
تھی۔ لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ اس مقدس گھر کو ایک بُت خانہ میں تبدیل کر دیا، بُتوں کی عبادت کو اس گھر کے خدا
کی عبادت پر ترجیح دی اور انجام کار ان تمام ناشکریوں کا انجام بد دیکھا۔

خداوند! ہمیں عبادت و بندگی اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور اس عظیم گھر کی حفاظت، پاسداری اور احترام کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔
پروردگارا! اس عظیم اسلامی مرکز کو روز بروز زیادہ سے زیادہ پر شکوہ، اور دنیا جہان کے مسلمانوں کے لیے حلقہ اتصال قرار دے۔
بار الہا! سارے خونخوار دشمنوں اور ان لوگوں کے جو اس عظیم مرکز سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں، ہاتھ کاٹ دے۔

آمین یا رب العالمین
سُورۃ قریش کا اختتام

اختتام ترجمہ
۱۰ شوال ۱۴۰۸ھ
تمت سر۔ ایران

بعض مفسرین نے اس آیت کو دو آیات سمجھا ہے، اور اس سورہ کی آیات کو پانچ آیات شمار کیا ہے، لیکن مشہور و معروف یہ ہے کہ یہ ایک
آیت ہے، اور سورہ کی چار کی چار ہی آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمَاعُونِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔
❖ اس میں ۷ آیات ہیں۔

یہ سُورہ
مقاطع میں قیام
مجموعی طور
راہِ خدا میں "انفا
غافل اور ریاکار ہے
اس سُور
اُورٹ نخر کیا کرت
نے اپنے عصا
بعض دو
اس سُورہ

سُورۃ ماعون کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ بہت سے مفسرین کے نظریہ کے مطابق کئی سورتوں میں سے ہے۔ اس کی آیات کالب و لجم، جو مختصر اور چبھنے والے مقاطع میں قیامت اور اس کے منکرین کے اعمال کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، اس مطلب کی ناطق گواہ ہیں۔

مجموعی طور پر اس سُورہ میں منکرین قیامت کی صفات و اعمال کو پانچ مرحلوں میں بیان کیا گیا ہے، مگر وہ اس عظیم دن کی تکذیب کی وجہ سے راہ خدا میں "انفاق" کرنے اور "یتیموں" اور "مسکینوں" کی مدد کرنے سے کس طرح رُگردانی کرتے ہیں اور وہ "نماز کے بارے میں کیسے غافل اور ریاکار ہیں" اور "حاجت مندوں" کی مدد کرنے سے کس طرح رُگردانی کرتے ہیں؟

اس سُورہ کی شان نزول کے بارے میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوا ہے جو روزانہ دو بڑے بڑے اونٹ نحر کیا کرتا تھا اور وہ خود اور اس کے یار دوست انہیں کھاتے تھے۔ لیکن ایک دن ایک ستیم آیا اور اس نے اُن سے کچھ مانگا تو اُس نے اپنے عصا سے اُسے مارا، اور اُسے دُور کر دیا۔

بعض دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ "ولید بن مغیرہ" یا "عاص بن وائل" کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

"من قرأ أرمیت الذی یکذب بالذین ففرائضہ و نوافلہ قبل اللہ صلاتہ و صیامہ، و لعمریحاسبہ بما کان منہ فی الحیاة الدنیا"

"جو شخص اس سُورہ کو اپنی فریضہ اور نوافلہ نمازوں میں پڑھے گا تو خدا اس کے نماز و روزہ کو قبول

کرے گا اور ان کاموں کے مقابلہ میں جو اس سے دنیا کی زندگی میں سرزد ہوئے ہیں اس

کا کوئی حساب نہیں لے گا۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اَرَعَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْدينِ ۝
- ۲۔ فَاِنَّكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيْمَ ۝
- ۳۔ وَلَا يَحْضُ عَلٰی طَعَامِ الْسٰكِيْنَ ۝
- ۴۔ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ ۝
- ۵۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝
- ۶۔ الَّذِيْنَ هُمْ مُرْآءُوْنَ ۝
- ۷۔ وَيَنْعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے، جو ہمیشہ ہی روزِ جزا کا انکار کرتا رہتا ہے؟
- ۲۔ وہی تو ہے، جو یتیم کو سختی کے ساتھ دھکتے دیتا ہے۔
- ۳۔ اور دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلانا۔
- ۴۔ پس ان نماز گزاروں پر وائے ہے، جو
- ۵۔ اپنی نمازوں کو بھول جاتے ہیں۔

۶۔

۷۔

تفسیر

معاذ

اس

کو بیان کرتا۔

اس

(فذلكا

”دین“

عمل میں ایک

ساتھ دھتکار

کام کی دعوت

بعض

نظر آتا ہے،

بعد بالتبیر

”ید“

اور”

”مفردات“

چونکہ

لہ ”

- ۶۔ وہی جو ریا کاری کرتے ہیں۔
۷۔ اور دوسروں کو ضروریات زندگی سے باز رکھتے ہیں۔

تفسیر

معاد کے انکار کے اثرات بد

اس سورہ میں پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے منکرین کے اعمال میں روزِ جزا کے انکار کے اثرات بد کو بیان کرتا ہے:-

”کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جو ہمیشہ روزِ جزا کا انکار کرتا ہے“ (اوریت الذی یکتذب بالذین)۔

اس کے بعد ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر مزید فرماتا ہے، ”وہی تو ہے جو یتیم کو سختی کے ساتھ دھکے دیتا ہے“ (فذلک الذی یدع الیتیم)۔

”اور دوسروں کو مسکین و نادار کو کھانا کھلانے کے لیے شوق نہیں دلاتا“ (ولا یحض علی طعام المسکین)۔

”دین“ سے مراد یہاں ”جزا“ یا ”روزِ جزا“ ہے۔ اور روزِ جزا اور اس کی عظیم داد گاہ کے انکار سے انسان کے عمل میں ایک وسیع ردِ عمل پیدا ہوتا ہے۔ جس کے پانچ حصوں کی طرف اس سورہ میں اشارہ ہوا ہے، منجملہ: یتیموں کو سختی کے ساتھ دھتکارنا اور دوسرے لوگوں کو مسکینوں کو کھانا کھلانے کا شوق نہ دلانا۔ یعنی نہ تو خود ہی اتفاق کرنا اور نہ ہی دوسروں کو اس کام کی دعوت دینا۔

بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہاں ”دین“ سے مراد قرآن یا تمام آئین و دینِ اسلام ہے۔ لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے، اور اس کی نظیر سورہ انفطار کی آیہ ۹ کَلَّا بَلْ تَكْذِبُونَ بِالذِّینِ اور سورہ ”نہین“ کی آیہ ۷ فَمَا یَكْذِبُکَ بَعْدَ الذِّینِ میں بھی آئی ہے، جہاں ان سورتوں کی دوسری آیات کے قرینہ سے دین سے مراد روزِ جزا ہے۔

”یدع“ ”دع“ (بروزن حد) کے مادہ سے، سختی کے ساتھ دُور کرنے اور غصہ کے ساتھ دھتکارنے کے معنی میں ہے اور ”یحض“ ”حض“ کے مادہ سے، کسی چیز کے لیے دوسروں کو تخریص و ترغیب دینے کے معنی میں ہے ”راغب“ ”مفردات“ میں کہتا ہے، ”حض“ چلنے اور سیر کرنے کے لیے شوق دلانا ہے، لیکن ”حض“ اس طرح نہیں لے

چونکہ ”یحض“ اور ”یدع“ فعل مضارع کی صورت میں آئے ہیں، لہذا یہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یتیموں اور

لہ ”مفردات“ مادہ ”حض“

یا اس -
یا اس -
البتہ ان
بہر حال
چھوڑے ہو -
چوتھے
کرتے ہیں -

اور آخر
مسئلہ
یکے ممکن ہے
"ماء
یہ ہے کہ بہار
مثلاً کچھ نمک
واضح
افراد اس قدر
بڑی احتیاجات
ایک
کبھی سو میں -
یقیناً
ایک

ایک
ایسے میں
لے

مسکینوں کے بارے میں ان کا یہ کام دائمی طور پر تھا۔
یہ نکتہ بھی یہاں پر قابل توجہ ہے کہ یتیموں کے بارے میں انسانی شفقت اور مہربانی کرنے کا مسئلہ کھانا کھلانے اور
سیر کرنے کی نسبت زیادہ عمدہ ہے۔ کیونکہ یتیم کو سب سے زیادہ رنج اور دکھ شفقت و مہربانی کے مرکز اور غذائے روحی کے
ہاتھ سے چلے جانے کی وجہ سے ہوتا ہے، اور جسمانی غذا کا مسئلہ بعد میں آتا ہے۔
پھر ان آیات میں ہمارے سامنے مسکینوں کو کھانا کھلانے کا مسئلہ آتا ہے، جو اہم ترین کاروائی خیر میں سے ہے۔
یہاں سمجھ کر فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص خود کسی مسکین کو کھانا کھلانے کی قدرت نہیں رکھتا، تو دوسروں کو اس بات کی ترغیب دے
اور شوق دلانے۔

"فَذَالِكَ" کی تعبیر (اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہاں "فا" سببیت کا معنی دیتا ہے) اس نکتہ کی طرف
اشارہ ہے کہ معاد پر ایمان کا نہ ہونا ان غلط کاریوں کا سبب بنتا ہے، اور واقعاً ایسا ہی ہے۔ وہ شخص جو دل کی گہرائیوں کے ساتھ
اس عظیم دن اور اس دادگاہ عدل، اور اس حساب و کتاب اور جزا و سزا پر یقین رکھتا ہو، اس کے تمام اعمال میں اس کے مثبت
آثار ظاہر ہوں گے، لیکن جو اس پر ایمان نہیں رکھتے تو گناہ کرنے اور انواع و اقسام کے جرائم کرنے پر ان کی جرات کرنے
میں اس کے اثرات کامل طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔

اس گروہ کی تیسری صفت کے بارے میں فرماتا ہے: پس ان نماز گزاروں پر دلے ہے۔ (فویل للمصلین)۔
"وہی نمازی جو اپنی نماز کو بھول جاتے ہیں" (الذین هم عن صلاتهم ساهون)۔
وہ اس کے لیے نہ تو کسی قدر و قیمت کے قائل ہیں اور نہ ہی اس کے اوقات کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، اور نہ ہی اس
کے ارکان و شرائط اور آداب کی رعایت کرتے ہیں۔

"سہون" "سہو" کے مادہ سے اصل میں اس خطا کے معنی میں ہے جو غفلت کی بنا پر سرزد ہو، چاہے
اس کے مقدمات کے فراہم کرنے میں مقصر ہو یا نہ ہو۔ البتہ پہلی صورت میں معذور نہیں ہے، اور دوسری صورت میں معذور ہے۔
لیکن یہاں وہ سہو مراد ہے جو تقصیر کے ساتھ قائم ہو۔
اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ یہ نہیں فرماتا کہ "وہ اپنی نماز میں سہو کرتے ہیں" چونکہ نماز میں سہو تو بہر حال ہر شخص
سے ہو جاتا ہے، بلکہ فرماتا ہے، "وہ اصل نماز سے ہی سہو کرتے ہیں، اور کل کی کل نماز کو ہی بھول جاتے ہیں"۔

یہ بات واضح ہے کہ اگر اس مطلب کا ایک یا چند مرتبہ اتفاق ہو تو ممکن ہے کہ وہ کوتاہی کی وجہ سے ہو۔ لیکن جو شخص
نماز کو ہمیشہ کے لیے ہی بھلائے ہوئے ہو، اور اسے بالکل ہی بھلا چکا ہو، تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے
کسی اہمیت کا قائل نہیں ہے، یا اصلاً اس پر ایمان نہیں رکھتا، اور اگر وہ کبھی کبھار نماز پڑھ لیتا ہے تو لوگوں کی زبان یا اسی طرح کی
باتوں سے ڈر کر پڑھتا ہے۔

اس بارے میں کہ یہاں "سہون" سے مراد کیا ہے؟ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کے علاوہ دوسری تفسیریں
بھی بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس سے مراد وقت فضیلت سے "ناخیر کرنا" ہے۔

یا اس سے مراد ان منافقین کی طرف اشارہ کرنا ہے جو نہ نماز کے ثواب کا اعتقاد رکھتے ہیں، اور نہ ہی اس کے ترک کے عذاب کا یا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگ نماز میں ریاکاری کرتے ہیں۔ (جب کہ یہ معنی بعد والی آیت میں آ رہا ہے)۔
البتہ ان معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے اگرچہ پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔
بہر حال جب نماز کو بھول جانے والے دلیل اور ہلاکت کے مستحق ہیں، تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو کبھی طور پر نماز کو پھوڑے ہوئے ہیں اور تارک الصلوٰۃ ہیں۔

چوتھے مرحلہ میں ان کے ایک اور بدترین عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ ریاکاری کرتے ہیں“۔ (الذین هم رياءون)۔

اور آخری مرحلہ میں مزید فرماتا ہے: ”وہ دوسروں کو ضروریات زندگی سے منع کرتے ہیں“۔ (ويمنعون الماعون)۔
مسئلہ طور پر اس تظاہر اور ریاکاری کے سرچشمے روز قیامت پر ایمان کا نہ ہونا، اور خدائی جزاؤں کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔ روزِ یکے ممکن ہے کہ انسان خدائی جزاؤں کو تو چھوڑ دے، اور مخلوق کو خوش کرنے کی طرف توجہ رکھے۔
”ماعون“ ”معن“ (بر وزن شأن) کے مادہ سے، کم اور تھوڑی سی چیز کے معنی میں ہے۔ اور بہت سے مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد جزئی اور معمولی قسم کی چیزیں ہیں جو لوگ خصوصاً ہمسائے ایک دوسرے سے عاریتاً لے لیتے ہیں، مثلاً کچھ نمک، پانی، آگ (ماچس) برتن وغیرہ۔

واضح رہے کہ جو شخص اس قسم کی چیزیں بھی دوسروں کو نہیں دیتا، وہ انتہائی پست اور بے ایمان آدمی ہوتا ہے ایسے افراد اس قدر بخیل ہوتے ہیں کہ اس قسم کی معمولی چیزوں کے دینے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی معمولی چیزیں بعض اوقات بڑی بڑی احتیاجات کو پورا کرتی ہیں اور ان کے روک لینے سے لوگوں کی زندگی میں بڑی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔
ایک گروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ”ماعون“ سے مراد زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ اصل مال سے عام طور پر بہت ہی کم ہوتی ہے۔ کبھی سو میں سے دس، کبھی سو میں سے پانچ اور کبھی سو میں سے اڑھائی۔

یقیناً زکوٰۃ کا نہ دینا بھی بدترین کاموں میں سے ایک ہے، کیونکہ زکوٰۃ معاشرے کی بہت سی اقتصادی مشکلات کو حل کرتی ہے۔ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے ماعون کی تفسیر میں فرمایا:

”هو القرض المقرضه، والتماع يعيره، والمعروف يصنعه“

”ماعون وہ قرض ہے جو انسان دوسرے کو دیتا ہے۔ اور وہ وسائل زندگی ہیں جو وہ

اُدھار کے طور پر دوسروں کو دیتا ہے۔ اور وہ اعداؤں اور کاروائی کے خیر ہیں جنہیں انسان انجام

دیتا ہے۔“

ایک اور روایت میں انہیں حضرت سے یہی معنی نقل ہوا ہے، اور اس کے ذیل میں آیا ہے کہ راوی نے کہا: ہمارے ہمسائے ایسے ہیں کہ جب ہم کچھ وسائل زندگی ان کو دیتے ہیں تو وہ انہیں توڑ دیتے ہیں اور خراب کر دیتے ہیں، تو کیا انہیں نہ دینا بھی گناہ ہے؟

تو آپ نے فرمایا اس صورت میں کوئی مانع نہیں ہے۔

”ماعون“ کے معنی کے بارے میں دوسرے احتمالات بھی دیے گئے ہیں، یہاں تک کہ تفسیر قرطبی میں بارہ سے زیادہ قول اس سلسلے میں نقل ہوئے ہیں جن میں سے بہت سوں کو ایک دوسرے میں ملایا جاسکتا ہے، البتہ زیادہ اہم وہی ہیں جو ہم نے اوپر نقل کیے ہیں۔

ان دونوں کاموں کو ایک دوسرے کے بعد ذکر کرنا (ریا کاری و منع ماعون) گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بات خدا کے لیے ہے اُسے وہ مخلوق کی نیت سے بجالاتے ہیں، اور جو مخلوق کے لیے ہے وہ ان کے لیے نہیں کرتے۔ اور اس طرح سے وہ کوئی بھی حق اس کے حق دار تک نہیں پہنچاتے۔

ہم اس گفتگو کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

”من منع الماعون جارہ منہ اللہ خیرہ یوم القیامۃ، ووصلہ الی نفسہ، ومن وصلہ النفسہ فہما اسوء حالہ!“

”جو شخص ضروری اور معمولی چیزوں کو اپنے ہمسایہ سے روکتا ہے، خدا اُسے قیامت کے دن اپنی خیر سے روک دے گا، اور جسے خدا اس کی اپنی حالت پر چھوڑ دے اس کا بہت ہی بُرا حال ہوگا۔“

چند نکات

۱۔ سورۃ ماعون کے مباحث کی جمع بندی

اس مختصر سے سورہ میں صفاتِ رذیلہ کا ایک ایسا مجموعہ آیا ہے کہ وہ جس شخص میں بھی ہو اس کی بے ایمانی، پستی اور حقارت کی ایک نشانی ہے۔ اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان سب کو تکذیبِ دین یعنی جزا یا روزِ جزا کی فرع قرار دیا ہے۔ یتیموں کو حقیر جاننا، بھوکوں کو کھانا نہ کھلانا، نماز سے غفلت برتنا، ریا کاری کرنا اور لوگوں سے موافقت نہ کرنا یہاں تک کہ زندگی کے معمولی وسائل دینے میں۔ یہ ہے ان (صفاتِ رذیلہ) کا مجموعہ۔

اور اس طرح سے ان بخیل، خود خواہ اور ریاکار افراد کو ظاہر کرتا ہے، جن کا نہ تو ”مخلوقِ خدا“ ہی کے ساتھ کوئی تعلق اور نہ ہی ”خالق“ کے ساتھ کوئی رابطہ۔ ایسے افراد جن کے وجود میں نورِ ایمان اور احساسِ مسئولیت نہیں ہوتا، نہ تو وہ خدائی اجر و ثواب میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

۱۔ ”کافی“ مطابق نقل۔ نورالثقلین جلد ۵ ص ۶۷۹

۲۔ ”نورالثقلین“ جلد ۵ ص ۶۷۹ حدیث ۲۰

یہ وہ اس کی بند
شخص تظاہر
کی گہائی و
وہ
بلکہ اس کے
اور ایسے
”
ہلا دینے و
۱۔ ایک

۲۔ تظاہر و ریا ایک بہت بڑی اجتماعی مُصیبت ہے

ہر عمل کی قدر و قیمت اس کے سبب کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، یا دوسرے لفظوں میں اسلام کی نگاہ میں ہر عمل کی بنیاد اس کی "نیت" پر ہوتی ہے، وہ بھی "خالص نیت" اسلام ہر چیز سے پہلے نیت کے بارے میں تحقیق کرتا ہے، لہذا ایک مشہور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

"انما الاعمال بالنیات ولكل امرء ما نوى"

"ہر عمل نیت کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر شخص کا عمل میں حصہ، اس کی اس نیت کے مطابق ہوگا، جو وہ عمل میں رکھتا تھا"

اور اسی حدیث کے ذیل میں آیا ہے :

"جو شخص خدا کے لیے جہاد کرے اس کا اجر خدائے بزرگ دیرتر پر ہے۔ اور جو شخص مال دنیا کے لیے جنگ کرے، یہاں تک کہ ایک عقال (وہ چھوٹی سی رستی جس سے اونٹ کے پاؤں کو باندھتے ہیں) لینے کے لیے کرے اس کا حصہ میں دہی چلے"

یہ سب اس بنا پر ہے کہ "نیت سے ہی عمل وجود میں آتا ہے۔ وہ شخص جو خدا کے لیے کوئی کام انجام دیتا ہے، تو وہ اس کی بنیاد کو محکم کرتا ہے، اور اس کی تمام کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ لیکن جو شخص تظاہر اور ریاکاری کے لیے کسی عمل کو انجام دیتا ہے وہ صرف اس کے ظاہر اور زرق و برق پر نظر رکھتا ہے، اور وہ اس کی گہرائی و بنیاد اور حاجت مندوں کے استفادے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

وہ معاشرہ جو ریاکاری کا عادی ہو جاتا ہے وہ نہ صرف خدا، اخلاقِ حسنہ اور ملکاتِ فاضلہ سے دور کر دیا جاتا ہے، بلکہ اس کے تمام اجتماعی پروگرام مفہوم و مطلب سے خالی ہو جاتے ہیں، اور وہ مٹھی بھر بے معنی ظواہر کا خلاصہ رہ جاتے ہیں۔ اور ایسے انسان اور اس قسم کے معاشرے کی سر نوشت کتنی دردناک ہے !؟

"ریا" کی مذمت میں بہت زیادہ روایات آئی ہیں یہاں تک کہ اس کو شرک کی ایک نوع کہا گیا ہے، اور ہم یہاں تین بلا دینے والی روایات پر قناعت کرتے ہیں۔

۱۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

"سیأتی علی الناس زمان تخبث فیہ سرائرہم۔ و تحب فیہ علانیہم۔

طمعاً فی الدنیا لا یریدون بہ ما عند ربہم، یکون دینہم ریناء لا

یخالطہم خوف، یرعہم اللہ بعقاب فیدعونہ دعاء الغریق فلا یتجیب لہم!"

۲۔ وسائل الشیخہ "جلداول ص ۳۵ (الاب مقدمۃ العبادات باب ۵ حدیث ۱۰)۔

”لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب ان کے باطن قبیح، گندے اور آلودہ ہو جائیں گے، اور ان کے ظاہر زیبا اور خوبصورت ہوں گے۔ دنیا میں طمع کی خاطر وہ اس سے اپنے پروردگار کی جزاؤں کے طلب گار نہیں ہوں گے۔ ان کا دین ریا ہو جائے گا، خوفِ خدا ان کے دل میں باقی نہ رہے گا، خدا ان سب کو ایک سخت عذاب میں گرفتار کرے گا، اور وہ جتنا بھی ایک ڈوبنے والے کی طرح خدا کو پکاریں گے، ہرگز ان کی دعا قبول نہ ہوگی۔“

۲۔ ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی ”زرارہ“ سے فرمایا: ”من عمل للناس كان ثوابه على الناس يا زرارة! كل رياء شرك!“ جو شخص لوگوں کے لیے عمل کرے گا اس کا اجر و ثواب لوگوں پر ہی ہوگا۔ لے زرارہ! ہر ریا شرک ہے۔“

۳۔ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے: ”ان المرأی یدعی یوم القیامۃ باربعۃ اسماء:

یا کافر! یا فاجر! یا غادر! یا خاس! حبط عملک، وبطل اجرک! فخلاص لك اليوم، فالتمس اجرک ممن کنت تعمل له! : ”ریا کار شخص کو قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا:

اے کافر! اے فاجر! اے غادر! اے خاسر و زیاں کار! تیرا عمل نابود ہو گیا ہے، تیرا اجر و ثواب باطل ہو چکا ہے۔ آج تیرے لیے نجات کی کوئی راہ نہیں ہے! لہذا تو اپنا اجر و ثواب اس سے طلب کر جس کے لیے تو عمل کرتا تھا۔“

خداوند! خلوص نیت سخت مشکل کام ہے، تو خود اس راہ میں ہماری مدد فرما۔

پروردگارا! ہمیں ایسا ایمان مرحمت فرما کہ ہم تیرے ثواب و عقاب کے علاوہ اور کچھ نہ سوچیں، اور مخلوق کی رضا و خوشنودی اور غصہ و غضب تیری راہ میں ہمارے لیے یکساں ہو۔

بارالہ! اس راہ میں جو خطا اور غلطی اب تک ہم نے کی ہے وہ ہمیں بخش دے۔

آمین یا رب العالمین
اختتام سورۃ ماعون

۱۔ ”اصول کافی“ جلد ۲ باب الریاء حدیث ۱۴

۲۔ ”وسائل الشیعہ“ جلد اول ص ۴۹ (حدیث ۱۱ کے ذیل میں)۔

۳۔ ”وسائل الشیعہ“ جلد اول ص ۵۱ (حدیث ۱۶ کے ذیل میں)۔

سُورَةُ الْكَوْثَرِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۳ آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqim.net

وہ اپنی را
اس سانچے کے
پرگرام معطل ہو کر
قرآن مجید
اور اسلام و قرآن
ایک ضرب بھتی
اور دشمنوں کی سلا
اس سورہ

سورہ کوثر کے مطالب اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ "مکہ" میں نازل ہوا ہے۔ لیکن بعض نے اس کے مدنی ہونے کا احتمال بھی دیا ہے۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ یہ سورہ دو بار نازل ہوا۔ ایک دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں، لیکن جو روایات اس کے شان نزول میں وارد ہوئی ہیں وہ اس کے مٹی ہونے کے مشہور قول کی تائید کرتی ہیں۔

اس سورہ کے شان نزول میں آیا ہے کہ: "عاص بن وائل" نے جو مشرکین کے سرداروں میں سے تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسجد الحرام سے نکلنے وقت ملاقات کی اور کچھ دیر تک آپ سے باتیں کرتا رہا۔ قریش کے سرداروں کا ایک گروہ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے دُور سے اس منظر کا مشاہدہ کیا۔ جس وقت "عاص بن وائل" مسجد میں داخل ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تو کس سے باتیں کر رہا تھا؟ اس نے کہا: اس "ابتر" شخص سے۔

اس نے اس تعبیر کا اس لیے انتخاب کیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند "عبداللہ" دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور عرب ایسے آدمی کو جس کے کوئی بیٹا نہ ہو "ابتر" کہا کرتے تھے۔ یعنی (بلاعقب - متطوع النسل) لہذا قریش نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کی وفات کے بعد اس لقب کو آنحضرتؐ کے لیے انتخاب کر رکھا تھا، جس پر یہ سُورت نازل ہوئی، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سی نعمتیں اور کوثر کی بشارت دی اور ان کے دشمنوں کو ابتر کہا۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بانوئے اسلام جناب خدیجہؓ سے دوپہر تھے ایک قاسم اور دوسرے طاہر جنہیں عبداللہ بھی کہتے تھے۔ دونوں ہی مکہ میں دُنیا سے چل بسے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی بیٹا نہ رہا۔ اس بات نے قریش کے بدخواہوں کی زبان کھول دی، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "ابتر" کہنے لگے۔

۱۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۴۹۔

۲۔ اگلے صفحہ پر

۳۔ درگزر شدہ
اتفاقاً و
راضیہ صفحہ ۱۰
۴۔ "مجمع البیان"

وہ اپنی روایت کے مطابق بیٹے کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے تھے، اسے باپ کے پروگراموں کو جاری رکھنے والا شمار کرتے تھے اس سانچے کے باعث ان کا خیال یہ تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے پروگرام معطل ہو کر رہ جائیں گے چنانچہ وہ اس بات پر بہت خوش تھے۔

قرآن مجید نازل ہوا اور اس سورہ میں اعجاز آمیز طریقہ سے انہیں جواب دیا اور یہ خبر دی کہ آنحضرتؐ کے دشمن ہی ابرہہؓ ہیں اور اسلام و قرآن کا پروگرام کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اس سورہ میں جو بشارات دی گئی ہے وہ ایک طرف تو دشمنان اسلام کی اُمیدوں پر ایک ضرب تھی اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی خاطر تھی جن کا قلب پاک اور نازک دل اس قبیح لقب اور دشمنوں کی سازش کو سن کر ٹمگین اور کمزور ہوا تھا۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من قرأها سقاہ اللہ من انصار الجنتۃ ، واعطی من الاجر بعدد کل قربان قربہ العباد فی یوم عید و یقریون من اهل الکتاب و المشکین“
”جو شخص اس کی تلاوت کرے خدا اُسے جنت کے کمندوں سے سیراب کرے گا اور ہر قربانی کی تعداد میں جو خدا کے بندے عید (قربان) کے دن کرتے ہیں، اور اسی طرح سے وہ قربانیاں جو اہل کتاب اور مشرکین دیتے ہیں ان سب کی تعداد کے برابر اس کو اجر دے گا۔“

اس سورہ کا نام (کوش) اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

طے (گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) پیغمبر اکرمؐ کے اور بیٹا جس کا نام ”ابراہیم“ تھا ”ماریہ قبطیہ“ سے مدینہ میں ہجرت کے آٹھویں سال پیدا ہوا، لیکن اتفاقاً وہ بھی دو سال کا ہونے سے پہلے وفات پا گیا۔ ان کی وفات نے پیغمبر اکرمؐ کے دل کو بہت آزرہ کیا تھا۔
(حاشیہ صفحہ ۵۱۰)
”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ۵۴۸۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ اِنَّا اَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ ۝

۲۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝

۳۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

۱۔ ہم نے تجھے کوثر (بہت زیادہ خیر و برکت) عطا کی۔

۲۔ اب جب کہ یہ بات ہے تو اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھ اور قربانی دے۔

۳۔ یقیناً تیرا دشمن ہی اِبتَر (اور بلا عقب و مقطوع النسل) ہے۔

تفسیر

ہم نے تجھے فراواں خیر و برکت دی

اس تمام سورے میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے (جیسا کہ سورہ الضحیٰ اور سورہ المہمّ میں ہے) اور تینوں سُوَروں کے اہم اہداف و مقاصد میں سے ایک آنحضرتؐ کے دل کو دردناک انبوہ حوادث میں تسلی دینا دشمنوں کے بار بار لگائے ہوئے زبان کے زخموں کے مقابلہ میں تشفی بخشنا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "ہم نے تجھے کوثر عطا کیا" (اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ)۔

"کوثر" وصف ہے جو "کثرت" سے لیا گیا ہے، اور فراواں خیر و برکت کے معنی میں ہے۔ اور "سخی" کو بھی "کوثر" کہا جاتا ہے۔

اس بار
علیہ وآلہ وسلم منہ
عطا فرمائی ہے
اس کے اطراف
ایک اور

بعض نے
داخل ہونے کے
بعض نے
اور بعض نے کثر
قدر بڑھ گئی ہے
بعض نے اس کی
یہاں تک
و وسیع معنی کے وا
اور ہم جانتے ہیں
ان میں سے ہر ایک
کی معدنی تفسیر کے
بہر حال تما

کی کامیابیوں میں
اُسے دنیا کے ہر
اس بات
ظاہر نہیں ہوئے
اور رسول اکرم صلی
اس عظیم نعم

لہ "بجانب اسب
"دہی مکر"

اس بارے میں کہ یہاں کوثر سے کیا مراد ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، اور اس سورہ کی تلاوت فرمائی۔ اصحاب نے عرض کیا یہ کیا چیز ہے جو خدا نے آپ کو عطا فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جنت میں ایک نر ہے، جو دودھ سے زیادہ سفید اور قدح (بلور) سے زیادہ صاف ہے اس کے اطراف میں در و یا قوت کے قتبے ہیں۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”کوثر جنت میں ایک نر ہے جو خدا نے اپنے پیغمبر کو ان کے فرزند (عبداللہ جو آپ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے) کے بدلے میں عطا کی ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد وہی ”حوض کوثر“ ہے جو پیغمبر سے تعلق رکھتا ہے، اور جس سے مومنین جنت میں داخل ہونے کے وقت سیراب ہوں گے۔

بعض نے اس کی نبوت سے تفسیر کی ہے۔ بعض دوسروں نے قرآن سے، بعض نے اصحاب و انصار کی کثرت سے اور بعض نے کثرت اولاد اور فریت سے، جو سب آپ کی دختر نیک اختر فاطمہ زہرا علیہا السلام سے وجود میں آئی اور اس قدر بڑھ گئی ہے کہ حساب و شمار سے باہر ہو گئی ہے۔ اور دامن قیامت تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی یاد گاہ ہے۔ بعض نے اس کی ”شفاعت“ سے بھی تفسیر کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔ یہاں تک کہ فخر رازی نے ”کوثر“ کی تفسیر میں: ”پندرہ قول نقل کیے ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر اس مجمع معنی کے واضح مصداق کا بیان ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا ہے ”کوثر“ ”خیر کثیر اور فراوان نعمت“ کے معنی میں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک اس کے مصداق میں سے ایک واضح مصداق ہے۔ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مصداق ہیں، جنہیں آیت کی مصداقی تفسیر کے عنوان سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال تمام میدانوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر تمام نعمتیں — یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ جنگوں میں آپ کی کامیابیوں میں، یہاں تک کہ آپ کی اُمت کے علماء، جو ہر عصر اور ہر زمانہ میں قرآن و اسلام کی مشعل فروزاں کی پاسداری کرتے ہیں، اور اسے دنیا کے ہر گوشہ میں لے جاتے ہیں۔ سب اس خیر کثیر میں شامل ہیں۔

اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ خدا اپنے پیغمبر سے یہ بات اس وقت کہہ رہا ہے کہ ابھی تک اس خیر کثیر کے آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ یہ ایک ایسی خبر اور پیش گوئی تھی جو مستقبل قریب اور مستقبل بعید کے لیے کی جا رہی تھی۔ یہ ایک اعجازِ انبیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی حقانیت کو بیان کرنے والی خبر ہے۔

اس عظیم نعمت اور خیر فراوان کے لیے بہت ہی زیادہ شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ مخلوق کا شکر ادا کرنا خالی نعت

کے حق کو ہرگز ادا نہیں کرتا، بلکہ شکر گزاری کی توفیق اس کی طرف سے خود ایک اور نعمت ہے، لہذا فرماتا ہے: "اب جب کہ ایسا ہے تو صرف اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھ اور قربانی دے" (فصل لربك وانحر)۔

ہاں! نعمت کا بخشنے والا ہی ہے۔ اسی بنا پر نماز، عبادت اور قربانی جو ایک قسم کی عبادت ہے، اس کے علاوہ کسی اور کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ خصوصاً "رب" کے مفہوم کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جو نعمتوں کے دوام اور پروردگار کی تدبیر و ربوبیت کو بیان کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ "عبادت" خواہ نماز کی صورت میں ہو، یا قربانی کرنے کی صورت میں، وہ رب اور ولی نعمت کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اور وہ خدا کی ذات پاک سے وابستہ ہے۔

یہ بات مشرکین کے اعمال کے مقابلہ میں ہے جو اپنی نعمتوں کو تو خدا ہی کی طرف سے سمجھتے تھے۔ لیکن سجدہ اور قربانی تو ان کے لیے کرتے تھے۔ بہر حال لربك کی تعبیر عبادات میں قصہ قربت کے لازم ہونے کے مسئلہ پر ایک واضح دلیل ہے۔

بہت سے مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ نماز سے مراد عید قربان کے دن کی نماز ہے۔ اور قربانی کرنا بھی اُسی دن ہے۔ لیکن ظاہراً آیت کا مفہوم عام اور وسیع ہے۔ اگرچہ عید کے دن کی نماز اور قربانی بھی اس کا ایک واضح مصداق ہے۔

"وانحر" "نحر" کے مادہ سے، اُونٹ کو حلال کرنے کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بات شاید اس بنا پر ہے کہ قربانیوں میں سے اُونٹ کی قربانی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ اور پہلے پہل مسلمان اس سے زیادہ لگاؤ رکھتے تھے اور اُونٹ کی قربانی دینا ایثار و قربانی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

اوپر والی آیت کے لیے یہاں دو اور تفسیریں بھی بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ "وانحر" کے جملہ سے مراد نماز کے وقت کو قبلہ کھڑا ہونا ہے، چونکہ "نحر" کا مادہ گلے والی جگہ کے معنی میں ہے اس کے بعد عربوں نے اسے ہر چیز کے آمنے سامنے ہونے کے معنی میں استعمال کیا ہے، لہذا وہ کہتے ہیں: "منانزلنا تنحار" یعنی ہمارے گھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔

۲۔ اس سے مراد تعبیر کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا اور گلے اور چہرے کے سامنے لانا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے:

"جس وقت یہ سورہ نازل ہوا، تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل سے سوال کیا:

یہ "نُحِیرَ" جس کے لیے میرے پروردگار نے مجھے مامور کیا ہے، کیا ہے؟

جبریل نے عرض کیا:

"یہ نحیر نہیں ہے، بلکہ خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ جس وقت نماز میں

داخل ہوں تو تعبیر کتے وقت اپنے ہاتھوں کو بلند کریں، اور اسی طرح جب رکوع کریں، یا

رکوع سے سر اٹھائیں، یا سجدہ کریں، اس وقت بھی، کیونکہ ہماری اور سات آسمانوں کے

۱۔ "نُحِیرَ" مبینہ کے آخری دن کے معنی میں ہے، چونکہ اس دن انسان نئے چاند کے استقبال کے لیے جاتا ہے اور بعض نے اسے

آخری شب و روز کے معنی میں لیا ہے، تو اس بنا پر روایت کا معنی اس طرح ہوگا، یہ اگلے مہینہ کا استقبال جس کا خدا نے مجھے حکم دیا ہے

لہذا جبریل نے کہا یہ "نحیر" نہیں ہے۔

فرشتوں کی نماز اسی طرح کی ہے۔ اور ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے، اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو اس طرح بلند کرو کہ ان کی پتیلیاں رو بہ قبلہ ہوں۔“

لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس سے مراد بت پرستوں کے اعمال کی نفی ہے جو غیر خدا کے لیے عبادت و قربانی کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان تمام روایات اور مطالب کے درمیان جمع کرنا، جو اس سلسلہ میں ہم تک پہنچی ہیں کوئی مانع نہیں ہے۔ خاص طور سے تکبیرات کے وقت ہاتھ بلند کرنے کے سلسلہ میں توشیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔ اس طرح سے یہ آیت ایک جامع مفہوم رکھتی ہے جو ان کو بھی شامل ہے۔

اور اس سورہ کی آخری آیت میں، اس سبب کی طرف توجہ دیتے ہوئے، جو شرک کے سرخنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیتے تھے، فرماتا ہے: ”تو ابتر اور بلا عقب۔“ و مفضل النسل نہیں ہے۔ بلکہ تیرا دشمن ابتر، بلا عقب اور مقلوع النسل رہے گا۔ (اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ابْتَرٌ)

”شانی“ ”شنّان“ (بروزن صربان) کے مادہ سے عداوت و دشمنی۔ کینہ و رزمی اور بد خلقی کرنے کے معنی میں ہے اور ”شانی“ اس شخص کو کہتے ہیں جو اس صفت کا حامل ہو۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”ابتور“ اصل میں ”دُم کٹے جانور“ کے معنی میں ہے، اور دشمنان اسلام کی طرف سے اس تعبیر کا انتخاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک حرمت اور توہین کرنے کے لیے تھا۔ اور ”شانی“ کی تعبیر اسی واقعیت کو کو بیان کرتی ہے کہ وہ اپنی دشمنی میں کم سے کم آداب کی رعایت تک بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی ان کی عداوت و دشمنی قساوت و رذالت سے آمیختہ تھی۔ حقیقت میں قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ لقب خود تمہارا ہے نہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

دوسری طرف — جیسا کہ سورہ کی شان نزول میں بیان کیا گیا ہے — قریش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور اسلام کی بساط کے اُلٹ جانے کے انتظار میں تھے۔ کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ آپ کے پیچھے کوئی اولاد نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تو بلا عقب اور بے اولاد نہیں ہے بلکہ تیرے دشمن ہی بلا عقب اور بے اولاد ہیں۔

چند نکات

۱۔ حضرت فاطمہؑ اور ”کوثر“

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ”کوثر“ ایک عظیم جامع اور وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور وہ ”خیر کثیر و فراوان“ ہے۔ اور اس کے

بہت زیادہ مصداق ہیں، لیکن بہت سے بزرگ شیخ علماء نے اس کے واضح ترین مصداق میں سے ایک مصداق "فاطمہ زہرا" (سلام اللہ علیہا) کے وجود مبارک کو سمجھا ہے۔ چونکہ آیت کی شان نزول سے ظاہر ہے کہ دشمن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہتر اور بلا عقب ہونے سے متحمم کرتے تھے قرآن ان کی بات کی نفی کے ضمن میں کہتا ہے: "ہم نے تجھے کوئی عطا کیا ہے" اس تعبیر کا مطلب یہی بنتا ہے کہ یہ "خیر کثیر" فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہی ہیں کیونکہ پیغمبر کی نسل اور ذہبت اس کی دختر گرامی کے ذریعے سارے عالم میں منتشر ہوئی، جو نہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جہانی اولاد تھی بلکہ انہوں نے آپ کے دین اور اسلام کی تمام اقدار کی حفاظت کی اور اسے اپنے دلوں تک پہنچایا۔ نہ صرف اہل بیت کے ائمہ معصومین جن کی اپنی ایک مخصوص حیثیت تھی، بلکہ ہزار ہا فرزندان فاطمہ عالم میں پھیل گئے، جن میں بڑے بڑے بزرگ علماء، مؤلفین، فقہاء، محدثین، مفسرین و ملا مقام، اور عظیم حکمران ہو کر رہے ہیں جنہوں نے اسلام و قرآن اور فدا گاہی کے ساتھ دین اسلام کی حفاظت کی اور کوشش کی یہاں پر "فرز رازی" کی ایک عمدہ بحث، سارے سامنے آتی ہے جو اس نے کونز کی مختلف تفسیروں کے ضمن میں بیان کی ہے۔ تفسیر قول یہ ہے کہ یہ سورہ ان لوگوں کے در کے عنوان سے نازل ہوا ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے نہ ہونے پر طعن و طعنا اور تنقیہ و اعتراض کرتے تھے اس بنا پر سورہ کا معنی یہ ہو گا کہ خدا آپ کو ایسی نسل دے گا جو زمانہ دراز تک باقی رہے گی۔ غور تو کرو کہ لوگوں نے اہل بیت کے کتنے افراد کو شہید کیا، لیکن اس کے باوجود دنیا ان سے بڑھتی پڑتی ہے جب کہ بنی امیہ میں سے (جو اسلام کے دشمن تھے) کوئی قابل ذکر شخص دنیا میں باقی نہیں رہا۔ پھر ان کے گھر اور غور کرو کہ فاطمہ کی اولاد کے درمیان باقر و صادق و رضا و فاطمہ زہرا کے عظیم اور بزرگ علماء ہوئے ہیں۔

۲۔ اس سورہ کا اعجاز

در حقیقت اس سورہ میں تین پیشین گوئیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک طرف تو پیغمبر کو خیر کثیر عطا کرنے کی خوش خبری دیتے ہیں (اگرچہ "اعطینا" فعل ماضی کی صورت میں ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ مضارع مسلم کی قسم سے ہو، جو ماضی کی صورت میں آتا ہو)۔ اور یہ خیر کثیر ان تمام فتوحات، کامیابیوں اور توفیقات کو شامل ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعد میں نصیب ہوئی ہیں۔ اگرچہ وہ عہد میں اس سورہ کے نزول کے وقت پیش بینی کے قابل نہیں تھیں۔

دوسری طرف یہ سورہ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولاد، بلا عقب اور مطلق النسل ہوں گے۔ بلکہ آپ کی نسل اور اولاد بڑی کثرت سے عالم میں موجود رہے گی۔

تیسری جانب یہ سورہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ آپ کے دشمن ابتر، بلا عقب اور مطلق النسل ہو جائیں گے۔ یہ بھی پوری ہو گئی ہے۔ اور آپ کے دشمن اس طرح تتر بتر اور تباہ و برباد ہوئے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں ہے۔ سوائے "بنی امیہ" اور "بنی عباس" جیسے قبائل جو پیغمبر اور ان کی اولاد کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے ایک وقت اتنی حیثیت اور کثرت

۱۔ "نفس زکیہ" امام حسن مجتبیٰ کے فرزند "محبوب اللہ" کا لقب ہے جو منصور و داغی کے ماقول ۱۴۵ ہجری میں شہید ہوئے۔

۲۔ "تفسیر فرہادی" جلد ۳۲ ص ۱۲۲

رکھتے تھے

۳۲

قاب

(جمع متکلم)

بار سے بار

اور یہ قدرت

زیر

کی تعبیر ۳۱

کے لیے ا

عزم میں

اور اس

خدا

پر

رکھتے ہیں

بار

شوکت میں

رکھتے تھے کہ ان کی اولاد شمار میں نہ آتی تھی۔ لیکن آج اگر ان میں سے کوئی باقی رہ بھی گیا ہو تو وہ بالکل پہچانا نہیں جاتا۔

۳۔ خدا کے لیے جمع کی ضمیر کس لیے ہے؟

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں بھی اور قرآن مجید کی اور بہت سی دوسری آیات میں بھی ضمیر "متکلم مع الغیوب" (جمع متکلم) کے ساتھ اپنا ذکر کرتا ہے۔ فرماتا ہے: "ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔"

یہ تعبیر اور اس قسم کی تعبیریں عظمت و قدرت کو بیان کرنے کے لیے ہوتی ہیں کیونکہ بزرگ اور بڑی ہستیاں جب اپنے بارے میں بات کرتی ہیں، تو وہ صرف اپنے بارے میں ہی نہیں، بلکہ اپنے ناموریں کارندوں کے بارے میں بھی خبر دیتی ہیں اور یہ قدرت و عظمت اور ان کے ادا کر کے مقابلہ میں فرمانبرداری کرنے والوں سے کہنا یہ ہے۔

زیر بحث آیت میں لفظ "ان" بھی اس معنی پر ایک دوسری تاکید ہے۔ اور "اتیناک" کے بجائے "اعطیناک" کی تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے پیغمبر کو کوثر بخش دیا ہے اور عطا کر دیا ہے۔ اور یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک بہت بڑی بشارت ہے تاکہ دشمنوں کی یہودہ باتوں سے آپ کا قلب مبارک آزرده نہ ہو۔ اور آپ کے کہنی عزم میں سستی اور کمزوری پیدا نہ ہونے پائے۔ اور دشمن یہ جان لیں کہ آپ کی نگاہ وہ خدا ہے، جو تمام خیرات کا منبع ہے اور اس نے خیر کثیر آپ کو بخش دی ہے۔

خداوند! ہمیں اس خیر کثیر کی برکات سے جو تُو نے اپنے پیغمبر کو مرحمت فرمائی ہے، بے نصیب نہ کرنا۔ پروردگار! تُو جانتا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی فریت طاہرہ کو خلوص دل کے ساتھ دوست رکھتے ہیں، لہذا ہمیں انہیں کے ساتھ محشور کرنا۔

بارِ الہا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دین و آئین کی بہت بڑی عظمت ہے، اس عظمت و عزت و شوکت میں روز بروز اضافہ فرما۔

آمین یا رب العالمین
اختتام سورۃ کوثر

سُورَةُ الْكَافِرُونَ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۶ آیات ہیں

یہ سُورہ
جس کی طرف
بغیر نظر آتا ہے
سُورہ
اکثریت میں
لینے پیچھے رہنے
یہ بات
بھی مصالحت
معنی پر خصوصیت
کرنے کے۔
نہیں کرو گے
اور تمہارا شرک
اس سُورہ
ترجمان میں۔
ایک

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورۃ کافرون کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔ اس کا لب و لہجہ اور اس کے مطالب اس بات کے واضح گواہ ہیں۔ اسی طرح وہ شانِ نزول جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا، اس مدعا پر دوسری دلیل ہے۔ یہ جو بعض نے اس کے مدنی ہونے کا احتمال دیا ہے بہت بعید نظر آتا ہے۔

سُورہ کا لب و لہجہ بتاتا ہے کہ یہ سُورہ ایسے زمانہ میں نازل ہوا جب مسلمان اقلیت میں تھے اور کفار اکثریت میں۔ پیغمبر پر ان کی طرف سے سخت دباؤ تھا اور انہیں اصرار تھا کہ کسی طرح سازش کر کے آپ کو شرک کی طرف کھینچ لیں۔ پیغمبر نے ان کی اس پیش کش کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور انہیں کُل طور پر مایوس کر دیا اور ان کے ساتھ اُلجھے بھی نہیں۔ یہ بات تمام مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ ہے کہ وہ اسلام اور دین کی اساس کے بارے میں دشمن کے ساتھ کسی حالت میں بھی مصالحت نہ کریں اور جب بھی ان کی طرف سے اس قسم کی خواہش کی جائے تو انہیں کامل طور سے مایوس کر دیں۔ اس سُورہ میں اس معنی پر خصوصیت کے ساتھ دو مرتبہ تاکید ہوئی ہے کہ "میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کروں گا" اور یہ تاکید انہیں مایوس کرنے کے لیے ہے۔ اسی طرح اس بات کی بھی دوبارہ تاکید ہوئی ہے کہ "تم بھی ہرگز میرے معبود خدائے یگانہ کی عبادت نہیں کرو گے"۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی کی ایک دلیل ہے اور اس کا انجام یہ ہے کہ "میں ہوں اور میرا دین توحید اور تم ہو اور تمہارا شرک آلود دین"۔

اس سُورہ کی فضیلت کے بارے میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں جو اس کے مطالب کی حد سے زیادہ اہمیت کی ترجمان ہیں۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا :

”من قرا قل یا ایہا الکافرون فکما قرأ ربع القرآن وتباعدت عنه

مردة الشیاطین، وبرا من الشریک، ویغنی من الفزع الاکبر،

”جو شخص سورہ ”قل یا ایہا الکافرون“ کو پڑھے گا تو ایسا ہے جیسے اس

نے چوتھائی قرآن پڑھا ہو، سرکش شیاطین اس سے دور رہیں گے، وہ شرک سے

پاک ہو جائے گا اور ”روز قیامت“ کی گھبراہٹ سے امان میں ہوگا۔

”ربع القرآن“ (چوتھائی قرآن) کی تعبیر شاید اس بنا پر ہے کہ قرآن کا تقریباً چوتھا حصہ شرک و بت پرستی سے مبارزہ میں ہے

اور اس کا بجز اور خلاصہ اس سورہ میں آیا ہے۔ اور سرکش شیاطین کا دور ہونا اس بنا پر ہے کہ اس سورہ میں مشرکین کی بیشمار کنکریاں

ٹھکرا دی گئی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ شرک شیطان کا اہم ترین آلہ ہے۔

”قیامت میں نجات بھی پہلے درجہ میں توحید اور نفی شرک کی مرہون منت ہے، وہی مطلب جس کے محور پر یہ سورہ

گردش کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں آیا اور اس نے عرض کیا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسی چیز کی تعلیم

دیجئے جسے میں سوتے وقت پڑھا کروں، آپ نے فرمایا:

”اذا اخذت مضجعتک فاقرا قل یا ایہا الکافرون ثم رعو علی خاتمتها

فانھا براءة من الشریک“

”جب تو اپنے بستر پر جائے تو سورہ قل یا ایہا الکافرون کو پڑھ۔ اس کے بعد سو جا

کیونکہ یہ شرک سے بیزاری ہے۔“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ”جبریل بن مسلم“ سے فرمایا:

”کیا تو اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ جب تو سفر پر جائے تو زادراہ اور توشرکے

لمحاطہ سے اپنے ساتھیوں میں سب سے بہتر ہو؟“ اس نے عرض کی:

ہاں! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”ان پانچ سورتوں کو پڑھا کرو: ”قل یا ایہا الکافرون“ و ”اذا جاء نصر اللہ والفتح“ و ”قل ھو اللہ احد“

و ”قل اعوذ برب الفلق“ و ”قل اعوذ برب الناس“ اور اپنی قرأت کی ابتدا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے کیا کرو۔

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میرے والد کہا کرتے تھے کہ ”قل یا ایہا الکافرون“

”ربع قرآن ہے اور جب آپ اس کی قرأت سے فارغ ہوتے تو فرماتے: ”اعبد اللہ وحده، اعبد اللہ وحده“ ”میں صرف خدائے واحد کی عبادت کرتا ہوں۔“

”میں صرف خدائے واحد کی عبادت کرتا ہوں۔“

”جمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝
- ۲۔ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝
- ۳۔ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝
- ۴۔ وَلَا اَنَا عٰبِدُ مَا عَبَدْتُمْ ۝
- ۵۔ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝
- ۶۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کہہ دو! اے کافرو! جن کی تم پرستش کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا۔
- ۲۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔
- ۳۔ اور نہ ہی میں ان کی پرستش کروں گا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔
- ۴۔ اور نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

۶۔ (اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے

شان نزول

روایات میں آیا ہے کہ یہ سورہ مشرکین کے سرغنون کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ مثلاً "ولید بن مغیرہ" "عاص بن وائل" "حارث بن قیس" اور "امیہ بن خلف" وغیرہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ اے محمد! اؤ تم ہمارے دین کی پیروی کر لو، ہم بھی تمہارے دین کی پیروی کر لیتے ہیں اور ہم تمہیں اپنے تمام امتیازات میں شریک کر لیں گے۔ ایک سال تو تم ہمارے خداؤں کی عبادت کیا کرو اور دوسرے سال ہم تمہارے خدا کی عبادت کیا کریں گے۔ اگر تمہارا دین بہتر ہے تو ہم اس میں شریک ہو گئے ہیں اور اپنا حصہ اس میں سے لے لیا ہے۔ اور اگر ہمارا دین بہتر ہوا تو تم ہمارے دین میں شریک ہو گئے اور تم نے اس میں سے اپنا حصہ لے لیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ کسی چیز کو اس کا شریک قرار دوں ؟

انہوں نے کہا : کم از کم ہمارے خداؤں کو چھو ہی لو اور ان سے تیز کر حاصل کر لو تو ہم تمہاری بات مان لیں گے اور تمہارے خدا کی پرستش کرنے لگیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"میں تو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر ہوں۔ تو اس موقع پر سورہ "قل یا ایہا الکافرون"

نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں آئے جب کہ قریش کے سرداروں

کی ایک جماعت وہاں جمع تھی۔ تو آپ نے ان کے سروں کے اوپر کھڑے یہ سورہ آخر

مک ان کے سامنے پڑھا۔ جب انہوں نے اس سورہ کے پیام کو سنا تو مکمل طور پر

مالوس ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو آزار پہنچانے لگے۔

تفسیر

بُت پرستوں کے ساتھ ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی

اس سورہ کی آیات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہیں : "کہہ دو اے کافرو !

۱۔ اس شان نزول کو عبادتوں میں مختصر سے اختلاف کے ساتھ بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے، منجملہ "طبرسی" نے "مجمع البیان" میں "قرطبی

اپنی تفسیر میں "البرالفتح" رازی نے اپنی تفسیر میں "اور" سیوطی نے "در المنثور" میں۔

ابوجعفر احوال کے پاس چونکہ اس کا کوئی جواب نہیں تھا لہذا وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ پہنچے اور اس سلسلہ میں سوال کیا، تو امام نے فرمایا:

"ان آیات کے نزول اور ان میں تکرار کا سبب یہ تھا کہ قریش نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی پیش کریں اور دوسرے سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے اور اسی طرح بعد والے سال میں آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کریں اور اس کے اگلے سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے، تو اُوپر والی آیات نازل ہوئیں اور ان تمام تجاویز کی نفی کی۔"

جب ابوجعفر "احول" نے "ابو شاکر" کو یہ جواب دیا تو اس نے کہا:

"هَذَا مَا حَمَلَهُ الْاِبِلُ مِنَ الْحِجَازِ"

"یہ وہ بار ہے جسے اُونٹ حجاز سے اُٹھا کر لائے ہیں۔"

(یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تیسرا جواب نہیں ہے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے)۔ بعض دوسروں نے یہ کہا ہے کہ یہ تکرار اس بنا پر ہے کہ ایک جملہ تو حال کے بیان کے لیے ہے اور دوسرا مستقبل کے بیان کے لیے، یعنی میں ہرگز بھی نہ تو حال میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ ہی کبھی آئندہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا۔

لیکن ظاہر اس تفسیر پر کوئی شاہد موجود نہیں ہے۔

ایک تیسری تفسیر بھی اس تکرار کے لیے بیان کی گئی ہے کہ پہلا جملہ تو معبودوں کے اختلاف کو اور دوسرا عبادت کے اختلاف کو بیان کرتا ہے۔ یعنی نہ تو میں ہرگز تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ ہی تیسری عبادت تمہاری عبادت کی طرح ہے، کیونکہ میری عبادت مخلصانہ اور ہر قسم کے شرک سے خالی ہے۔

علاوہ ازیں تمہارا بتوں کی عبادت کرنا بڑوں کی اندھی تقلید کی بنا پر ہے۔ لیکن میرا اللہ کی عبادت کرنا تحقیق و تنکرانے کے

ظاہر پر ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے، جیسا کہ ہم نے اُوپر وضاحت کی ہے۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی

حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

یہاں ایک پورے تفسیر بھی بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ: "دوسری آیت میں تو یہ فرماتا ہے کہ جن کی تم سے

ل۔ "تفسیر علی بن ابیہم" جلد ۲ ص ۲۴۵

ل۔ اس تفسیر کی بنا پر "ما" دوسری اور تیسری آیت میں "ما موصولہ" ہے، اور چوتھی اور پانچویں آیت میں "مصدریہ"

اس وجہ کہ ابوالفتح رازی نے ایک تفسیر کے عنوان سے جلد ۱۲ ص ۱۹۲ میں فرمایا ہے۔ "مصدریہ طبری نے یہ تفسیر آیات

کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عبادت کر رہے ہو میں ان کی عبادت نہیں کروں گا۔ اور جو جتنی آیت میں فرماتا ہے کہ "میں نے گزشتہ زمانہ میں بھی کبھی تمہارے حضور کی عبادت نہیں کی ہے۔ یہ جانیکہ اُس کروں"۔
یہ فرق اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ دوسری آیت میں "تعبیدون" فعل مضارع کی صورت میں ہے، اور چوتھی آیت میں "عبدتو" فعل ماضی کی صورت میں ہے، بعید نظر نہیں آتا۔
اگرچہ یہ تفسیر صرف دوسری اور چوتھی آیت کے تکرار کو تو حل کرتی ہے، لیکن تیسری اور پانچویں آیت اُسی طرح اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی رہتی ہے۔

۴۔ کیا "لکم دینکم" کی آیت کا مفہوم بُت پرستی کا جواز ہے؟

کبھی یہ خیال کیا گیا ہے کہ اس سورہ کی آخری آیت جو یہ کہتی ہے کہ: "تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے" تو اس کا مفہوم وہی "صلح کل" ہی ہے اور یہ انہیں اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنے دین پر برقرار رہیں کیونکہ یہ دین اسلام کو قبول کرنے پر اصرار نہیں کرتی۔

لیکن یہ خیال انتہائی کمزور اور بے بنیاد ہے کیونکہ آیات کالب دلہجہ اچھی طرح سے اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ تفسیر ایک قسم کی تحقیر و تہدید ہے، یعنی تمہارا دین خود تمہیں ہی مبارک ہو اور تم جلدی ہی اس کے بُرے انجام کو دیکھ لو گے جیسا کہ سورہ قصص کی آیہ ۵۵ میں آیا ہے: "واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه و قالوا لانا اعمالنا و لکم اعمالکم سلام علیکم لا نبتغی الجاہلین"۔ "مومنین جب کوئی لغو اور بیہودہ بات سُنتے ہیں تو اس سے روگردانی کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ تم پر سلام (دعائے اُردو جہاں کا سلام) ہم جاہلوں کے طلب گار نہیں ہیں!"

قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں اس مفہوم کی گواہ ہیں جو بشرک کی ہر صورت میں سرکوبی کرتی ہیں، اتنے ہر کام سے زیادہ قابلِ مصلحت سمجھتی ہیں اور اُسے نہ بخشا جانے والا گناہ خیال کرتی ہیں۔

علمائے اس وال کہ دوسرے کے جواب بھی دیے ہیں مثلاً یہ کہ آیت میں کچھ محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح "لکم جزا دینکم و لی جزاء دینی"۔ "یعنی تمہارے دین کی جزا تمہارے لیے اور میرے دین کی جزا میرے لیے"۔ دوسرے یہ کہ یہاں "دین" جزا کے معنی میں ہے۔ اور آیت میں کوئی بھی چیز محذوف نہیں ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اپنی جزا لو گے اور میں اپنی جزا لوں گا۔

۱۔ اس بنا پر "عابد" کو بھی جو اسم فاعل ہے اس آیت میں ماضی کا معنی دینا چاہیے۔

۲۔ ضمنی طور پر اس بات پر بھی توجہ کرنا چاہیے کہ مامور لہ اگرچہ عام طور پر غیر ذی العقول کے لیے آتا ہے لیکن بہت سے مقامات پر دیکھا گیا ہے کہ یہ ذوی العقول بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کی آیات بھی اس مطلب کی شاہد ہیں۔

۳۔ ضمناً توجہ رکھنا چاہیے کہ ولی دین کے جملہ میں دین مکسور ہے اور اس کا کسر یا محذوف پر دلالت کرتا ہے، اور اصل میں یہ ولی دینی تھا۔

لیکن

۵۔ آ

اس

دو انگ انگ

کرتی ہے

توحید

توحید

ساتھ اس کا رشتہ

اسی

ان کا پہلا اور

اج ہو

ہر مقام پر ہر

یہی

خداوند

پروردگار

محفوظ رکھ

بار الہ

ہر قسم کے کفر

اخت

بزر ہفتہ

۵ شوا

بر مکان نو

لیکن پہلی تفسیر اور پہلا جواب زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔

۵۔ آپ نے ایک لمحہ کھیلے بھی شرک سے مصالحت نہیں کی۔

اس سورہ میں جو کچھ آیا ہے وہ حقیقت میں اس واقعیت کو بیان کرتا ہے کہ توحید و شرک دو متضاد پروگرام اور مکمل طور پر دو الگ الگ راستے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔ توحید انسان کو خدا سے مربوط کرتی ہے جبکہ شرک اس کو خدا سے بیگانہ کر دیتا ہے۔

توحید تمام مرحلوں اور میدانوں میں وحدت و یگانگی کی رمز ہے جبکہ شرک زندگی کے تمام شئون میں تفرقہ اور پراگندگی کا سبب ہے۔ توحید انسان کو عالم مادیہ اور جہان طبیعت سے بلندی کی طرف لے جاتی ہے اور مادہ و طبیعت میں خدا کے لامتناہی وجود کے ساتھ اس کا رشتہ جوڑ دیتی ہے، جبکہ شرک انسان کو طبیعت کے کنوئیں میں سرنگوں کر دیتا ہے اور اس کا رشتہ محدود، کمزور اور فانی موجودات کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ اسی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء عظام نے نہ صرف شرک کے ساتھ مصالحت نہیں کی، بلکہ ان کا پہلا اور اہم ترین پروگرام شرک کے ساتھ مبارزہ کرنا تھا۔

آج بھی راہ حق کے تمام پیغمبروں، انبیاء و علمائے مہدیین کو یہی راستہ اور طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور ہر مقام پر ہر قسم کے شرک اور مشرکین سے ساز باز اور مصالحت سے اپنی برائت اور بیزارگی کا اعلان کرنا چاہیئے۔ یہی اسلام کی اصل راہ ہے۔

خداوند! ہمیں شرک اور شرک آلودہ افکار و اعمال سے دور رکھ۔
پروہگار! ہمارے زمانہ کے مشرکین کے دوسرے بھی خطرناک ہے، ہمیں ان کے دام فریب میں نہ گرنے سے محفوظ رکھ۔

بار الہا! ہمیں ایسی شجاعت اور صراحت و قاطعیت مرحمت فرما کہ ہم بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہر قسم کے کفر و شرک کی مصالحت کی پیش کش کو رد کر دیں۔

(آمین یا مروت العالمین)

سورۃ کافرون کا اختتام

اختتام ترجمہ

بزرگ ہفتہ تقریباً آٹھ بجے صبح

۵ شوال ۱۴۰۸ھ

برسکان خود قم مقرر ایران

سُورَةُ النَّصْرِ

❖ یہ سُورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۳ آیات ہیں۔

یہ سُورہ
کہ اس کے بہ
اکرم صلی اللہ علیہ
اگرچہ اس
اور کوئی فتح نہیں
خصوصاً
وہ اس پر مسلط ہو
دے گا، جیسا کہ
اسلام میں داخل
بعض نے
لیکن یہ با
نازل ہوا بہت
عادر کی خبر دیتا
اس سُورہ
ایک حدیث

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ النَّصْرِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ مدینہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے اور اس میں ایک بہت بڑی کامیابی اور فتح عظیم کی بشارت ہے کہ اس کے بعد لوگ گروہ درگروہ خدا کے دین میں داخل ہوں گے، لہذا اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسبیح، حمد الہی اور استغفار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اگرچہ اسلام میں بہت سی فتوحات ہوئی ہیں لیکن اُدھر والی بات کے پورا ہونے کے طور پر ”فتح مکہ“ کے سوا اور کوئی فتح نہیں تھی۔

خصوصاً جب کہ بعض روایات کے مطابق عربوں کا نظریہ یہ تھا کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا اور وہ اس پر مسلط ہو گئے، تو یہ ان کے حقانیت کی دلیل ہوگی، کیونکہ اگر وہ حق پر نہ ہوتے تو خدا انہیں اس قسم کی اجازت نہیں دے گا، جیسا کہ اس نے ”ابراہیم کے عظیم لشکر کو اس قسم کی اجازت نہیں دی تھی۔ اسی بنا پر مشرکین عرب فتح مکہ کے بعد گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ سُورہ ”صلح حدیبیہ“ کے بعد اور فتح مکہ سے دو سال پہلے، ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوا۔ لیکن یہ بات جس کے بارے میں بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع میں نازل ہوا، بہت ہی بعید ہے کیونکہ اس سُورہ کی تعبیریں اس معنی کے ساتھ سازگار نہیں ہیں، کیونکہ یہ مستقبل سے مربوط ایک حادثہ کی خبر دیتا ہے نہ کہ گزشتہ کی۔

اس سُورہ کا ایک نام سُورہ ”تودیع“ ہے۔ (تودیع یعنی خدا حافظ) کیونکہ اس میں ضمنی طور پر پیغمبر کی رحلت کی خبر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سُورہ نازل ہوا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اپنے اصحاب کے

سامنے تلاوت کی تو سب کے سب بہت خوش اور مسرور ہوئے، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباسؓ اس کو مل کر رونے لگے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

اے چچا ! آپ کیوں رو رہے ہیں ؟

عرض کیا، میرا گمان یہ ہے کہ اس سورہ میں آپؐ کی رحلت کی خبر دی گئی ہے۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"یہی بات ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔"

اس بارے میں کہ یہ مطلب اس سورہ کے کس جملہ سے معلوم ہوتا ہے، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ آیات کے ظاہر میں تو فتح اور کامیابی کی بشارت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ظاہر اس مفہوم کا اس بات سے استفادہ کیا گیا ہے کہ یہ سورہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت آخرت کو پہنچ رہی ہے۔ آپ کا دین مکمل طور پر ثابت اور مستقر ہو چکا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ایسی حالت میں سرائے فانی سے جہان باقی کی طرف رحلت کی توقع پورے طور پر قابل پیش بینی ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

"من قرأھا فکانما شہد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ"

"جو شخص اس کی تلاوت کرے گا وہ اس شخص کے مانند ہے جو فتح مکہ میں پیغمبر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔"

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

"جو شخص سورہ "اذا جاء نصر الله والفتح" کو نافلہ یا واجب نماز میں پڑھے گا

خدا اس کو اس کے تمام دشمنوں پر فتح یاب کرے گا اور وہ قیامت میں اس حالت میں

وارد مشعر ہوگا کہ اس کے ہاتھ میں ایک عہد نامہ ہوگا، جو بات کرے گا، خدا نے

اُسے اس کی قبر کے اندر سے باہر بھیجا ہے، اور وہ جہنم کی آگ سے امان نامہ ہے۔"

کے بغیر واضح ہے کہ یہ سب اعزاز و افتخار اور فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس سورہ کو پڑھنے سے

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے اور ان کے راستے اور طریقہ پر چلے اور آپ کے دین و آئین اور سنت پر عمل کرے نہ کہ صرف تعلقہ لسانی پر قناعت کرے۔

۱۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۵۴۔ یہ مضمون متعدد روایات میں مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ (المیزان جلد ۲۰ ص ۵۳۲)۔

۲۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۵۳

۳۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۵۳

ترجمہ

ش

ج

اد

پ

تو

تفسیر

جب

اس سورہ کا

اور تودیک

دین اللہ افواجاً

تو اس عظیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝
- ۲۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝
- ۳۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

ترجمہ

- ۱۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۲۔ جب خدا کی مدد اور کامیابی آن پہنچے
- ۳۔ اور تو دیکھے گا کہ لوگ گروہ در گروہ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں
- ۴۔ پس تم اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجا لاؤ اور اس سے استغفار کرو کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر

جب اصلی کامیابی آن پہنچے

اس سورہ کی پہلی آیت جس میں فرماتا ہے : ” جس وقت خدا کی مدد اور کامیابی آن پہنچے “ (اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ) اور تو دیکھے گا کہ لوگ گروہ در گروہ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں “ (وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا)۔

تو اس عظیم نعمت اور اس کامیابی اور نصرت الہی کے شکر لانے کے طور پر اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجا لاؤ اور اس سے

جوش طلب کرو کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (فستیح بحمد ربک واستغفرہ انتہ کان تواباً)۔
ان تین مختصر اور پُر معنی آیات میں بہت سے ایسے نکات ہیں جن میں غور کرنے سے اس سورہ کے اصلی ہدف کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۱۔ پہلی آیت میں "نصرت" کی اضافت "خدا" کی طرف ہوتی ہے (نصر اللہ) صرف یہی ایک جگہ نہیں ہے کہ جہاں یہ اضافت نظر آرہی ہے، بلکہ قرآن کی بہت سی آیات میں یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

میں آیا ہے (الان نصر اللہ قریب) "جان لو کہ خدا کی مدد قریب ہے" اور (و ما النصر الا عند اللہ) "نصرت تو صرف خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔"

یہ ٹھیک ہے کہ دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے توانائیوں کو مجتمع کرنا اور قدرت و طاقت مہیا کرنا ضروری ہے، لیکن ایک متحد آدمی نصرت کو خدا ہی کی طرف سے سمجھتا ہے اور اسی بنا پر کامیابی کی صورت میں مغرور نہیں ہوتا بلکہ اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔

۲۔ اس سورہ میں پہلے نصرت الہی، پھر فتح و کامرانی اور اس کے بعد اسلام کے نفوذ و وسعت اور لوگوں کے خدا کے دین میں گروہ درگروہ داخل ہونے کی بات کی گئی ہے۔ یہ تینوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔ جب تک خدا کی نصرت اور مدد نہ ہو، فتح و کامیابی حاصل نہیں ہوتی اور جب تک فتح و کامیابی حاصل نہ ہو اور راستہ کی رکاوٹیں دور نہ ہوں، لوگ گروہ درگروہ مسلمان نہیں ہوتے۔ البتہ ان تین مرحلوں کے بعد جن میں اسے ہر ایک بہت بڑی نعمت ہے، پھر

مرحلہ شکر اور حمد و شائش الہی کا آتا ہے۔
۳۔ اور دوسری طرف سے خدائی نصرت اور کامیابی اس لیے ہے کہ اصل ہدف یعنی لوگوں کا خدا کے دین میں داخل ہونا اور عمومی ہدایت صورت پذیر ہو۔

۳۔ "فتح" یہاں مطلق صورت میں بیان ہوا ہے اور ان قرآن کی بنا پر جن کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے اس سے مراد فتح مکہ ہے، جس کا ایسا ہی رد عمل ہوا تھا۔ اور واقعاً فتح مکہ نے تاریخ اسلام میں ایک نئی فصل کا اضافہ کیا، کیونکہ اس سے شرک کا اصلی مرکز تباہ و برباد ہو گیا، بُت توڑ دیے گئے اور بُت پرستوں کی امید بالوسی اور نا اُمیدی میں تبدیل ہو گئی اور لوگوں کے لیے اسلام پر ایمان کے راستے میں جو رکاوٹیں تھیں وہ ہٹ گئیں اسی بنا پر فتح مکہ کو جزیرۃ العرب میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں اسلام کے مثبت و استقرار کا مرحلہ سمجھا جاتا ہے اور اسی سببے مشرکین کی جانب سے فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی کی جلدی ہی سرکوب ہو گئی کسی قسم کا مقابلہ نظر نہیں آیا اور لوگ تمام علاقوں سے اسلام قبول کرنے کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے۔

۴۔ تیسری آیت کے ذیل میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں ان میں سے

اس عظیم کامیابی

تبیح

تقریب کرنا ہے

یہ عظیم

اور راستہ سے

یہ فتح

پاکیزگی اور وہ

بھی اس کی عظمت

اس کے

برتر سمجھنے میں

اُسے اس بات

کو اس کی طرف

۵۔ مسلمہ طور

بہت

جاتی تھی

جنگ

گلے بھر

لہذا انہی

حمد و ثنا

طرف

رہنا چاہیے

اس عظیم کامیابی کا شکرانہ اور اس نصرت الہی کے مقابلہ میں ایک مناسب عکس العمل ہے۔ اور وہ تسبیح، حمد اور استغفار کا حکم ہے۔ "تسبیح" کا معنی خدا کو ہر قسم کے عیب و نقص سے منزہ سمجھنا ہے۔ "حمد" صفات کمالیہ کے ساتھ اس کی توصیف و تریف کرنا ہے، اور "استغفار" بندوں کی کوتاہیوں اور تقصیروں کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ عظیم کامیابی اس بات کا سبب بنی ہے کہ شرک آورہ افکار میں کمی ہو، خدا کا کمال و جمال زیادہ سے زیادہ ظاہر ہو اور راستہ سے بھٹکے ہوئے لوگ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

یہ فتح عظیم سبب بنی ہے کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ خدا اپنے اولیاء اور دوستوں کو تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ (اس نقص سے پاکیزگی) اور وہ یہ بھی جان لیں کہ خدا اپنے وعدوں کے انجام دینے پر قویٰ ہے۔ (اس کمال سے موصوف ہونا) اور بندے بھی اس کی عظمت کے مقابلہ میں اپنے نقص کا اعتراف کریں۔

اس کے علاوہ ممکن ہے کہ انسان میں کامیابی کے وقت غیر مطلوب رد عمل پیدا ہو جائے اور وہ "غور و فکر اور خود کو برتر سمجھنے" میں مبتلا ہو جائے۔ یا دشمن سے "انتقام لینے اور ذاتی حساب چکانے" کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ یہ تینوں احکام اُسے اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ کامیابی کے حتمی لحاظ میں خدا کی صفات جلال و جمال کی یاد میں رہے، سب چیزوں کو اس کی طرف سے سمجھے اور استغفار میں مشغول ہو جائے تاکہ غور و غفلت بھی اس سے زائل ہو اور وہ جذبہ انتقام سے بھی دور رہے۔

۵۔ مسلمہ طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کی طرح "معصوم" تھے، پس یہ استغفار کا حکم کس لیے ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ یہ تو ساری امت کے لیے ایک نمونہ و اسوہ اور دستور العمل ہے۔ اولا: اس طولانی مبارزہ کے طویل زمانہ میں، جو بہت زیادہ سالوں تک جاری رہا (تقریباً بیس سال) اور مسلمانوں نے بہت سخت اور دردناک دن گزارے، بعض اوقات تو حادثات ایسے پیچیدہ ہو جاتے تھے کہ جائیں لبوں تک پہنچ جاتی تھیں اور بعض لوگوں کے افکار میں خدائی وعدوں کے بارے میں بُرے گمان پیدا ہو جاتے تھے، جیسا کہ قرآن جنگ "احزاب" کے بارے میں فرماتا ہے: "وَبَلَّتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا" اور دل گلے تک آگئے اور تم اللہ کے بارے میں (نامناسب) گمان کرنے لگے۔ (احزاب: ۱۰)

اب جب کہ کامیابی حاصل ہو گئی ہے تو وہ اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ وہ سب بگمائیاں اور بے تابیاں غلط تھیں۔ لہذا انہیں استغفار کرنا چاہیے۔

ثانیاً: انسان چاہے جتنی بھی خدا کی حمد و ثنا کرے، پھر بھی وہ اس کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا، لہذا اُسے حمد و ثنا کے آخر میں اپنی تقصیر و کوتاہی کی بنا پر "خدا کی بارگاہ میں" استغفار کرنا چاہیے۔

ثالثاً: عام طور پر کامیابیوں کے بعد شیطانی وسوسے شروع ہو جاتے ہیں اور ایک طرف "غور" اور دوسری طرف "تندروی" اور انتقام جوئی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا اس موقع پر خدا کو یاد رکھنا چاہیے اور مسلسل استغفار کرتے رہنا چاہیے، تاکہ ان میں سے کوئی سی حالت بھی پیدا نہ ہو۔ یا اگر پیدا ہو بھی تو ہر طرف ہو جائے۔

رابعاً: جیسا کہ ہم نے سورہ کے آغاز میں بیان کیا ہے اس کامیابی کا اعلان تقریباً پیغمبر کی ماموریت کے اختتام

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے پُرہا ہونے اور لقائے محبوب کے لیے جانے کے اعلان کے معنی میں ہے۔ اور یہ حالت "تبیح و" حمد و "استغفار" سے مناسبت رکھتی ہے۔ اسی لیے روایات میں آیا ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جملہ کا بہت زیادہ تکرار فرماتے تھے :

"سبحانک اللہم وبحمدک اللہم اغفر لی انک انت التواب الرحیم"

"خداوند! تُو پاک و منزہ ہے، اور میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں۔ خداوند! مجھے بخش دے کہ تُو بہت ہی توبہ کو قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔"

۶۔ "انہ کان تواباً" کا جملہ مسئلہ استغفار کی علت کا بیان ہے۔ یعنی استغفار و توبہ کر کیونکہ خدا بہت ہی توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔

ضمنی طور پر شاید اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ جب خدا تمہاری توبہ کو قبول کر لیتا ہے تو تم بھی کامیابی کے بعد جہاں تک ہو سکے کوتاہی کرنے والوں کی توبہ کو قبول کر لو۔ اور جب تک ان سے مخالفت کا ارادہ یا سازش کے آثار ظاہر نہ ہوں انہیں اپنے سے دُور نہ کرو۔ لہذا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھ لیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فتح مکہ کے ماجرے میں شکست خوردہ کینہ و دشمنوں کے مقابلہ میں اسلامی رافت و رحمت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا ہے۔

یہ صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی سیرت نہیں ہے کہ آپ دشمن پر آخری اور اصلی فتح حاصل کرنے کے موقع پر تبیح و حمد و استغفار میں مصروف ہو گئے، بلکہ سارے ہی انبیاء کی تاریخ میں یہ مطلب اچھی طرح نمایاں ہے۔

مثلاً حضرت "یوسف" علیہ السلام جب مصر کے تختِ حکومت پر بیٹھے اور ایک طویل جدائی کے بعد ان کے ماں باپ اور بھائی ان سے آگے تو عرض کی : رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توقتی مسلماً والحقنی بالصالحین : پروردگارا ! تُو نے حکومت کا ایک بہت بڑا حصہ مجھے دیا ہے اور تُو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا ہے، تُو ہی آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور تُو ہی دنیا و آخرت میں میرا سرپرست ہے۔ مجھے مسلمان کی حیثیت سے موت دینا اور صالحین کے ساتھ ملحق کرنا (یوسف - ۱۰)

پیغمبر خدا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ سبا کے تخت کو اپنے سامنے حاضر دیکھا تو کہا :

"هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ"

"یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں اس کا

شکر ادا کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں؟ (نمل - ۲۰)

ایک نکتہ

فتح مکہ اسلام کی عظیم ترین فتح ، فتح مکہ نے۔ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے۔ تاریخ اسلام میں ایک

فصل کا اضافہ

جزیرۃ العرب۔

اس واؤ

کے بعض حلیف

حلیفوں کی مدد کر

اور دوسرے

اور یہ ایک ایسا

آبادہ ہو گئے۔

فتح مکہ :

پہلا مرحلہ

روحانی قوت و

دوسرا

اور آخری

۱۔ یہ مرحلہ

کی شاہ

کسی قبہ

جملے

"مزینہ"

صلی اللہ

پیغمبر

خود ا۔

کی دیر

آپ کی

تفسیر

صل کا اضافہ کیا ہے اور تقریباً بیس سال کے بعد دشمن کی مقادمتوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ حقیقت میں فتح مکہ سے یرۃ العرب سے بشرک و بُت پرستی کی بساط لپیٹ دی گئی اور اسلام دنیا کے دوسرے ممالک کی طرف حرکت کھیلے آمادہ ہوا۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے عہد و پیمان اور صلح کے بعد کفار نے عہد شکنی کی اور اس صلح نامہ کو نظر انداز کر دیا۔ اور پیغمبر کے بعض حلیفوں کے ساتھ زیادتی کی، آپ کے حلیفوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو رسول اللہ نے اپنے پیغلوں کی مدد کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اور دوسری طرف مکہ میں بُت پرستی، بشرک اور لفاق کا جو مرکز قائم تھا اس کے ختم ہونے کے تمام حالات فراہم ہو گئے تھے۔ یہ ایک ایسا کام تھا جسے ہر حالت میں انجام دینا ضروری تھا۔ اس لیے پیغمبر خدا کے حکم سے مکہ کی طرف جانے کے لیے ادا ہو گئے۔

فتح مکہ تین مراحل میں انجام پائی۔

پہلا مرحلہ مقدمانی تھا، یعنی ضروری قول و توانائیوں کو فراہم کرنا، زمانہ کے موافق حالات کا انتخاب اور دشمن کی جسمانی و مالی قوت و توانائی کی مقدار و کیفیت کی حیثیت کے بارے میں کافی اطلاعات حاصل کرنا تھا۔

دوسرا مرحلہ، فتح کے مرحلہ کو بہت ہی ماہرانہ اور ضالعات و تلفات یعنی نقصان کے بغیر انجام دینا تھا۔ اور آخری مرحلہ، جو اصلی مرحلہ تھا، وہ اس کے آثار و نتائج کا مرحلہ تھا۔

۱۔ یہ مرحلہ انتہائی دقت، باریک بینی اور لطافت کے ساتھ انجام پایا، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ و مدینہ کی شاہراہ کو اس طرح سے قرق کر لیا تھا کہ اس عظیم آماجگی کی خبر کسی طرح سے بھی اہل مکہ کو نہ پہنچ سکی۔ اس لیے انہوں نے کسی قسم کی تیاری نہ کی، وہ مکمل طور پر غفلت میں پڑے رہے اور اسی وجہ سے اس مقدس سرزمین میں اس عظیم حملے اور بہت بڑی فتح میں تقریباً کوئی ٹخن نہیں بہا۔

یہاں تک کہ وہ خط بھی، جو ایک ضعیف الایان مسلمان "حاطب بن ابی بلتعہ" نے قریش کو لکھا تھا اور قبیلہ "مزینہ" کی ایک عورت "کفود" یا "سارہ" نامی کے ہاتھ مکہ کی طرف روانہ کیا تھا، اعجاز آمیز طریقہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آشکار ہو گیا۔ علی علیہ السلام کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی تیزی سے اس کے پیچھے روانہ ہوئے، انہوں نے اس عورت کو مکہ و مدینہ کی ایک درمیانی منزل میں جالیا اور اس سے وہ خط لے کر خود اُسے بھی مدینہ واپس لے آئے جس کی داستان سورہ ممتحنہ کی پہلی آیت کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ بہر حال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں اپنا ایک قائم مقام مقرر کر کے ہجرت کے آٹھویں سال ماہ رمضان کی دس تاریخ کو مکہ کی طرف چل پڑے، اور دس دن کے بعد مکہ پہنچ گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے کے وسط میں اپنے چچا عباسؓ کو دیکھا کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے آپ کی طرف آرہے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنا سامان مدینہ بھیج دیجئے اور خود ہمارے

ساتھ چلیں، اور آپ آخری ماہر ہیں۔

۴۔ آخر کار مسلمان مکہ کے قریب پہنچ گئے اور شہر کے باہر اطراف کے بیابانوں میں اس مقام پر جسے سمر الظہیران کہا جاتا تھا اور جو مکہ سے چند کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ پر تھا، پڑاؤ ڈال دیا۔ اور رات کے وقت کھانا پکائے رکھے (یا شاید اپنی وسیع میدان پر سوچوگی کو ثابت کرنے کے لیے) وہاں آگ روشن کر دی۔ اہل مکہ کا ایک گروہ اس منظر کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئے۔

ابھی تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لشکر اسلام کے اس طرف آنے کی خبریں قریش سے پہنچان تھیں۔ اس رات اہل مکہ کا سرخروہ البوسفیان اور مشرکین کے بعض دوسرے سرخروے خبریں معلوم کرنے کے لیے مکہ سے باہر نکلے۔ اس موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس نے سوچا کہ اگر رسول اللہ قرآنود طریقہ پر مکہ میں وارد ہوئے تو قریش میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ انہوں نے پیغمبر اکرم سے اجازت لی اور آپ کی سواری پر سوار ہو کر مکہ کے مکین جانا ہوں، شاید کوئی بل جائے تو اس سے کہوں کہ اہل مکہ کو اس ماجرے سے آگاہ کر دے تاکہ وہ اگر آمان حاصل کر لیں۔ عباس وہاں روانہ ہو کر بہت قریب پہنچ گئے۔ اتفاقاً اس موقع پر انہوں نے "البوسفیان" کی آواز سنی۔ جو اپنے ایک دوست "بدیل" سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے کبھی بھی اس سے زیادہ آگ نہیں دیکھی۔ "بدیل" نے کہا، میرا خیال ہے کہ یہ آگ قبیلہ "فراعہ" نے جلائی ہوئی ہے۔ البوسفیان نے کہا: قبیلہ فراعہ اس سے کہیں زیادہ ذلیل و خوار ہیں کہ وہ اشی آگ روشن کریں۔ اس موقع پر "عباس" نے "البوسفیان" کو پکارا۔ البوسفیان نے بھی عباس کو پہچان لیا۔ اور کہا سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟ عباس نے جواب دیا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو دس ہزار مجاہدین احلام کے ساتھ ہتھارہی طرف آ رہے ہیں۔ البوسفیان سخت پریشان ہوا اور کہا: آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟

عباس نے کہا: میرے ساتھ آؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آمان لے لو۔ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ اس طرح سے عباس نے "البوسفیان" کو اپنے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر ہی سوار کر لیا اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پلٹ آئے۔ وہ جس گروہ اور جس آگ کے قریب سے گزرتے وہ یہی کہتے کہ یہ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں جو آنحضرت کی سواری پر سوار ہیں، کوئی غیر آدمی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس مقام پر آئے جہاں عمر ابن خطاب تھے۔ جب عمر بن خطاب کی نگاہ البوسفیان پر پڑی تو کہا: خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تجھ (البوسفیان) پر مسلط کیا ہے، اب تیرے لیے کوئی آمان نہیں ہے۔ اور فوراً ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر آپ سے البوسفیان کی گردن اڑانے کی اجازت مانگی۔

لیکن اتنے میں عباس بھی پہنچ گئے اور کہا: کہ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اسے پناہ دے دی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بھی سروسٹ اسے آمان دیتا ہوں۔ کل آپ اسے میرے پاس لے آئے دن جب عباس اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے تو رسول اللہ نے اس سے فرمایا: "اے البوسفیان! دلے ہو تجھ پر، کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تو خدا سے یگانہ پر

ایمان لے آئے۔ اس نے عرض کیا: ہاں! اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجے گا آپ پر قربان ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا یگانہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اگر بتوں سے کچھ جو سکتا تو میں یہ دن نہ دیکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کیا وہ موقع نہیں آیا کہ تو جان لے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟“ اس نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ابھی اس بارے میں میرے دل میں کچھ شک و شبہ موجود ہے۔ لیکن آخر کار البوسفیان اور اس کے ساتھیوں میں سے دو آدمی مسلمان ہو گئے۔

پیشوا اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباسؓ کو فرمایا: ”ابوسفیان کو اس دروازے میں روک کر کہیے کہ: ”تاکہ خدا کا شکر ادا ہو“ اور یہ دیکھ لے۔“

عباسؓ نے عرض کیا: ”البوسفیان ایک جاہ طلب آدمی ہے، اس کو کوئی امتیازی حیثیت دے دیکھئے۔“ پیشوا نے فرمایا: ”جو شخص البوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امان میں ہے، جو شخص مسجد الحرام میں پناہ لے لے وہ امان میں ہے، جو شخص اپنے گھر کے اندر رہے اور دروازہ بند کر لے وہ بھی امان میں ہے۔“

بہر حال جب البوسفیان نے اس لشکر عظیم کو دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ مقابلہ کرنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی اور اس نے عباسؓ کی طرف رخ کر کے کہا: آپ کے پیچھے کی سلطنت بہت بڑی ہو گئی ہے۔ عباسؓ نے کہا: دائے ہو تجھ پر یہ سلطنت نہیں نبوت ہے۔ اس کے بعد عباسؓ نے اس سے کہا کہ اب تو تیزی کے ساتھ مکہ والوں کے پاس جا کر انہیں لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے سے ڈرا۔

البوسفیان نے مسجد الحرام میں جا کر پکار کر کہا:

”اے جمعیت قریش! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ تمہاری طرف آیا ہے، تم میں اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا: جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے وہ امان میں ہے، جو شخص مسجد الحرام میں پناہ لے لے وہ بھی امان میں ہے اور جو شخص اپنے گھر میں پناہ لے لے گا۔“

اس کے بعد اس نے چیخ کر کہا: اے جمعیت قریش! اسلام قبول کر لو تاکہ سالم رہو اور کچھ جانو، اس کی بڑی سزا ہے اس کی داڑھی پکڑ لی اور پیچ کر کہا: اس بڑے احق کو قتل کر دو۔ البوسفیان نے کہا: میری داڑھی چھوڑ دے۔ خدا کی قسم اگر تُو اسلام نہ لائی تو تُو بھی قتل ہو جائے گی۔ جا کر گھر میں بیٹھ جا۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے اور "ذوی طوی" کے مقام تک پہنچ گئے، وہی بلند مقام جہاں سے مکہ کے مکانات صاف نظر آتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ دن یاد آگیا۔ جب آپ مجبور ہو کر مثنیٰ طور پر مکہ سے باہر نکلے تھے، لیکن آج دیکھ رہے ہیں کہ اس عظمت کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں، تو آپ نے اپنی پیشانی مبارک اُونٹ کے کجاوے کے اوپر رکھ دی اور سجدہ شکر بجالائے۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "حجون" میں (مکہ کے بلند مقامات میں سے وہ جگہ جہاں خدیجہ کی قبر ہے) اُترے۔ غسل کر کے اسلحہ اور لباس جنگ پہن کر اپنی سواری پر سوار ہوئے، سورۃ فتح کی قرات کرتے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہوئے اور آوازِ تجبیر بلند کی۔ لشکر اسلام نے بھی نعرۂ تجبیر بلند کیا تو اس سے سارے دشت و کوہ گونج اُٹھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اُونٹ سے نیچے اُترے اور بتوں کو توڑنے کے لیے خانہ کعبہ کے قریب آئے۔ آپ یکے بعد دیگرے بتوں کو سرنگوں کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

"جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا"
 "حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل ہے ہی مٹنے والا"

کچھ بڑے بڑے بُت کعبہ کے اوپر نصب تھے، جن تک پیغمبر کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ کے دوش مبارک پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ جائیں اور بتوں کو زمین پر گرا کر توڑ دیں۔ علیؑ نے آپ کے حکم کی اطاعت کی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کلید لے کر دروازہ کھولا اور انبیاء کی ان تصویروں کو جو خانہ کعبہ کے اندر درو دیوار پر بنی ہوئی تھیں محو کر دیا۔

۳۔ اس سرسبز اور شاندار کامیابی کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کے دروازے کے حلقہ میں ہاتھ ڈالا اور وہاں پر موجود اہل مکہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا:

"أب بتلأؤم کیا کہتے ہو؟ اور تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا حکم دوں گا؟ انہوں نے عرض کیا: ہم آپ سے نیکی اور بھلائی کے سوا اور کوئی توقع نہیں رکھتے! آپ ہمارے بزرگوار بھائی اور ہمارے بزرگوار بھائی کے فرزند ہیں آج آپ برسرِ اقتدار آگئے ہیں، ہمیں بخش دیجئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے گئے اور مکہ کے لوگ بھی بلند آواز کے ساتھ رونے لگے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمہارے بارے میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہی تھی کہ آج تمہارے اوپر کسی قسم کی کوئی سرزنش اور ملامت نہیں ہے، خدا تمہیں بخش دے گا، وہ ارحم الراحمین ہے۔"

اور ۲۱

ضمنی ط

بہایا جائے۔

یہاں پر

کہہ رہا ہے

فرمایا

اور اس

نہیں تھی، دلوں

اسلام کی شہرت

بعض تا

تو آپ صلی اللہ

یہ ایک

تاریک اور بُ

لے سور

لے "کا

اور اس طرح سے آپؐ نے ان سب کو معاف کر دیا اور فرمایا :

” تم سب آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو۔“

ضمنی طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ آپؐ کے لشکر کی کسی سے نہ الجھیں اور بالکل کوئی خون نہ اُسے۔ ایک روایت کے مطابق صرف چھ افراد کو مستثنیٰ کیا گیا تھا جو بہت ہی بد زبان اور خطرناک لوگ تھے یہاں تک کہ جب آپؐ نے یہ سنا کہ لشکر اسلام کے علمدار ”سعد بن عبادہ“ نے انتقام کا نعرہ بلند کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ : ”اليوم يوم الملحمة“ آج انتقام کا دن ہے ” تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے جلدی سے جا کر اس سے علم لے لیا اور اُس سے علم لے کر یہ نعرہ لگاؤ کہ :

اليوم يوم المرحمة ” آج عفو و بخشش اور رحمت کا دن ہے۔“

اور اس طرح مکہ کسی غوریزی کے بغیر فتح ہو گیا۔ عفو و رحمت اسلامی کی اس کشش نے، جس کی انہیں بالکل توقع نہ تھی، دلوں پر ایسا اثر کیا کہ لوگ گروہ در گروہ آکر مسلمان ہو گئے، اس عظیم فتح کی صدا تمام جزائر عربستان میں جا پہنچی، شہرت ہر جگہ پھیل گئی اور مسلمانوں اور اسلام کی ہر جہت سے دھاک بیٹھ گئی۔ بعض تاریخوں میں آیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

” لا اله الا الله وحده ، انجز وعده ، وانصر عبده ، وهزم

الاحزاب وحده ، الا ان كل مال او ماثرة او دم تدعى فهو تحت قدمي

هاتين !

” خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا و یگانہ ہے ، یگانہ ، اس نے آخر کا

اپنے وعدہ کو پورا کر دیا۔ اور اپنے بندہ کی مدد کی ، اور اس نے خود اکیلے ہی تمام گروہوں

کو شکست دے دی۔ جان لو کہ ہر مال ، ہر امتیاز ، اور ہر وہ خون جس کا تعلق ماضی

اور زمانہ جاہلیت سے ہے ، سب کے سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔

(یعنی اب اس خون کے بارے میں ، جو زمانہ جاہلیت میں بہایا گیا تھا ، یا وہ اموال

جو لوٹ گئے تھے ، کوئی بات نہ کرنا) اور زمانہ جاہلیت کے تمام اعزازات اور

امتیازات بھی باطل ہو گئے ہیں اور اس طرح تمام گزشتہ فائلیں بند ہو گئی ہیں۔

یہ ایک بہت ہی اہم اور عجیب قسم کی پیش نہاد ہتی جس میں عمومی معافی کے فرمان سے حجاز کے لوگوں کو ان کے اور پُرماجرا ماضی سے کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں اسلام کے سائے میں ایک نئی زندگی بخشی جو ماضی سے مربوط

سورۃ یوسف آیہ ۹۲

”کامل ابن اثیر“ جلد ۲ ”تفسیر مجمع البیان“ زیر بحث آیات کے ذیل میں اور دوسری کتابوں کا خلاصہ۔

11-11-1964

۶۶۔ یہاں سے چل کر آگے

سورۃ لبّ"ثبت" کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو مکہ میں اور تقریباً پیغیر اسلام کی آشکارا دعوت کے آغاز میں نازل ہوا تھا، وہ واحد سورہ ہے جس میں پیغیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے دشمنوں میں سے اس زمانہ کے ایک دشمن (یعنی ابولہب) پر نام لے کر سخت حملہ کیا گیا ہے اور اس کا مضمون اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ اُسے پیغیر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی عداوت تھی اور وہ اور اس کی بیوی کام بگاڑنے اور بدزبانی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔

قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ دونوں جہنمی ہیں اور ان کے لیے نجات کی کوئی راہ نہیں ہے۔ یہ معنی صحیح ثابت ہوا اور وہ دونوں کے دونوں انجام کار دنیا سے بے ایمان گئے۔ یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی پیش گوئی ہے ایک حدیث میں پیغیر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"من قرأھا رجوت ان لا یجمع اللہ بینہ و بین ابی لہب فی دار ولحدۃ"

"جو شخص اس کی تلاوت کرے گا مجھے اُمید ہے کہ خدا اُسے اور ابولہب کو

ایک گھر میں اکٹھا نہیں کرے گا (یعنی وہ اہل بہشت سے ہوگا، جب کہ ابولہب

اہل دوزخ ہے۔)

یہ بات کے بغیر واضح ہے کہ یہ فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس سورہ کو پڑھ کر اپنا راستہ ابولہب کے راستہ سے جدا کرے، نہ کہ وہ لوگ جو زبان سے تو پڑھیں لیکن ابولہب جیسا عمل کریں۔

شان نزول

”ابن عباس“ سے نقل ہوا ہے کہ جس وقت آیہ ”وانذر عشیرتک الاقربین“ نازل ہوئی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قریبی رشتہ داروں کو انداز کرنے اور اسلام کی دعوت دینے (اور اپنی دعوت کا اعلان کرنے) پر مامور ہوئے، تو پیغمبر کوہ صفا پر آئے اور پکار کر کہا ”یا صباحہ“ (یہ جملہ عرب اس وقت کہتے تھے جب ان پر دشمن کی طرف سے غفلت کی حالت میں حملہ ہو جاتا تھا تاکہ سب کو باخبر کر دیں اور وہ مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جائیں، لہذا کوئی شخص ”یا صباحہ“ کہہ کر آواز دیتا تھا! ”صباح“ کے لفظ کا انتخاب اس وجہ سے کیا جاتا تھا کہ عام طور پر غفلت کی حالت میں حملے صبح کے وقت کیے جاتے تھے)۔

کتے کے لوگوں نے جب یہ صدا سنی تو انہوں نے کہا کہ یہ کون ہے جو فریاد کر رہا ہے۔
 کہا گیا کہ یہ ”محمد“ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے قبائل عرب کو ان کے نام کے ساتھ پکارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے فرمایا:
 ”مجھے بتاؤ! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن کے سوار اس پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کرنے والے ہیں، تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے۔“
 انہوں نے جواب دیا: ”ہم نے آپ سے کبھی بھی جھوٹ نہیں سنا۔“
 آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید“

”میں تمہیں خدا کے شدید عذاب سے ڈراتا ہوں“

(”میں تمہیں توحید کا اقرار کرنے اور بتوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہوں“) جب ابولہب نے یہ بات سنی تو اس نے کہا: ”تبارک! اُمّا جمعتنا الا لہذا؟“ ”تو ہلاک ہو جائے! کیا تو نے ہمیں صرف اس بات کے لیے جمع کیا ہے؟“

اس موقع پر یہ سورہ نازل ہوا: ”تبت یدا ابی لہب و تب“ اے ابولہب! تو ہی ہلاک ہو اور تیرے ہاتھ ٹوٹیں، تو ہی زیاں کار اور ہلاک ہونے والا ہے۔

بعض نے اس موقع پر اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ جب ابولہب کی بیوی ”ام جمیل“ نے یہ خبر سنی کہ یہ سورہ اس کے اور اس کے شوہر کے بارے میں نازل ہوا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی، لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا اور وہ کہہ رہی تھی کہ میں نے سنا ہے ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بیوی کی ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے مل گیا تو میں یہ پتھر اس کے منہ پر دے ماروں گی، میں خود بھی شہداء ہوں!“ اس کے بعد اصطلاح کے مطابق اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی مذمت میں شعر کہے۔
 (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسلام کے لیے اہل ارب اور اس کی بیوی کا خطرہ اور ان کی عداوت اسی تک منحصر نہیں تھی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کہ قرآن نے ان پر سخت شدید حملہ کیا ہے اور صراحت کے ساتھ ان کی مذمت کر رہا ہے تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں جن کی طرف انشاء اللہ بعد میں اشارہ ہوگا۔

۱۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۲۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۳۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۴۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۵۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔

۱۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۲۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۳۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۴۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۵۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔

۱۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۲۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۳۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۴۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۵۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔

۱۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۲۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۳۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۴۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔
 ۵۔ یہ کہ قرآن نے ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے اور ان کو کافروں کے ساتھ ہی قرار دیا ہے۔

گوشہ صفحہ کا حاشیہ
 ۱۔ "تفسیر قرطبی" جلد ۱ ص ۳۲۲ (تھوڑی سی تلخیص کے ساتھ) اسی مضمون کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ "طبری" جلد ۱ ص ۲۲۲ میں "ابن اثیر" نے "الکامل" جلد ۲ ص ۶۰ میں اور "در النور" و "ابو الفتح رازی" اور "فخر رازی" اور "فی ظلال القرآن" میں اس سورہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ ۝
- ۲۔ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝
- ۳۔ سَيَصْلٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝
- ۴۔ وَامْرَاَتُهُ حِمْلَةُ الْحَطَبِ ۝
- ۵۔ فِیْ جِيدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان درحیم ہے

- ۱۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں (اور وہ ہلاک ہو جائے)۔
- ۲۔ اس کے مال و دولت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اُسے ہرگز کوئی فائدہ نہ دیا۔
- ۳۔ وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہو جائے گا جس کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔
- ۴۔ اور اسی طرح سے اس کی وہ بیوی جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔
- ۵۔ اور اس کی گردن میں خرما کی پچھال کی رسی ہے۔

تفسیر

الہب کا ہاتھ کٹ جائے۔

جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے شان نزول میں بیان کیا ہے یہ سورہ حقیقت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عبدالمطلب کے بیٹے "الہب کی بری باتوں کا جواب ہے جو اسلام کے سخت دشمنوں میں سے تھا اور جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آشکار اور عمومی دعوت اور عذاب الہی کے بارے میں آپ کے انذار کو سن کر یہ کہا تھا کہ : "تو ہلاک ہو جائے، کیا تو نے ہمیں انہی باتوں کے لیے پکارا تھا؟"

قرآن مجید اس بد زبان شخص کے جواب میں فرماتا ہے :
 "الہب کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں ، یا وہ ہلاک ہو جائے اور خسارہ اٹھائے۔"
 (تبت ید الہب و تبت)

"تبت" و "تباب" (بروزن خراب) "مفروت" میں "راغب" کے قول کے مطابق دائمی خسارے کے معنی ہیں ہے لیکن طبرسی نے "مجمع البیان" میں یہ کہا ہے کہ یہ اس نقصان کے معنی میں ہے جو ہلاکت پر منتهی ہو۔ بعض ارباب لغت نے اس کی "قطع کرنے" کے معنی میں بھی تفسیر کی ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہلاکت پر منتهی ہونے والا دائمی نقصان قطع ہونے اور کٹ جانے کا سبب بنتا ہے۔ ان معانی کے مجموعہ سے وہی بات معلوم ہوتی ہے جو ہم نے آیت کے معنی میں بیان کی ہے۔

البتہ یہ ہلاکت اور نقصان ممکن ہے دنیوی پہلو رکھتا ہو یا معنوی و اخروی یا دونوں۔ یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید نے اپنی روش اور سیرت کے برخلاف ایک شخص کا نام کیسے لے لیا اور اس شدت کے ساتھ اس پر حملہ کیوں کیا ہے؟

لیکن الہب کی حیثیت معلوم ہونے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے۔ اس کا نام "عبدالعزیٰ" (عربی بت کا بندہ) اور اس کی کنیت "الہب" تھی۔ اس کے لیے اس کنیت کا انتخاب شاید اس وجہ سے تھا کہ اس کا چہرہ سرخ اور بھڑکتا ہوا تھا، چونکہ لغت میں لہب آگ کے شعلہ کے معنی میں ہے۔ وہ اور اس کی بیوی "ام جمیل" جو البوسفیان کی بہن تھی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت بد زبان اور سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ "طارق عماری" نامی ایک شخص کہتا ہے : میں "ذی الجہاز" کے بازار میں تھا۔ (ذی الجہاز عرفات کے نزدیک کمرے سے تھوڑے سے فاصلہ پر ہے) اچانک میں نے ایک جوان کو دیکھا جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا : اے لوگو ! لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لو تو نجات پا جاؤ گے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے میں نے ایک شخص کو دیکھا

جو اس کے پاؤں
 "اے لوگو !
 میں۔

کہ وہ پیغمبر
 ایک
 رسول اللہ صلی
 کا بھیجا ہوا
 جب

یہ شخص یہ چاہا
 کرنے لگا
 میں۔

ایک
 علیہ وآلہ وسلم
 صلی اللہ علیہ و
 ملاقات کیے
 الہب نے

ان
 سے فروگذاشت
 اور شاید اسی

اس پلوراس کی
 وہی
 نہیں کیے
 طرف توجہ کر

اس
 ل "حج
 ل "فی
 ل "تو

جو اس کے پاؤں کے پچھلے حصہ پر پھرتا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے پاؤں سے خون جاری تھا اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا "اے لوگو! یہ جھوٹا ہے، اس کی بات نہ ماننا!"

میں نے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا: "یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کا گمان یہ ہے کہ وہ پیغمبر ہے اور یہ بوڑھا اس کا چچا ابولہب ہے جو اس کو جھوٹا سمجھتا ہے۔"

ایک اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ "ربیع بن عباد" کہتا ہے: میں اپنے باپ کے ساتھ تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ قبائل عرب کے پاس جاتے اور ہر ایک کو پکار کر کہتے: "میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تم خدا کے یگانہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔"

جب وہ اپنی بات سے فارغ ہو جاتا تو ایک خوب رو بھینکا آدمی جو ان کے پیچھے پیچھے تھا، پکار کر کہتا: "اے فلاں قبیلہ! یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ تم لات و عزی بُت اور اپنے ہم پیمان جنوں کو چھوڑ دو اور اس کی بدعت و ضلالت کی پیروی کرنے لگ جاؤ۔ اس کی بات نہ سنا، اور اس کی پیروی نہ کرنا!"

میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ "اس کا چچا ابولہب ہے۔"

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب مکہ سے باہر کے لوگوں کا کوئی گروہ اس شہر میں داخل ہوتا تھا تو وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی رشتہ داری اور سن و سال کے لحاظ سے بڑا ہونے کی بنا پر ابولہب کے پاس جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تحقیق کرتا تھا۔ وہ جواب دیتا: "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جادوگر ہے۔ وہ بھی پیغمبر سے ملاقات کیے بغیر ہی لوٹ جاتے۔ اسی اثنا میں ایک ایسا گروہ آیا جنہوں نے یہ کہا کہ ہم تو اُسے دیکھے بغیر واپس نہیں جائیں گے ابولہب نے کہا: "ہم مسلسل اس کے جنوں کا علاج کر رہے ہیں! وہ ہلاک ہو جائے!"

ان روایات سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اکثر مواقع پر سایہ کی طرح پیغمبر کے پیچھے لگا رہتا تھا اور کسی خرابی سے فروگزاشت نہ کرتا تھا۔ خصوصاً اس کی زبان بہت ہی گندی اور آلودہ ہوتی تھی اور وہ رکیک اور چبھنے والی باتیں کیا کرتا تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب دشمنوں کا سرغنہ شمار ہوتا تھا۔ اسی بنا پر زیر بحث آیات اس پر لوہاس کی بیوی اُم جمیل پر ایسی صراحت اور سختی کے ساتھ تنقید کر رہی ہیں۔

وہی ایک اکیلا ایسا شخص تھا جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنی ہاشم کی حمایت کے عہد و پیمان پر دستخط نہیں کیے تھے اور اس نے آپ کے دشمنوں کی صف میں رہتے ہوئے دشمنوں کے عہد و پیمان میں شرکت کی تھی۔ ان حقائق کی طرف توجہ کرنے سے اس سورہ کی استثنائی کیفیت کی دلیل واضح ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: اس کے مال و ثروت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اس نے اسے ہرگز کوئی فائدہ

۱۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۵۹

۲۔ "فی ظلال القرآن" جلد ۸ ص ۶۹۷

۳۔ "تفسیر القرآن" جلد ۲۰ ص ۵۰۳

نہیں دیا اور وہ اسے عذاب الہی سے نہیں بچائے گا۔ (ما اغنیٰ عنہ ماله وما کسب)۔
اس تبصیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دولت مند مغرور شخص تھا جو اپنی اسلام دشمنی کو ششوں کے لیے اپنے مال و دولت پر بھروسہ کرتا تھا۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہوگا جس کے شعلے بھڑکنے والے ہیں۔" (سیصلی نائراً ذات لہب)۔

اگر اس کا نام "الولہب" تھا تو اس کے عذاب کی آگ بھی "الولہب" ہے اور وہ بہت ہی عظیم شعلے رکھتی ہے۔
(اس بات پر توجہ رہے کہ "لہب" یہاں بکھرے کی صورت میں آیا ہے اور یہ اس شعلہ کی عظمت کی دلیل ہے)۔
نہ صرف الولہب کو بلکہ کسی بھی کافر اور بدکار کو اس کا مال و ثروت اور اس کی اجتماعی و معاشرتی حیثیت جہنم کی آگ اور خدا کے عذاب سے رہائی نہیں بخشیں گے۔ جیسا کہ سورہ شعراء کی آیہ ۸۸ و ۸۹ میں آیا ہے: یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ قیامت ایک ایسا دن ہے جس میں انسان کو نہ تو اس کا مال ہی کوئی فائدہ دے گا اور نہ ہی اس کی اولاد، سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم (یعنی ایمان و تقویٰ کی روح کے ساتھ) پروردگار کے دربار میں حاضر ہو۔
مسئلہ طور پر آیہ "سیصلی نائراً ذات لہب" سے مراد جہنم کی آگ ہے، لیکن بعض نے احتمال دیا ہے کہ اس میں دنیا کی آگ بھی شامل ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ جنگ "بدر" اور سخت شکست کے بعد جو مشرکین قریش کو اُٹھانی پڑی تھی، الولہب نے جو خود میدان جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ البرسفیان کے واپس آنے پر اس سے ماجرے کے بارے میں سوال کیا:
البرسفیان نے قریش کے لشکر کی شکست اور سرکوبی کی کیفیت اس سے بیان کی۔ اس کے بعد اس نے مزید کہا: خدا کی قسم ہم نے اس جنگ میں آسمان و زمین کے درمیان ایسے سوار دیکھے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لیے آئے تھے۔
اس موقع پر "عباس" کے ایک غلام "الرافع" نے کہا: میں وہاں بیٹھا ہوا تھا، میں نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور کہا کہ وہ آسمانی فرشتے تھے۔

اس سے الولہب بھڑک اُٹھا اور اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا، مجھے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے مجھے پیٹے چلے جا رہا تھا۔ وہاں عباس کی بیوی "أم الفضل" بھی موجود تھی اس نے ایک چھڑی اٹھائی اور الولہب کے سر پر دے ماری اور کہا: "کیا تو نے اس کمزور آدمی کو اکیلا سمجھا ہے؟"
الولہب کا سر پھٹ گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ سات دن کے بعد اس کے بدن میں بدبو پیدا ہو گئی، اس کی جلد میں طاعون کی شکل کے دانے نکل آئے اور وہ اسی بیماری سے واصل جہنم ہو گیا۔

اس کے بدن سے اتنی بدبو آرہی تھی کہ لوگ اس کے نزدیک جانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ وہ اسے مکہ سے باہر لے "ما کسب" میں "ما" ممکن ہے "موصولہ" یا "مصدریہ" ہو، بعض اس کے لیے ایک وسیع معنی کے قائل ہیں جو نہ صرف اس کے مال بلکہ اس کی اولاد کو بھی شامل ہے اور "ما اغنیٰ عنہ" میں "ما" مسئلہ طور پر "مانافیہ" ہے۔

لے گئے اور دور۔
چھپ گیا۔

بعد والی آیت

آگ میں داخل ہوگی

اور اس کی گرد

کوئی شک و

اپنے شوہر کی عداوتوں

اٹھانے والی عورت)

بعض نے تو یہ

کرتی تھی تاکہ وہ آپ

اور بعض نے

بعض اسے اس

کی مدد کے لیے تیار

بعض یہ بھی کہنے

ان معانی میں سے

"جید" (بروز)

ہے کہ "جید"

پر والے حصہ کو کہا جا

بعض اوقات ایک انہ

لے "بحار الانوار" جلد ۱

لے "امراتہ" سیص

اسے "ذم" کے عنو

لے "التحقیق فی ک

لے گئے اور دوسرے اس پر پانی ڈالا اور اس کے بعد اس کے اوپر پتھر پھینکے۔ یہاں تک کہ اس کا بدن پتھروں اور مٹی کے نیچے چُپ گیا۔

بعد والی آیت میں اس کی بیوی "اُم جمیل" کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اس کی بیوی بھی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگی، جو اپنے دوش پر ایندھن اٹھاتی ہے" (وامرأتہ حمالۃ الحطب)۔
اور اس کی گردن میں فرما کی چھال کی رستی یا گردن بند ہے۔ (فی جیدہا حبل من مسد)۔

کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ الملب کی بیوی۔ جو "ابوسفیان" کی بہن اور معاویہ کی پھوپھی تھی۔ اسلام کے برخلاف اپنے شوہر کی عداوتوں اور غزائیوں میں برابر کی شریک تھی لیکن اس بارے میں کہ قرآن نے اس کی حمالۃ الحطب (دوش پر ایندھن اٹھانے والی عورت) کے ساتھ توصیف کیوں کی ہے، مفسرین نے متعدد تفسیریں بیان کی ہیں:

بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں کندھے پر اٹھا کر لاتی تھی اور پیٹھ کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں چُپہ جائیں۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ تعبیر اس کی سخن چینی اور چغل خوری کے بارے میں آئی ہے، جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

میان دو کس جنگ چوں آتش است

سُخن چین بد بخت ہیزم کش است

دو آدمیوں کے درمیان جنگ آگ کے مانند ہے اور

بد بخت چُغل خور ایندھن اٹھانے والا ہے۔

بعض اسے اس کے شدتِ بخل سے کنایہ سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ اتنی دولت مند ہونے کے باوجود کسی ضرورت مند کی مدد کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے اسے "ہیزم کش" ایندھن اٹھانے والے فقیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔
بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قیامت میں بہت سے گروہوں کے گناہوں کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے ہوگی۔

ان معانی میں سے پہلا معنی سب سے زیادہ مناسب ہے، اگرچہ ان کے درمیان جمع بھی بعید نہیں ہے۔

"جید" (بر وزن دید) "گردن" کے معنی میں ہے اور اس کی جمع "اجیاد" ہے۔ بعض ارباب لغت کا نظریہ یہ ہے کہ "جید" و "عنق" اور "رقبہ" تینوں کے ایک ہی معنی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ "جید" سینے سے اوپر والے حصہ کو کہا جاتا ہے، "عنق" گردن کی پشت یا ساری گردن کو اور "رقبہ" مطلقاً گردن کو کہا جاتا ہے۔
اور بعض اوقات ایک انسان کو بھی "رقبہ" کہتے ہیں، مثلاً: "فک رقبۃ" یعنی انسان کو آزاد کرنا۔

۱۔ "بحار الانوار" جلد ۱۹ ص ۲۲۷

۲۔ "امراتہ" "سیصی" میں پوشیدہ ضمیر پر عطف ہے اور حمالۃ الحطب "حال ہے اور منصوب ہے" اور بعض نے مثل "منشری" کے "کشاف میں اسے "ذم" کے عنوان سے منصوب جانا ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے اذا حمالۃ الحطب لیکن سلمہ طور پر پہلا معنی بہتر ہے۔

۳۔ "التحقیق فی کلمات القرآن الکریم" جلد ۲ ص ۱۵۸

”مسد“ (بروزن حسد) اس رستی کے معنی میں ہے جو کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ”مسد“ وہ رستی ہے جو جہنم میں اس کی گردن میں ڈالیں گے جس میں کھجور کے پتوں جیسی سختی ہوگی اور اس میں آگ کی حرارت اور لہجے کی سنگینی ہوگی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ بڑے لوگوں کی عورتیں اپنی شخصیت کو آلات و زیورات خصوصاً گردن کے قیمتی زیورات سے زینت دینے میں خاص بات سمجھتی ہیں، لہذا خدا قیامت میں اس مغرور و خود پسند عورت کی تحقیر کے لیے لیف خرما کا ایک گردن بند اس کی گردن میں ڈال دے گا۔ یا یہ اصلاً اس کی تحقیر سے کنایہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس تعبیر کے بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ ”اُم جمیل“ کے پاس جواہرات کا ایک بہت ہی قیمتی گردن بند تھا اور اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں خرچ کرے گی لہذا اس کے اس کام کے بدلے میں خدا نے بھی اس کے لیے ایسا عذاب مقرر کر دیا ہے۔

چند نکات

۱۔ قرآن کے اعجاز کی ایک اور نشانی

ہم جانتے ہیں کہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں اور قرآن کریم نے دو ٹوک طریقہ سے یہ خبر دی تھی کہ ابولہب اور اس کی بیوی جہنم کی آگ میں ہوں گے، یعنی وہ ہرگز بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ انجام کار ایسا ہی ہوا، بہت سے مشرکین مکہ تو واقعی طور پر ایمان لے آئے اور بعض ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے، لیکن وہ افراد جو نہ تو واقع میں ایمان لائے اور نہ ہی ظاہر بظاہر، وہ یہ دونوں تھے۔ یہ قرآن مجید کے غیبی اخبار میں سے ایک ہے اور قرآن نے دوسری آیات میں بھی اس قسم کی خبریں دی ہیں جن میں قرآن کی غیبی خبروں کے عنوان کے تحت اعجاز قرآن کی ایک فصل کو مخصوص کیا گیا ہے اور ہم نے ان آیات میں سے ہر ایک کے ذیل میں مناسب بحث کی ہے۔

۲۔ ایک اور سوال کا جواب

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان پیشین گوئیوں کی موجودگی میں ممکن نہیں تھا کہ ابولہب اور اس کی بیوی ایمان لے آتے، ورنہ یہ خبر جھوٹی اور دروغ ہو جاتی۔

یہ سوال اسی معروف سوال کے مانند ہے جو ”علم خدا“ کے مسئلہ کے بارے میں جبر کی بحث میں پیش ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ خدا جو ازل سے ہر چیز کا عالم تھا، وہ گنہگاروں کے گناہ اور اطاعت گزاروں کی اطاعت کو جانتا تھا۔ اس بنا پر اگر گنہگار گناہ نہ کرتے تو خدا کا علم بہالت میں بدل جائے۔

علماء اور فلاسفہ اسلام قدیم سے اس سوال کا جواب دے چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا جانتا ہے کہ ہر شخص اپنے

اختیار و آزادی

ابولہب اور ا

دوسر

اپنے ارادہ -

مسئلہ

کوئی دلیل نہی

۳۔

یہ سوا

کوئی حیثیت

رکھتے تھے

بادجو

جب اُس-

اور سرزنش کی

بلکہ آپ کے

کہ مشہور حدیث

یہ تھ

واضح ہے کہ

حامل ہوگا

خداو

پرورد

امرنا حیدر

بارا

صرف تیرا

لہ ہم

اختیار و آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کون کون سے کام انجام دے گا، مثلاً زیر بحث آیات میں خدا ابتدا سے جانتا تھا کہ ابولہب اور اس کی بیوی اپنی خواہش و رغبت اور ارادہ و اختیار سے ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، جبری اور لازمی طور پر نہیں دوسرے الفاظ میں ارادہ و اختیار کی آزادی کا عنصر بھی خدا کو معلوم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بندے صفت اختیار کے ساتھ اور اپنے ارادہ سے کون سے عمل انجام دیں گے۔

مسئلہ طور پر ایسا علم اور مستقبل کے بارے میں اس قسم کی خبر دینا، مسئلہ اختیار کی تاکید ہے، جبر اور مجبوری کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ (غور کیجئے)

۳۔ بے بصیرت رشتہ دار ہمیشہ دُور ہوتے ہیں۔

یہ سورہ ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کی تاکید کر رہا ہے کہ ایسی رشتہ داری جس میں ایمان اور عقیدہ کا رشتہ نہ ہو اس کی کوئی حیثیت اور قدر و قیمت نہیں ہوتی، اور مردانِ خدا مخرف، جبار اور سرکش لوگوں کے مقابلہ میں کسی قسم کا میلان نہیں رکھتے تھے چاہے وہ ان کے کتنے ہی قریبی رشتہ دار ہوں۔

باوجود اس کے کہ ابولہب پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور آپ کے قریب ترین رشتہ داروں میں شمار ہوتا تھا، جب اُس نے اپنا اعتقادی اور عملی راستہ آپ سے جدا کر لیا۔ تو اس کی بھی دوسرے مخرف اور گمراہ لوگوں کی طرح سخت ملامت اور سرزنش کی گئی۔ اس کے برعکس ایسے دُور دراز کے لوگ بھی تھے جو نہ صرف پیغمبر کے رشتہ داروں میں شمار نہ ہوتے تھے، بلکہ آپ کے خاندان اور اہل زبان سے بھی نہیں تھے، لیکن وہ فکری، اعتقادی اور عملی رشتہ کی بنا پر اس قدر نزدیک ہو گئے کہ مشہور حدیث مسلمان منا اہل البیت (مسلمان ہم اہل بیت ہیں سے ہیں) کے مطابق گویا خاندانِ رسالت کا جز ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس سورہ کی آیات صرف ابولہب اور اس کی بیوی کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ صرف ان کے صفات کی وجہ سے اُن کی ایسی مذمت کی گئی ہے۔ اس بنا پر جو شخص یا جو گروہ انہیں اوصاف کا حامل ہوگا اس کی سرزنش بھی انہیں جیسی ہوگی۔

خداوند! ہمارے دل کو ہر قسم کی ہٹ دھرمی اور عناد سے پاک کر دے۔

پروردگارا! ہم سب اپنے انجام اور عاقبت کار سے ڈرتے ہیں، ہمیں امن و سکون اور آرام بخش دے واجعل عاقبتہ امرنا خیرًا، (ہماری عاقبت بخیر کر)

بارِ الہما! ہم جانتے ہیں کہ اس عظیم عدالت میں نہ تو مال و دولت کام آتے ہیں اور نہ ہی کوئی رشتہ داری فائدہ دیتی ہے، صرف نیرِ لطف و کرم ہی کام آتا ہے، لہذا ہم پر اپنا لطف و کرم کر۔

آمین یا رب العالمین
سورۃ الہب کا اختتام

۱۔ ہم نے اس سلسلہ میں جلد ۱۵ پر سورہ ہود کی آیہ ۶۶ کے ذیل میں نور کے بیٹے کے حال کی مناسبت سے، زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سُورَةُ اخْلَاصٍ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔
❖ اس میں ۴ آیات ہیں۔

یہ سُورہ
یکمائی کے بارے
میں اضافہ کی ضرورت
اس میں

بعض روایات
اور دوسری روایات
اور اس کے بعد
دوسری
بعض روایات
ان روایات
اس سُورہ کی حوالہ
لے المیہ

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورۃ "اخلاص" کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ — جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے (سُورۃ اخلاص اور سُورۃ توحید) پروردگار کی توحید اور اس کی یگانگت اور یکتائی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور چار مختصر سی آیات میں خدا کی وحدانیت کی اس طرح سے توصیف و تعریف کی ہے جس میں اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سُورہ کی شان نزول کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح نقل ہوا ہے :

"یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ تقاضا کیا کہ آپ ان کے لیے خدا کی توصیف بیان کریں۔ پیغمبرؐ تین دن تک خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ سُورہ نازل ہوا اور ان کو جواب دیا۔"

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ سوال کرنے والا "عبداللہ بن صوریہ" تھا۔ جو یہودیوں کے مشہور سرداروں میں سے ایک تھا۔ اور دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ اس قسم کا سوال "عبداللہ بن سلام" نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ میں کیا تھا اور اس کے بعد وہ ایمان لے آیا تھا۔ لیکن اپنے ایمان کو اسی طرح سے چھپائے ہوئے تھا۔

دوسری روایات میں یہ آیا ہے کہ اس قسم کا سوال مشرکین مکہ نے کیا تھا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ سوال کرنے والا نجران کے عیسائیوں کا ایک گروہ تھا۔

ان روایات کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ سوال اُن سب کی طرف سے ہوا ہو۔ اور یہی بات اس سُورہ کی حد سے زیادہ عظمت و بزرگی کی ایک دلیل ہے جو مختلف افراد و اقوام کے سوالات کا جواب دیتا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں مشہور اسلامی منابع میں بہت سی روایات آئی ہیں، جو اس سورہ کی حد سے زیادہ عظمت کی ترجمان ہیں۔ منجملہ۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

”العجز احدكم ان يقرأ ثلث القرآن في ليلة“

”کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ ایک ہی رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لے۔“

حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا، اے رسول خدا، ایسا کرنے کی کس میں طاقت ہے؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”اقرأ و اقل هو الله احد“

”سورہ قل هو اللہ پڑھا کرو“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ”سعد بن حاذ“

کے جنازے پر نماز پڑھی تو آپؐ نے فرمایا :

”ستر ہزار فرشتوں نے، جن میں جبریلؑ بھی تھے، اس کے جنازے پر نماز پڑھی ہے۔“

میں نے جبریل سے پوچھا ہے کہ وہ کس عمل کی بنا پر تمہارے نماز پڑھنے کا مستحق

ہوا ہے؟

جبریل نے کہا: ”اُٹھتے بیٹھتے، پیدل چلتے اور سوار ہوتے اور چلتے پھرتے“ قل هو اللہ احد

پڑھنے کی وجہ سے۔

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

”جس شخص پر ایک رات اور دن گزر جائے، اور وہ پیچگانہ نمازیں پڑھے اور ان

میں قل هو اللہ احد کی قرات نہ کرے تو اس سے کہا جائے گا: یا عبد اللہ!

لست من المصلین!“

”اے بندہ خدا تو نماز گزاروں میں سے نہیں ہے۔“

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

”جو شخص خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہر نماز کے بعد قل هو اللہ

احد کے پڑھنے کو ترک نہ کرے کیونکہ جو شخص اسے پڑھے گا خدا اس کے لیے

۱۔ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۶۱

۲۔ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۶۱ اور تفسیر و حدیث کی دوسری کتابیں۔

فقرو خاقان

اس
کیا ہے و

اس
یہ اس بنا

ساتھ بیان
بعض

کے درمیا
یہ بار

سورہ توحید
ہم

امام

۱۔ ”مجمع

۲۔ ”مجمع

۳۔ ”اصو

خیر دنیا و آخرت جمع کر دے گا۔ اور خود اُسے اور اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد کو بخش دے گا۔^۱

اب اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اس سورہ کا پڑھنا، رزق کو بڑھاتا ہے اور فقر و فاقہ کو دور کر دیتا ہے۔^۲

اس سورہ کی فضیلت میں اتنی زیادہ روایات ہیں کہ وہ اس مختصر بیان میں نہیں سما سکتیں اور ہم نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ صرف ان کا ایک حصہ ہے۔

اس بارے میں کہ سورہ "قل هو اللہ" قرآن کی ایک تہائی کے برابر کیسے ہو گیا؟ تو بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ قرآن "احکام" و "عقائد" اور "تاریخ" پر مشتمل ہے اور یہ سورہ عقائد کے حصہ کو اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ قرآن کے تین حصے ہیں "مبدأ" و "معاد" اور "جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے" اور یہ سورہ پہلے حصہ کی تشریح کرتا ہے۔
یہ بات قابل قبول ہے کہ قرآن کی تقریباً ایک تہائی توحید کے بارے میں بحث کرتی ہے، اور اس کا خلاصہ سورہ توحید میں آیا ہے۔

ہم اس گفتگو کو اس سورہ کی عظمت کے بارے میں ایک دوسری حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔
امام علی بن الحسین علیہ السلام سے لوگوں نے سورہ توحید کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

"ان اللہ عز وجل علما نہ یکون فی آخر الزمان اقوام متعمقون،

فانزل اللہ تعالیٰ قل هو اللہ اُحد، والایات من سورة الحديد الى قوله:

"وهو علیٰ بذات الصدور" فمن رام وراء ذلك فقد هدک

"خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں ایسی قومیں آئیں گی جو مسائل میں تعمق اور غور و

خوض کرنے والی ہوں گی، لہذا اس نے (مباحث توحید اور خدا شناسی کے سلسلہ میں)

سورہ قل هو اللہ اُحد اور سورہ حدید کی ابتدائی آیات، علیہ بذات الصدور

تک نازل فرمائیں۔ جو شخص اس سے زیادہ کا طلب گار ہو گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

۱ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۱ اور تفسیر حدیث کی دوسری کتابیں۔

۲ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۱ اور تفسیر حدیث کی دوسری کتابیں۔

۳ "اصول کافی" جلد ۱ باب السیئة حدیث ۳

جملہ کا "ہو" کی ضمیر کے ساتھ آغاز، جو واحد غائب کی ضمیر ہے اور ایک مبہم مفہوم کو بیان کرتی ہے، حقیقت میں اس واقعیت کی ایک رمز اور اشارہ ہے کہ اس کی ذات اقدس انتہائی خفا میں ہے اور انسانوں کے محدود افکار کی دسترس سے باہر ہے۔ اگرچہ اس کے آثار نے جہان کو اس طرح سے پُر کر رکھا ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہے جیسا کہ سورہ نجم سجدہ کی آیہ ۵۲ میں آیا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي الْغُصْبِ وَحِثَّى يَثْبِين لَّهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

"ہم جلدی ہی اطراف جہان اور ان کے غصوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ

واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے"

اس کے بعد اس ناشناختہ حقیقت سے پردہ اٹھائے ہوئے کہتا ہے: "وہ یکتا دیگانہ خدا ہے"

ضمنی طور پر یہاں "قل" (کہہ دے) کا معنی یہ ہے کہ اس حقیقت کا اظہار کرو۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے اس بات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ کفار و بدعت

اسم اشارہ کے ساتھ اپنے بتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے اور کہتے تھے:

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ ہمارے خدا ہیں، تو بھی اپنے خدا کی تعریف

توصیف کرتا کہ ہم اُسے دیکھیں اور اس کا ادراک کریں۔ تو خدا نے یہ آیات

نازل کیں: قل هو الله احد۔۔۔۔۔ "ہا" "ہو" میں، مطلب کو ثابت

کرنے اور توجہ دینے کے لیے ہے۔ اور "واو" ضمیر غائب ہے، جو

اس ذات کی طرف اشارہ ہے جو آنکھوں کے دیکھنے سے غائب اور حواس کے

مس سے دُور ہے۔"

ایک اور حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"جنگ بدر کی رات میں نے "نخضر" علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا

کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کی مدد سے میں دشمنوں پر کامیاب ہوں تو انہوں

نے کہا: کیے:

"یاہو، یا من لاہو الاہو"

پچھلے صفحہ کا حاشیہ: بعض نے ہو کو یہاں "ضمیر شان" لیا ہے، اس بنا پر معنی یہ ہوگا کہ شان و مطلب یہ ہے کہ خدا ایک اکیلا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ "ہو" کی

کی پاک ذات کی طرف اشارہ ہو جو سوال کرنے والوں کے لیے غیر معلوم اور مبہم تھی۔ اس بنا پر "ہو" مبتدا ہے اور "اللہ" اس کی خبر اور "یاہو" خبر کے بعد کی خبر ہے۔

۱۔ (حاشیہ صفحہ ۵۵۶) "بجاء الانوار" جلد ۳ ص ۲۲۱ حدیث ۱۲ (تفہیم کے ساتھ)

جملہ کا "ہو" کی ضمیر کے ساتھ آغاز، جو واحد غائب کی ضمیر ہے اور ایک مبہم مفہوم کو بیان کرتی ہے، حقیقت میں اس واقعیت کی ایک رمز اور اشارہ ہے کہ اس کی ذات اقدس انتہائی خفا میں ہے اور انسانوں کے محدود افکار کی دسترس سے باہر ہے۔ اگرچہ اس کے آثار نے جہان کو اس طرح سے پُر کر رکھا ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہے جیسا کہ سورہ نجم سجدہ کی آیہ ۵۲ میں آیا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي الْغُصْبِ وَحِثَّى يَثْبِين لَّهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

"ہم جلدی ہی اطراف جہان اور ان کے غصوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ

واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے"

اس کے بعد اس ناشناختہ حقیقت سے پردہ اٹھائے ہوئے کہتا ہے: "وہ یکتا دیگانہ خدا ہے"

ضمنی طور پر یہاں "قل" (کہہ دے) کا معنی یہ ہے کہ اس حقیقت کا اظہار کرو۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے اس بات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ کفار و بدعت

اسم اشارہ کے ساتھ اپنے بتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے اور کہتے تھے:

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ ہمارے خدا ہیں، تو بھی اپنے خدا کی تعریف

توصیف کرتا کہ ہم اُسے دیکھیں اور اس کا ادراک کریں۔ تو خدا نے یہ آیات

نازل کیں: قل هو الله احد۔۔۔۔۔ "ہا" "ہو" میں، مطلب کو ثابت

کرنے اور توجہ دینے کے لیے ہے۔ اور "واو" ضمیر غائب ہے، جو

اس ذات کی طرف اشارہ ہے جو آنکھوں کے دیکھنے سے غائب اور حواس کے

مس سے دُور ہے۔"

ایک اور حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"جنگ بدر کی رات میں نے "نخضر" علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا

کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کی مدد سے میں دشمنوں پر کامیاب ہوں تو انہوں

نے کہا: کیے:

"یاہو، یا من لاہو الاہو"

پچھلے صفحہ کا حاشیہ: بعض نے ہو کو یہاں "ضمیر شان" لیا ہے، اس بنا پر معنی یہ ہوگا کہ شان و مطلب یہ ہے کہ خدا ایک اکیلا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ "ہو" کی

کی پاک ذات کی طرف اشارہ ہو جو سوال کرنے والوں کے لیے غیر معلوم اور مبہم تھی۔ اس بنا پر "ہو" مبتدا ہے اور "اللہ" اس کی خبر اور "یاہو" خبر کے بعد کی خبر ہے۔

۱۔ (حاشیہ صفحہ ۵۵۶) "بجاء الانوار" جلد ۳ ص ۲۲۱ حدیث ۱۲ (تفہیم کے ساتھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝
- ۲۔ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝
- ۳۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝
- ۴۔ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کہہ دیجئے خدا یکتا و یگانہ ہے۔
- ۲۔ خدا ہی ہے کہ جس کی طرف تمام حاجت مند رُخ کرتے ہیں
- ۳۔ نہ تو اُس نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔
- ۴۔ اور ہرگز اس کا کوئی ہم پلہ اور مانند نہیں ہے۔

تفسیر

وہ یکتا اور بے مثال ہے

اس سورہ کی پہلی آیت بار بار کے ان سوالات کے جواب میں ہے جو مختلف اقوام یا افراد کی طرف سے پڑو گائے کے اوصاف کے سلسلہ میں ہوئے تھے، فرماتا ہے: "کہہ دیجئے وہ یکتا و یگانہ ہے؛ (قل هو اللہ احد) بل (۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب صبح ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا :
”یا علی ! علمت الاسماء الاعظم“

”اے علی آپ کو اسم اعظم کی تعلیم دی گئی ہے۔“

اس کے بعد جنگ بدر میں یہی جملہ میرا ورد زبان رہا۔۔۔

”عمار یاسر“ نے جب یہ سنا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام صفین کے دن جنگ کے وقت یہی ذکر پڑھ رہے تھے تو عرض کیا : یہ کیا کنایات ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا : یہ خدا کا اسم اعظم اور توحید کا ستون ہے۔

”اللہ“ خدا کا اسم خاص ہے اور امام کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ اسی ایک لفظ کے ذریعے اس کے تمام صفات جلال و جمال کی طرف اشارہ ہوا ہے ، اور اسی بناء پر اس کو اسم اعظم الہی کا نام دیا گیا ہے۔

اس نام کا خدا کے سوا اور کسی پر اطلاق نہیں ہوتا جب کہ خدا کے دوسرے نام عام طور پر اس کی کسی صفت جلال و جلال کی طرف اشارہ ہوتے ہیں ، مثلاً : عالم و خالق و رازق ، اور عام طور پر اس کے غیر پر بھی اطلاق ہوتے ہیں۔ (مثلاً رحیم ، کریم ، عالم ، قادر وغیرہ)۔

اس حال میں اس کی اصل اور ریشہ وصفی معنی رکھتا ہے اور اصل میں یہ ”ولہ“ سے مشتق ہے ، جو ”تخیر“ کے معنی میں ہے کیونکہ اس کی ذات پاک میں عقلیں حیران ہیں ، جیسا کہ ایک حدیث میں امیر المؤمنین علیؑ سے آیا ہے :

”اللہ معناه المعبود الذی یأله فیہ الخلق ویؤله الیہ ، واللہ هو

المستور عن درک الابصار ، المحجوب عن الاوهام والخطرات“

”اللہ کا معنی ایک ایسا معبود ہے جس میں مخلوق حیران ہے اور اس سے عشق کھتی ہے

اللہ وہی ذات ہے جو آنکھوں کے ادراک سے مستور اور مخلوق کے افکار و عقل

سے محبوب ہے۔“

بعض اوقات اسے ”الاہة“ (بروزن و بمعنی عبادت) کی اصل اور ریشہ سے بھی سمجھا گیا ہے اور اصل میں

”الالہ“ ہے ، جو ”تنہا معبود حقیقی“ کے معنی میں ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کا ریشہ اور اصل چاہے جو بھی ہو ، بعد میں اس نے اسم خاص کی صورت اختیار

کر لی ہے اور یہ اسی جامع جمیع صفات کمالیہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے خالی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اس مقدس نام کا قرآن مجید میں تقریباً "ایک ہزار" مرتبہ تکرار ہوا ہے اور خدا کے اسماء مقدسہ میں سے کوئی سا نام بھی اتنی مرتبہ قرآن میں نہیں آیا۔ یہ ایک ایسا نام ہے جو دل کو روشن کرتا ہے اور انسان کو قوت و توانائی اور سکون و آرام بخشتا ہے اور اُسے نور و صفا کے ایک عالم میں غرق کر دیتا ہے۔

لیکن "احد" کا لفظ "وحدت" کے مادہ سے ہی ہے اور اسی لیے بعض نے "احد" اور "واحد" کی ایک ہی معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی اس ذات کی طرف اشارہ ہیں جو ہر لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ علم میں یگانہ ہے، قدرت میں بے مثل ہے، رحمانیت و رحیمیت میں یکتا ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بے نظیر ہے۔

لیکن بعض کا نظریہ یہ ہے کہ "احد" اور "واحد" میں فرق ہے۔ "احد" اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کثرت کو قبل نہیں کرتا، نہ تو خارج ہیں اور نہ ہی ذہن میں۔ لہذا وہ شمار کرنے کے قابل نہیں ہے اور ہرگز عدد میں داخل نہیں ہوتا، "واحد" کے برخلاف کہ اُس کے لیے دوسرے اور تیسرے کا تصور ہوتا ہے، چاہے وہ خارج میں ہو یا ذہن میں۔ اسی لیے بعض اوقات ہم یہ کہتے ہیں کہ: احدی ازاں جمعیت نیامد، یعنی اُن میں سے کوئی شخص بھی نہیں آیا۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ: واحدی نیامد (ایک نہیں آیا) تو ممکن ہے کہ دو یا چند افراد آئے ہوں۔ لیکن یہ فرق قرآن مجید اور احادیث کے موارد استعمال کے ساتھ چنداں سازگار نہیں ہے۔

بعض کا یہ بھی نظریہ ہے کہ: احد (جنس و فصل اور ماہیت و وجود) کے اجزائے ترکیبہ خارجیہ یا عقلیہ کے مقابلہ میں خدا کی بساطت ذات کی طرف اشارہ ہے جب کہ واحد خارجی کثرتوں کے مقابلہ میں اس کی ذات کی یگانگت کی طرف اشارہ ہے۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ "احد" فرد یگانہ کو کہتے ہیں، اور "احد" اور "واحد" کا ایک ہی مفہوم ہے، اور وہ ایک ایسی منفرد ذات ہے جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے۔ اور "توحید" اس کی یگانگت و وحدت اور انفرادیت کا اقرار ہے۔

اسی حدیث کے ذیل میں آیا ہے:

"واحد عدد نہیں ہے، بلکہ واحد اعداد کی بنیاد ہے۔ عدد دو سے شروع

ہوتا ہے، اس بنا پر اللہ احد" یعنی وہ محبوب جس کی ذات کے ادراک

سے انسان عاجز ہیں اور جس کی کیفیت کا احاطہ کرنے سے ناتواں ہیں" کا معنی

یہ ہے کہ وہ الہیت میں فرد ہے اور مخلوقات کی صفات سے برتر ہے۔

قرآن مجید میں "واحد" و "احد" دونوں کا خدا کی ذات پاک پر اطلاق ہوا ہے۔

۱۔ "المیزان" جلد ۲۰، ص ۵۴۳۔

۲۔ "بحارالانوار" جلد ۳، ص ۲۲۲۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ توحید ہدوق میں آیا ہے کہ جنگ جمل میں ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے امیر المومنین! کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ خدا واحد ہے؟ تو واحد کا کیا معنی ہے؟ اچانک لوگوں نے ہر طرف سے اس پر حملہ کر دیا اور کہنے لگے: "اے اعرابی یہ کیا سوال ہے؟ کیا تو دیکھ نہیں رہا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام مسئلہ جنگ کی فکر میں کتنے مشغول ہیں؟ ہر سخن جائے و ہر حرکت مقامی دارد! ہر بات کا ایک موقع اور ہر حرکت کا ایک مقام ہوتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: "اسے اس کی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی چیز ہم اس شخص کو گروہ سے چاہتے ہیں۔ (وہ توحید کے بارے میں پوچھ رہا ہے، ہم بھی مخالفین کو کلہ توحید ہی کی دعوت دے رہے ہیں)۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: "اے اعرابی یہ جو ہم کہتے ہیں کہ خدا "واحد" ہے تو اس کے چار معانی ہو سکتے ہیں جن میں سے دو معانی خدا کے لیے صحیح نہیں ہیں اور اس کے دو معانی صحیح ہیں۔

"اب وہ دو جو صحیح نہیں ہیں، ان میں سے ایک وحدت عددی ہے۔ یہ خدا کے لیے جائز نہیں ہے (یعنی ہم یہ کہیں کہ وہ ایک ہے دو نہیں ہیں) کیونکہ اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے لیے دوسرے کا تصور ہو سکتا ہے لیکن وہ موجود نہیں ہے۔ حالانکہ مسئلہ طور پر حق تعالیٰ کی غیر متناہی ذات کے لیے دوسرے کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جس چیز کا کوئی ثنائی ہی نہیں ہے وہ باب اعداد میں داخل نہیں ہوتی۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ خدا نے ان لوگوں کی جنہوں نے یہ کہا تھا کہ: "ان الله ثلاث ثلاثة" (خدا تین ہیں کا تیسرا ہے)، تکفیر کی ہے۔

"واحد کا دوسرا معنی جو خدا کے لیے صحیح نہیں ہے یہ ہے کہ وہ واحد نوعی کے معنی میں ہو، مثلاً: ہم یہ کہیں کہ فلاں آدمی لوگوں میں سے ایک ہے، یہ بھی خدا کے لیے صحیح نہیں ہے۔ (کیونکہ خدا کی کوئی جنس اور نوع نہیں ہے) اس کا مفہوم تشبیہ ہے، اور خدا ہر قسم کی تشبیہ اور نظیر سے برتر و بالاتر ہے۔

"اب رہے وہ دو مفہوم جو خدا کے بارے میں صحیح اور صادق ہیں، ان میں سے پہلا یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ خدا واحد ہے یعنی اشیاء عالم میں کوئی اس کی شبیہ نہیں ہے، ہاں! ہمارا پروردگار ایسا ہی ہے۔

"دوسرے یہ کہ یہ کہا جائے کہ ہمارا پروردگار احدی المعنی ہے، یعنی اس کی ذات ناقابل تقسیم ہے، نہ تو خالق نہ عقل میں اور نہ ہی وہم میں، ہاں! خدا نے بزرگ ایسا ہی ہے۔

"خلاصہ یہ ہے کہ خدا واحد و احد ہے اور یگانہ و یکتا ہے۔ واحد عددی یا نوعی و جنسی کے معنی میں نہیں بلکہ

ذاتی کے معنی میں، زیادہ واضح عبارت میں اس کی وحدانیت کا معنی یہ ہے کہ اس کا کوئی مثل و نظیر اور مانند و شبیہ نہیں ہے۔ اس بات کی دلیل بھی واضح و روشن ہے: وہ ایک ایسی ذات ہے جو ہر جہت سے غیر متناہی ہے اور سکہ طور پر ہر جہت سے دو غیر متناہی ذاتیں ناقابل تصور ہیں، کیونکہ اگر دو ذاتیں ہوں گی تو وہ دونوں محدود ہو جائیں گی، اس میں اس کے کمالات نہ ہوں گے اور نہ اس میں اس کے کمالات (غور کیجئے)۔

بعد والی آیت میں اس یکتا ذات مقدس کے بارے میں فرماتا ہے: "وہ ایسا خدا ہے کہ تمام حاجت مند اسی کی طرف رُخ کرتے ہیں۔" (اللہ الصمد)۔

"صمد" کے لیے روایات اور مفسرین و ارباب لغت کے کلمات میں بہت زیادہ معانی بیان ہوئے ہیں۔ "راغب" "مفردات" میں کہتا ہے: صمد اس آقا اور بزرگ کے معنی میں ہے جس کی طرف کاموں کی انجام دہی کے لیے جاتے ہیں۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ "صمد" اس چیز کے معنی میں ہے جو اندر سے خالی نہ ہو بلکہ پُر ہو۔ "مقایس اللغۃ" میں آیا ہے کہ دو اصلی جڑ بنیادیں ہیں: ایک قصد کے معنی میں ہے اور دوسرا صمد۔ استحکام کے معنی میں، اور یہ جو خدا کو "صمد" کہا جاتا ہے تو یہ اس بنا پر ہے کہ بندے اس کی بارگاہ کا قصدِ ارادہ کرتے ہیں۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ ذیل کے متعدد معانی بھی لغت کی کتابوں میں "صمد" کے لیے ذکر ہوئے ہیں: ایسی بزرگ ہستی جو انتہائی عظمت میں ہو، اور ایسی ذات جس کی طرف لوگ اپنی حاجات لے کر جاتے ہیں، ایسی ذات جس سے برتر کوئی چیز نہیں ہے، ایسی ہستی جو مخلوق کے فنا و نابود ہونے کے بعد بھی دائم اور باقی رہنے والی ہے۔ اسی لیے امام حسین بن علی علیہما السلام نے ایک حدیث میں "صمد" کے لیے پانچ معانی بیان کیے ہیں۔ "صمد" اس ہستی کو کہتے ہیں جو انتہائی سیادت و آقائی میں ہو۔

"صمد" وہ ذات ہے جو دائم اور ازلی و ابدی ہو۔

"صمد" وہ موجود ہے جو جو ف (اندر سے خلا) نہ رکھتا ہو۔

"صمد" وہ ہستی جو نہ کھاتی ہو نہ پیتی ہو۔

"صمد" وہ ہستی جو کبھی نہ سوتی ہو۔

اور دوسری عبارتوں میں یہ آیا ہے کہ: "صمد اس ہستی کو کہتے ہیں جو قائم بہ نفس ہو اور غیر سے بے نیاز ہو۔" "صمد" اس ہستی کو کہتے ہیں جس میں تغیرات اور کون و فساد نہیں ہے۔

امام علی بن الحسین علیہما السلام سے نقل ہوا ہے کہ آیت نے فرمایا:

"صمد" اس ہستی کو کہتے ہیں جس کا کوئی شریک نہ ہو کسی چیز کی حفاظت کرنا اس کے لیے مشکل نہ ہو اور کوئی چیز اس سے غنی نہیں رہتی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "صمد" اس ذات کو کہتے ہیں کہ وہ جب بھی کسی چیز کا ارادہ کرے تو اُسے کہتا ہے

یہ حدیث اچھی طرح سے نشان دہی کرتی ہے کہ "صمد" کا ایک بہت ہی جامع اور وسیع مفہوم ہے۔ جو اس کی خستہ قدس سے مخلوقات کی ہر قسم کی صفات کی نفی کرتا ہے، کیونکہ مشخص اور محدود اسما، اور اسی طرح جسم و رنگ و بود مکان و سکون و حرکت و کیفیت و حدود و حدود اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، یہ سب ممکنات و مخلوقات کی صفات ہیں، بلکہ زیادہ تر عالم مادہ کے اوصاف ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ خدا ان سب سے برتر و بالاتر ہے۔

آخری انکشافات سے معلوم ہوا ہے کہ جہاں مادہ کی تمام چیزیں بہت ہی پھوٹے پھوٹے ذرات سے مل کر بنی ہیں جنہیں "ایٹم" کہا جاتا ہے۔ اور "ایٹم" خود بھی دو عمدہ حصوں کا مرکب ہے۔ مرکزی ذرہ اور وہ الکترون جو اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس ذرہ اور الکترون کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ (البتہ یہ زیادہ ایٹم کے حجم کے اندازہ سے ہے) اس طرح سے کہ اگر یہ فاصلہ اٹھا دیا جائے تو اجسام اس قدر پھوٹے ہو جائیں گے کہ وہ ہمارے لیے حیرت میں ڈالنے والے ہوں گے۔

مثلاً اگر ایک انسان کے وجود کے ایٹمی ذرات کے فاصلے ختم کر دیں اور اُسے مکمل طور پر دبا دیں تو ممکن ہے کہ وہ ایک ذرہ کی صورت اختیار کر لے، جس کا آٹھ کے ساتھ دیکھنا مشکل ہو جائے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایک انسان کے بدن کے سارے وزن کے برابر ہو گا، (مثلاً: یہی معمولی ذرہ ۶۰ کلو دزن ہو گا)۔

بعض نے اس علمی انکشاف سے استفادہ کرتے ہوئے اور اس بات کی طرف توجہ دیتے ہوئے کہ "صمد" کا ایک معنی ایسا وجود ہے جو اندر سے خالی نہیں ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن اس تعبیر سے یہ چاہتا ہے کہ خدا سے ہر قسم کی جہانیت کی نفی کر دے، کیونکہ تمام اجسام ایٹم سے بنے ہوئے ہیں اور ایٹم اندر سے خالی ہوتے ہیں۔ اور اس طرح یہ آیت قرآن کے علمی معجزات میں سے ایک ہو سکتی ہے۔

لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ اہل نعت میں "صمد" ایک ایسی عظیم ہستی کے معنی میں ہے جس کی طرف تمام حاجت مند رُخ کرتے ہیں اور وہ ہر لحاظ سے کامل ہو، اور ظاہر باقی تمام معانی اور تفاسیر جو اس کے لیے بیان کی گئی ہیں اسی اصل کی طرف لوٹتی ہیں۔

اس کے بعد اگلی آیت میں نصاریٰ، یہود اور مشرکین عرب کے عقائد کی رد پیش کرتے ہوئے جو خدا کے لیے بیٹے یا باپ کے قائل تھے فرماتا ہے: "اس نے نہ تو کسی کو جنا ہے اور نہ ہی وہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے" (لم یولد ولم یولد)۔

اس بیان کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نظریہ ہے جو تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ رکھتے تھے، باپ خدا، بیٹا خدا اور روح القدس۔

نصاری "مسیح" کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور یہود "عزیر" کو اس کا بیٹا سمجھتے تھے، و قالت الیہود عزیر ابن اللہ و قالت النصاری المسیح ابن اللہ ذالک قولہم بافواہم یضاہون قول الذین کفروا من قبل قاتلہم اللہ انی یؤفکون۔

آغاز میں اشارہ ہوا ہے۔

اس بنا پر نہ تو ذات میں اس کا کوئی شبیہ ہے اور نہ صفات میں کوئی اس کے مانند ہے، اور نہ ہی افعال میں کوئی اس کا مثل و نظیر ہے، وہ ہر لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نبج البلاغہ کے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں :

”لحمیلد“ فیکون مولوداً ”ولحمیلد“ فیصیر محدوداً

ولا ”کف“ له فیکافئه ”ولا نظیر له فیساویه

”اس نے کسی کو نہیں بنا کہ وہ خود بھی مولود ہو۔ اور وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ

وہ محدود ہو جاتا اس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے کہ وہ اس کا ہم پلہ ہو جائے

اور اس کے لیے کسی شبیہ کا تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے مساوی ہو جائے۔

اور یہ ایک ایسی عمدہ تفسیر ہے جو توحید کے عالیشان ترین دقائق کو بیان کرتی ہے۔ (سلام اللہ علیک یا امیر المؤمنین)

چند نکات

۱۔ توحید کے دلائل

توحید، یعنی ذات خدا کا یکتا و یگانہ ہونا اور اس کا کوئی شریک و شبیہ نہ ہونا، دلائل نقلی اور قرآن مجید کی آیات کے علاوہ بہت سے عقلی دلائل سے بھی ثابت ہے جن میں سے ایک حصہ کو ہم مختصر طور پر یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ برہان صرف الوجود۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا وجود مطلق ہے اور اس کے لیے کوئی قید و شرط اور حد نہیں ہے۔ اس قسم کا وجود یقینی طور پر غیر محدود ہوگا، کیونکہ اگر اس میں محدودیت ہوگی تو وہ ضروری طور پر عدم سے آلودہ ہوگا، لیکن وہ ذات مقدس جس کی ہستی و وجود خود بخود موجود ہے وہ ہرگز عدم و نیستی کا متقاضی نہیں ہوگا، اور وہ خارج میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو عدم کو اس پر ڈال دے اس بنا پر وہ کسی حد کے ساتھ محدود نہیں ہوگا۔

دوسری طرف سے عالم میں دو غیر محدود ہستیاں تصور میں ہی نہیں آ سکتیں، کیونکہ اگر دو موجود پیدا ہو جائیں تو یقیناً ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کمالات کا فاقد ہوگا۔ یعنی اس میں دوسرے کے کمالات نہیں ہوں گے۔ اس بنا پر وہ دونوں ہی محدود ہو جائیں گے، اور یہ خود ذات واجب والوجود کی یگانگت اور یکتائی پر ایک واضح دلیل ہے (غور کیجیے)

۲۔ برہان علمی۔ جب ہم اس وسیع و عریض جہان پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ابتداء میں ہم عالم کو پر گندہ موجودات کی صورت میں دیکھتے ہیں، زمین و آسمان، سورج، چاند، ستارے، انواع و اقسام کی نباتات و حیوانات، لیکن ہم جتنا

”نبج البلاغہ“ خطبہ ۱۸۶

زیادہ غور کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم کے اجزاء و ذرات اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور پیوستہ ہیں کہ مجموعی طور پر وہ ایک منظم چیز بناتے ہیں اور اس جہان پر معین قوانین کا ایک سلسلہ حکومت کرتا ہے۔ انسانی علم و دانش کی پیش رفت جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر اس جہان کے اجزاء کا انسجام و وحدت زیادہ آشکار اور ظاہر ہوتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات ایک چھوٹے سے نمونہ (مثلاً ایک سیب کے درخت سے گرنے) کی آزمائش اس بات کا سبب بن جاتی ہے کہ ایک بہت بڑا قانون جو سارے عالم ہستی پر حکم فرما ہے، منکشف ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ "نیوٹن" اور "قانون جاذبہ" کے بارے میں ہے)۔

نظام ہستی کی یہ وحدت، اس پر حاکم قوانین اور اس کے اجزاء کے درمیان انسجام و یکتائی، اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس کا خالق یکتا و یگانہ ہے۔

۲۔ برہان تمانع۔ (فلسفی علمی دلیل) دوسری دلیل جو علمائے خدا کی ذات کی یکتائی اور وحدت کے لیے بیان کی ہے۔ اور قرآن نے سورۃ انبیاء کی آیہ ۲۲ میں جس کے بارے میں ہدایت کی ہے، وہ برہان تمانع ہے فرماتا ہے: **لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ** "اگر زمین و آسمان میں خدائے واحد و یکتا کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے تو آسمان و زمین میں فساد ہو جاتا، اور نظام جہاں درہم و برہم ہو جاتا، پس وہ خدا جو عرش کا پروردگار ہے ان کی توصیف سے پاک و منزہ ہے۔

ہم اس دلیل کی جلد ۱۳ ص ۲۸۶ میں "برہان تمانع" کے عنوان کے ماتحت تفصیل کے ساتھ وضاحت کر چکے ہیں۔ ۴۔ خداوند یگانہ کی طرف انبیاء کی عمومی دعوت: اثبات توحید کے لیے یہ ایک اور دلیل ہے کیونکہ اگر عالم میں دو واجب الوجود ہوتے تو دونوں کو ہی منبع فیض ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ ایک بے نہایت کامل وجود کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی نور افشانی میں ٹھنجل کرے، کیونکہ وجود کامل کے لیے عدم فیض نقص ہے، اور اس کے حکیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سب کو اپنا فیض پہنچائے۔

اس فیض کی دو شاخیں ہیں۔ (عالم خلقت میں) فیض تکوینی، اور (عالم ہدایت میں) فیض تشریعی۔ اس بنا پر اگر متعدد خدا ہوتے تو ضروری تھا کہ ان کی طرف سے بھی پیغمبر اور رسول آتے، اور ان کے فیض تشریعی سب کو پہنچاتے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند گرامی امام مجتبیٰ علیہ السلام کے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

"واعلموا یا بنی انہ لو کان لربک شریک لانتک رہسلہ ولرأیت آثار

ملکہ وسلطانہ، ولعرفت افعالہ وصفاتہ، ولکنہ اللہ واحد کما

وصف نفسه۔"

"اے بیٹا! جان لو کہ اگر تیرے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کے بھیجے

ہوئے نمائندے تیرے پاس آتے، اور تو اس کے ملک و سلطنت کے آثار

کا بھی مشاہدہ کرتا، اور تو اس کی صفات و افعال سے بھی آشنا ہوتا، لیکن وہ

ایک اکیلا مجرود ہے، جیسا کہ خود اس نے اپنی توصیف فرمائی ہے۔
یہ سب اس کی ذات کی یکتائی کے دلائل ہیں۔ باقی رہا اس کی ذات پاک میں ہر قسم کی ترکیب و اجزاء کے نہ ہونے کی دلیل تو وہ روشن و واضح ہے کیونکہ اگر اس کے لیے اجزائے خارجیہ ہوں تو طبعاً وہ ان کا محتاج ہوگا، اور واجب الوجود کے لیے محتاج ہونا مستعمل نہیں اور اگر "اجزائے عقلیہ" (ماہیت و وجود یا جنس و فصل کی ترکیب) مراد ہو، تو وہ بھی محال ہے، کیونکہ ماہیت و وجود سے ترکیب اس کے مجرود ہونے کی فرع ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا وجود غیر مجرود ہے، اور جنس و فصل کی ترکیب ماہیت رکھنے کی فرع ہے، لیکن وہ ذات جس کی کوئی ماہیت نہیں ہے، اس کی جنس و فصل بھی نہیں ہے۔

۲۔ توحید کی اقسام

عام طور پر توحید کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں :

۱۔ توحید ذات : (جس کی اوپر تشریح کی گئی ہے)۔

۲۔ توحید صفات : یعنی اس کی صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں اور ایک دوسرے سے بھی جدا نہیں ہیں، مثلاً ہمارا "علم" و "قدرت" دو الگ الگ صفات ہیں جو ہماری ذات پر عارض ہیں، ہماری ذات ایک الگ چیز ہے اور ہمارا علم و قدرت دوسری چیزیں ہیں جیسا کہ "علم" و "قدرت" بھی ہم میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ہمارے علم کا مرکز ہماری روح ہے، جب کہ ہماری قدرت جسمانی کا مرکز ہمارے بازو اور عضلات ہیں۔ لیکن خدا میں نہ اس کی صفات اس کی ذات پر زائد ہیں اور نہ ہی وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں، بلکہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو سارا کا سارا علم ہے، سارا کا سارا قدرت ہے اور سب کا سب ازلیت و ابدیت ہے۔ اگر اس کے علاوہ صورت ہو تو اس کا لازمہ ترکیب ہے اور اگر وہ مرکب ہوگا تو اجزاء کا محتاج ہوگا، اور محتمل چیز ہرگز واجب الوجود نہیں ہوتی۔

۳۔ توحید افعالی : یعنی ہر وجود، ہر حرکت اور ہر حرکت جو دنیا میں ہو رہی ہے اس کی بازگشت خدا کی پاک ذات کی طرف ہے۔ وہی مسبب الاسباب ہے اور اس کی پاک ذات ہی علت العلل ہے، یہاں تک کہ وہ افعال بھی جو ہم سے سرزد ہوتے ہیں ایک معنی میں اسی کے افعال ہیں، چونکہ اسی نے ہمیں قدرت و اختیار اور ارادہ کی آزادی عطا فرمائی ہے۔ اس بنا پر ہم اپنے افعال کے فاعل اور ان کے مقابلہ میں مسئول و جواب دہ ہونے کے باوجود ایک لحاظ سے فاعل خدا ہی ہے کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے۔ (لا مؤثر فی الوجود الا اللہ) (عالم وجود میں خدا کے سوا اور کوئی مؤثر نہیں ہے)۔

۴۔ توحید در عبادت : یعنی صرف اسی کی عبادت کرنا چاہیئے اور اس کا غیر لائق عبادت نہیں ہے، کیونکہ عبادت ایسی ذات کی ہونا چاہیئے جو کمال مطلق اور مطلق کمال ہے، جو سب سے بے نیاز اور تمام نعمتوں کا بخشنے والا

۱۔ "نہج البلاغہ" وصیت امام مجتبیٰ (حصہ خطوط خط ۳۱)۔

۵۔ تو

یقیناً

پرگراموں کی

ایک

حاکم حقیقی

اور یہی وجہ

اور ان کے

البتہ

کے تمام

البتہ

کا تعلق عالم

قرآن

۶۔ آ

یعنی

مقام کی اطا

اس

اسی لیے ہ

شمار کرتے

۱۔ اے

البتہ

ہم نے ا

خدا

پر

۱۔ اس

مر

اور تمام موجودات کا پیدا کرنے والا ہے، اور یہ صفات اس کی پاک ذات کے سوا کسی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ عبادت کا اصلی مقصد اس کمال مطلق اور بے پایاں ہستی کا قرب حاصل کرنا اور اس کی صفات جمال و کمال کو اپنی روح کے اندر منعکس کرنا ہے، جس کا نتیجہ ہوا و ہوس سے دُوری اور تہذیب نفس اور خود سازی کی طرف رُخ کرنا ہے۔ یہ ہدف اور مقصد "اللہ" کی عبادت کے بغیر، جو وہی کمال مطلق ہے، امکان پذیر نہیں ہے۔

۳۔ توحید افعالی کی اقسام

"پھر توحید افعالی کی بھی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے ہم یہاں چھ اہم ترین اقسام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ۱۔ توحید خالقیت : جیسا کہ قرآن کہتا ہے : قل اللہ خالق کل شیء : " کہہ دیجئے خدا ہی ہر چیز

کا خالق ہے : (رعد - ۱۶)

اس کی دلیل بھی واضح ہے۔ جب گزشتہ دلائل سے ثابت ہو گیا کہ واجب الوجود ایک ہی ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز ممکن الوجود ہے تو اس بنا پر تمام موجودات کا خالق بھی ایک ہی ہو گا۔

۲۔ توحید ربوبیت : یعنی عالم ہستی کا مدبر و مدیر، ربی اور اس کا نظام بخش صرف خدا ہے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے : قل اغیر اللہ البنی ربنا وھو رب کل شیء کہہ دیجئے کیا ہیں خدا کے سوا کسی اور کو اپنا پروردگار مان لوں حالانکہ ہر چیز کا پروردگار وہی ہے ؟ (انعام - ۱۶۴)۔

اس کی دلیل بھی واجب الوجود کی وحدت اور عالم ہستی میں خالق کی توحید ہے۔ ۳۔ توحید تشریع و قانون گزاری : جیسا کہ قرآن کہتا ہے : ومن لویحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون : " جو شخص اس کے مطابق حکم نہیں کرتا، جو خدا نے نازل کیا ہے، وہ کافر ہے : (مائدہ - ۴۴) کیونکہ جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ مدبر و مدیر وہی ہے، تو مسلمہ طور پر اس کے غیر میں قانون گزاری کی صلاحیت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کے غیر کا تدبیر عالم میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ لہذا وہ نظام تکوین سے ہم آہنگ قوانین وضع نہیں کر سکتا۔

۴۔ توحید در مالکیت : چاہے "حقیقی مالکیت" ہو، یعنی کسی چیز پر تکوینی تسلط، یا "حقوقی مالکیت" ہو، یعنی کسی چیز پر قانونی تسلط، یہ سب اسی کے لیے ہیں جیسا کہ قرآن کہتا ہے : "وللہ ملک السماوات والارض" "آسمانوں اور زمین کی مالکیت خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (آل عمران - ۱۸۹)

اور یہ بھی فرماتا ہے : "والفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ" "خدا نے جن اموال میں تمہیں اپنا

نمائند قرار دیا ہے، ان میں سے (راہ خدا) میں خرچ کرو : (حدید - ۷)

اس کی دلیل بھی وہی توحید در خالقیت ہے۔ جب تمام اشیاء کا خالق وہی ہے، تو طبعاً تمام چیزوں کی مالک بھی اسی کی ذات مقدس ہے، اس بنا پر ہر ملکیت کا سرچشمہ اسی کی مالکیت کو ہونا چاہیے۔

۵۔ توحید حاکمیت

یقیناً انسانی معاشرہ حکومت کا محتاج ہے، کیونکہ اجتماعی زندگی حکومت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ذمہ داریوں کی تقسیم پروگراموں کی تنظیم، مدیریٹوں کا اہرام اور تجاویزات کو روکنا، صرف حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ایک طرف تو انسانوں کی اصل آزادی یہ کہتی ہے کہ کوئی شخص کسی شخص پر حق حکومت نہیں رکھتا مگر جسے اصل مالک اور حاکم حقیقی اجازت دے، اور یہی وجہ ہے کہ ہم ہر اس حکومت کو جو حکومت الہی پر منہی نہیں ہوتی مردود سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم حکومت کی مشروعیت کو صرف پیغمبر کے لیے سمجھتے ہیں، اور پیغمبر کے بعد آئمہ معصومین کے لیے اور ان کے بعد فقہ جامع الشرائط کے لیے جانتے ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ لوگ کسی کو یہ اجازت دے دیں کہ وہ ان پر حکومت کرے، لیکن چونکہ پورے معاشرے کے تمام افراد کا اتفاق عادتاً ممکن نہیں ہے، لہذا عملی طور پر اس قسم کی حکومت ممکن نہیں ہے۔ البتہ اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ توحید ربوبیت عالم تکوین کے ساتھ مربوط ہے اور توحید قانون گزاری حکومت کا تعلق عالم تشریع کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے: **ان الحكم الا لله**؛ ”حکم اور حکومت کرنا صرف خدا کے لیے ہے۔“ (انعام ۷۰)

۶۔ توحید اطاعت

یعنی جہان میں واجب اطاعت ہونے کا مقام صرف خدا کی ذات پاک کے لیے ہے اور ہر دوسرے مقام کی اطاعت کی مشروعیت کا سرچشمہ یہیں سے ہونا چاہیے، یعنی اس کی اطاعت بھی خدا ہی کی اطاعت شمار ہوگی۔ اس کی دلیل بھی واضح ہے۔ جب حاکمیت اسی کے ساتھ مخصوص ہے، تو مطاع ہونا بھی اُسی کے ساتھ مخصوص اسی لیے ہم انبیاء کی اطاعت، آئمہ معصومین کی اطاعت اور ان کے جانشینوں کی اطاعت کو بھی خدا ہی کی اطاعت کا پرتو شمار کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے: **يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم** : ”اے ایمان لانے والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور صاحبان امر (آئمہ معصومین) کی اطاعت کرو (نساء ۵۹)“ البتہ اوپر والے مباحث میں سے ہر ایک کے لیے بہت ہی زیادہ شرح و بسط کی ضرورت ہے اور ہم نے اس بنا پر کہ ہم بحث تفسیری سے خارج نہ ہو جائیں، انہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ خداوند! ہمیں ساری عمر توحید کے راستے پر ثابت قدم رکھ۔ پروردگار! شرک کی شاخیں بھی توحید کی شاخوں کی طرح بہت زیادہ ہیں، اور تیرے لطف کے بغیر شرک سے لے اس بنا پر اگر کوئی حکومت عوام اور اکثریت کی رائے سے معین ہو تو ضروری ہے کہ وہ فقہ جامع الشرائط کے ذریعے نافذ ہو، تاکہ وہ مشروعیت الہیہ پیدا کر سکے۔

نجات ممکن نہیں ہے تو ہمیں اپنے لطف کا مشمول قرار دے۔
 بارِ الہا ! ہمیں توحید کے ساتھ زندہ رکھنا اور توحید کے ساتھ ہی ہمیں موت دینا، اور حقیقت توحید کے
 ساتھ ہمیں محسوس کرنا۔

اُمّیں یا ربّ العالمین

سُورۃ اخلاص کا اختتام

www.sirat-e-mustaqeem.net

سُورَةُ الْفَلَقِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۛ آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

کے جادو۔
سوہ
لوگوں کے ذ
افکار جادوگر
میں متزلزل کر
اس۔
الظالمون ا
اور
بیان کی ہیں
مس
دونوں صورتوں
بہر حال
ان پر تنبیہ کیا
اس

سُورۃ "فلق" کے مطالب اور اس کی فضیلت

ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا اگرچہ مفسرین کی ایک دوسری جماعت اسے "مدنی" سمجھتی ہے۔ اس سُورہ کے مطالب ایسی تعلیمات ہیں جو خدا نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالخصوص، اور سب مسلمانوں کو بالعموم، تمام اشرار کے شر سے، اس کی ذات پاک سے پناہ مانگنے کے سلسلہ میں دی ہیں، تاکہ خود کو اس کے پُرو کر دیں اور اس کی پناہ میں ہر صاحب شر موجود کے شر سے امان میں رہیں۔

اس سُورہ کے شان نزول کے بارے میں اکثر کتب تفاسیر میں کچھ روایات نقل ہوئی ہیں جن کے مطابق بعض یہودیوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کر دیا تھا، جس سے آپ بیمار ہو گئے تھے۔ جبریل نازل ہوئے اور جس کنوئیں میں جادو کے آلات چھپائے ہوئے تھے اُس جگہ کی نشان دہی کی، اسے باہر نکالا گیا، پھر اس سُورہ کی تلاوت کی تو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حالت بہتر ہو گئی۔

لیکن مرحوم طبرسی اور بعض دوسرے محققین نے اس قسم کی روایات کو، جن کی سند صرف "ابن عباس" اور عائشہ تک منتهی ہوتی ہے، قابل اعتراض سمجھا ہے اور درست قرار نہیں دیا، کیونکہ :

اولاً : یہ سُورہ مشہور قول کے مطابق کہی ہے اور اس کا لب و لہجہ بھی مکی سُورتوں والا ہے، جب کہ پیغمبر کا یہودیوں سے واسطہ مدینہ میں پڑا اور خود یہی بات اس قسم کی روایات کی عدم اصالت کی ایک دلیل ہے۔

دوسری طرف اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادوگر اتنی آسانی کے ساتھ جادو کر لیا کریں کہ وہ بیمار پڑ جائیں اور بستر علالت پر دراز ہو جائیں تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آپ کو آپ کے عظیم ہدف اور مقصد سے آسانی سے روک دیں۔ مسئلہ طور پر وہ خدا جس نے آپ کو اس قسم کی ماموریت اور عظیم رسالت کے لیے بھیجا ہے، وہ آپ کو جادوگر

ایک ر

اس۔

کی نماز صبح میں
ان لوگوں کے

کے جادو کے نفوذ سے بھی محفوظ رکھے گا تاکہ نبوت کا بلند مقام ان کے ہاتھ میں باز بھیجے اطفال نہ بنے۔
سوم اگر یہ مان لیا جائے کہ جادو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم میں اثر انداز ہو سکتا ہے، تو پھر ممکن ہے کہ لوگوں کے ذہن میں یہ دہم پیدا ہو جائے کہ جادو آپ کی روح میں بھی اثر انداز ہو سکتا ہے، اور یہ ممکن ہے کہ آپ کے انکار جادو گروں کے جادو کا شکار ہو جائیں۔ یہ معنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتماد کی اصل کو عام لوگوں کے افکار میں متزلزل کر دیں گے۔

اس لیے قرآن مجید اس معنی کی نفی کرتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا گیا ہو، فرماتا ہے: وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً انظر كيف ضلوا لئلا يمشوا فاضلوا فلا يستطيعون سبيلاً“ اور ظالموں نے کہا تم تو ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو، دیکھو تو سہی! تیرے لیے انہوں نے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں اور ایسے گمراہ ہوئے ہیں کہ راستہ پا ہی نہیں سکتے۔ (فرقان - ۹۰۸)
”مسحور“ چاہے یہاں اس شخص کے معنی میں ہو جس پر عقلی لحاظ سے جادو کیا گیا ہو یا اس کے جسم پر، دونوں صورتوں میں ہمارے مقصود پر دلالت کرتا ہے۔
بہر حال ایسی مشکوک روایات کے ساتھ مقام نبوت کی قدرت پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی فہم آیات کچھ لے ان پر تمکین کیا جاسکتا ہے۔

اس سورہ کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے، آپ نے فرمایا:
”انزلت علی آیات لم یسئلوا عن مثلها: المعوذتان“

”مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل اور مانند اور نازل نہیں ہوئیں اور وہ دو سورتیں ”فلق“ اور ”ناس“ ہیں۔“

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

”جو شخص نماز ”وتر“ میں سورہ ”فلق“ و ”ناس“ اور قل ھو اللہ احد“ کو پڑھے گا، تو اس کو یہ کہا جائے گا کہ اے بندہ خدا تجھے بشارت ہو، خدا نے تیری نماز وتر قبول کر لی ہے۔“

ایک روایت میں پیغمبر اکرم سے بھی آیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

”کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے ایسی دو سورتوں کی تعلیم دوں جو قرآن کی سورتوں میں سب سے

زیادہ افضل و برتر ہیں؟

اس نے عرض کیا: ہاں! اے رسول اللہ۔ تو حضرت نے اُسے معوذتین (سورہ فلق و ناس) کی تعلیم دی۔ اس کے بعد ان دونوں کی نماز صبح میں قرأت کی اور اس سے فرمایا، جب تو بیدار ہو یا سونے لگے تو ان کو پڑھا کر۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی روح و جان اور عقیدہ و عمل کو اس کے مطالب کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

(حاشیہ جات اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہوں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝
- ۲۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝
- ۳۔ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝
- ۴۔ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ فِي الْعُقَدِ ۝
- ۵۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کہہ دیجئے میں سفید صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
- ۲۔ ان تمام چیزوں کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہیں۔
- ۳۔ اور ہر مزاحمت کرنے والے موجود کے شر سے جب کہ وہ وارد ہو۔
- ۴۔ اور اُن کے شر سے جو گرہوں میں دم کرتے ہیں۔ (اور ہر طرح کے ارادہ کو کمزور کر دیتے ہیں)۔

(عافیہ کوثر صفحہ ۱۷۶)

۱۔ "نور الثقلین" جلد ۵ ص ۷۱۶ و "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۷

۲۔ "نور الثقلین" جلد ۵ ص ۷۱۶ و "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۷

۵۔

تفسیر

میں

قرآن

دیجئے، میں

ان تمام

تمام

اور نفس آمارہ

فلما

اور ایک کو وہ

پردہ چاک ہو

صبح پر اطلاق

بعض

کیونکہ ان موجود

مراحل میں سے

دوسرے عالم

سورہ

المیت من ال

بعض

پر اطلاق کیا

ہو جاتا ہے

ان تین

غریب وجود

ساتھ خدا کی

۵۔ اور ہر حسد کرنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے۔

تفسیر

میں سفید صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔

قرآن اس سورہ کی پہلی آیت میں خود پیغمبر کو ایک نمونہ اور پیشوا کے عنوان سے اس طرح حکم دیتا ہے: کہہ دیجئے، میں سفید صبح کے پروردگار سے پناہ مانگتا ہوں جو رات کی سیاہی کو چیر دیتا ہے۔ (قل اعوذ برب الفلق)۔ ان تمام چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں۔ (من شر ما خلق)۔ تمام شریر موجودات کے شر سے، شریر انسانوں سے، جنوں، حیوانات، شر کے پیش آنے والے واقعات اور نفس آمارہ کے شر سے۔

”فلق“ (بروزن شفق) ”فلق“ (بروزن خلق) کے مادہ سے اصل میں کسی چیز میں شکاف کرنے اور ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کے معنی میں ہے، اور چونکہ سفید صبح کے پھوٹنے کے وقت رات کا سیاہ پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ لفظ طلوع صبح کے معنی میں استعمال ہوا۔ جیسا کہ ”فجر“ کا بھی اسی مناسبت سے طلوع صبح پر اطلاق ہوتا ہے۔

بعض اسے تمام سوالات اور تمام زندہ موجودات کے معنی میں سمجھتے ہیں، چاہے وہ انسان ہو یا حیوان و نباتات کیونکہ ان موجودات کا پیدا ہونا، جو دانہ یا گٹھلی وغیرہ کے شکاف سے ہونے سے صورت پذیر ہوتا ہے، وجود کے عجیب ترین مراحل میں سے ہے اور حقیقت میں تولد کے وقت اس موجود میں ایک عظیم محرک رونا ہوتا ہے اور وہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں قدم رکھتا ہے۔

سورۃ انعام کی آیہ ۹۵ میں آیا ہے: ان الله خالق الحب والنوى يخرج الحي من الميت ومنخرج الميت من الحي ”خدا دانہ اور گٹھلی کا شکاف کرنے والا ہے، جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے خارج کرتا ہے۔ بعض نے ”فلق“ کے مفہوم کو اس سے بھی زیادہ وسیع معنی میں لیا ہے اور اس کا ہر قسم کی آفرینش و خلقت پر اطلاق کیا ہے، کیونکہ ہر موجود کی آفرینش و خلقت سے عدم کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، اور وجود کا نور ظاہر و آشکار ہو جاتا ہے۔

ان تینوں معانی (طلوع صبح، زندہ موجودات کا تولد، اور ہر موجود کی خلقت و آفرینش) میں سے ہر ایک عجیب و ریب وجود میں آنے والی چیز ہے جو پروردگار اور اس کے خالق و مدبر کی عظمت کی دلیل ہے، اور اس وصف کے مانعہ خدا کی توصیف ایک عمیق مفہوم و مطلب رکھتی ہے۔

بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ "فلق" دوزخ میں ایک کنواں یا زندان ہے۔ اور وہ جہنم کے وسط میں ایک شگاف کی مانند دکھائی دیتا ہے۔

یہ روایت ممکن ہے اس کے مصداق میں سے ایک مصداق کی طرف اشارہ ہو، لیکن یہ "فلق" کے وسیع مفہوم کو محدود نہیں کرتی۔

"من شر ما خلق" کی تعبیر کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ آفرینش و خلقت الہی اپنی ذات میں کوئی شر رکھتی ہے کیونکہ آفرینش خلقت تو ایک ایجاد ہی ہے، اور ایجاد وجود خیر محض ہیں، قرآن کہتا ہے: "الذی احسن کل شیء خلقہ" وہی خدا جس نے جس چیز کو بھی پیدا کیا بہتر اور زیادہ سے زیادہ اچھا کر کے پیدا کیا (الم سجدہ - ۷)۔ بلکہ شر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مخلوقات قوانین آفرینش سے منحرف ہو جائیں اور معینہ راستے سے الگ ہو جائیں مثلاً ڈنک اور جانوروں کے کاٹنے والے دانت ایک دفاعی حربہ ہیں، جنہیں وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں استعمال کرتے ہیں۔ اب اگر یہ ہتھیار اپنے موقع و محل پر استعمال ہوں تو خیر ہی خیر ہیں، لیکن اگر یہ بے موقع اور دوست ہی کے مقابلہ میں استعمال ہونے لگیں تو پھر شر اور برائی ہیں۔

بہت سے ایسے امور ہیں، جنہیں ہم ظاہر میں شر سمجھتے ہیں، لیکن وہ باطن میں خیر ہیں، مثلاً بیدار کرنے والے اور ہوشیار و خبردار کرنے والے حوادث بلائیں اور مصائب، جو انسان کو خواب غفلت سے بیدار کر کے خدا کی طرف متوجہ کرتے ہیں، یہ مسلمہ طور پر شر نہیں ہیں۔

اس کے بعد اس مطلب کی توضیح و تفسیر میں مزید کہتا ہے: "اور ہر مزاحمت کرنے والے موجود کے شر سے جب کہ وہ وارد ہوتا ہے" (ومن شر غاسق اذا وقب)۔

"غاسق" "عسق" (بروزن شفق) کے مادہ سے "مفردات" میں "راغب" کے قول کے مطابق، رات کی ظلمت کی اس شدت کے معنی میں ہے جو آدھی رات کے وقت ہوتی ہے، اسی لیے قرآن مجید نماز مغرب کے اختتام کے وقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "الی غسق اللیل" اور یہ جو لغت کی بعض کتابوں میں "عسق" کی آغاز شب کی تاریکی کے معنی میں تفسیر ہوئی ہے، بعید نظر آتا ہے، خصوصاً جب کہ اس کا اصلی ریشہ اور جڑ، امتلا (پُر ہونے) اور بہنے کے معنی میں ہے، اور مسلمہ طور پر رات کی تاریکی اس وقت زیادہ یعنی پُر اور لبریز ہوتی ہے جب آدھی رات ہو جائے۔ اس کے مفہام میں سے ایک، جو اس معنی کا لازمہ ہے، ہجوم کرنا اور حملہ آور ہونا ہے، اس لیے یہ اس معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

اس بنا پر زیر بحث آیت میں "غاسق" کا معنی یا تو حملہ کرنے والا شخص ہے، یا ہر وہ شریر موجود ہے جو حملہ کرنے کے لیے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتا ہے، کیونکہ نہ صرف درندے اور ڈنک مارنے والے جانور ہی رات کے وقت اپنے بلوں اور ٹھکانوں سے باہر نکل آتے ہیں، بلکہ شریر و ناپاک اور پلید افراد بھی اپنے بُرے مقاصد کے لیے عام طور پر رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

"وق" کے بعد اس رات کی تاریکی کے لیے اس

اس (فی العقد)۔

اور چونکہ یہ کا معنی میں بھی

لیکن اور اس کا مفہ

کرتی تھیں اور

جو مسلسل مردود

آہنی عزم کو

آگ بھڑکائی،

"فخر راز" یہ معنی

کا ایک اہم تر

کے صندوقوں

کے حوالے بعض

اپنے مسلسل

بعید ہوا والوں اور چغل

البتہ

خصوصیت

لے "تفسیر

”وقب“ (بروزن شفق) ”وقب“ (بروزن نقب) کے مادہ سے گڑھے اور خندق کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد اس کا فعل گڑھے میں داخل ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ گویا شریر اور نقصان پہنچانے والے موجودات رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نقصان پہنچانے والے گڑھے کھود کر اپنے پلید اور گندے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اقدام کرتے ہیں۔ یا یہ ہے کہ یہ تعبیر ”نفوذ کرنے“ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”اور ان کے شر سے جو گروہوں میں دم کرتے ہیں۔“ (ومن شر النفاثات فی العقد)۔

”نفاثات“ ”نفث“ (بروزن جس) کے مادہ سے اصل میں تھوڑی سی مقدار میں تھوکنے کے معنی میں ہے اور چونکہ یہ کام پھونک مارنے کے ساتھ انجام پاتا ہے، لہذا ”نفث“ ”نفخ“ (پھونکنے اور دم کرنے) کے معنی میں بھی آیا ہے۔

لیکن بہت سے مفسرین نے ”نفاثات“ کی ”جادوگر عورتوں“ کے معنی میں تفسیر کی ہے۔ (نفاثات جمع مونث) اور اس کا مفرد ”نفاثۃ“ ”نفث“ کے مادہ سے صیغہ مبالغہ ہے) وہ عورتیں کچھ اوراد پڑھتی تھیں اور گروہوں پر دم کیا کرتی تھیں اور اس طرح وہ جادو کرتی تھیں، لیکن کچھ لوگ اسے دوسو سے پیدا کرنے والی عورتوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو مسلسل مردوں کے، خصوصاً اپنے شوہروں کے کان بھرتی رہتی تھیں، تاکہ مثبت کاموں کے انجام دینے میں ان کے آہنی عزم کو کمزور کر دیں اور اس قسم کی عورتوں کے دوسووں نے طول تاریخ میں کیسے کیسے حوادث پیدا کیے کیسی کیسی آگ بھڑکائی، اور کیسے کیسے استوار مضبوط ارادوں کو کمزور کر کے رکھ دیا۔

”فخر رازی“ کہتا ہے: عورتیں مردوں کے دلوں میں اپنی محبت کے نفوذ کی بنا پر تصرف کر لیتی ہیں۔ یہ معنی ہمارے زمانہ میں ہر وقت سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ دنیا کے سیاست دانوں میں جاسوسوں کے نفوذ کھننے کا ایک اہم ترین ذریعہ جاسوسہ عورتوں سے فائدہ اٹھانا ہے، کیونکہ ان ”نفاثات فی العقد“ کے ذریعے پوشیدہ بھیدوں کے صندوقوں کے تالے کھل جاتے ہیں اور وہ انتہائی مرموز اور پوشیدہ مسائل سے باخبر ہو جاتی ہیں، اور انہیں دشمن کے حوالے کر دیتی ہیں۔

بعض نے نفاثات کی ”نفوس شریرہ“ یا ”دوسو سے پیدا کرنے والی جماعتوں“ کے ساتھ بھی تفسیر کی ہے جو اپنے مسلسل پروپیگنڈوں کے ذریعے پختہ ارادوں کی گروہوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔

بعید نہیں ہے کہ یہ آیت ایک عام اور جامع مفہوم رکھتی ہو جو ان تمام معانی کو شامل ہو، یہاں تک کہ سخن چینی کھننے والوں اور چغل خوروں کی باتوں کو بھی، جو محبت کے مراکز کو کُست، کمزور اور ویران کر دیتے ہیں۔

البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ سابقہ شان نزول سے قطع نظر، آیت میں کوئی ایسی نشانی موجود نہیں ہے کہ اس سے خصوصیت کے ساتھ جادو گروہوں کا جادو مراد ہو اور بالفرض اگر ہم آیت کی اس طرح تفسیر بھی کریں، تو بھی یہ اس شان نزول کی صحت

پر دلیل نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جادوگروں کے شر سے خدا کی پناہ مانگ رہے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح سے جیسے صحیح و سالم افراد سرطان کی بیماری سے پناہ مانگتے ہیں، چاہے وہ ہرگز بھی اس میں مبتلا نہ ہوتے ہوں۔

اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے: اور ہر حد کرنے والے کے شر سے جب وہ حد کرنے والا (ومن شر حاسد اذا حسد)۔

یہ آیت اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ حد بدترین اور قبیح ترین صفاتِ رذیلہ میں سے ہے، کیونکہ قرآن نے اسے درندہ جانوروں، ڈسنے والے سانپوں اور دوسو سے ڈالنے والے شیاطین کے کاموں کے ساتھ قرار دیا ہے۔

چند نکات

۱۔ شر و فساد کے اہم ترین سرچشمے

اس سورہ کے آغاز میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وہ تمام شریر مخلوقات کے شر سے خدا کی پناہ مانگیں، اس کے بعد اس کی وضاحت میں تین قسم کے شرور کی طرف اشارہ کرتا ہے:

- ۱۔ اُن تارکک دل حملہ کرنے والوں کے شر سے جو تارکیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حملہ آور ہوتے ہیں۔
- ۲۔ ان دوسو پیدا کرنے والوں کے شر سے جو اپنی باتوں اور بُرے پردہ پیگندوں سے، ارادوں، ایمانوں، محبتوں اور رشتوں کو سُست اور کمزور کر دیتے ہیں۔
- ۳۔ اور حد کرنے والوں کے شر سے۔

اس اجمال و تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شرور و آفات کا سرچشمہ ہی ہیں، اور شر و فساد کے اہم ترین منابع ہی تینوں ہیں۔ اور یہ بات بہت ہی پُر معنی اور قابلِ غور ہے۔

۲۔ آیات کا تناسب

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس سورہ کی پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ شرور و فساد کے شر سے "فلق" کے پروردگار سے پناہ مانگ۔ "ہب فلق" کا انتخاب شاید اس بنا پر ہے کہ شرور و فساد کے شر سے "فلق" کے نور اور روشنی کو منقطع کر دیتے ہیں، لیکن فلق کا پروردگار ظلمتوں اور تارکیوں کو شکافِ کافرتہ کرنے والا ہے۔

۳۔ جادو کی تاثیر

ہم نے پہلی جلد میں، سورہ بقرہ کی آیہ ۱۰۲ و ۱۰۳ کے ذیل میں، گزشتہ اور موجودہ زمانہ میں جادو کی

کے بارے
اور ان مباحث
والے، اور ہر

لیکن وہ

یہ حکم دے،

پیغمبر پر انہوں

سے بھی خدا کی

کا کُلف نہ ہو

دوسری

سے مراد جادو

۴۔ حا

”حب“

سے انسان میں

حد بہ

حد، ج

آگ لکڑی کو کہ

جیسا کہ

ایک اور

حد

اس کی و

نہت سے کہ

میں آیا ہے:

”بھارا“

”بھارا“

مے بارے میں، اور اسلام کی نظر میں جادو کے حکم، اور اس کے اثر کرنے کی کیفیت کے سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ ان مباحث میں ہم نے جادو کی تاثیر کو اجمالی طور پر قبول کیا ہے، لیکن اس صورت میں نہیں، جیسا کہ خیالی پلاؤ پکانے لے، اور یہودہ لوگ اس کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ زیادہ وضاحت کے لیے اسی بحث کی طرف رجوع کریں۔ لیکن وہ نکتہ جس کا ذکر کرنا یہاں ضروری ہے یہ ہے کہ اگر وہ زیر بحث آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہا ہے کہ جادوگروں کے جادو یا اس کے مانند چیزوں سے خدا کی پناہ مانگو تو اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ میرے انہوں نے جادو کر دیا تھا۔ بلکہ اس کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قسم کی غلطی اور خطا و گناہ سے بھی خدا کی پناہ مانگتے تھے۔ یعنی خدا کے لطف سے استفادہ کرتے ہوئے ان خطرات سے بچنے رہیں۔ اور اگر خدا لطف نہ ہوتا تو آپ پر جادو کے اثر کرنے کا امکان تھا۔ یہ بات تو ایک طرف رہی۔ دوسری طرف ہم پہلے ہی یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس بات کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کہ "النفاثات فی العقد" ہے مراد جادوگر ہوں۔

۲۔ حاسدوں کا شر

"حسد" ایک بُری شیطانی عادت ہے جو مختلف عوامل جیسے ایمان کی کمزوری، تنگ نظری اور بُخل کی وجہ سے انسان میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا مطلب دوسرے شخص کی نعمت کے زوال کی درخواست اور آرزو کرنا ہے۔ حسد بہت سے گناہانِ کبیرہ کا سرچشمہ ہے۔ حسد، جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے، انسان کے ایمان کو کھا جاتا ہے اور اُسے ختم کر دیتا ہے، جیسا کہ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں :

"ان الحسد لیاکل الایمان کما تأکل النار الحطب" ۱

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

"أفة الدين الحسد والعجب والفخر"

"حسد" خود کو بڑا سمجھنا اور ایک دوسرے پر "فخر" کرنا، دین کے لیے آفت ہے۔ ۲

اس کی وجہ یہ ہے کہ حسد کرنے والا حقیقت میں خدا کی حکمت پر اعتراض کرتا ہے کہ اس نے کچھ افراد کو ت سے کیوں نوازا ہے ؟ اور انہیں اپنی عنایت کا مشمول کیوں قرار دیا ہے ؟ جیسا کہ سورۃ نسا کی آیہ ۵۴ آیا ہے : ام یحسدون الناس علی ما آتاهم اللہ من فضله۔

۱۔ "بخاری النوار" جلد ۲، ص ۲۳۷

۲۔ "بخاری النوار" جلد ۲، ص ۲۴۸

حسد کا معاملہ ممکن ہے کہ اس حد تک پہنچ جائے کہ محسوس سے نعمت کے زوال کے لیے حاسد خود کو پانی اور آگ تک میں ڈال کر نابود کر لے، جیسا کہ اس کے نمونے داستانوں اور تواریخ میں مشہور ہیں۔
حسد کی مذمت میں بس یہی کافی ہے کہ دنیا میں جو سب سے پہلا قتل ہوا وہ "قابیل" کی طرف سے "ہابیل" پر "حسد" کرنے کی وجہ سے ہوا تھا۔

"حسد کرنے والے" ہمیشہ ہی انبیاء و اولیاء کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے رہے ہیں، اسی لیے قرآن مجید پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ حاسدوں کے شر سے خدا اور ربّی خلق سے پناہ مانگیں۔
اگرچہ اس سورہ میں اور بعد والے سورہ میں خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مخاطب ہے، لیکن مسلمہ طور پر اس سے نمونہ اور اسوہ مراد ہے، اور سب لوگوں کو حاسدوں کے شر سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

خداوند! ہم بھی حاسدوں کے شر سے تیری مقدس ذات سے پناہ مانگتے ہیں۔
پروردگارا! ہم تجھ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ تو ہمیں بھی دوسروں پر حسد کرنے سے محفوظ رکھ۔
بارِ الہا! ہمیں نفقات فی العقد اور راہِ حق میں دوسو سے ڈالنے والوں کے شر سے بھی محفوظ رکھ۔

اے یسایہ بن مریم (العیسای)
اختتام سورۃ فلق

www.sirat-e-mustaqeem.com

سُورَةُ النَّاسِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۶ آیات ہیں۔

www.sirat-e-mustaqim.net

حدیث میں آیا۔
میکائیل آپ ص
اور میکائیل پاؤں
ذریعے خدا کی پنا
ایک روایہ
آیا ہے کہ :

سُورَةُ النَّاسِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

انسان ہمیشہ انسانی دوسوں کی زد میں ہے اور شیاطین جن و انس کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ اس کے قلب و رُوح میں نفوذ کریں۔ انسان کا مقام علم میں جتنا بالا ہوتا جاتا ہے اور اس کی حیثیت اجتماع اور معاشرے میں جتنی بڑھتی جاتی ہے شیاطین کے دسوسے اتنے ہی زیادہ شدید ہوتے چلے جاتے ہیں، تاکہ اس کو راہ حق سے غرف کر دیں اور ایک دانش ور عالم کے فساد و خرابی سے سارے جہان کو تباہ و برباد کر ڈالیں۔ یہ سُورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نمونہ و اُسوہ کے طور پر اور پیشوا و رہبر کی حیثیت سے یہ حکم دے رہی ہے کہ تمام دسوسے ڈالنے والوں کے شر سے خدا کی پناہ طلب فرمائیں۔

اس سُورہ کے مطالب ایک لحاظ سے سُورہ " فلق " سے مشابہ ہیں، اور دونوں میں ہی شرور و آفات سے خداوند بزرگ کی پناہ مانگنے کو بیان کیا گیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ سُورہ فلق میں شرور کے مختلف انواع و اقسام بیان کیے گئے ہیں، لیکن اس سُورہ میں صرف نظر نہ آنے والے دسوسہ گروں (وسواس النّحّاس) پر تکیہ ہوا ہے۔ اس بارے میں بھی کہ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا ہے یا مدینہ میں، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک گروہ اسے " مکی " سمجھتا ہے جب کہ دوسری جماعت اسے " مدنی " شمار کرتی ہے۔ لیکن اس کی آیات کا لب و لہجہ مکی سُورتوں سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ روایات کے مطابق یہ سُورہ اور سُورہ فلق اکٹھے نازل ہوئے ہیں، اور سُورہ فلق ایک کثیر جماعت کے نظریہ کے مطابق مکی ہے چنانچہ بہت ممکن ہے کہ یہ سُورہ مکی ہی ہو۔ اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت بیمار پڑ گئے تو (خدا کے دو عظیم فرشتے) جبریل و میکائیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ جبریل تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کی طرف بیٹھ گئے اور میکائیل پاؤں کی طرف۔ جبریل نے سورہ "خلق" کی تلاوت کی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے ذریعے خدا کی پناہ میں دے دیا اور میکائیل نے سورہ "قل اعوذ برب الناس" کی تلاوت کی۔
ایک روایت میں جو امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوئی اور ہم اس کی طرف پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، یہ آیا ہے کہ :

"جو شخص نماز وتر میں "معوذتین" (سورہ فلق و ناس) اور "قل هو اللہ احد" کی تلاوت کرے گا تو اس سے کہا جائے گا، اے بندہ خدا! تجھے بشارت ہو کہ خدا نے تیری نماز وتر کو قبول کر لیا ہے!"

تف

لوگو

اس

صلی اللہ علیہ
ہوں۔ (ق)

قابل

ہوا ہے جو

ارتباط رکھتی

البتہ

عقیدہ و عمل

تبلینات،

وہ انسان جو

کہنے سے کہ

وہ "

قرار دیتا ہے

ملا

اور ا

سے پرہیز کرتے

کے ساتھ ہم

درحقیقہ

شر سے بچا

اسی

لوسواس ا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝

۲۔ مَلِكِ النَّاسِ ۝

۳۔ إِلَهِ النَّاسِ ۝

۴۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝

۵۔ الَّذِي يُوسُّوسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝

۶۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

۱۔ کہہ دیجئے میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔

۲۔ لوگوں کے مالک و حاکم کی۔

۳۔ لوگوں کے خدا اور معبود کی۔

۴۔ خناس کے وسوسوں کے شر سے

۵۔ جو انسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

۶۔ چلے وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

تفسیر

لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں

اس سورہ میں، جو قرآن مجید کا آخری سورہ ہے، لوگوں کے لیے نمونہ اور پیشوا ہونے کے لحاظ سے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رُوتے سخن کرتے ہوئے فرماتا ہے، ”کہہ دیجئے، میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔“ (قل اعوذ برب الناس)۔

”لوگوں کے مالک و حاکم کی۔“ (ملك الناس)۔

”لوگوں کے خدا و معبود کی۔“ (الله الناس)۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہاں خدا کے عظیم اوصاف میں سے تین اوصاف (ربوبیت، ملکیت اور الوہیت) کا ذکر ہوا ہے جو سب کی سب براہِ راست انسان کی تربیت اور دوسو سے ڈالنے والوں کے چنگل سے نجات کے ساتھ ارتباط رکھتی ہیں۔

البتہ خدا سے پناہ مانگنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان صرف زبان سے یہ جملہ کہے، بلکہ فکر و نظر اور عقیدہ و عمل کے ساتھ بھی انسان خود کو خدا کی پناہ میں قرار دے۔ شیطانی راستوں، شیطانی پروگراموں، شیطانی افکار و تبلیغات، شیطانی مجاس و محافل سے خود کو دور رکھے، اور رحمانی افکار و تبلیغات کے راستے کو اختیار کرے۔ وہ انسان جو عملی طور پر ان دوسووں کے طوفان میں ٹہرا رہے گا وہ صرف اس سورہ کے پڑھنے اور ان الفاظ کے کہنے سے کہیں نہیں پہنچے گا۔

وہ ”رب الناس“ کہنے کے ساتھ پروردگار کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے اور خود کو اس کی تربیت میں قرار دیتا ہے۔

”ملك الناس“ کہنے سے خود کو اس کی ملکیت سمجھتا ہے اور اس کے فرمان کا بندہ ہو جاتا ہے۔ اور ”الله الناس“ کے کہنے سے اس کی عبودیت کے راستے میں قدم رکھ دیتا ہے اور اس کے غیر کی عبادت سے پرہیز کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جو شخص ان تینوں صفات پر ایمان رکھتا ہو اور خود کو ان تینوں کے ساتھ ہم آہنگ کر لے، وہ دوسو سے ڈالنے والوں کے شر سے امان میں رہے گا۔

درحقیقت یہ تینوں اوصاف تین اہم تربیتی درس، پیش رفت کے تین پروگرام اور دوسو سے ڈالنے والوں کے شر سے نجات کے تین ذریعے ہیں اور یہ سورہ انسان کا ان کے مقابلہ میں بیمہ کر دیتا ہے۔

اسی لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”دوسو سے ڈالنے والے خناس کے شر سے“ (من مشر لوسواس الخناس)۔

”وہی جو انسانوں کے سینوں میں دوسرے ڈالتے ہیں“ (الذی یوسوس فی صدور الناس)۔

”جنوں اور انسانوں میں سے دوسرے ڈالنے والے“ (من الجنة والناس)۔

”وسواس“ کا لفظ ”مفروات“ میں ”راغب“ کے قول کے مطابق اصل میں ایسی آہستہ آواز ہے جو آلات زینت کے آپس میں ٹکرائے سے پیدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد ہر آہستہ آواز پر بولا جانے لگا اور اس کے بعد ایسے نامطلوب اور بُرے افکار و خیالات پر جو انسان کے دل و جان میں پیدا ہوتے ہیں، اور ایسی آہستہ آواز کے مشابہ جو کان میں کہی جاتی ہے، اطلاق ہوا ہے۔ ”وسواس“ مصدری معنی رکھتا ہے، لیکن بعض اوقات ”فاعل“ (دوسرے ڈالنے والا) کے معنی میں بھی آتا ہے اور زیر بحث آیت میں یہی معنی ہے۔

”ختاس“ ”خنوس“ (بروزن خوف) کے مادہ سے، صیغہ مبالغہ ہے، جو جمع ہونے اور پیچھے جانے کے معنی میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تو شیاطین پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور چونکہ یہ کام پنہاں ہونے کے ساتھ توأم ہے، لہذا یہ لفظ ”اختفاء“ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اس بنا پر آیات کا مفہوم اس طرح ہوگا: ”کہہ دیجئے میں شیطان صفت دوسرے ڈالنے والے کے شر سے جو خدا کے نام سے بھاگتا ہے اور پنہاں ہو جاتا ہے، خدا کی پناہ مانگتا ہوں؟“

اصولاً ”شیاطین“ اپنے پروگراموں کو چھپ کر کرتے ہیں اور بعض اوقات انسان کے دل کے کان میں اس طرح سے پھونک مارتے ہیں کہ انسان یہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ فکر خود اسی کی فکر ہے اور خود اسی کے دل میں خود بخود پیدا ہوئی ہے، اور یہی بات اس کے بہکنے اور گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

شیاطین کا کام زینت دینا، باطل کو حق کے لعاب میں چھپانا، جھوٹ کو سچ کے پھلکے میں لپیٹ کر گناہ کو عبادت کے لباس میں اور گمراہی کو ہدایت کے سرپوش میں پیش کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ خود بھی مخفی ہوتے ہیں اور ان کے پروگرام بھی پنہاں ہوتے ہیں، اور یہ راہ حق کے ان تمام رہ رذوں کے لیے ایک تنبیہ ہے جو یہ توقع نہیں رکھتے کہ شیاطین کو ان کے اصلی چہرے اور قیافہ میں دیکھیں یا ان کے پروگراموں کو انحرافی شکل میں مشاہدہ کریں۔ سوچنے کی بات ہے، دوسرے ڈالنے والے ختاس ہوتے ہیں اور ان کا کام چھپانا، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، ریاکاری کرنا، ظاہر سازی اور حق کو پوشیدہ کرنا ہے۔

اگر وہ اصلی چہرے میں ظاہر ہو جائیں، اگر وہ باطل کو حق کے ساتھ نہ ملائیں، اگر وہ صریح اور صاف بات کریں تو علی علیہ السلام کے قول کے مطابق لم یخف علی المرتدین: خدا کی راہ پر چلنے والوں پر مطلب مخفی نہ رہتا۔

وہ ہمیشہ کچھ حصہ تو ”اس“ سے لیتے ہیں، اور کچھ حصہ ”اُس“ سے، اور انہیں آپس میں ملا دیتے ہیں، تاکہ لوگوں پر مستط ہو سکیں، جیسا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: فھنالک

لیستولی الشیطان علی اولیائہؑ

۱۔ ”نہج البلاغہ“ خطبہ ۵۰

”الذی یوسوس فی صدور الناس“ کی تعبیر اور لفظ ”وسوسہ“ کا انتخاب، اور لفظ ”صدور“ (سینے) بھی اسی معنی کی تاکید ہیں۔

یہ سب کچھ تو ایک طرف، دوسری طرف سے ”من الجنة والناس“ کا جملہ خبریہ کرنا ہے کہ ”وسوسہ“ میں ڈالنے والے خناس، صرف ایک ہی گروہ، ایک ہی جماعت، ایک ہی طبقہ، اور ایک ہی لباس میں نہیں ہوتے، بلکہ یہ جن و انس میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر لباس اور ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا ان سب پر نظر رکھنی چاہیئے اور ان سب کے شر سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

نا مناسب دوست، منحرف ہم نشین، گمراہ اور ظالم پیشوا، بچار اور طاغوتی کارندے، فاسد مقررین اور لکھنے والے، ظاہر فریب العادی والتقابل مکاتب اور اجتماعی طور پر وسوسے ڈالنے والوں کے وسائل ارتباط وغیرہ سب کے سب ”وسواس خناس“ کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں کہ جن کے شر سے انسان کو خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

چند نکات

۱۔ ہم خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں؟

انسان کے لیے ہر لمحہ انحراف کا امکان موجود ہے اور اصولی طور پر جب خدا اپنے پیغمبر کو یہ حکم دے رہا ہے کہ ”وسواس خناس“ کے شر سے خدا کی پناہ مانگیں، تو یہ خناسوں اور وسوسہ ڈالنے والوں کے دائم فریب میں گرفتار ہونے کے امکان کی دلیل ہے۔

باجود اس کے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لطف الہی، غیبی امدادوں اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے کی بنا پر ہر قسم کے انحراف سے محفوظ تھے، لیکن پھر بھی وہ ان آیات کو پڑھتے تھے اور ان کے ذریعے وسواس خناس کے شر سے پناہ مانگتے تھے۔ ان حالات میں دوسروں کا معاملہ واضح و روشن ہے۔

لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ان مخرّب وسوسہ ڈالنے والوں کے مقابلہ میں مومن بندوں اور راہ حق کے رہروں کی مدد کے لیے آسمانی فرشتے آتے ہیں۔ ہاں! مومن تنہا نہیں ہیں، فرشتے ان پر نازل ہوتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں: ”اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوا رَبِّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَةُ“ (خم سجدہ: ۳) لیکن بہر حال مغرور ہرگز نہیں ہونا چاہیئے، اور خود کو موعظ و پند و نصائح اور خدائی امدادوں سے بے نیاز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ اس سے پناہ مانگنی چاہیئے اور ہمیشہ بیدار اور ہوشیار رہنا چاہیئے۔

۲۔ اس بارے میں کہ تین آیات میں ”ناس“ کا تکرار کیوں ہوا ہے؟ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ہر مقام پر الگ الگ معنی ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ خدا کی ان تین صفات کی عمومیت کی تاکید کے لیے ہے اور تینوں مقام پر ایک ہی

معنی رکھتا ہے۔

۳۔ ایک روایت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”ما من مؤمن الا ولقلبه فصدہ اذنان : اذن ینفث فیہا الملك
واذن ینفث فیہا الوسواس الخناس فیؤید اللہ المؤمن بالملك فهو
قوله سبحانه : وایدهو بروح منه :

”ہر مومن کے دل میں دو کان ہوتے ہیں ، ایک کان میں تو فرشتہ پھونک
مارتا ہے اور دوسرے کان میں وسواس خناس پھونک مارتا ہے ۔ پس خدا مومن
کی فرشتہ کے ذریعے تائید فرماتا ہے ۔ اور آیہ ” وایده بروح منه “ کا
مطلب یہی ہے : ۱

ایک لرزہ خیز اور پُر معنی حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ :

” جب آیہ والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکر اللہ
فاستغفروا لذنوبہم : ” وہ لوگ جو کبھی کوئی بُرا کام انجام دیتے ہیں ، یا
خود اپنے اُپر ظلم کرتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں ، اور اپنے گناہوں کے لیے
استغفار کرتے ہیں) نازل ہوئی ، تو ابلیس مکہ میں ایک پہاڑ کے اُپر گیا اور اُدبچی
آواز کے ساتھ فریاد بلند کی اور اپنے لشکر کے سرداروں کو جمع کیا ۔

انہوں نے کہا : اے آقا ! کیا ماجرا ہے ، آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے ؟

اس نے کہا : یہ آیت نازل ہوئی ہے (اس آیت نے میری کمر میں لرزہ پیدا کر دیا ہے اور یہ آیت

نجات بشر کا باعث) تم میں سے کون ہے جو اس کا مقابلہ کرے ؟

بزرگ شیطانوں میں سے ایک نے کہا : میں ایسا کر سکتا ہوں ، میرا منصوبہ یہ ہے ۔

ابلیس نے اس کے اس منصوبہ کو ناپسند کر دیا ! تو دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے اپنا منصوبہ پیش کیا ، لیکن یہ بھی

قبول نہ کیا گیا ۔

اس موقع پر ” وسواس خناس کھڑا ہوا اور اس نے کہا : میں اس کام کو انجام دوں گا ۔

ابلیس نے کہا : وہ کیسے ؟

اس نے کہا : میں انہیں وعدوں اور آرزوؤں میں سرگرم کر دوں گا ، یہاں تک کہ وہ گناہ میں آلودہ ہو جائیں گے ،

جب وہ گناہ کر لیں گے تو میں انہیں توبہ کرنا بھلا دوں گا ۔

ابلیس نے کہا : تو اس کام سے عمدہ برآ ہو سکتا ہے ۔ (تیرا منصوبہ بہت ماہرانہ اور عالی ہے) اور یہ کام قیامت

۱۔ ” مجمع البیان “ جلد ۱۰ ص ۵۷۱

تک اس

خدا

پر

کے بغیر

بار

احسان کیا۔

تفسیر کو مکمل

خدا

وجود میں موج

بارگاہ میں ہاؤ

آفر

ہم امید رکھ

اور آ

—

ہماری معاد

خداوند

ترجمہ جو رقم مقد

۱۹۸۸ء اختتام

فرما اور میری اد

کی توفیق عنایت

۱۔ (المیہ

نہک اس کو سپرد کر دیا۔

خداوند! ہمیں ان سب وسوسہ ڈالنے والوں کے شر سے اور خناس کے تمام وسوسوں سے محفوظ فرما۔
پروردگارا! دایم فریب سخت ہے، اور دشمن بیدار اور اس کے منصوبے مخفی اور پنهال ہیں اور تیرے لطف کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔

بار الہا! ہم نہیں جانتے کہ اس عظیم نعمت کا شکر تیری بارگاہ میں کس طرح پیش کریں کہ تُو نے ہم پر یہ احسان کیا ہے اور ہمیں یہ عظیم افتخار اور توفیق عطا فرمائی ہے کہ ہم نے اس وقت تقریباً پندرہ سال کے بعد اس تفسیر کو مکمل کر دیا ہے۔

خدا یا! تو جانتا ہے کہ اس لمحہ ایک ایسی ناقابل توصیف غوشی اور شکر کے ساتھ ملی ہوئی شادمانی ہمارے سارے وجود میں موجزن ہے، ایسا احساس جس کی کسی بیان کے ساتھ تشریح اور اس کے شکر کی ہم میں توانائی نہیں ہے، ہم تیری بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔

آفرید گارا! ممکن ہے ہم سے ان آیات کی تفسیر میں کچھ لغزشیں ہو گئی ہوں، تو وہ سب ہمیں بخش دے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ تیرے بندے بھی ہمیں بخش دیں گے۔

اور آخری جملہ میں ہم یہ عرض کرتے ہیں :
اے خدائے رحیم و مہربان! اپنے کرم سے یہ ناپجز خدمت ہم سب سے قبول فرما لے اور اسے ہماری معاد اور روز جزا کا ذخیہ قرار دے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

سورۃ الناس اور جلد ۲ کا اختتام

در تاریخ ۱۴/۲/۱۳۶۶

مطابق آٹھ ذیقعد ۱۴۰۴ قمری

تفسیر نمونہ ختم شد

خداوند! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تُو نے اس حقیر پر تفسیر کرم علم و عقل کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ تقریباً چھ سال کے عرصہ میں اس تفسیر کا ترجمہ جو قم مقدس میں شروع ہوا تھا، اور قم ہی میں اپنے مکان پر بروز بدھ بوقت صبح دس بجکر نو منٹ پر بتاریخ ۹ شوال ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۸۸ء اختتام پذیر ہوا۔ خداوند! ممکن ہے مجھ سے کچھ فروگزاشتیں ہو گئی ہوں تُو انہیں معاف فرمائے اور اپنی بارگاہ میں اسے قبول فرما اور میری اور میرے والدین کی آخرت کے لیے اسے ذخیہ قرار دے اور مومنین اور اہل اسلام کو اس تفسیر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عنایت فرما، والحمد لله اولاً و آخراً و صلی اللہ علی محمد و آلہ

احقر صفدر حسین
۲۵-۵-۸۸

لہ (المیزان، جلد ۲۰، ص ۵۵۷)

تَفْسِيرِ نَمُونَهُ كَا اِخْتِتام

مقارن ساعت آخر عصر روز جمعہ (عید سعید غدیر)

۱۸، ذی الحجہ ۱۲۰۷ھ

۲۳، مراد ۱۳۶۶

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ أَوَّلًا وَآخِرًا

اس پیش کی جا۔
تفصیلی اور دو
کی جائے



تمام جلدوں کی اجمالی فہرست

اس سے مقصد یہ ہے کہ تفسیر نمونہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے کام کی سہولت کے لیے ایک ایسی فہرست پیش کی جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ تفسیر نمونہ کی ہر جلد میں کس سورہ اور کن آیات کی تفسیر ہوئی ہے اور انشاء اللہ ایک تفصیلی اور وسیع فہرست (موضوعات کی صورت میں) ایک الگ جلد میں "راہنمائے تفسیر نمونہ" کے نام سے بعد میں شائع کی جائے گی۔

- جلد اول : سورۃ حمد و سورۃ بقرہ تا آیہ ۱۸۴۔
جلد دوم : سورہ آل عمران اور سورہ نساء
جلد ۳ : سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام
جلد ۴ : سورۃ اعراف سورۃ انفال و سورۃ توبہ
جلد ۵ : سورۃ یونس۔ سورۃ ہود سورۃ یوسف اور سورۃ زمر
جلد ۶ : سورۃ ابراہیم سورۃ حجر سورہ نخل اور سورۃ اسراء
جلد ۷ : سورۃ کہف۔ سورۃ مریہ سورۃ طہ سورۃ انبیاء اور سورۃ سورۃ حج
جلد ۸ : سورۃ مؤمنون سورۃ نور۔ سورۃ فرقان سورۃ شعراء اور سورۃ نمل
جلد ۹ : سورۃ قصص، سورۃ عنکبوت سورۃ روم سورۃ لقمان سورۃ المومنین سورۃ احزاب
جلد ۱۰ : سورۃ سبا سورۃ فاطر سورۃ یسین سورۃ صافات سورۃ ص
جلد ۱۱ : سورۃ زمر سورۃ مؤمن سورۃ لحم سورۃ سجدہ سورۃ شوری سورۃ زخرف
جلد ۱۲ : دُخان، جاثیہ، احقاف، محمد سورۃ فتح، حجرات، ق، ذاریات
جلد ۱۳ : طور، نجم۔ سورۃ قمر، رحمن، واقعہ، حدید، مجادلہ، حشر
سورۃ ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون،

جلد ۱۴: تنابن، طلاق، تحریم، ملک، قلم و حاء سورۃ معارج، نوح، جن، مزمل، مدثر، قیامت، دھر، مرسلات سورۃ نبأ، نازعات، عبس،

جلد ۱۵: تکویر، انفطار، مطففین، انشقاق، بروج، طارق، اعلیٰ، غاشیہ، فجر، سورۃ بلد، والشمس، واللیل، والضحیٰ، المونشرح، تین، علق، قدر، بیسہ، زلزال، عادیات، قارعه، نکاثہ، عصر، حمزہ، فیل، لایلاف قریش، ماعون، کوثر، کافرون، نصر، لہب، اخلاص، فلق اور ناس۔



ختم
کس طرح
ہم آہنگ
مدد کر سکے
اصو
اگر آگے
اور زیادہ عمیق
اور اجتماعی
جب کہ وہ
سے بہت
بہرہ
کیونکہ اس
تفسیر کے
طرف مائل
معاشرے
اس
۱۔ تقہ
حصہ
ہوئی
۲۔ الف
ذمرہ
وہ

www.sirat-e-mustaqeem.net

تفسیر نمونہ میں اجتماعی کام کا طریقہ

مختلف طبقات کے تفسیر نمونہ کے بہت سے قارئین یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس تفسیر میں کام کا طریقہ کس طرح تھا۔ اور دس افراد کا گروہ (اور کبھی اس سے کم) تقریباً ۱۵ سال تک استاد کے زیر نظر کیسے آپس میں ہم آہنگ اور مسلسل کوشش کرتے رہے۔ شاید اس پروگرام کی تفصیل دوسرے علمی اجتماعی کاموں کی پیش رفت میں مدد کر سکے۔

اصولی طور پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ وسیع اور جامع کام انفرادی قوت سے بہت کم آگے بڑھتے ہیں اور اگر آگے بڑھیں بھی تو اس کے لیے بہت طولانی وقت کی ضرورت ہے۔ لیکن گروہی اور اجتماعی کام زیادہ تیز بھی ہوتے ہیں اور زیادہ عمیق اور گہرے، اور خطا و غلطی سے دور بھی۔ اگرچہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ماحول میں گروہی اور اجتماعی کام بہت ہی کم انجام پاتا ہے۔ اور اگر انجام پائے بھی تو عام طور پر بہت کم تکمیل کو پہنچتا ہے۔ جب کہ دوسرے لوگوں میں تقریباً تمام کاموں کی بنیاد گروہی اور اجتماعی کام پر قائم ہوتی ہے اور انہوں نے اس سے بہت سے نتائج اخذ کیے ہیں۔

بہر حال ہدف و مقصد یہ نہیں ہے کہ تفسیر نمونہ کے کام کے شروع کرنے کے اسباب کی تشریح کی جائے، کیونکہ اس تفسیر کی مختلف جلدوں کے مقدموں میں اس سلسلہ میں کافی گفتگو ہو چکی ہے، بلکہ ہدف و مقصد یہ ہے کہ اس تفسیر کے لکھنے کا طریقہ اور طرز عمل بیان کیا جائے۔ شاید برادران اہل علم اور محققین اسلامی، جو گروہی کام انجام دینے کی طرف مائل ہوں، وہ اس تجربے سے اپنے کاموں میں فائدہ اٹھا سکیں اور مسائل اسلامی کو زیادہ جامع صورت میں ہمارے معاشرے کے سامنے، جو اس کے لیے بہت زیادہ تشنگی رکھتا ہے، پیش کر سکیں۔

اس تفسیر میں طریقہ کار اور طرز عمل کا کئی مراحل میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ تقسیم آیات : اس مرحلہ میں استاد گرامی قدر اور محقق توانا آیات کو برادران میں تقسیم کر دیتے اور ہر ایک کا حصہ قرآن مجید کے ایک سے دو صفحات تک جا پہنچتا اور ہر جلد کے لیے یہ تقسیم آیات کئی مرتبہ صورت پذیر ہوتی ہے، اور اس طرح سے ہر شخص کی ذمہ داری معین ہو جاتی ہے۔

۲۔ انفرادی کام کا مرحلہ : تقسیم آیات کے بعد ہر شخص (اور ابتدا میں دو دو افراد بل کر کام کرتے) کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ اسلام کے بزرگ علماء کی ان مختلف تفاسیر کو جو وہ یادگار کے طور پر چھوڑ گئے ہیں۔ چاہے وہ شیعہ ہوں یا اہل سنت۔ تحقیق و مطالعہ کرے اور کافی مطالعہ کے بعد اپنے حاصل مطالعہ اور ان سے اخذ کردہ

نتائج کو خاص قسم کے کاغذوں پر۔ جن پر "علیہ تفسیر" کا عنوان چھپا ہوا ہوتا تھا۔ لکھ کر حاکم کے حوالے کرے۔ وہ تفسیر جن کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔ عام طور پر وہ دہی ہوتی تھیں جن کے نام ہر جلد کے آغاز میں لکھے گئے ہیں، اور بعض اوقات دوسری تفسیر بھی ہوتی تھیں۔

۳۔ مشترک جلسہ میں مطالعہ : روزانہ حضرت استاد اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ ایک جلسہ منعقد ہوتا تھا اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان جلسوں میں کسی قسم کی کوئی تعطیل نہیں ہوتی تھی اور یہ سارے سال میں بغیر استثنائے منعقد ہوتے تھے، یہاں تک کہ مخصوص سوگواروں اور تعطیلی دنوں میں بھی (سوائے اس صورت کے کہ کوئی مسافرت پیش آجائے) یہاں تک کہ ان دنوں میں بھی جب استاد "مہاباد" اور "انارک ناہین" میں انیم طاغوت کے زمانہ میں جلا وطن تھے، تفسیر کا کام معطل نہیں ہوا اور ساتھی باری باری (ہر دس دن میں دو افراد) کام کو جاری رکھنے کے لیے جلا وطنی کے مقام کی طرف سفر کرتے تھے اور صبح اور عصر کے وقت بحث تفسیر کو جاری رکھتے تھے۔

بہر حال مشترک جلسہ میں شرکاء جلسہ اپنی باری کے مطابق اپنی تحریر کی قرائت کرتے تھے۔ ۴۔ آیات کی تفسیر میں اجتماعی غور و خوض : مذکورہ تحریروں کی قرائت کے بعد حضرت استاد آیات کے حساس نکات کی طرف۔ جن پر غور کرنا ضروری ہوتا۔ توجہ فرماتے اور تمام ساتھیوں کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ زیر بحث آیات کے خاص حساس نکات یا مبہم اور پیچیدہ مطالب کو مختلف اسلامی تفسیر میں۔ جو اس مجلس میں ان کے پاس ہوتی تھیں۔ ملاحظہ کر کے بیان کریں اور اگر انہیں کوئی اور نیا اور عمدہ نکتہ ملے تو اُسے پڑھیں یا اس کا خلا بیان کریں اور اس طرح سے ہر آیت اور ہر نکتہ پر کافی غور و بحث ہوتی تھی۔ لیکن جن باتوں میں اختلاف ہوتا تھا ان میں استاد کے نکتہ نظر کو مقدم رکھا جاتا تھا۔

۵۔ مطالب کا املاء اور ان کی تحریر : اس مرحلہ کے بعد مطالب کو لکھنے کی نوبت آتی تھی۔ اس موقع پر حضرت استاد زیر بحث مطالب کو اپنے نظریات اور ان یادداشتوں کے ساتھ، جو انہوں نے پہلے سے تیار کر کے رکھی ہوئی ہوتی تھیں، ملا کر انہیں جلسہ تفسیر کے مخصوص کاغذوں پر ایک تیز نویس برادر کے ذریعے لکھواتے۔ (حقیقت میں انشاء اور قلم انہیں کا ہوتا تھا۔)

اوسط روزانہ تقریباً چار صفحے لکھے جاتے تھے (البتہ گرمیوں اور تعطیل کے دنوں میں جب ایک سے زیادہ جلسے ہوتے تھے، یہ مقدار دس صفحات یا اس سے کچھ زیادہ تک پہنچ جاتی تھی)۔

۶۔ تصحیح اور تحقیق و مطالعہ : یہ بات واضح ہے کہ جلسہ میں املاء چاہے جتنے غور اور مہارت سے ہو اس کی مکمل طور پر تحریر نہیں ہو سکتی۔ لہذا حضرت استاد ان تحریروں کو دوبارہ خود پڑھتے تھے اور اس میں ہر قسم کی ضروری اصلاح اور کمی بیشی عمل میں لاتے تھے۔

۷۔ آیات کا ترجمہ : جیسا کہ آپ تفسیر میں ملاحظہ فرماتے ہیں آیات کے بعد ترجمہ حروف ریز کے ساتھ آیا ہے

اور پھر آیات کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔

آیات کا ترجمہ حضرت اُستاد خود تحریر دل کو دوبارہ پڑھنے اور تصحیح کرنے کے بعد لکھتے تھے، تاکہ ترجمہ مکمل طور پر تفسیر آیات کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ اور مطالعہ کرنے والے ترجمہ کے مطالعہ سے آیات کی اس تفسیر کو جو جمع بندی کے بعد انتخاب ہوئی ہے سمجھ سکیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہوں کہ صرف قرآن کے ترجمہ سے استفادہ کریں تو خالص ترجمہ بغیر کسی زحمت کے ان کے اختیار میں ہو۔

۸۔ چھپائی کے لیے حروف چینی کا مرحلہ : اب تفسیر کے مطالب چھاپنے کے لیے تیار ہیں، مطالب کی فوٹو کاپی لینے کے بعد چھاپنے اور نشر کرنے کے مسئلہ کے حوالے کر دی جاتی، (فوٹو کاپی اس لیے لی جاتی ہے کہ اگر کوئی چیز گم ہو جائے، تو دوبارہ اسے فراہم کرنے کے لیے درد سر ہی نہ ہو۔ علاوہ ازیں فوٹو کاپی کے تمام جملات ایک خطی جملہ کے طور پر خوبصورت قسم کی جلد کر کے مدرسہ امیر المومنین کے کتاب خانہ میں خاص طور پر تفسیر کی اصلی سند کے عنوان سے محفوظ کر لی جاتی ہے)۔

مسئول چاپ و نشر بھی اُسے وقت و باریک بینی کے ساتھ پڑھتا ہے تاکہ اگر کوئی سوال یا ابہام اس نسخہ میں اس کی نظر میں آئے تو حضرت اُستاد کے سامنے پیش کر دے۔

۹۔ آخری تصحیح : حروف چینی اور مقداتی چھاپ کے بعد ایک نسخہ تصحیح اور مدارک کے ساتھ مقابلہ کے لیے طلبہ تفسیر میں بھیجا جاتا ہے اور نئے سرے سے کنٹرول کے لیے جلسہ کے شرکاء میں تقسیم ہو جاتا ہے، تاکہ ہر ایک اپنے حصہ کو اچھی طرح سے دیکھ لے اور اگر مطلب یا کوئی مدرک غلط ہو تو اس کی اصلاح کریں اور اگر کسی بات میں ان کو شک ہو تو اس پر نشان لگا دیں اور فرست کو بھی تیار کر کے سب کچھ اُستاد کے حوالے کر دیں۔

۱۰۔ مکرر غور و مطالعہ : اُستاد ایک مرتبہ پھر غلطیوں کی اصلاح کے بعد اسے اور فرست کو کنٹرول کرتے اور اگر بعض مطالب میں کچھ ابہام ہوتا تو اصلاح کرتے اور ضروری اصلاح کے بعد چھاپنے کی اجازت دے دیتے اور مسئلہ چاپ اسے چھاپ کر ملک کے نشر و اشاعت کے مراکز میں بھیج دیتے۔

اس کے باوجود چونکہ یہ ایک وسیع کام ہے اور انسان بہر حال جائز الخطا ہے، لہذا ہو سکتا ہے کہ چھپائی میں غلطیاں ہو گئی ہوں یا اتفاقیہ بعض آیات یا مطالب میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو عام طور پر فاضل قارئین اس کی طرف توجہ دلا دیتے اور دفتر کو لکھتے، ایسے تمام خطوط اور اصلاحی نظریات ایک فائل میں جمع کیے جاتے تاکہ دوسری مرتبہ چھپائی کے موقع پر اس پر توجہ دی جائے اور اگر غلطوں میں کوئی ایسا اعتراض ہو جو وارد نہ ہوتا ہو تو خط کے جواب میں غلط فہمی کو رفع کر دیا جاتا ہے۔

اور اسی وجہ سے یہاں پھر ایک مرتبہ تمام قارئین محترم اور صاحبانِ نظر سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ اگر مطالعہ کے بعد کسی حصہ میں کوئی غلطی نظر آئے تو مضائقہ نہ کریں اور ہمیں لکھیں اور مطمئن رہیں اگر وہ اعتراض صحیح ہو تو نہ صرف بلا تعصب اس کی اصلاح کر دی جائیگی بلکہ اس عظیم کام کی تکمیل میں ہماری کرنے کی بنا پر ہم ممنون و متشکر بھی ہوں گے۔

ہیت همکاران تفسیر نمونہ

کلام حق تفسیر نمونہ کے ذریعے جلوئے دکھاتا ہے

شہرستان فسا کے برادر آقامی " احمد شریعتی " کے اشعار بدلیج -
ان کے اشعار کی تعداد اس سے بہت زیادہ تھی چونکہ وہ بہت زیادہ تعریف اور اظہارِ محبت پر مشتمل تھے لہذا انہیں
مصلوحتاً مختصر کر کے نقل کیا جاتا ہے، ان کے شکر یہ کے ساتھ :-

آن زمان کز ترکش جہل و ضلال و بُت پرستی
نسل آدم را بدل بنشته ، صد تیسر نمونہ
سُرنگوں در چاہ عصیان و اسیر جاہلیت
در تلاشِ حضر گورِ خود بہ تحفیر نمونہ
ماندہ تنها از کتاب انبیا برگی محرف
صدق و عدل و مردی پامال تنزیر نمونہ
راستی در کاستی ، کذب و رذائل در فزونی
قلب ہ را دست شیطان کردہ تحفیر نمونہ
باسرا گشت جہالت ، پارہ منشور عدالت
روحِ انسانیت از ہر در بہ تحقیق نمونہ
بر نجاتِ آدمی از تنگنایِ این مصیبت
عاملی بایست پر قدرت بہ تاشیر نمونہ
خوش بیاباں آمد از الطافِ حق دورانِ فترت
فطرتِ انسان شگو فاشد بہ تفغیر نمونہ
فجر صادق بردمید و شد ہمہ آفاق روشن
صفحہ گیتی متور شد بہ تنویر نمونہ
آدمی را خود بکف منشور آزادی کہ آمد
خوش بر او نازل ہی فرمان تحریر نمونہ

تا کلام الله اعظم بر رسول الله اکرم
 از مقام وحی نازل شد به تفسیر نمونه
 نعمه جان بخش جاء الحق رسید از حق سبحان
 مرده ها بخشید عالم را به تبشیر نمونه
 نور و قرآن و کتاب آورد و برهان بر خلائق
 آدمی را مکرمت بخشید و توقیر نمونه
 ده که الباء حیات آدمی در برگرفته
 چون کتاب امر و تدوین از کتاب خلق تکوین
 خود بقرآن مبین مطرح بود با استقامت
 حرف حرف عالم خلقت به تجمیع نمونه
 با دو علم از چهره تکوین و تدوین پرده گیر
 آدمی دانای کار آمد به تشمیع نمونه

علم در موضوع تکوین خارج از گفتار حاضر
 باید از تدوین سخن گفتن به تبشیر نمونه
 پرده برگیرد پیالی خود به تکریر نمونه
 واجب و لازم بر آل تفسیر و تبصیر نمونه
 بوده و باشد، قلم در کف به تطبیق نمونه
 با زبان مختلف در حال تکثیر نمونه
 بود تفسیری ثمین با عرض تسعیر نمونه

علم در موضوع تکوین خارج از گفتار حاضر
 علم تفسیر است کنز چهر عروس علمی ما
 دز همان روز نخستین نزول وحی آمد
 هر کسی چند که در تاب و توان ذاتی او
 با وجود این تنوع در تفاسیری که دائم
 مقتضای عصر حاضر در مقام ارزیابی

تا نمونه آید از هر بعد و باب و درک دیدی
 در هزار و سیصد و پنجاه و دو تفسیر قرآن
 این مهم را خوش تکفل کرده با عنایتی توانا
 جمله از قرآن شناسان جامع فضل و مکام
 پانزده سال از شروع کار بگزشت و برآمد
 راستی کاین گل زهر باغی نمونه زانکه داد
 هست انموذج ز هر تفسیر و خود بالنفس قائم
 بازبان روز و علم روز و بحث روز دارد
 با بیابان روشن و امثال روشن فکر روشن
 در نکات مجملش بنهفته صد باب مفصل
 از دل ناپاک مفرض، هر تعارض هر نشانه
 نیک باین و یشگیها خود بر این تفسیر شاید
 بشنو از (بیدار) سال ختم این تفسیر اعظم
 "جلوه ما دارد کلام حق به تفسیر نمونه"

له قابل توجهات یہ ہے کہ آخری مصرع تکمیل تفسیر کا مادہ تاریخ ہے جو (سال ۱۳۶۶) کو لطیف و زیبا تعبیر میں بیان کرتا ہے۔

بج
 س
 بج
 شفا
 ہدا
 ہی
 بلی
 مکنجو
 بخوا
 خدا

خدا کے نام سے

مکتب



بخوان آیات بس زیبای شُرآن
 کلام نغمہ و رُوح افزای شُرآن
 سحر گاہاں تلاوت کن باخلاص
 پس اندیشہ در معنای شُرآن
 بخوان این معجزہ و آنگہ بیندیش
 ہمیں بس شاید گویای شُرآن
 شغای آنچه درد است و مصائب
 ہدایت آفرین است و سعادت
 ہی بر اہل عصیان و منافق
 بی ، آثار ذات کبریائی
 نگنجد فہم اسرارش بہ افکار
 بخوان تا مینوایی علم تفسیر
 خدایا رحمتی فرما بہ ذوقی
 ولی کوشش نما اجرای شُرآن
 شود جو بندہ و دانای شُرآن

 تہران عبد النفور ذوق طالقانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ادارہ امامیہ قرأت کالج

سرفکیٹیں تصحیح

میں نے قرآن پاک (تفسیر نمونہ جلد ۱۵) کے اس نسخہ کو

حرف بحرف بغور پڑھا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ متن میں کوئی

اعرابی یا لفظی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ محمد طفیل (سلطان الاناضل)

مدرس / مینجر

امامیہ قرأت کالج

انڈرٹن ہوچی دروازہ - لاہور

اشاریہ

تفسیر نمونہ ————— جلد ۱۵

ترتیب و ترتین ————— سید شکیل حسین موسوی
 ————— سید محمد حسین زیدی الباہروی

	مضامین:
۶۰۲	اصول و عقائد
۶۰۶	احکام
۶۰۷	اخلاقیات
۶۰۹	اقوام گذشتہ
۶۱۰	شخصیات
۶۲۹	علماء و دانشور
۶۳۰	کتب سماوی
۶۳۸	کتب تاریخ و تفسیر و سیر
۶۴۱	لغات قرآن
۶۴۹	متفرق موضوعات
۶۶۱	مقامات

قوم نمود کو
دینے سے
قسم ہے ا
ہم اس کی
ہدایت کرنا
لیے ہے۔
ہم نے انہ
پڑھ پروردگار
کیا! تیرا پرو
ہے۔

کیا وہ نہیں
دیکھتا ہے
ہم نے قرآن
اس کے سوا
کریں اور شرک
تیرے پروردگار
اس دن ان
باخبر ہے۔

تیرے پروردگار
اس گھر کے
بھوک اور خوا
ہم نے تجھے
میں ان کی عباد

۱۸۶، ۱۶۹، ۱۴۷، ۱۲۴، ۸۵، ۶۱، ۳۴
۳۳۵، ۳۱۶، ۲۹۷، ۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۴
۳۲۱، ۳۰۹، ۲۹۲، ۲۸۰، ۳۵۸، ۳۴۷
۲۹۷، ۲۸۴، ۲۶۸، ۲۵۸، ۲۴۵، ۲۳۵
۵۵۷، ۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳، ۵۰۳
۵۸۴، ۵۷۵

۱۴۷

۱۴۷

۱۵۸

۱۵۸

۱۵۸

شہید

عزیز

غفور

مجید

ودود

توحید

قسم ہے ستاروں کی جو پلٹ آتے ہیں چلتے
ہیں اور چھپ جاتے ہیں! قسم ہے رات کی
جو نشت پھیرے اور صبح کی جب وہ تنفس کرے
وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا، منظم کیا، حسب
پسند شکل بنائی، تم پر نگہبان مقرر میں جو جانتے
ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

۷۷، ۶۷

اونٹ کی بلندی پر غور کرو، آسمان بلندی پر
قائم ہے، پہاڑ زمین میں نصب ہیں اور زمین
مسطح کر دی گئی ہے۔

۳۱۹ تا ۳۱۵

۲۵۲

ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا

اصول و عقائد

اسمائے باری تعالیٰ

اللہ

۱۴۷، ۱۲۴، ۸۵، ۷۸، ۶۱، ۳۴
۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۴، ۲۱۵، ۱۸۶، ۱۶۹
۳۵۸، ۳۴۷، ۳۳۵، ۳۱۶، ۲۹۷
۳۲۱، ۳۰۹، ۲۹۲، ۲۸۰، ۳۵۸، ۳۴۷
۲۹۷، ۲۸۴، ۲۶۸، ۲۵۸، ۲۴۵، ۲۳۵
۵۵۷، ۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳، ۵۰۳
۵۸۴، ۵۷۵

۱۴۷

حمید

رب

۱۵۸، ۱۳۲، ۱۲۴، ۹۸، ۸۵، ۶۷
۳۱۶، ۳۰۹، ۲۹۲، ۲۸۰، ۳۵۸، ۳۴۷
۳۲۱، ۳۰۹، ۲۹۲، ۲۸۰، ۳۵۸، ۳۴۷
۲۹۷، ۲۸۴، ۲۶۸، ۲۵۸، ۲۴۵، ۲۳۵
۵۵۷، ۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳، ۵۰۳
۵۸۴، ۵۷۵

۱۶۹، ۱۴۷، ۱۲۴، ۸۵، ۶۱، ۳۴
۳۱۶، ۲۹۷، ۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۴، ۱۸۶
۳۳۵، ۳۲۱، ۳۰۹، ۲۹۲، ۲۸۰، ۳۵۸، ۳۴۷
۲۹۷، ۲۸۴، ۲۶۸، ۲۵۸، ۲۴۵، ۲۳۵
۵۵۷، ۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳، ۵۰۳
۵۸۴، ۵۷۵

رحمن

- ۱۔ محمود کو ارتکابِ گناہ پر تباہ کر دیا۔ اللہ منز
بنے سے ہرگز نہیں ڈرتا۔ ۲۸۶
- ۲۔ اس کی جس نے مذکر و مؤنث پیدا کیے،
س کی راہوں کو آسان بنا دیں گے۔ ۲۹۸
- ۳۔ بت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ دُنیا و آخرت ہمارے
ہے۔ ۳۰۴
- ۴۔ انسان کو بہترین صورت پر پیدا فرمایا ۳۴۷، ۳۴۸
- ۵۔ پروردگار کے نام سے جس نے جہان کو پیدا
تیرا پروردگار سب سے زیادہ مکرم و باعزت
ہے۔ ۳۵۸
- ۶۔ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے اعمال کو
ما ہے؟ ۳۶۷
- ۷۔ قرآن کو شب قدر میں نازل فرمایا
۳۸۰
- ۸۔ سو کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی عبادت
اور شرک سے توحید کی طرف لوٹ آئیں۔ ۳۹۳
- ۹۔ پروردگار نے اسے وحی کی ہے۔
۴۱۰
- ۱۰۔ ان کا پروردگار ان سے مکمل طور پر
ہے۔ ۴۲۲
- ۱۱۔ پروردگار نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیا کیا! ۴۸۴
- ۱۲۔ پروردگار کی عبادت کریں جس نے
اور خوف سے نجات بخشی۔ ۴۹۷
- ۱۳۔ تجھے کوثر عطا فرمائی۔ ۵۱۳ تا ۵۱۸
- ۱۴۔ کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو ۵۲۵
- ۱۵۔ میں تمہیں توحید کا اقرار کرنے اور بتوں کو ترک
کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ۵۴۴
- ۱۶۔ جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے
وہ ہر نماز کے بعد سورۃ اخلاص پڑھے۔ ۵۵۵
- ۱۷۔ سورۃ اخلاص عقائد کے ایک حصہ کو بیان
کرتی ہے۔ ۵۵۶
- ۱۸۔ کہہ دیجیے اللہ یکتا و یگانہ ہے، سب حاجتمند
اسی کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ نہ اُس نے کسی
کو جنا ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ ہرگز
ہرگز کوئی اس کا ہم پلہ نہیں۔ ۵۵۸
- ۱۹۔ توحید کے دلائل اور چار اقسام! ۵۵۶ تا ۵۶۹
- ۲۰۔ توحیدِ فعلی کی چھ اہم اقسام ہیں۔ ۵۶۹ تا ۵۷۱
- ۲۱۔ عدل
تولنے کی ترازو وہی عدل ہے۔ ۴۳۹
- ۲۲۔ نبوت
تمہارا ساتھی (پیغمبر) دیوانہ نہیں ہے۔ اس نے
اس (جبریلؑ) کو روشن افق میں دیکھا۔ وہ اس
کے بارے میں جسے اس نے وحی سے حاصل کیا
بخیل نہیں ہے۔ ۵۲ تا ۵۴
- ۲۳۔ رسول کی شائستگی کی شرائط: کرامت، قدرت،
بارگاہِ الہی میں مقام و منزلت، اطاعت گزارو

معاذین کا مطاع ہونا اور امانت میں۔ ۵۵، ۵۴

پس نصیحت کر کہ تو نصیحت کرنے والا ہے ان پر

مسلط نہیں ہے کہ ایمان لانے پر مجبور کرے۔ ۲۱۵، ۲۱۹

رسول نے ان سے کہا کہ اللہ کے ناکہ کو پانی

پینے کے لیے چھوڑ دو، مزاحمت نہ کرو۔ ۲۸۶

اللہ نے آپ کو ہرگز تجھے نہیں چھوڑا۔ آپ کو اس قدر

دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ یتیموں پر

مہربانی کریں۔ ۳۱۴

اللہ نے ہرگز تجھے نہیں چھوڑا، نہ تجھ پر غصہ ہوا،

تجھے یتیم پایا، پناہ دی، گمشدہ تھا، رہنمائی کی،

فقیر پایا تو بے نیاز کر دیا۔ ۳۲۱

سینہ کو کشادہ کیا، بھاری کمر توڑ بوجھ برطرف

کیا، ذکر کو بلند فرمایا۔ ۳۳۵، ۳۳۶

پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے، پڑھ کہ تیرا

پروردگار مکرم و باعزت ہے۔ ۳۵۸

اللہ کی طرف سے ایسا رسول جو پاکیزہ صحف

کی تلاوت کرے۔ ۳۹۲

ہم نے تجھے کوثر (بہت زیادہ خیر و برکت)

عطا فرمائی۔ ۵۱۳

قیامت

جس وقت سورج لپیٹ دیا جائے گا، ستارے بے نور ہو

جائیں گے، پہاڑ چلنے لگیں گے، قیمتی مال بھلا دیا جائے گا

دخوش جمع کیے جائیں گے، دریا جوش ماریں گے،

ہر شخص کا ساتھی اسی جیسے کو بنایا جائے گا۔

پوچھا جائے گا، زندہ لڑکیوں کو قتل

کیوں کیا۔ ۳۲۷ تا ۳۹۴

نامہ اعمال کھولے جائیں گے، آسمان کا پردہ

ہٹا دیا جائے گا، دوزخ دکھ اٹھے گا، جنت

سامنے ہوگی۔ انسان کو اپنے عمل سے آگاہی

ہوگی۔ ۴۱ تا ۴۳

آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے پراگندہ ہو کر

گر پڑیں گے، سمندر آپس میں مل جائیں گے،

قبریں زیر و زبر ہوں گی، انسان جان لے گا کہ

آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا۔ ۶۱ تا ۶۴

نیک افراد نعمات میں ہیں، بدکار جزا کے دن

دوزخ میں داخل ہوں گے اور جلیں گے بھی۔

کبھی اس سے دُور اور غائب نہ ہوں گے۔

اس دن کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا، اس دن

سب اُمور اللہ کے اختیار میں ہوں گے۔ ۷۸ تا ۸۲

جب آسمان پھٹ جائے گا، زمین میں وسعت

پیدا ہوگی، ہر شے کو اگل کر خالی ہو جائے گی،

انسان رنج و تکلیف کے ساتھ اپنے رب کی

طرف جائے گا، لیکن جس کا نامہ عمل دائیں

ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا حساب آسان

اور واپسی خوش حالی سے ہوگی۔ ۱۲۳ تا ۱۳۰

اہل ایمان، اعمال صالح انجام دینے والوں کے لیے بہشت کے جاودانی باغات ہیں، ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ اُس دن جن کا میزانِ عمل وزنی ہوگا وہ پسندیدہ زندگی میں ہوں گے۔

۴۳۶

جہنم

سجین جہنم کی پست ترین وادی، مجرموں کا قید خانہ ۱۱۷، ۹۳ وہ داخل جہنم ہوں گے، تیز گرم پانی پلایا جائے گا، ضریح کے سوا کھانے کو کچھ نہ ہوگا۔ ۱۱۵ تا ۱۱۸ جس کا نامہ عمل پس پشت سے دیا جائے گا وہ چیخے گا وائے ہو تجھ پر، میں ہلاک ہو گیا، جہنم کے شعلوں میں جلے گا، گھر والوں میں خوش تھا، پلٹنے کا گمان نہ تھا۔ اس کا رب واقف حال تھا۔ ۱۳۲، ۱۳۵

ان کو آگ نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے ۲۶۷ دوزخ شہوات کے درمیان گھری ہوئی ہے ۲۶۹ جس وقت وہ جہنم میں گرے گا تو اموال فائدہ نہ دیں گے۔ ۲۹۸

جہنم میں خلود (ہمیشہ رہنا) کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ ۳۰۷

ہم بھی عنقریب دوزخ کے مامورین کو پکاریں گے۔ ۳۷۱

اہل کتاب اور مشرک کفار جہنم میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۳۹۸ اس کی پناہ گاہ ہادیہ (جہنم) ہوگی۔ ۴۳۶ تم یقینی طور پر جہنم کو دیکھو گے۔ ۴۵۰ سب لوگ دوزخ کا مشاہدہ کریں گے۔ ۴۵۲ تو کیا جانے حطہ کیا ہے! بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ ۴۶۹

فلق جہنم میں ایک کنواں یا زندان ہے ۵۷۷

معجزہ

ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا ایک مالک ہے) ۴۹۰ ابرہہ کے لشکر سے مقابلہ کے لیے ابابیل کی سنگباری اور لشکر کی تباہی۔ ۴۹۱، ۴۹۲ اس معجزہ کے نتائج ۴۹۲ معمولی وسیلہ سے سخت ترین سزا ۴۹۲ داستانِ فیل کے اہداف ۴۹۳ ایک مسلم تاریخی روداد ۴۹۳، ۴۹۴ ابولہب اور اس کی بیوی کا ایمان نہ لانا اعجازِ قرآن کی نشانی ہے۔ ۵۵۱

احکام

نماز

اپنے بلند مرتبہ پروردگار کی تسبیح کر ۱۸۷، ۱۸۷

اپنے
سجدہ
سور کو

سوائے
عبادت
ان نماز
بھول

اپنے پر
"فبیح"

رب کی
ا

نماز کا
ج

جہاد اور
قرآن۔

انفا
جو اپنا ما

مقصود
اور ایسا

انفاق فی
اللہ کے

دل خوش کرنا ہے، اسے سیر کرنا یا قرض ادا کرنا ہے۔ (رسول پاکؐ)

۳۱۱

اخلاقیات

اخلاقِ حسنہ

اور تم نہیں چاہتے مگر جو عالمین کا پروردگار چاہے۔

۵۸ تا ۵۶

انسان کے چھوڑے ہوئے آثار یہ ہیں: نیک بیٹا، قرآن پاک، کنواں، درخت، پانی مہیا کرنا اور باقی رہ جانے والی سنتِ حسنہ۔

۶۵

صہیبؓ، عمارؓ، بلالؓ قریش مکہ کے استہزاء پر صبر کرتے تھے۔

۱۱۶

وہ لوگ صاحبِ ایمان و عملِ صالح کرنے والے ہیں۔ ان کے لیے ثواب ثابت شدہ، قطع نہ ہونے والا اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے۔

۱۴۲

یتیم و مسکین کو کھانا کھلانا، غلام آزاد کرنا

۲۶۷

جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ فلاح پا گیا

۲۷۷

الوہ الاحداح کا ایک بخیل سے چالیس درختوں

کے عوض ایک درخت خرما خرید کر رسول پاکؐ

کی خدمت میں پیش کرنا اور آپؐ کا اسے نادار

۳۰۱، ۲۹۹

مومن کو بخشنا۔

۱۹۹، ۱۹۸

اپنے پروردگار کا ذکر اور نماز پڑھ

۳۷۲

سجدہ کر اور تقرب حاصل کر

سور کعت نماز پڑھو، رات بھر بیدار رہو

۳۸۷

(امام جعفر صادقؑ)

سوائے اس کے اور کوئی حکم نہیں دیا گیا،

۳۹۵

عبادت کریں، نماز پڑھیں۔

ان نماز گزاروں پر وائے ہو جو اپنی نمازوں کو

۵۰۵، ۵۰۳

بھول جاتے ہیں۔

۵۱۳

اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر

"فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ" اپنے

۵۲۲

رب کی حمد و تسبیح کر اور استغفار کر۔

زکوٰۃ

۳۹۵

نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

جہاد

جہاد کی عظمت:

جہاد اور راہِ خدا کے مجاہدین کے بارے میں

۴۳۲

قرآن نے بہت زیادہ گفتگو کی ہے۔

انفاقِ اموال

جو اپنا مال راہِ خدا میں انفاق کرتا ہے اس کا

۳۰۷

مقصد حصولِ رضا ہے۔

۳۰۸

اور ایسا آدمی عنقریب خوشنود ہو جائے گا۔

۳۱۰

انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ضرورت مند مومن کا

مجاہدین جن کے گھوڑوں کے دوڑنے، حملہ کرنے اور دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرنے کی اللہ قسمیں کھاتا ہے۔

اخلاقِ رذیلیہ

مغرور و غافل: افراد قیامت کے منکر ہیں۔ روزِ جزا پر ایمان نہ لانا اس کا سبب ہے۔

۷۲

کم تولنے والوں پر واسطے ہو! یہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، قابلِ نفیر ہیں۔

۸۶ تا ۹۰

کم تولنا فساد فی الارض ہے۔ اللہ اس سے اس

۹۱، ۹۲

کی زراعت چھین لے گا۔ (رسولِ پاک)

بدکار دنیا میں مومنین پر ہنستے اور انہیں گمراہ کہتے تھے۔ وہ ان پر متکفل و نگران نہ تھے۔

۱۱۵

ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور ان کے ساتھی مومنین پر آوازے کتے ہنسنا اڑاتے اور طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے۔

۱۱۶

حق کے مقابلہ میں استہزاء، تمسخر، طنز اور ہنسنا گناہ کبیرہ اور غرور و جہالت کی علامت ہے۔

۱۲۱

دوزخ کی آگ میں داخل ہونے والا شقی نہ مرے گا نہ جیے گا۔

۱۹۷

وہ کہتا ہے میں نے بہت سامان اچھے کاموں میں تلف کر دیا۔

۲۵۳

جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہ بدبخت ہیں

۲۶۷

وہ شوم و بدبخت لوگ ہیں، ان کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

۲۶۷

جس نے نفس کو اودھ معصیت کیا وہ نامراد ہوا۔

۲۷۷

شقی ترین انسان (قدار بن سالف) اٹھ کھڑا ہوا۔

۲۸۶

بخمیل کا درخت سے گرے ہوئے خرے بچوں

سے چھین لینا، منہ تک سے نکال لینا۔ اس

درخت کو جنت میں درخت کے بدلہ رسولِ پاک

۲۹۸، ۲۹۹

کو فروخت کرنے سے انکار (واللیل کی شانِ نزول)

۲۹۹

بدبخت ترین لوگوں کے سوا اس (جہنم) میں

۳۰۵

کوئی داخل نہ ہوگا۔

وہ بخمیل جو خود کھاتا اور نعمات کو دوسروں

۳۳۰

سے روکتا ہے۔

کبر و غرور و صفاتِ رذیلیہ کی وجہ سے ہی دوسروں

۴۷۶

کی تحقیر و تذلیل کی جاتی ہے۔

۴۷۷

مال جمع کرنے کی حرص۔ ایک عرب شاعر کے اشعار

۴۷۷

روزِ جزاء کا انکار، یتیم و مسکین سے حقارت،

بھوکوں کو کھانا نہ کھلانا، نماز سے غفلت، ریاکاری،

لوگوں سے عدم تعاون، حقیر چیز بھی نہ دینا صفاتِ

۵۰۷

رذیلیہ ہیں۔

۵۰۸

تظاہر و ریاکاری بہت بڑی اجتماعی مصیبت ہے

حد و صفتِ رذیلیہ جسے قرآن نے ڈسنے والے

سانپوں، دوسو سے ڈالنے والے شیاطین کے کاموں

۵۷۹

کے ساتھ قرار دیا ہے۔

شرفیاد کے اہم ترین حشے

۵۷۹

قوم فرعون

اللہ نے فرعونؑ لشکر کو نیل میں غرق کر دیا ۱۶۶ تا ۱۶۳
وہ فرعون جو صاحب قوت اور سردارینے
والا تھا۔ ۲۳۵ تا ۲۳۰

شخصیات

حضرت اسیہ

حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائیں اور جان کی
قربانی دی۔ ۱۵۷
موسیٰؑ پر ایمان لے آئیں تو فرعون نے ہاتھوں
پاؤں میں میخیں گڑوا دیں، یہاں تک کہ جاں
بختی ہو گئیں۔ ۲۳۴

ابراہیم بن ادہم

مشہور زاہد و پاکباز ۲۷۷

حضرت ابراہیم علیہ السلام

یہ احکام پہلی آسمانی کتابوں صحیفِ ابراہیمؑ و
موسیٰؑ میں آچکے ہیں۔ ۱۹۸، ۲۰۰
قسم ہے باپ کی، میں باپ سے حضرت ابراہیمؑ
مراد ہیں۔ ۲۵۲

اقوام سابقہ

ثمود

ثمود کے طاقتور لشکروں کو تیز ہواؤں نے فضا میں
بلند کیا، پھر زمین پر دے مارا، تباہ و برباد کر دیا۔ ۱۶۶
قوم ثمود جو دروں میں پتھر کاٹ کر محل بناتی تھی ۲۳۰ تا ۲۳۲
ثمود قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ ثمود آسمانی حیخ سے
ہلاک ہوئے۔ ۲۳۵
قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر) کی
تکذیب کی۔ اُوٹنی کی کوچیں کاٹ کر ہلاک کر
دیا۔ اللہ نے اس جرم میں انہیں برباد کر دیا۔ ۲۸۶
قوم ثمود کی سرکشی کا خلاصہ ۲۹۱
اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا مگر واضح دلیل
پہنچ جانے کے بعد۔ ۳۹۳

عاد

تیسرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا! ۲۳۰ تا ۲۳۲
ارم عادِ اولیٰ ہے، عاد بن عوص بن ارم بن
سام بن نوح۔ ارم سرزمین کا نام ہے یا شہر کا۔
نذاد عاد کا بیٹا تھا۔ قوم عاد ٹھنڈی اور تیز ہوا
سے ہلاک ہوئی۔ ۲۳۱

ابرمہ

اریاط کے خلاف بغاوت کر کے مین کا بادشاہ بن گیا۔
ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو برباد کرنے آیا اور
خود برباد ہو گیا۔

۴۸۲

ابن ابی الحدید

جناب امیر کے خطبہ ۲۲۱ کے متعلق طویل بیان۔
یہ خطبہ فصحاء عرب کے سامنے پڑھا جائے تو
سب سجدہ کریں۔

۴۴۸

ابن ابی کبشہ

معاویہ نے اس لقب سے آنحضرتؐ کی طرف
اشارہ کیا۔

۳۴۴

ابن مردویہ

جناب امیر کے بارے میں روایت: اے علیؑ تم
اور تمہارے شیعہ خیر البریہ ہیں۔ میری اور تمہاری
وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔ تمہیں غرالمجلین (سفید
پیشانیوں والے) کہہ کر پکارا جائے۔ (حدیث رسولؐ)

۴۰۳

ابن مقلہ

معروف خطاط (عرب کے ایک شاعر نے اپنے
اشعار میں ذکر کیا)۔

۴۷۷

ابوالدرداح

ایک بخیل سے کھجور کا ایک درخت چالیس
درختوں کے بدلہ خریدا۔

۲۹۹

راہ الہی میں بہت مال خرچ کیا

۳۰۱

ابو بردہ اسلمی

اے علیؑ تیری اور میری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔
تو اور تیرے شیعہ خیر البریہ ہیں۔

۴۰۲

ابو جعفر احول

محمد بن علی لقمانی عرف مومن طاق، امام جعفر صادقؑ
کے ایک صحابی۔

۵۲۵

ابو جہل

ابو جہل اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو اپنے تمسخر
اور مظالم کا نشانہ بناتے تھے۔
آنحضرتؐ کی دعوت و تبلیغ کے آغاز ہی سے آمادہ
سرکشی ہوا۔

۱۱۶

۳۶۸

ابو جہنہ

مدینہ کا تاجر جو چھوٹے بڑے پیانے رکھتا تھا۔
خرید و فروخت میں بددیانتی سے نفع کھاتا تھا۔
سورہ مطفین کے نزول پر اسے خبردار کیا گیا۔

۸۶

حضرت
کے
بہت

پیغمبرؐ
رسول
پر سوال
جنگل
آنحضرتؐ
ٹکڑا ہوا
آنحضرتؐ
عمل
کرم شا

دو بڑے
کو کھلاتا
فتح مکہ پر
ایمان لا

الورافح

حضرت عباس بن عبدالمطلب کا غلام، جنگ بدر کے حالات بیان کرنے پر ابولہب نے اسے بہت مارا۔

۵۴۹

ابوسعید خدری

پیغمبر اسلام سے شفع و وتر کی حدیث بیان کی ۲۲۷
رسول پاک سے 'فمن يعمل مثقال ذرۃ'
پرسوال کیا۔ ۴۰۷

جنگل بیابان میں ہو تو بلند آواز سے اذان دو۔
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حق و انس اور پتھر کا ہر
نکڑا جو اسے سنے گا، قیامت میں گواہی دے گا۔ ۴۱۲
آنحضرتؐ سے اعمال پر مکالمہ (کوئی شخص اپنے
عمل سے مستحق جنت نہ ہوگا جب تک اللہ کا
کرم شامل حال نہ ہو)۔ ۴۱۷

ابوسفیان

دو بڑے اونٹ سحر کر کے کھانا اور اپنے دوستوں
کو کھلاتا تھا۔ ایک یتیم کے مانگنے پر اسے مارا۔ ۵۰۲
فتح مکہ پر ابوسفیان کا پناہ حاصل کرنا اور بہ اکراہ
ایمان لانا۔ ۵۳۷

ابوشاکر دیصانی

ایک زندیق، ابوجعفر احوال سے سورۃ کافرون کی
تکرار پر معترض ہوا۔ ۵۲۵

حضرت ابوطالب

چھ سال کی عمر میں والدہ، آٹھ سال کی عمر میں
آنحضرتؐ کے دادا انتقال کر گئے تو ہم نے
ان کو ان کے چچا ابوطالب کی کفالت میں
دے دیا، تنہا کبھی نہیں چھوڑا۔ ۳۲۲

ابولہب

دولت مند، مغرور، دشمن خدا و رسول، حضورؐ
کی دعوت پر زبان طعن و راز کی (نام عبدالعزیٰ)
کنیت ابولہب، ۵۴۴

افنس بن شریق

کینہ و مخالف رسول اکرمؐ ۴۶۹

اریاط

نجاشی کا ایک سپہ سالار جو ذونواس کی سرکوبی
کے لیے ایک بڑا لشکر لے کر آیا۔ ۴۸۶

حضرت اسماعیل علیہ السلام

قسم ہے بیٹے کی! یہاں بیٹے سے مراد حضرت اسماعیل ہیں۔

۲۵۲

اصْبَغ بن نباتہ

بیان کیا کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے: "اے گروہ تجارت! پہلے فقہ کی تعلیم حاصل کرو پھر تجارت کرو۔"

۹۱

افلاطون

مشہور طبیب و فلسفی

۳۵۰

اُم الفضل

حضرت عباسؓ کی زوجہ جس نے ابولہب کے سر پر چھڑی سے وار کیا۔ ابولہب کا سر پھٹ گیا۔ زخم بڑھتے بڑھتے اس کی ہلاکت کا موجب بنا۔

۵۴۹

اُم جمیل

ابولہب کی بیوی، ابوسفیان کی بہن، آنحضرتؐ

۵۴۴

اُمیہ بن خلف

کینہ و مخالف رسول اکرمؐ

بدیل

ابوسفیان کا ایک دوست، لشکر اسلام کو دیکھنے کے لیے نکلا تھا۔

۵۳۷

بلالؓ

مشرکین مکہ ان کا اور دیگر مومنین کا مذاق اڑاتے تھے۔

۱۱۶

جابر ابن سمرہ

حدیث رسول کا بیان کہ اشقیٰ اولین و اشقیٰ آخرین کون تھا۔

۲۹۲

اس کعبہ کی قسم! یہ (علیؑ) اور اس کے شیعہ قیامت کے دن رشتہ گار اور کامیاب ہوں گے۔

(حدیث رسولؐ) ۴۰۲

جابر ابن عبد اللہ انصاری

آنحضرتؐ سے لیال عشر (دس راتوں) کی حدیث نقل کی۔

۲۲۶

جالینوس

مشہور طبیب

۳۵۰

جبرئیلؑ

(آنحضرتؐ سے عرض کیا) یہ نخیرو نہیں ہے۔

نماز میں تکبیر کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔ ۵۱۵

جوش
جنت
جوش
کر
گاتو
حائل
موت
مفہ
اس
انسا
کے ا
حدی
جب
کرت
ہیں
پوش
فریض
اللہ
ویل
مگر
سور

حضرت امام جعفر صادقؑ (امام ششم)

جو شخص سورۃ عبس و سورۃ تکوین تلاوت کرے گا وہ جنت جاوہل میں اللہ کے سایہ رحمت میں ہوگا۔ ۳۳
جو شخص سورہ ہائے انفطار و انشقاق کی تلاوت کرے گا اور انہیں فریضہ و نافلہ نمازوں میں پڑھے گا تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔ ۶۰

موت کے بعد کتاب اعمال ہو، البتہ آثار میں عمارتیں مفید چیزیں، ہدایت کرنے والی سنت، صالح بیٹا جو اس کے لیے استغفار کرے۔ ۶۵

انسان کے نیک و بد اعمال تحریر کرنے، فرشتوں کے تقرر کے اسباب پر آنحضرتؐ کی ایک طویل حدیث۔ ۷۲، ۷۳

جب مومنین کسی مخصوص مجلس میں آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو محافلین اعمال ملک ان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں مبادا کوئی ایسی راز کی بات ہو جسے اللہ نے پوشیدہ رکھا ہو۔ ۷۷

فریضہ نمازوں میں سورۃ مطففین پڑھنے والے کو اللہ قیامت میں عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ ۸۴
ویل، قرآن میں کسی کے لیے استعمال نہیں ہوا، مگر یہ کہ اسے کافر کہا۔ ۸۸

سورہ ہائے انفطار و انشقاق کی تلاوت کرنے والا ہمیشہ

لطف الہی پر نظر رکھے گا اور اللہ اس پر نظر کریم رکھتے ہوئے لوگوں کے حساب سے فارغ ہوگا۔ ۱۲۳

شاہد عید قربان اور مشہود عرفہ کا دن ہے ۱۵۰
فرض نمازوں میں سورۃ طارق تلاوت کرنے والے کو قیامت میں مقام عظیم ملے گا، پیغمبرؐ اس کے اصحاب رفقاء ہوں گے۔ ۱۶۸

ساتویں آسمان کے ستارے زحل کی روشنی آسمانوں کو چیرتی ہوئی نچلے آسمان تک پہنچتی ہے، اس لیے اللہ نے اسے نجم الثاقب فرمایا ہے۔ ۱۷۱
سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کرنے والا جس دروازہ سے چاہے گا جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ۱۸۴

تمہاری آگ جہنم کی آگ کے شرا جزاء میں سے ایک ہے۔ وہ پانی سے نثر مرتبہ دھوئی گئی پھر بھی بھڑک اٹھی۔ ۱۹۷

دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے۔

(حدیث رسولؐ) ۲۰۰
سورۃ غاشیہ کو مستحب و واجب نمازوں میں تلاوت کرنے والے کو دنیا و آخرت میں اللہ

اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔ ۲۰۵
فجر کا مصداق نور پاک محمدیؐ ہے ۲۲۵

فرعون سزا دینے کے لیے آدمی کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گڑوا دیتا تھا، حتیٰ کہ وہ مرجاتا تھا۔ ۲۳۴

مرصاد جہنم کے اوپر ایک پُل ہے جس شخص پر کسی مظلوم کا حق ہے، وہ اس پر سے نہیں گزر سکے گا۔

۲۳۵

جو شخص یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھتا ہے، جتنے بال ہاتھ کے نیچے آتے ہیں، اللہ ان کے برابر قیامت میں اسے نور بخشے گا۔

۲۳۹

مومن کی قبضِ روح کے لیے ملک الموت کا انا، اس کا ناراض و خوفزدہ ہونا، نفس کا مطمئن ہونا، رضا و رغبت سے جانِ جانِ آفریں کے سپرد کرنا۔

(طویل حدیث) ۲۳۸، ۲۳۷

واجب نمازوں میں سورۃ بقرہ پڑھنے والا صالحین میں شمار ہوگا۔ انبیاء، شہداء و صلحاء اس کے دوست ہوں گے۔

۲۵۱

جس نے اطاعت کی وہ نجات پاگیا، جس نے نافرمانی کی وہ ناامید و محروم ہو گیا۔

۲۸۳

میرے نزدیک کوئی چیز مومن کے دیدار و زیارت کے برابر نہیں سوائے اس کے کھانا کھلانے کے،

پھر اللہ پر واجب ہے کہ اسے جنت کا کھانا کھلائے۔ ۳۱۱

آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادیؑ سے فرمایا: دنیا کی تلخی کو آخرت کی شیرینی کے لیے برداشت کرو۔

۳۲۰

اللہ نے جو کچھ بخشا، برتری عطا فرمائی، احسان کیا، ہدایت کی، سب کو بیان کرو۔

۳۲۶

اللہ نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں فرمایا جب تک اس سے

بھیڑ بکریوں کی چوپانی کا کام نہ لیا تاکہ وہ انسانوں کی نگہبانی کر سکے۔

۳۲۸

جب تو فارغ ہو جائے تو علیؑ کو ولایت کے لیے نصب کر دے۔

۳۴۲

جبریلؑ ملائکہ سے ہے، روح ملائکہ سے عظیم تر ہے۔ کیا اللہ نے نہیں فرمایا کہ روح اور ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔

۳۸۳

شبِ قدر ماہِ رمضان کی اکیسویں اور تیسویں رات ہے۔

۳۸۶

تقدیرِ مقدرات اٹیس کو، ان کا حکم اکیس کو اور تصدیق و منظور تیس کی رات کو ہوتی ہے۔

۳۸۶

شبِ قدر کی فضیلت اکیسویں اور تیسویں شب میں تلاش کرو۔ سور کعت نماز پڑھو۔

۳۸۷

(علی بن حمزہ ثمالی) سورۃ زلزال کو تلاوت کرنے، نافلہ نمازوں میں پڑھنے والا ہرگز زلزلہ یا کسی آفت میں گرفتار نہ ہوگا۔

۴۰۸

درودِ پاک میزانِ عمل کے وزنی ہونے کا سبب ہے۔

۴۲۱

کوئی شخص تکبر و فخر نہیں کرتا مگر اس ذلت کی وجہ سے جو وہ اپنے نفس میں پاتا ہے۔

۴۵۰

اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی نہ کرنا یقین کی صحیح نشانی ہے۔

۴۵۳

نعیم سے مراد ہم اہلبیتؑ ہیں۔ اللہ نے ہمارے وجود کے ذریعہ بندوں کو نعمت عطا فرمائی۔

۴۵۵

حارث بن قیس

۵۲۳ مشرکین مکہ کا ایک سرغنہ

حسان بن ثابت (شاعر)

رسول پاک کی مدح میں قصیدہ کے اشعار ۳۳۹، ۳۴۰

حضرت امام حسن (امام دوم)

۵۶۳ جہاں کہیں قرآن میں "ان الابرار" آیا ہے اس سے مراد حضرات علیؑ و فاطمہؑ، یسٰی اور حسینؑ ہیں۔ ۱۱۲ اہل بصرہ کے خط کے جواب میں 'صمد' کے معنی بیان فرمائے۔

حضرت امام حسین (امام سوم)

۱۵۰ شاہد سے مراد رسول پاک اور مشہود قیامت کا دن ہے۔
۵۶۲ سورہ اخلاص کی تفسیر میں 'صمد' کے پانچ معنی بیان فرمائے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ (ام المؤمنین)

۳۲۴ بحالتِ مفلسی و ناداری تیری طرف دولت مند خدیجہؓ کو متوجہ فرمایا۔

والعصر، عصر سے مراد حضرت مہدیؑ کے قیام کا زمانہ ہے۔

۴۵۹

۴۶۲ جو تیرے غیر کے پاس جائے گا وہ مایوس ہوگا واجب نمازوں میں سورہ حمزہ پڑھنے والے کا فقر و فاقہ دور ہوگا، بُری موت دور ہوگی اور روزی کشادہ ہوگی۔

۴۶۷

سوئے اور چاندی سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دین کو ختم کر دیں اور کُفر و بے ایمانی کا موجب ہوں۔ ۴۷۷، ۴۷۸

اگر حسنات حق ہیں اور ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر مال کا جمع کرنا کس لیے؟

۴۷۸

سورہ فیل کو واجب نمازوں میں پڑھنے والے کی نمازگزاری کی قیامت میں پہاڑ، ہموار زمین اور ڈھیلے گواہی دیں گے۔

۴۸۲، ۴۸۳

اے زرارہ! ہر دینا، شرک ہے، جو شخص لوگوں کے لیے عمل کرے گا اس کا ثواب و اجر لوگوں پر ہی ہوگا۔

۵۰۹

کوثر جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ نے آنحضرتؐ کو فرزند (عبداللہؑ) کے فوت ہونے کے بدلے میں عطا فرمائی۔

۵۱۴

نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو اس طرح بلند کرو کہ ان کی پھیلیاں رو بقبلہ ہوں۔

۵۱۶

ابلیس مکہ کی پہاڑیوں پر گیا، گر وہ شیاطین کو جمع کر کے مشورہ کیا۔

۵۸۹، ۵۹۰

حضرت دانیال علیہ السلام

بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر

دوس

نجران کا ایک شہری جو جان بچا کر ذونواس کے مظالم بیان کرنے قیصر روم کے پاس چلا گیا۔

۴۸۶

ذونواس

ایک زمانہ میں یمن کا بادشاہ، قبیلہ حمیر سے تھا۔
ابربہ سے قبل یمن کا بادشاہ۔

۱۵۲

۴۸۵

ربیع بن عباد

اس نے آنحضرت کو تبلیغ اور ابولہب کو طعن کرتے دیکھا۔

۵۴۸

زبیر بن بکار

نہ شیعہ تھا نہ معاویہ سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس نے مغیرہ کے بیٹے سے ایک روایت معاویہ کی تنقیص میں بیان کی۔

۳۴۳، ۳۴۴

زرارہ

امام جعفر صادقؑ کا ایک صحابی۔ اس سے آپؐ نے فرمایا کہ دیا، شرک ہے۔

۵۰۹

زر بن جلیشن

ہم عذاب قبر کے بارے میں شک کرتے تھے۔
ہم نے جناب امیرؑ سے سنا کہ "الفلک المکاش" عذاب قبر پر دلیل ہے۔

۴۴۹

زلیخا

عزیز مصر کی بیوی۔ حضرت یوسفؑ سے گفتگو

۲۹۳

سحبان

عرب کا ایک معروف فصیح

۴۷۷

سعد بن عبادہ

علمدار لشکر اسلام جس نے فتح مکہ کے دن انتقام کا نعرہ لگایا۔

۵۳۹

سلمان فارسی

آپؐ کی ایک شخص کے جواب میں گفتگو۔ آغاز گندے نطفہ سے انجام مردار، لیکن قیامت میں جس کا میزان عمل بھاری وہ بزرگوار، جس کا ہلکا وہ پست و ذلیل۔

۴۴۲، ۴۴۱

حضرت سلیمان علیہ السلام

یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ آزمائے کہ
میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری۔ (نمل - ۲۰) ۵۳۵

شیطان

یہ قرآن شیطان الرجیم کا قول نہیں ہے۔ ۵۴، ۵۳، ۴۷
درہم و دینار کو شیطان کا پسند کرنا ۴۷۹

حضرت صالح علیہ السلام

آپ قوم ثمود کے پیغمبر تھے۔ ۲۳۲
اپنی قوم سے کہا کہ اونٹنی کو پانی پینے کے لیے
آزاد چھوڑ دو۔ ۲۸۶

صہیب رضی (صحابی)

مشرکین قریش ان کا اور ان کے مسلمان ساتھیوں
کا مذاق اڑاتے تھے۔ ۱۱۶

طارق محارب

اس نے ذی المجاز کے بازار میں آنحضرت کی
تبلیغ کی آواز سنی۔ ۵۴۷

طاؤس

فخر رازی نے نقل کیا کہ یہ 'الضحیٰ' اور 'الم نشرح'
کو ایک سورہ جانتے اور نماز میں دونوں کو ملا کر
پڑھتے تھے۔ ۳۳۳

عاص بن وائل

عاص اور اس کے ساتھی مشرکین قریش ہمنین
کو تمسخر کا نشانہ بناتے تھے۔ ۱۱۶

کینہ در دشمن رسولؐ ۴۶۹

آنحضرتؐ مسجد الحرام سے نکلے۔ عاص بن وائل نے
ملاقات کی، قریش کے دریافت کرنے پر کہا کہ اس
(نعوذ باللہ) ابتر سے ملاقات کی۔ ۵۱۱

عباس بن عبدالمطلب

مکہ سے مدینہ کی طرف جا رہے تھے۔ آنحضرتؐ
فتح مکہ کے لیے آ رہے تھے، راستہ میں ملاقات ہوئی۔ ۵۳۶، ۵۳۷

حضرت عبدالمطلب

آنحضرتؐ کی پرورش سردار مکہ آپ کے دادا حضرت
عبدالمطلب نے کی۔ ۳۲۲

سردار مکہ نے اصحابِ فیل کے خلاف اللہ سے
مدد چاہی۔ ۲۸۷، ۲۸۸

عبداللہ ابن سلام

بعض کے نزدیک اللہ کی صفات بیان کرنے کا
سوال عبداللہ بن سلام نے کیا تھا۔ ۵۵۲

عبداللہ بن صوریہ

مشہور یہودی سردار جس نے رسول پاک سے اللہ کی صفات بیان کرنے کا تقاضا کیا۔ ۵۵۴

عبداللہ ابن عباسؓ

ایک اعرابی اپنی لڑکی سے کہہ رہا تھا: "حوری" یعنی واپس آجا، بسلسلہ معنی یہ حور۔ ۱۳۴

آیت: سید کرہن یغشی، عبداللہ ابن مکتومؓ پاک دل، حق طلب، نابینا صحابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ ۱۹۶

مفسرین نے ابن عباسؓ سے 'اللیل' کی شان نزول لکھی ہے جسے علامہ طبری سے نقل کیا ہے۔ ۳۲۷

رسول پاکؐ کی نماز، ابوہل کا اگر منع کرنا، آنحضرتؐ کا جھڑکنا۔ ابوہل نے کہا تجھے نہیں معلوم کہ میری قوم قبیلہ سب سے زیادہ ہے۔ ۳۷۴

اے علیؑ! یہ آیت تمہارے اور شیعوں کے بارے میں ہے۔ تم محشر میں ایسے آؤ گے کہ اللہ تم سے اور تم اللہ سے خوش ہو گے۔ ۴۰۱

ایک شخص نے 'والعادیات' کے معنی مجھ سے اور جناب امیرؓ سے پوچھے۔ تفصیل۔ ۴۲۴

یہ وہ لوگ ہیں جو چنل خوری کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں۔ ۴۷۰

درہم و دینار کو شیطان کا پسند کرنا اور انسان کا اس کی محبت میں مبتلا ہونا۔ ۴۷۹

قریش ایک بہت بڑے سمندری جانور کا نام ہے جو ہر ڈیلے موٹے جانور کو کھا جاتا ہے۔ ۴۹۸

عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ

آپؐ رسول پاکؐ کی ولادت سے قبل وفات پا گئے۔ ۳۲۲

عبداللہ ابن عمرؓ

شاہد جمعہ کا اور مشہور عید قربان کا دن ہے ۱۵۰

عبداللہ ابن مسعودؓ

نماز میں ایک معقول پیمانہ ہے، جو شخص اس کا کیل مکمل ادا کرے تو اللہ بھی مکمل اجر دے گا، جو کمی کرے وہ مطففین کی صف میں شمار ہوگا۔ ۸۹، ۸۸

قریش مکہ کے بالمقابل سورہ رحمن کی تلاوت کے لیے تیار ہوئے۔ ۳۷۲

بدر میں ابوہل کا سر قلم کر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس لائے۔ ۳۷۳

سب سے زیادہ محکم آیت 'من یعمل مثقال ذرہ..... ہے۔ ۴۱۶، ۴۱۷

ۛ

عبداللہ ابن مکتوم

آیت "سید کر من یخشی" اسی پاک دل،
حق طلب نابینا صحابی کے بارے میں نازل ہوئی۔

(ابن عباسؓ) ۱۹۶

عتبہ ابن ربیعہ

"یتجنبها الاشقی" کا مصداق

۱۹۶

عثمان بن صہیب

حدیث رسولؐ اشقی الاولین و اشقی الآخرین کون
تھا بیان کی۔

۲۹۲

حضرت علیؓ ابن ابیطالبؓ (امام اول)

"جوار الکلس" کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ پانچ تیارے

ضل، مشتری، مریخ، عطارد اور زہرہ ہیں۔

۴۹

تمہارا محشر میں کیا حال ہوگا جب ہر شخص اپنے

۶۶

اعمال کو آزمائے گا!

بزرگ و عظیم ہے وہ اللہ جو عظیم قدرت کے

باوجود کریم ہے، لیکن اے انسان تو ضعف و

حقارت کے باوجود معصیت (نافرمانی) پر کس قدر

۷۰

جری ہے۔

پسے حساب کرنے والے تمہارے اعمال کو لکھتے ہیں۔

۷۷

(طویل حدیث)

۸۹ کیا انہیں قبروں سے اٹھنے کا یقین نہیں؟

میں تیرے دردناک عذاب پر صبر کر بھی لوں لیکن

۱۰۴

تیرے فراق پر کیسے صبر کروں گا؟

یہ ستارے جنہیں تم دیکھتے ہو قیامت کے دن

کہکشاں سے جدا ہو جائیں گے اور سب نظام

۱۳۰

درہم برہم ہو جائے گا۔

یہ دل ظروف ہیں۔ بہترین دل وہی ہے جس کی

۱۴۲

حفاظت و ظرفیت زیادہ ہو۔

اصحاب اخذ و فاس کے اہل کتاب مجوسی تھے۔

۱۵۶

بادشاہ نے اپنی بہن سے مباشرت کی وغیرہ۔

حبشہ کے ایک پیغمبر کے ساتھیوں کو آگ میں

جلا دیا گیا۔ ایک بچہ گویا ہوا اور اپنی ماں کو جرات

۲۵۷

دلائی۔ ماں بیٹا دونوں آگ میں جل گئے۔

ہو شخص سورہ اعلیٰ کی تلاوت کرے گا گویا اس

نے صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی تلاوت کی۔ یہ سورۃ

۱۸۴

آنحضرتؐ کو بہت محبوب تھی۔

۱۹۷

دنیا اور جہنم کی آگ کا موازنہ (دعائے کیل)

قسم ہے پیغمبرؐ کی تم مورد آزمائش قرار پاؤ

۲۳۴

گے، پھلنی کی مانند اُبلتی ہوئی دیگ کی مانند۔

تیرا رب قدرت و توانائی رکھتا ہے کہ گنہگاروں

۲۳۵

کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

اگر اللہ ظالم کو مہلت دے دے تو اس کی سزا

۲۳۶

ہرگز ختم نہ ہوگی، جب چاہے گا سزا دے گا۔

تعجب ہے انسان پر جو چربی کے ایک ٹکڑے سے دیکھتا، گوشت کے ٹکڑے سے بولتا،

۲۶۳
۲۶۴

بڑی سے سنتا اور سوراخ سے سانس لیتا ہے۔

بے شک جنت سختیوں کے درمیان اور دوزخ

۲۶۹

شہوات کے درمیان گھری ہوئی ہے۔

۲۸۲

مال خرچ کرنے سے کم اور علم زیادہ ہوتا ہے

"عاقراً ناقراً" جس نے اولاد کو ہلاک کیا، شقی ترین شخص تھا۔

۲۸۷

ناقرہ صالح کو ایک شخص نے ہلاک کیا مگر مغرب

۲۸۹

سب ہوئے اس لیے کہ سب اس پر راضی تھے۔

سب سے زیادہ امید بخش آیت 'ولسوف

۳۲۰

يعطيك ربك فترضى' ہے۔

اللہ جمیل ہے، جمال و زیبائی کو دوست رکھتا ہے

اور پسند کرتا ہے کہ اپنے بندوں پر اپنی نعمت

۳۲۷

کے آثار دیکھے۔

اللہ کو یاد رکھو! یتیم کو کبھی سیر کبھی بھوکا نہ رکھو۔

۳۲۹

تمہارے سامنے وہ ضائع نہ ہوں۔

ایک عورت نے اپنے شوہر کی جو مفلس تھا، خرچ

۳۴۱

نہ دینے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "ان مع العسر يسراً"

وہ گھر جس میں سرکہ اور زیتون سالن کے طور پر

۳۵۱

استعمال ہوتا ہے، کبھی کھانے سے خالی نہ

ہوگا، یہ پیغمبروں کی غذا ہے۔

مساجد کے مختلف حصوں میں نماز پڑھا کرو

کیونکہ زمین کا ہر ٹکڑا جس پر نماز پڑھی گئی، گواہی دے گا۔

۴۱۳

قیامت کے دن گواہی دینا کہ میں نے حق کے

ساتھ تمہیں پُر کیا تھا اور حق کے ساتھ خالی کیا ہے۔ ۴۱۳

امیر المؤمنینؑ اور ائمہ جو آپ کی ذریت ہیں

۴۳۹

وہی تولنے والے ترازو ہیں۔

میزان سے شہادتین کو اٹھا لیا تو ہلکا اور میزان

۴۴۱

میں رکھ دیا تو بھاری ہو جائے گا۔

مقصد سے دور کیسے زیارت کرنے والے ہیں،

۴۴۸، ۴۴۷

رسوا کرنے والا افتخار۔ طویل خطبہ

حرص، بخل، دنیا پرستی، فخر و مباہات اور اظہار

۴۵۱

برتری مفاسد کے عوامل ہیں۔

۴۵۴

نعیم سے مراد تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے

انسان کا ہر سانس موت کی طرف اس کا ایک

۴۶۱

قدم ہے۔

تمہارے وجود کی قیمت جنت کے سوا اور

کچھ نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم اسے کمتر شے کے

۴۶۳

بدلہ بیچ ڈالو۔

مستی کی چار اقسام ہیں، مستی اموال، مستی اقتدار،

۴۷۸

مستی شراب اور مستی خواب۔

جو شخص دوسرے کے اموال کو اپنی میزان میں

دیکھے اللہ اسے دوزخ میں اور اس کے وارث

۴۷۷

کو جنت میں داخل کرے گا۔

خواب میں حضورؐ سے گفتگو، رسولِ پاکؐ سے اس کا

بیان۔ آ

کی تعلیم د

واحد کی ت

اصد کے

اس نے ک

کسی سے

اس کا مثیل

اے بیٹا

ہوتا تو اس

اللہ کی راہ

حق

دنیا کی محبت

اللہ اور ر

سے بہتر کو

سورہ فیل

طویل حدیث

اصد اس

نہ ہو۔

حفظ

کیا وہ اس

پاس فرشتے

قرآن کا جتنا

بیان۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تمہیں اسمِ اعظم

کی تعلیم دی گئی ہے۔

’واحد‘ کی تشریح فرمائی۔

’صمد‘ کے معنی بیان فرمائے۔

اس نے کسی کو نہیں جانا کہ خود بھی موجود ہو۔ وہ

کسی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ محدود ہو جاتا۔ کوئی

اس کا مثل و نظیر نہیں۔ (نہج البلاغہ)

اے بیٹا! جان لو کہ تمہارے رب کا کوئی شریک

ہوتا تو اس کے نمائندے بھی تمہارے پاس آتے۔

اللہ کی راہ پر چلنے والوں پر مطلب مخفی نہیں رہتا۔

حضرت امام علیؑ بن الحسینؑ (امام چہارم)

دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے۔ (حدیثِ رسولؐ)

اللہ اور رسولؐ کی معرفت کے بعد بغضِ دنیا

سے بہتر کوئی عمل نہیں۔

سورۃ فیل کی شانِ نزول کے بارے میں ایک

طویل حدیث بیان فرمائی۔

’صمد‘ اس ہستی کو کہتے ہیں جس کا کوئی شریک

نہ ہو۔

حضرت امام علیؑ بن موسیٰؑ رضاؑ (امام ہشتم)

کیا وہ اس کے علاوہ توقع رکھتے ہیں کہ ان کے

پاس فرشتے یا پروردگار کا فرمان آن پہنچے؟

قرآن کا جتنا مطالعہ اور نشر و اشاعت ہوتی

ہے، اتنا ہی تروتازہ کیوں ہوتا ہے۔

کھانا کھلانا اور انتظامات

انجیر منہ کی بدبو دور کرتی ہے، مسوڑھوں اور

ہڈیوں کو مضبوط کرتی ہے، بالوں کو آگاہی

ہے، درد و تکلیف کو برطرف کرتی ہے،

جنت کے پھلوں سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ ۳۵۱، ۳۵۰

روغنِ زیتون اچھی غذا ہے، منہ کو خوشبودار و بلیغ

کو دور کرتا ہے، چہرہ کی رنگت نکھارتا ہے مقوی

اعصاب ہے۔ بیماری، درد اور ضعف کو دور

کرتا اور غصہ کی آگ کو بجھاتا ہے۔ ۳۵۲

پانچ خصلتوں کے بغیر مال جمع نہیں ہو سکتا،

بخل شدید، طولِ امل، حرصِ غالب، قطع

رحمی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا۔ ۵۶۱، ۵۶۲

عمارؓ ابن یاسرؓ

مشرکین مکہ ان کا اور ان کے ساتھیوں کا مذاق

اڑاتے تھے۔

حدیثِ رسولؐ، اشقی الاولین اور اشقی الآخرین

کون تھا۔

عمارؓ ابن خطابؓ

فتح مکہ میں ابوسفیان کو قتل کرنے پر آمادہ ہوئے

عمارؓ ابن عبد العزیزؓ

’والضحیٰ‘ اور ’الم نشرح‘ کو ایک سورہ جانتے

اور نماز میں دونوں کو ملا کر پڑھتے تھے۔ (رازی) ۳۳۳

عمر بن عبدود

جناب امیر نے اسلام پیش کیا تو کہا جو مال میں نے تمہاری مخالفت میں خرچ کیا اس کا کیا بنے گا۔ ۲۵۷

فرعون

اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو نیل میں

غرق کر دیا۔ ۱۶۳ تا ۱۶۶

قدار بن سالف

قوم ثمود کا شقی ترین شخص جس نے ناقہ صالحؑ

کو ہلاک کیا۔ ۲۸۷

کفود یا سارہ

حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ جا رہی تھی حضرت علیؑ اسے پکڑ کر مدینہ لے آئے۔ ۵۳۶

لقمان

ایک مشہور حکیم و دانای

۴۷۷

محمدؐ ابن حنفیہ

اصد کے معنی جناب امیرؓ سے دریافت کیے ۵۶۳

حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سورہ تکویر کی تلاوت کرنے والے کو اللہ اس دن رسوائی سے محفوظ رکھے گا جب اعمال نامے کھلیں گے۔ جو قیامت میں میری زیارت

کرنا چاہے وہ یہ سورہ پڑھے۔ مجھے سورہ ہود واقعہ عثم تیسار لون، مرسلات اور تکویر نے بوڑھا کر دیا۔ ۳۳

(جبریلؑ سے) اللہ نے تیری کیسی عمدہ تعریف کی ہے۔ صاحب قدرت ہے، صاحب عرش

اللہ کا قرب رکھتا، فرمان روا اور امین ہے۔ ۵۱

تیرا بھیجا ہوا تیری عقل کو نمایاں کرتا ہے اور

تیرا خط تیری بات کا پُر گونا طاق ہے۔ ۵۵

اچھی یا بُری سنت جاری کرنے پر اجر و ثواب یا

غذاب و عتاب، بغیر اس کے کہ حاملین سنت

کے اجر و ثواب میں کمی ہو، اُسے بھی ملے گا۔ ۶۶

انسان کی جہالت و نادانی نے اسے مغرور بنا دیا

اعمال نیکوں سے وابستہ ہیں، فرشتے خود انسان

سے لیتے اور اس پر خرچ کرتے ہیں۔ ہماری زبان

ان کا قلم اور لعاب دہن ان کی سیاہی ہے۔ ۷۶

بد عملی لکھنے میں تساہل اور نیک عمل کا فوراً لکھا جانا۔

نیکیاں بُرائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ ۷۶

جو شخص سورہ مطففین پڑھے، اللہ اسے قیامت

میں خالص شراب پلائے گا۔ ۸۴

اللہ کم تولنے والے کی زراعت چھین لے گا اور

قحط سالی میں مبتلا کرے گا۔ ۹۲۰ ۹۱

فرشتہ بندہ کا عمل بخوشی اُوپر لے جائے گا، مگر

اللہ فرمائے گا اسے سجین میں لے جاؤ، اس کا

مقصد میر

گناہوں کا

دیتی ہے

جب بن

ایک سیا

سیاہی بڑ

علتیں۔

زیریں ح

یا علیؑ جو

جان کی

کرے گا

زالال۔

اس روز

کھلے گا۔

طرف دوڑ

کئی مرتبہ

سورہ انش

نامہ اعمال

سورہ برو

میں جمع

حنات

بروج۔

شاہد عید

- مقصد میری رضا نہیں تھا۔ ۹۶
- گناہوں کی فراوانی انسان کے دل کو تباہ کر دیتی ہے۔ ۱۰۳
- جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر ہر گناہ پر سیاہی بڑھتی ہے یہاں تک کہ دل کو گھیر لیتی ہے۔ ۱۰۳
- علیتین سے مراد ساتواں آسمان اور عرش خدا کا زیریں حصہ ہے۔ ۱۰۴
- یا علیؑ جو شخص اللہ کی خوشنودی کی خاطر یا اپنی جان کی حفاظت کے لیے ہی شراب کو ترک کرے گا اللہ اسے حقیق و مجتوم اور شراب زلال سے سیراب فرمائے گا۔ ۱۱۳
- اس روز جنت کا ایک دروازہ جہنم کی طرف کھلے گا۔ دوزخی اپنی نجات سمجھ کر اس کی طرف دوڑیں گے مگر وہ بند ہو جائے گا، ایسا کئی مرتبہ ہوگا۔ جنتی ان پر نہیں گے۔ ۱۱۹
- سورۃ الشقاق پڑھنے والا پس پشت سے نامہ اعمال دیے جانے سے محفوظ رہے گا۔ ۱۲۳
- سورۃ بروج کی تلاوت کرنے والے کو جمعہ و عرفات میں جمع ہونے والوں کی تعداد سے دس گنا حسنات ملیں گے۔ ۱۴۵، ۱۴۶
- بروج سے مراد ستارے ہیں ۱۴۹
- شاہد عید قربان کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا ۱۵۰
- سورہ طارق کی تلاوت کرنے والے کو ستارگان عرش کی تعداد سے دس گنا ثواب ملے گا۔ ۱۶۸
- تمہارے سرائر تمہارے اعمال ہی ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔ ۱۷۷
- قرآن ایسا کلام ہے جو حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے۔ (جناب امیرؑ) ۱۸۰
- سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کرنے والے کو اللہ ان حروف کے بدلہ جو اس نے ابراہیمؑ و موسیٰؑ و آنحضرتؐ پر نازل فرمائے، دس نیکیاں عطا فرمائے گا۔ ۱۸۲
- سورۃ غاشیہ کی تلاوت کرنے والے کا حساب قیامت کے دن اللہ آسان کر دے گا۔ ۲۰۵
- ضریح دوزخ کی آگ میں ایک چیز جو کانٹے کی طرح ہے۔ ۲۰۹
- لیال عشر ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ (راوی جابر بن عبد اللہ) ۲۲۶
- شفع سے مخلوقات اور وتر سے اللہ کی ذات مراد ہے۔ (ابوسعید خدری) ۲۲۷
- توبہ جاتے ہوئے وادی ثمود پر پہنچے تو فرمایا: "جلدی کرو! تم اس وقت معذب و ملعون سرزمین پر ہو۔" ۲۳۳
- جبریل امینؑ نے خبر دی ہے کہ قیامت میں اللہ جہنم کو لے آئے گا جس پر پل صراط اور

اس پر تین اور پل ہیں۔ (طویل حدیث) ۲۳۶

ستر ہزار فرشتے ستر ہزار مہاروں کے ذریعہ

جہنم کو کھینچ کر لائیں گے، جبکہ وہ سرکشی کی

حالت میں ہوگی۔ ۲۲۴

سورۃ بقرہ کی تلاوت کرنے والے کو اللہ قیامت

میں اپنے غضب سے امان دے گا۔ ۲۵۱

انسان کی آنکھ کو پلوں سے اور زبان کو ہونٹوں

سے ضبط میں رکھا گیا ہے۔ ۲۶۱

لوگو! تمہارے لیے دو (خیر اور شر کی) زمینیں

موجود ہیں۔ ۲۶۸، ۲۶۴

دشوار گھاٹی سے بھاری بوجھ والے نہیں گزر

سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں اس بوجھ کو

ہلکا کر دوں۔ ۲۶۸

غلاموں کو آزاد اور گردنوں کو (طوقِ غلامی سے)

رہائی دے۔ جن رشتہ داروں نے تجھ سے قطع

رحمی کی ان سے بھی اچھا سلوک کر، بھوکوں کو کھلا،

امرو نہی کر، زبان بند رکھ۔ ۲۷۰

خدا یا میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما۔ تو

ولی و مولا ہے، تزکیہ فرما! ۲۸۴، ۲۸۳

جس کے نفس کا اللہ نے تزکیہ کیا وہ نجات پا گیا۔

جسے خیر سے محروم کر دیا وہ ناامید ہو گیا۔ ۲۸۴

’من اشقی الاخرین‘! جناب امیر نے فرمایا:

’نہیں معلوم‘ فرمایا: ’جو شخص تیرے سر پر ضرب

لگائے گا۔‘ ۲۸۸

اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل: بھوکے کو کھانا

کھلانا، قرض ادا کرنا، مومن کا دل خوش کرنا۔ ۳۱۱

جو شخص کسی مسلمان گھرانے کی ایک دن رات

پذیرائی کرے اللہ اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔ ۳۱۲

’والضحیٰ‘ کی تلاوت کرنے والے سے اللہ راضی

اور آنحضرتؐ اس کے شفیع ہوں گے۔ ۳۱۴

قسم ہے دن اور روشنی کی، رات اور سکون کی!

اللہ نے تجھے نہیں چھوڑا، تیری آخرت دنیا سے

بہتر ہے۔ اس قدر عطا کیا جائے گا کہ تو خوش ہو

جائے گا۔ ۳۱۸، ۳۱۷

میں قیامت میں اس تعداد میں سفارش کروں گا

کہ اللہ فرمائے گا: ’اے محمدؐ! کیا تم راضی ہو گئے؟‘

(امام محمد باقرؑ اپنے آباء سے) ۳۱۹، ۳۲۰

یتیم پایا تو پناہ دی، گمشدہ تھا تو رہنمائی کی، مفلس

تھا تو بے نیاز کر دیا۔ یتیم کو حقیر نہ جان، سائل کو

نہ جھڑک، اپنے رب کی نعمت کو یاد کر۔ ۳۲۱

یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ۔ ہاتھ کے نیچے

جتنے ہال ہیں ان کے برابر قیامت میں ایک نور

حاصل ہوگا۔ ۳۲۵

جب اللہ بندہ کو نعمت دیتا ہے تو پسند فرماتا

ہے کہ اس پر عطاءئے نعمت کے آثار دیکھے۔ ۳۲۶

جب نعمت دی جائے اور اس پر اس کے آثار

نمایاں نہ ہوں تو وہ دشمن خدا اور نعمات کا مخالف

شمار ہوگا۔ ۳۲۷

یتیم کے رونے سے عرش الہی کانپ جاتا ہے۔

فرشتو! جو اس کو چُپ کرانے کا میں اُسے

قیامت میں خوش کر دوں گا۔ یتیم روتا ہے

تو اس کے آنسو اللہ کے ہاتھ پر پڑتے ہیں۔

میں اور یتیم کا سر پرست دو نول پہلو بہ پہلو

جنت میں ہوں گے۔ ۳۲۹

یتیم کو الیل دانہ خرما عطا فرمائے اور اس کی

سر پرستی پر توجہ دلائی۔ ۳۳۰

سُورۃُ الم نشرح کی تلاوت کرنے والے کو اس شخص

کا ثواب ملے گا جس نے رسولِ پاک کو غمزہ پا کر

اُپک کا غم دُور کیا ہو۔ ۳۳۲

تیرے سینہ کو کشادہ کیا، مگر توڑ بھاری بوجھ کو کم

کیا، ذکر کو بلند کیا، پس سختی کے ساتھ آسانی

ہے۔ اپنے کام سے فارغ ہو اور اپنے

رب کی طرف رغبت کر۔ ۳۳۵ تا ۳۴۳

اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہ، یونس کی

طرح نہ ہو جا۔ ۳۲۶، ۳۲۷

جب میرا نام لیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ تیرا نام بھی

لیا جاتا ہے، اور تیرے مقامِ عظمت کیلئے کافی ہے۔ (قولِ خدا)

جان کو سختیوں کے ساتھ آسانی ہے، صبر کے ساتھ

کامیابی ہے، غم و اندوہ کے ساتھ خوشحالی ہے۔ ۳۳۱

روغنِ زیتون کھاؤ، بدن پر مالش کرو، یہ ایک

مبارک درخت ہے۔ ۳۵۲

ہاں! اللہ احکم الحاکمین ہے اور میں اس کا گواہ ہوں ۲۵۴

حمد کے لائق وہی ہے جس نے ہمیں موت کے

بعد زندگی بخشی۔ ۳۶۲

اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ تو اسے دیکھ رہا

ہے۔ اگر تو نہیں تو یقیناً وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ ۳۷۰

میرے زمانہ کا فرعون، فرعونِ موسیٰ سے بدتر، اُس

نے آخری دقتِ ایمان کا اقرار کر لیا تھا۔ ۳۷۳

بندہ بحالتِ سجدہ سب سے زیادہ اللہ کے

قریب ہوتا ہے۔ ۳۷۵

سُورۃُ قدر کی تلاوت کرنے والا ایسا ہے گویا

اس نے ماہِ صیام کے روزے رکھے اور شب

قدر کا احیاء کیا۔ ۳۷۸

بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ہزار ماہ لباس

جنگ پہنے رکھا، جہاد میں مشغول رہا۔ اصحاب

نے تعجب کیا، بنی اسرائیل کے چار افراد کی

اسی سال معصیت کے بغیر اللہ کی عبادت۔ ۳۸۲

میری اُمت کو شب قدر عطا ہوئی۔ یہ نعمت

پہلے کسی کو نہیں ملی۔ ۳۸۷

سُورۃُ بئینہ کو ازل سے فرشتے تلاوت کر رہے

ہیں۔ جو شخص تلاوت کرے گا فرشتے اُس کے دین و دنیا

کی حفاظت کریں گے اور اس کے لیے رحمت و

بخشش طلب کریں گے۔ ۳۹۱

سُورۃُ زلزلہ کی تلاوت کرنے والا 'سُورۃُ بقرہ'

کی تلاوت کا ثواب پائے گا۔ ۴۰۷

قیامت میں زمین زن و مرد کے اعمال کی گواہی دے گی۔ وضو اور نماز کی حفاظت کرو۔ زمین پر جو اچھا یا بُرا کام کرو گے وہ اس کی گواہی دے گی۔ بیابان میں ہو تو بلند آواز سے اذان دو۔ جن و انس اور پتھر کے ٹکڑے اسے سُن کر گواہی دیں گے۔

۴۱۲

ایک شخص کا سوال تعلیم حضور کا اسے صحابی کے سپرد کرنا۔ صحابی کا سورہ زلزله، تعلیم کرنا۔ وہ واپس ہوا تو فقیہہ تھا۔ (ابوسعید سے مکالمہ برائے اعمال)

۴۱۴

کنود وہ ہے جو خود اکیلا کھاتا ہے، دوسروں سے روکتا ہے، غلاموں کو مارتا ہے۔

۴۲۸، ۴۲۹

کوئی عمل 'لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ' کے بغیر قبول نہ ہوگا۔ یہ کلمہ ہی میزانِ عمل کو بھاری کرے گا۔

۴۴۱

غیر شرعی طریقہ سے مال جمع کرنا، نکاتر ہے تیرا مال صرف وہ ہے جو تو کھاتا ہے، لباس جو پہنتا ہے اور صدقات جو ادا کرتا ہے۔

۴۵۲

اگر اس کا یقین اور سُچتہ ہوتا تو پانی تو کیا ہوا پر چلتا۔

۴۵۳

سورہ صفہ کی تلاوت کرنے والے کو ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا حسنات ملیں گے

جنہوں نے رسول و اصحاب رسول کا مذاق اڑایا۔ بہت زیادہ چغلی کرتے، دوستوں کے درمیان

جدا دلتے، پاکیزہ افراد کے عیب تلاش کرتے ہیں۔ ۴۷۱
لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے جو لوگوں کی توہین و تذلیل کرے۔ ۴۷۱

آنحضرت کا شبِ معراج جبریل سے سوال! دوزخیوں کا گوشت کاٹ کر انہیں کھلانا۔ ۴۷۶
ہر شخص کا عمل میں حصہ اس کی نیت کے مطابق ہوگا۔ جو شخص اللہ کے لیے جہاد کرے اس کا اجر اللہ پر ہے۔ ۵۰۸

۵۰۸

ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کے باطن قبیح، گندے اور آلودہ ہوں گے جبکہ ظاہر زیبا و خوبصورت۔ ۵۰۹

۵۰۹

ریا کار کو قیامت میں پانچ ناموں سے پکارا جائے گا: کافر، فاجر، حیلہ گیر، خاسر، زیاں کار۔ ۵۰۹
سورہ کوثر تلاوت کرنے والے کو اللہ جنت کی نہروں سے سیراب فرمائے گا۔ ۵۱۹، ۵۱۱

۵۱۹، ۵۱۱

سورہ کافرون، تلاوت کرنے والے نے گویا چوتھائی قرآن پڑھا۔ وہ قیامت کی گھبراہٹ سے امن میں رہے گا۔ ۵۲۱، ۵۲۰

۵۲۱، ۵۲۰

بستر پر چائے تو چاروں قل اور سورہ نصر کی تلاوت کر۔ ۵۲۱

۵۲۱

سورہ نصر کی تلاوت کرنے والا ایسا ہے جیسے وہ فتح مکہ کے دن رسول خدا کے ساتھ تھا۔ ۵۳۱
سورہ تہت کی تلاوت کرنے والے کو اللہ

۵۳۱

ابو لب کے ساتھ ایک گھریں اکٹھا نہیں فرمائے گا۔

۵۴۳

سورۃ اخلاص تلاوت کرنے والے نے گویا ایک تہائی قرآن پڑھا۔ کثرت تلاوت کے باعث سعد بن معاذ کے جنازہ پر ستر ہزار فرشتوں نے نماز پڑھی۔ اللہ اسے اور اس کے والدین کو بخش دے گا۔

۵۵۵

ہر مومن کے دل میں دو کان ہیں، ایک میں فرشتہ چھونک مارتا ہے اور دوسرے میں دوساس ختناس۔

۵۸۹

اللہ مومن کی فرشتہ سے تائید کرتا ہے۔
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (امام پنجم)

مودۃ شدت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہماری محبت میں قتل کر دیے گئے۔

۳۹

آج بھی تمام کام اللہ کے اختیار میں ہیں، لیکن قیامت کے دن تو تمام حاکم برباد ہو جائیں گے، حکومت صرف اور صرف اللہ کی ہوگی۔

۸۱

امیر المؤمنین ہر صبح بازارِ کوفہ میں کھڑے ہو کر فرماتے: "اے گروہِ تجارت اللہ سے ڈرو اور خیر طلب کرو۔ لوگوں کے ساتھ معاملہ آسان کر کے برکت حاصل کرو۔"

۹۱

سچین ساتویں زمین اور علیتین ساتواں آسمان ہے۔

۹۶، ۹۵

حدیث دلوں کی چملا کا سبب ہے، گناہ سے

دل رنگ آلود ہو جاتے ہیں۔

۱۰۳

اللہ قیامت میں بندوں کی عقل و فراست کے مطابق سخت گیری فرمائے گا۔

۱۲۹

شاہد عید قربان اور مشہود عرفہ کا دن ہے جس نے اطاعت کی وہ نجات پا گیا، جس نے نافرمانی کی وہ ناامید و محروم ہو گیا۔

۲۸۲

جو سورۃ قدر کو بلند آواز میں پڑھے اس نے راہِ خدا میں تلوار کھینچی، جس نے آہستہ پڑھی وہ گویا اپنے خون میں غلطاں ہوا۔

۳۷۸

ہم شب قدر کو کیسے نہ جانیں! فرشتے اس رات ہمارے گرد طواف کرتے ہیں۔

۳۸۲

سورۃ قارعہ پڑھنے والے کو اللہ دجال کے فتنہ اور اس پر ایمان لانے سے محفوظ رکھے گا۔

۴۳۴

میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود کی تلاوت ہے۔ جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہے، قیامت میں اس کا میزانِ عمل ہلکا ہوگا۔

۴۴۱

ستاروں کے ذریعہ بارش کی طلب، نسب پر فخر، خاندانی شرافت پر طعن کرنا جاہلیت کے اعمال ہیں۔

۴۵۱

اسلام سے ایک درجہ بالاتر ایمان، پھر تقویٰ، پھر یقین بالاتر ہے۔ یقین کی حقیقت اللہ پر توکل کرنا ہے۔

۴۵۲

اللہ تعالیٰ سورۃ الماعون کو فریضہ یا نافلہ نمازوں

میں پڑھنے والے کے نماز روزہ کو قبول فرمائے گا۔ ۵۰۲

اے محمدؐ! یہ ہمارے خدا ہیں۔ تو بھی اپنے خدا

کی تعریف کر، ہم اسے دکھیں اور ادراک کریں۔ ۵۵۸

نماز قرین سورۃ معوذتین اور اخلاص تلاوت کرنے

والے کی نماز وتر قبول ہوگی۔ ۵۸۴، ۵۷۴

محمود

ابراہیم کے ہاتھی کا نام جس پر سوار ہو کر وہ کعبہ

پر حملہ آور ہوا۔ ۲۸۸

معاذ بن جبل

رسول پاکؐ سے سرائے کے معنی دریافت کیے۔ ۱۷۷

ایک یتیم کے سر پر دست شفقت رکھنا،

وعدا دینا۔ ۳۳۰

معاویہ بن ابوسفیان

خدا کی قسم قریش کے لیے علیؑ کے سوا کسی نے

فصاحت و بلاغت کی بنیاد نہیں رکھی۔ ۲۴۸

مغیرہ ابن شعبہ

اس نے اپنے بیٹے سے معاویہ کی تنقیص کی ۲۴۳، ۲۴۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام

یہ احکام پہلی آسمانی کتابوں صحیفہ ابراہیمؑ و موسیٰؑ

میں آچکے ہیں۔ ۱۹۸ تا ۲۰۰

ایک مہینہ کا گلہ سے نکل جانا، تلاش کرنا، شفقت

سے کا ندھے پر اٹھا کر لانا، یہ پیش خمیہ تھا کہ انسانوں

سے بڑاؤ کے لیے پیغمبر منتخب فرمایا۔ ۳۲۸

فرعون کی طرف بھیجا کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

آپؐ کی دعا: "رب اشرح لی صدری" ۳۳۶

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ (امام ہفتم)

مماورین ثبت اعمال اور ان کے طریق کار پر آپؐ

کی ایک طویل حدیث انسان کی نیت کے بارے میں۔ ۷۵

نجاشی

روم کی ذیلی ریاست حبشہ کا حکمران

۴۸۶

نضر بن خارث بن کلدہ

آنحضرتؐ کا خالہ زاد جو کفر و ضلالت کا سرغنہ تھا ۱۰۰

نفس ذکیہ

حضرت امام حسنؑ کے فرزند محمد بن عبد اللہ کا

لقب جو منصور دوانیقی کے ہاتھوں ۱۴۵ھ

میں شہید ہوئے۔ ۵۱۷

ورق بن نوفل

آنحضرتؐ پر وحی کا نزول، جناب خدیجہؓ کا

دلجوئی فرمانا۔ ورق بن نوفل کا مشورہ اور

پیش گوئی۔ ۳۵۹ تا ۳۶۲

ولید بن مغیرہ

ولید اور اس کے ساتھی مومنین سے استہزاء کرتے تھے۔

۱۱۶

”یتجنبها لاشقی“ کا مصداق

۱۹۶

پس پشت رسول پاک کی غیبت اور سامنے طعن و تشنیع کرتا تھا۔

۴۶۹

حضرت ہود علیہ السلام

آپ قوم عاد کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے

۲۳۱

حضرت یوسف علیہ السلام

زلیخا سے گفتگو اور فرمانا: ”انه من یتق و

۲۹۳

یصره یضیع اجر المحسنین“

حکومت حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

۵۳۵

دُعا اور شکر یہ۔ (یوسف / ۱۰۱)

علماء و دانشور

آلوسی (مفسر روح المعانی)

۴۰۴، ۳۱۰

ابن ابی الحدید (شرح نہج البلاغہ)

۲۴۳

ابن اثیر (کامل)

۵۴۵

ابن عساکر

۴۰۳

ابن مردویہ

۲۹۲

ابن منظور (لسان العرب)

۴۲

ابو الفتوح رازی (مفسر روح البیان)

۱۵۶، ۱۵۰، ۸۶، ۲۲۶، ۳۵۹، ۴۲۴، ۴۳۹، ۵۲۳، ۵۲۶ -

ابو نعیم اصفہانی

۴۰۴

احمد ابن حنبل

۳۹۲

ثعلبی

۲۹۲، ۱۵۶

جارج گاموس (ماہر فلکیات)

۴۵

جلال الدین سیوطی

۵۲۳، ۴۰۳

حاکم جسکانی

۳۴۲، ۳۱۰

سُر عاملی

۲۹۶

خطیب بغدادی

۲۹۲

خطیب خوارزمی

۴۰۴

راغب (مفردات)

۴۲، ۹۰، ۱۰۹، ۱۳۴، ۱۳۷ -

۱۵۲، ۱۷۹، ۲۱۲، ۲۵۵، ۲۶۹، ۲۸۲ -

۲۸۳، ۲۸۹، ۳۲۴، ۳۳۶، ۳۶۰، ۳۸۲ -

۳۹۶، ۴۴۷، ۴۶۰، ۴۶۴، ۴۷۴، ۵۰۴ -

۵۸۷، ۵۴۷ -

زنجشیری

۲۳۹، ۳۴۳

سلیمان شیخ قندوزی (نیایح المؤدۃ)

۴۰۴

طباطبائی علامہ (المیزان)

۴۵۵، ۲۲۹

طبری (مفسر مجمع البیان)

۸۶، ۱۱۰، ۱۴۲، ۱۵۰، ۱۵۶ -

۲۵۵، ۲۹۸، ۳۵۹، ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۴۵ -

۵۴۷ -

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والے کو اللہ ہر رسوائی سے محفوظ

فرمائے گا۔ میری زیارت کا شرف پائے گا۔ ۳۲

مجھے سورہ ہود، واقعہ، بناء، مراسلات اور تکویر

نے بوڑھا کر دیا۔ (رسول پاک) ۳۳

تلاوت کرنے والا جنت جاوداں میں اللہ کے

سایہ رحمت میں ہوگا۔ (امام جعفر صادقؑ)۔ ۳۳

عظمت قرآن:

یہ با عظمت قرآن رسول (جبریل امین) کا

لایا ہوا کلام ہے۔ ۳۶

قرآن عالمین کے لیے نصیحت ہے۔ ان کے

لیے نصیحت ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں۔ ۵۸، ۵۹

سورہ انفطار

مضامین:

آثار قیامت، نعمات الہی، اعمال لکھنے والے فرشتے،

نیک و بد کی سرنوشت، قیامت کی سختیاں۔ ۶۰

ثواب تلاوت:

فریضہ و نافلہ نمازوں میں سورہ ہائے انفطار و

انشقاق کی تلاوت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ

کے قرب کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔

(امام جعفر صادقؑ) ۶۰

✽

۴۰۴، ۳۳۳، ۲۹۲

طبری موصلی

۹۴

طریحی (مجمع البحرین)

فخر الدین رازی (تفسیر کبیر) ۳۰۸، ۳۳۳، ۳۹۴، ۴۳۹

۴۶۰

(مفتاح الغیب) ۱۵۶، ۲۱۸، ۲۲۶، ۲۴۳

۵۲۳

قرطبی

کرسی مورسین (راز آفرینش انسان) ۱۹۰

۸۷

مراغی (مفسر)

۵۶۷

نیوٹن (مشہور سائنسدان)

۲۹۲

واحدی

کُتب آسمانی

تورات

۱۵۶

کتاب دانیال، ذکر اصحاب اخدود

قرآن حکیم

سورہ تکویر

مضامین:

مکی سورہ، قیامت کی نشانیوں، دنیا کے آخر میں

عظیم تبدیلیوں، قرآن لانے والے کی عظمت اور

۳۲

انسانی نفوس پر قرآن کے اثرات کا بیان۔

سورہ مطففین

مضامین:

کم تولنا بڑے گناہوں کا سرچشمہ ہے، قیامت پر یقین نہ ہونا، فجار کی سرنوشت، نعماتِ اہل جنت، کفار کا مومنین سے جاہلانہ استہزاء۔

۸۴

ثواب تلاوت

تلاوت کرنے والے کو اللہ قیامت میں خالص

۸۴

شرابِ طہور پلائے گا۔ (رسولِ پاک)

فریضہ نمازوں میں پڑھنے والے کو اللہ قیامت

میں عذابِ جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ (امام جعفر صادق)

۸۴

شانِ نزول:

اہلِ مدینہ کا کم تولنا، رسولِ پاک کی تہدید، پانچ

چیزوں کے مقابلہ میں پانچ چیزیں۔

۸۶، ۸۷

آیت "ان الذین اجر صوا" کی شانِ نزول:

۱) کفار نے علیؑ اور ان کے رفقاء کا مذاق اڑایا۔

بقولِ حسانی "الذین اجر صوا" سے کفار قریش

اور "الذین امنوا" سے علیؑ اور ان کے رفقاء

مراد ہیں۔ (۲) بلالؓ، صہیبؓ، عمارؓ اور دیگر لوگوں

کے بارے میں جو ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور عاص

بن وائل کے تمسخر کا نشانہ بنے۔

۱۱۶

سورہ الشقاق

مضامین:

معاذ و قیامت، نیکوں اور بدوں کے اعمال کا حساب و سرنوشت، موجبِ عذابِ اعمال و عقائد، انسان کی دنیوی و آخروی زندگی کے مراحل۔

۱۲۳

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والا پس پشت سے نامہ اعمال

دیئے جانے سے محفوظ رہے گا۔ (رسولِ پاک)

۱۲۳

قاری ہمیشہ نطفِ الہی پر نظر رکھے گا، لوگوں کے

حساب سے فارغ ہوگا۔ (امام جعفر صادق)

۱۲۳

سورہ بروج

مضامین:

دباؤ کی وجہ سے کچھ افراد کا ایمان سے پلٹنا، مومنین کے قلب و روح میں تقویت پیدا کرنا، اصحابِ اخذ و دکا واقعہ، فرعون، عاد و ثمود اور دیگر ظالم اقوام کی داستان، عظمتِ قرآن، وحی الہی کی اہمیت کی طرف اشارہ۔

۱۴۵

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والوں کو جمعہ و عرفات میں جمع

ہونے والوں کی تعداد سے دس گنا حسنات

ملیں گے۔ (رسولِ پاک)

۱۴۶، ۱۴۵

سُورَةُ طَارِق

مضامین :

۱۶۸ معاد و قیامت، قرآن مجید کی قدر و قیمت و اہمیت

ثواب تلاوت :

تلاوت کرنے والے کو ستارگانِ عرش کی تعداد

۱۶۸ سے دس گنا ثواب ملے گا۔ (رسول پاک)

روزِ قیامت مقامِ عظیم اور پیغمبروں کے رفقاء و

۱۶۸ اصحاب میں قرار پائے گا۔ (امام جعفر صادقؑ)

سُورَةُ اَعْلٰی

مضامین :

آنحضرتؐ کو ادائے رسالت اور حمد و تسبیح پر توجہ

دلانی، مومنین و مشرکین کی سعادت و شقاوت

۱۸۴ کا بیان۔

ثواب تلاوت :

تلاوت کرنے والے کو اللہ ہر اس حرف کے بدلہ

جو ابراہیمؑ و موسیٰؑ و محمدؐ پر نازل ہوئے دس نیکیاں

۱۸۴ عطا فرمائے گا۔ (رسول پاک)

فرض و نافلہ نمازوں میں پڑھنے والا جس دروازہ

۱۸۴ سے چاہے جنت میں داخل ہوگا (امام جعفر صادقؑ)

یہ سورہ پڑھنے والے کو یا مصحفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ

۱۸۴ کی تلاوت کی۔ (حضرت علیؑ)

سُورَةُ غَاشِيَةِ

مضامین :

معاد و قیامت، مجرموں کا انجام، مومنوں کا ثواب

۲۰۵ توحید و نبوت کی بحث۔

ثواب تلاوت :

پڑھنے والے کا حساب بروز قیامت اللہ تعالیٰ

۲۰۵ آسان فرمادے گا۔ (رسول پاک)

واجب و مستحب نمازوں میں پڑھنے والے کو

اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سایہ رحمت عطا

۲۰۵ فرمائے گا۔ (امام جعفر صادقؑ)

سُورَةُ فَجْرِ

مضامین :

بہت سی نئی قسمیں۔ اقوام سابقہ اور ان کا انجام ۲۲۳

ثواب تلاوت :

ذی الحجہ کی اول دس راتوں میں پڑھنے والے

کے گناہ بخشے جائیں گے۔ باقی آیام میں پڑھے

۲۲۳ تو اس کے لیے نور و روشنی ہوگی۔ (رسول پاک)

یہ سورہ واجب و مستحب نمازوں میں پڑھو۔

یہ امام حسینؑ کا سورہ ہے۔ پڑھنے والا حضرت

امام حسینؑ کے ہمراہ بہشت میں داخل ہوگا۔

۲۲۳ (امام جعفر صادقؑ)

پڑھنے کی

تلاوت سے

تہذیب کی قسم

پڑھنے و دیکھنے

قیامت

پڑھنے وہ راضہ دین و

سُورَةُ بَلَد

مضامین:

پرمعنی قسمیں، انسانی زندگی کے شدائد، انسان پر
اللہ کی نعمات، ناشکری، اصحابِ مہینہ و مشئمہ ۲۵۱، ۲۵۰
ثوابِ تلاوت:

تلاوت کرنے والا قیامت میں اللہ کے غضب
سے مامون ہوگا۔ ۲۵۱

سُورَةُ شَمْس

مضامین:

تہذیبِ نفس، دلوں کو پاک کرنے والی آیات، خدا
کی قسم کھائی گئی، سرکش اقوام کا ذکر۔ ۲۴۵
ثوابِ تلاوت:

پڑھنے والے نے گویا ان چیزوں کے برابر صدقہ
دیا جن پر چاند سورج طلوع کرتے ہیں۔ (رسولِ پاک) ۲۴۵

سُورَةُ اللَّيْلِ

مضامین:

قیامت، جزا و سزا اور ان کے عوامل ۲۹۶
ثوابِ تلاوت:

پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس قدر عطا فرمائے گا کہ
وہ راضی ہو جائے گا، سختیوں سے نجات ملے گی،
دین و دنیا کی راہیں آسان ہوں گی۔ ۲۹۶

شانِ نزول:

ابوالاحد اح (مؤمن) کا ایک بخیل سے درخت

خرما خرید کر رسولِ پاک کو ہدیہ کرنا۔ ۲۹۹
جناب امیر اور حضرت ابو بکر رضی کی فضیلت پر بحث ۳۰۸، ۳۰۹

سُورَةُ الضُّحَى

مضامین:

اے رسول! اللہ نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا۔
اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں
گے۔ بطور شکریہ یتیموں اور حاجت مندوں
پر مہربانی کریں۔ ۳۱۴

ثوابِ تلاوت:

تلاوت سے اللہ راضی ہوگا، آنحضرتؐ شفاعت
فرمائیں گے۔ ہر یتیم اور سائل کے برابر نیکیاں
ملیں گی۔ (رسولِ پاک) ۳۱۴

والضحیٰ کو الم نشرح اور قیل کو لا یلیف میں
جمع کر کے پڑھنا چاہیے۔ ۳۱۵

شانِ نزول:

بقول ابن عباسؓ یہود نے ذوالقرنین اور کھف
کے بارے میں سوال کیا۔ وحی کا موقوف رہنا۔

مشرکین کا اشتہاد کرنا، وحی کی آمد اور جواب۔ ۳۱۶

سُورَةُ الْمُنَشَّرِ

مضامین:

نعماتِ الہی کا شمار تین نعمتوں کا ذکر، اللہ کی طرف توجہ، عبادت کی تحریص۔

۳۳۳

ثوابِ تلاوت:

تلاوت کرنے والے نے گویا آنحضرتؐ کو نگین دیکھا

۳۳۴

اور آپؐ کا غم دور کیا۔

سُورَةُ التِّينِ

مضامین:

انسان کی خلقتِ زیبا، تکامل و ارتقاء، اسخطا طو پستی کی بحث۔

۳۳۶

ثوابِ تلاوت:

دونہیں سلامتی و یقین عطا ہوں گی

۳۳۶

سُورَةُ عَلَقِ

مضامین:

نزولِ وحی کا آغاز، ناشکرے انسانوں کے بارے میں گفتگو۔

۳۵۴، ۳۵۶

ثوابِ تلاوت:

پڑھنے والی بات یاد دل میں دورانِ تلاوت مرجائے

۳۵۴، ۳۵۶

تو شہیدِ مبعوث ہوگا۔

شانِ نزول:

غارِ حرا میں جبریلؑ کی آمد، وحی کا آغاز، جنابِ خداؐ کا دلجوئی

فرمان، و قرآنِ نازل کا مشورہ۔

۳۵۹ تا ۳۶۲

آغازِ وحی حرکتِ علمی کے ساتھ ہوا۔ خلقتِ

انسان کے فوراً بعد قلم کی عظمت کا بیان، حمد

کے لائق ہے اللہ جس نے موت کے بعد

حیات بخشی۔ (رسولِ پاک)

۳۶۳ تا ۳۶۵

آپؐ کی چند دعائیں

سُورَةُ قَدَرِ

مضامین:

شبِ قدر میں نزولِ قرآن۔ آنحضرتؐ کا خواب و تسلی۔

۳۶۸

ثوابِ تلاوت:

قاری نے گویا پورے ماہِ روزے رکھے۔

۳۶۸

شبِ قدر کا احیاء کیا۔ (رسولِ پاک)

سُورَةُ بَلَدِ

مضامین:

اہلِ کتاب سے گفتگو، نماز و زکوٰۃ کی تاکید۔

۳۹۰

آنحضرتؐ کی ہمہ گیر رسالت کے مضامین۔

ثوابِ تلاوت:

خدا کی قسم! مقرب فرشتے زمین و آسمان کی پیدائش

کے وقت سے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ فرشتے

تلاوت کرنے والے کے دین اور دنیا کی حفاظت

۳۹۱

(رسولِ پاک)

کریں گے۔

آنحضرتؐ نے رات گزارنے کے بعد نماز صبح میں
اس سورہ کی تلاوت فرمائی۔
۴۲۳، ۴۲۲

سورہ قارعہ

مضامین:

معاذ کی گفتگو، اعمال کا تولا جانا، جزا و سزا
۴۳۴
ثواب تلاوت:
پڑھنے والا فتنہ و جال اور اس پر ایمان لانے
سے محفوظ رہے گا۔ (امام محمد باقرؑ)
۴۳۴

سورہ رکاثر

مضامین:

موسم مطالب کی بنیاد پر فخر کرنے والوں کی سزا و
ملامت، قیامت و معاد و نارِ جہنم پر تنبیہ، نعمات
کے بارے میں سوال۔
۴۴۴
ثواب تلاوت:
تلاوت کرنے والے سے اللہ نعمات کا حساب نہ
لے گا۔ (رسول پاکؐ)
۴۴۴
واجب و مستحب نمازوں میں اس کی تلاوت شہداء
کا درجہ عطا کرے گی۔ (امام جعفر صادقؑ)
۴۴۴
شان نزول:
ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرنے والے قبائل
کے بارے میں نازل ہوا۔
۴۴۶

سورہ زلزال

مضامین:

معاذ کی گفتگو، انسان کے اعمال کی زمین گواہ ہے۔
نیک و بد لوگوں کے گروہ اپنے اعمال کا نتیجہ پائینگے۔
۴۰۷
ثواب تلاوت:
تلاوت کرنے والے نے گویا سورہ بقرہ کی تلاوت کی۔
ثواب چوتھائی قرآن تلاوت کرنے کے برابر ہے۔
(رسول پاکؐ) ۴۰۷، ۴۰۸

سورہ العادیات

مضامین:

قسموں پر تنبیہ، معاذ کی گفتگو، جہاد کے مسائل،
کفر و بخل کا ذکر۔
۴۱۹
ثواب تلاوت:
مزدلفہ میں قیام کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا
نیکیاں ملیں گی۔
۴۲۰
پڑھنے والا جناب امیرؑ کے ساتھ مبعوث ہوگا۔
(امام جعفر صادقؑ) ۴۲۰
شان نزول:
سورہ جنگ ذات السلاسل کے بعد نازل ہوئی۔
معاذی صلح نامہ کا کام ہو کر جنگ ہوئی۔ جناب امیرؑ
کے شدید حملہ نے دشمن کو درہم برہم کر دیا۔
۴۲۲، ۴۲۳

سورہ فیل

مضامین:

مشہور تاریخی داستان کا بیان جو آنحضرتؐ کی ولادت کے سال واقع ہوئی۔ اللہ نے لشکرِ ابرہہ کو برباد کر دیا۔

۴۸۲

ثواب تلاوت

قیامت میں ہر پہاڑ، پہاڑ زمین، پتھر واجب نمازوں میں اس سورہ کو پڑھنے والے کی نمازگزاری کی گواہی دے گا۔ (امام جعفر صادقؑ) ۴۸۳، ۴۸۲

شان نزول:

ابرہہ کا لشکر لے کر کعبہ پر چڑھائی کرنا، مددِ الہی کی آمد اور لشکرِ ابرہہ کی تباہی و نابودی۔ ۴۸۵

سورہ قریش

مضامین:

سورہ فیل کی تکمیل، قریش پر نعمت و الطاف و محبتِ الہی کا بیان۔

۴۹۶

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والے کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں دی جائیں گی۔ (رسولِ پاکؐ) ۴۹۶

قریش مکہ یا انصار کے دو گروہوں یا دیگر فخر و مباہات کی نفی واضح ہے۔

۴۴۷

سورہ العصر

مضامین:

قرآن کے تمام علوم و مقاصد کا خلاصہ، ایمان و عمل صالح اور ایک دوسرے کو حق و صبر کی وصیت۔

۴۵۷

ثواب تلاوت:

نافلہ نمازوں میں پڑھنے والے کی قیامت میں چہرہ نورانی، لب خنداں، آنکھوں میں ٹھنڈک ہوگی۔ (امام جعفر صادقؑ) ۴۵۷

سورہ مہمہ

مضامین:

مال جمع کرنا، مفلسوں کو حقارت سے دیکھنا، ان کے لیے دوزخ کی آگ۔

۴۶۷

ثواب تلاوت:

رسولِ پاکؐ اور امام جعفر صادقؑ کی احادیث

۴۶۷

شان نزول:

دلید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوا جو آنحضرتؐ پر طعن و تشنیع کرتا تھا اور پس پشت آپؐ کی غیبت کرتا تھا۔ احنس بن شریق، امیہ بن خلف اور عاص بن زہرہ وائل اور دیگر لوگوں کے بارے میں بھی ۴۷۰

۲

۱

قیامت

پانچ مہرہ

ثو

اللہ تعالیٰ

روزوں کو

جہ

روزِ جزا کا

کھیلانا، نما

عدم تعاون

سورہ

مفہ

عاص بن

کا خوش ہونا

ثو

پڑھنے والے

فرمائے گا

سورہ

مفہ

مکی سورہ

سُورَةُ مَاعُونِ

مضامین:

قیامت و منکرین قیامت کی صفات و ایمان کو
پانچ مراحل میں بیان کیا گیا ہے۔

۵۰۲

ثواب تلاوت:

اللہ تعالیٰ اس سُورہ کے قاری کی نمازوں اور
روزوں کو قبول فرمائے گا۔

۵۰۲

جمع بندی مباحث:

روزِ جزا کا انکار، یتیموں کو حقیر جاننا، بھوکوں کو کھانا
کھلانا، نماز سے غفلت، ریاکاری، لوگوں سے
عدم تعاون، حقیر سی شے بھی نہ دینا۔

۵۰۸، ۵۰۷

سُورَةُ كُوثرِ

مضامین:

عاص بن وائل کا آنحضرت کو ابتر کہنا، قریش
کا خوش ہونا، اللہ کی بشارت۔

۵۱۲

ثواب تلاوت:

پڑھنے والے کو اللہ جنت کی نہروں سے سیراب
فرمائے گا۔ (رُسُولِ پاک)

۵۱۲

سُورَةُ كَاْفِرُوْنَ

مضامین:

مکی سُورہ، مشرکین کی ہٹ دھرمی اور آنحضرت کی ثابت قدمی

۵۲۰

ثواب تلاوت:

پڑھنے والے نے گویا چوتھائی قرآن پڑھا۔
روزِ قیامت گھبراہٹ سے امان میں ہوگا۔

۵۲۱ (رُسُولِ پاک)

سونے سے پہلے کافروں، پڑھو۔ یہ چوتھائی

قرآن ہے۔ (امام جعفر صادق ؑ)

۵۲۱

سُورہ میں تکرار:

ایک مضمون کی تکرار پر مفسرین کی رائے ۵۲۵ تا ۵۲۸

سُورَةُ نَصْرِ

مضامین:

اللہ کی مدد سے ایک عظیم کامیابی، لوگوں کے

جوق در جوق اسلام میں داخلہ کی بشارت۔

۵۲۰

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والا گویا فتح مکہ میں آنحضرتؐ کے

ساتھ تھا۔ (رُسُولِ پاک) ۵۲۰، ۵۲۱

۵۲۱، ۵۲۰

نافلہ یا واجب نمازوں میں تلاوت کرنے والے

کو اللہ تمام دشمنوں پر فتحیاب فرمائے گا۔

(امام جعفر صادق ؑ) ۵۳۰، ۵۳۱

۵۳۱، ۵۳۰

سُورَةُ تَبَّتْ

مضامین:

ابولہب اور اس کی بیوی کی سرزنش

۵۴۳

ثواب تلاوت:

پڑھنے والے اور ابولہب کو اللہ تعالیٰ ایک جگہ جمع نہیں کرے گا۔

۵۴۳

شان نزول:

آنحضرتؐ نے انذار کے لیے قریش کو آواز دی۔

سب جمع ہوئے تو فرمایا کہ ایک خدا کی عبادت

کرو۔ ابولہب نے طعن و تشنیع کی تو یہ سورہ نازل ہوئی۔ ۵۴۴

سورہ اخلاص

مضمون:

توحید پر گفتگو

۵۵۴

ثواب تلاوت:

سعد بن معاذ کے جنازہ پر ستر ہزار فرشتوں نے نماز پڑھی۔ وہ سورہ اخلاص کا ذکر کرتے تھے۔

(حدیث رسولؐ بذریعہ امام جعفر صادقؑ) ۵۵۶، ۵۵۵

جو پانچ وقت کی نماز میں ایک بار بھی سورہ اخلاص

پڑھے وہ نمازی نہیں۔ جو اللہ اور قیامت پر ایمان

رکھتا ہے وہ سورہ اخلاص کو ترک نہ کرے۔ ۵۵۶، ۵۵۵

سورہ فلق

مضامین:

مسلمانوں کو اشرار سے پناہ مانگنے کی تعلیم

۵۴۳

فرمان رسولؐ: مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ

ان کی مثل و مانند اور نہیں۔ وہ دو سورتیں

’فلق‘ و ’ناس‘ ہیں۔ (رسول پاکؐ) ۵۴۴

نماز وتر میں سورہ فلق و ناس و اخلاص پڑھنے

والے کی نماز وتر قبول ہوگی۔ (امام محمد باقرؑ) ۵۴۴

سورہ ناس

مضامین:

تمام دوسو سے ڈالنے والوں کے شر سے اللہ کی

۵۸۳

پناہ طلب کریں۔

ثواب تلاوت:

نماز وتر میں سورہ توحید و فلق و ناس کی تلاوت

کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تجھے بشارت ہو

تیری نماز وتر قبول ہوئی۔ (امام محمد باقرؑ) ۵۸۴، ۵۸۳

کتاب تاریخ و تفسیر و سیر

اصول کافی ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰

تفسیر فخر الدین رازی

۳۳۵، ۳۳۹، ۳۰۸، ۲۶۸

۳۳۹، ۳۳۹، ۳۸۶، ۳۸۲، ۳۴۲

۵۲۵، ۵۱۷، ۲۶۱

۵۲۵، ۳۷۴

تفسیر فی ظلال القرآن

تفسیر قرطبی

۱۹۶، ۱۵۶، ۱۱۶، ۱۰۷، ۶۸، ۳۳

۳۲۷، ۳۰۹، ۲۸۸، ۲۶۸، ۲۶۵، ۲۰۸

۵۲۵، ۵۲۳، ۴۲۴، ۴۲۲

تفسیر کشاف

۳۴۳، ۳۰۲، ۱۹۹، ۱۹۶، ۱۲۷، ۱۱۶

۴۴۰

۱۱۰، ۱۰۷، ۹۴

تفسیر مجمع البحرین

تفسیر مجمع البیان

۶۸، ۶۶، ۶۰، ۵۲، ۴۹، ۴۰، ۳۲

۱۱۶، ۱۱۴، ۱۱۰، ۸۹، ۸۶، ۸۴، ۸۱

۱۷۷، ۱۶۸، ۱۵۶، ۱۵۰، ۱۴۲، ۱۲۹، ۱۲۳

۲۵۱، ۲۴۵، ۲۳۵، ۲۲۷، ۲۰۱، ۱۸۵

۲۷۵، ۲۷۰، ۲۶۸، ۲۶۵، ۲۵۸، ۲۵۴

۲۹۸، ۲۹۶، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۲، ۲۸۳

۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۰، ۳۱۷، ۳۱۴، ۲۹۹

۳۴۶، ۳۳۷، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۰، ۳۲۹

۳۹۱، ۳۷۸، ۳۶۹، ۳۶۰، ۳۵۹، ۳۵۴

۴۴۴، ۴۳۴، ۴۲۸، ۴۲۴، ۴۱۲، ۴۰۸

۴۸۵، ۴۸۳، ۴۵۸، ۴۵۷، ۴۵۵، ۴۴۹

۵۲۳، ۵۱۶، ۵۱۲، ۵۱۱، ۵۰۲، ۴۹۶، ۴۸۹

۵۴۷، ۵۴۵، ۵۴۳، ۵۴۰، ۵۳۵، ۵۳۱

۵۸۹، ۵۶۳، ۵۵۶، ۵۵۵

۲۸۹، ۲۸۵

بلوغ الادب

۴۵

پیدائش و مرگ خورشید (جارج موگاف)

۴۶۱

تحف العقول

تفسیر ابوالفتوح رازی

۵۲۳، ۴۳۹، ۳۲۰، ۲۷۲، ۲۷۱

۵۴۵

۵۴۸

تفسیر القرآن

۲۷۱، ۲۴۴، ۲۲۶، ۱۵۸، ۱۵۷

تفسیر المیزان

۵۹۰، ۵۶۰، ۵۵۴

۳۸۳، ۳۵۷، ۲۲۵، ۱۴۶، ۸۹، ۳۹

تفسیر برهان

۳۸۴

۴۷۷

تفسیر بیضاوی

۱۸۵، ۱۳۰، ۱۱۹، ۱۰۳، ۶۸، ۵۲

تفسیر در المنثور

۵۲۳، ۴۶۵، ۴۵۲، ۴۰۳، ۳۸۲، ۲۸۴

تفسیر روح البیان

۲۹۰، ۲۵۸، ۱۸۷، ۱۴۱، ۷۳، ۶۸، ۵۸

تفسیر روح الجنان

۲۲۶، ۱۵۵، ۱۵۰، ۱۳۴، ۸۶

تفسیر روح المعانی

۱۳۰، ۱۲۷، ۹۴، ۷۳، ۶۸، ۵۸

۱۹۹، ۱۹۶، ۱۸۰، ۱۷۲، ۱۵۶، ۱۵۵

۴۰۷، ۴۰۴، ۳۷۸، ۳۴۳، ۳۱۰، ۲۲۶

۴۰۴

تفسیر طبری

۴۷۶

تفسیر طنطاوی

۴۹۲، ۳۲۵

تفسیر عبده

۵۲۶، ۱۵۵، ۹۵

تفسیر علی ابن ابراہیم

۱۵۷

تفسیر عیاشی

١٨٩	قرآن برافراز آثار	١٨٠، ١٤٣، ٨٦	تفسير مراغي
١٥٥	قصص القرآن (بلاغی)	١٣٣، ١٢٤، ١٢٦، ١١٩، ١٠٢، ٨٦	تفسير مفاتيح الغيب
٥٣٥، ٥٣٠	کامل ابن اثیر	٢٢٦، ٢١٩، ٢٠٠، ١٥٦	
٢٩٦	کتاب وسائل (محرر علی)	٨٩، ٨٤، ٨٣، ٤٤، ٤٣، ٤٠، ٣٣	تفسير نور الثقلين
٢٠٢	کفايت الخصام	١٥٠، ١٢٩، ١١٣، ١١٢، ١٠٣، ٩٦	
٢٨٩، ٩٣، ٣٤، ٣٢، ٣٥	لسان العرب (ابن منظور)	٢٢٨، ٢٠٠، ١٩٩، ١٨٣، ١٤١، ١٢٨	
٢١٣	لئالی الاخبار	٢٤٠، ٢٦١، ٢٥٤، ٢٥١، ٢٣٦، ٢٣٣	
٢٩٣	محنة البيضاء	٢١٢، ٢٨٦، ٣٣٩، ٣٣١، ٣٢٩، ٢٩٢	
١٥٢، ١٣٤، ١٣٢، ١١٠، ٩٠، ٢٢	مفردات (راغب)	٢٤٣، ٢٤٣، ٢٥٩، ٢٥٢، ٢٢٢، ٢٢١	
٢٨٣، ٢٨٢، ٢٦٩، ٢٥٥، ٢١٢، ١٤٩		٥٤٥، ٥٠٤، ٥٠٦، ٢٨٥، ٢٤٨	
٢٩٦، ٣٨٢، ٣٦٠، ٣٣٦، ٣٢٢، ٢٨٩		٢٤٨	توحيد صدوق
٥٣٤، ٥٠٣، ٢٤٢، ٢٦٢، ٢٦٠، ٢٢٢		٣٣٩	دائرة المعارف
٥٨٤		٢٨٥	روضه الواعظین
٢٤٣	مقائیس اللغة	٢٨٩، ٢٨٥	سيرة ابن هشام
٩٢	منية المرید	٢٢٨، ٢٢٢	شرح منج البلاغة
٢٠٣	نور الابصار	٢٠١، ٣٣١، ٣١٠، ٢٩٢	شواهد التنزيل
٢٣٦، ٢٣٣، ١٤٠، ١٢٢، ٤٤، ٩٦، ٥٥	منج البلاغة	١٨٠	صحیح ترمذی
٢٢٣، ٣٢٩، ٢٨٩، ٢٨٢، ٢٦٩، ٢٦٢		٢٥٢	صحیح مسلم
٥٨٤، ٥٦٦، ٢٦٢، ٢٦١، ٢٢٨		٢٠٣	صواعق محرقة
٣٢٦	منج الفصاحت	١٥١	صحيفة سجادية
٥٠٩، ٥٠٨، ٩٢	وسائل الشيعة	٢٣٢	علل الشرائع
٢٠٢	ينابيع المودة	٢٢٤	فروع كافي
		٢٨٣	قاموس اللغة

لغات قرآن

(۱)

- ۳۰۲ استغنیٰ: بے نیازی چاہنا
اشنات: شست (بروزنِ شط) کی جمع،
۴۱۴ پراگندہ، متفرق
۳۰۱ اعطیٰ: راہِ خدا میں خرچ کرنا
افتحہ: مادہ، افتتاح، سخت و خوفناک کام
۲۶۹ میں داخل ہونا۔
۲۱۳ اکواب: کوب کی جمع، دستہ والے پیالے، جام
الہاکم: مادہ، لٹو، چھوٹے چھوٹے کاموں
میں مشغول ہونا۔
۴۴۷ الہمہا: مادہ، الہام، کسی چیز کا نگہنا، پینا،
اللہ کی طرف سے کسی روح میں کسی
مطلب کو القا کرنا۔
۲۸۱ انفطرت: مادہ، انفطار، شکافتہ ہونا
۶۲ انقض: مادہ، نقض، رستی کی گرہ کھولنا
انتقاض: آواز جو عمارت کے ٹکڑوں
کو جدا کرتے وقت پیدا ہوتی ہے، عہد و
پیمان توڑنا۔
۳۳۸ انکدرت: مادہ، انکدار، گرنا، پراگندہ ہونا،
تیرگی، تاریکی۔
۳۶ انیہ: مادہ، انی، (بروزنِ حلی) تاخیر میں
ڈالنا، انتہا کو پہنچنا۔
۲۰۸ اوتاد: وتد (بروزنِ صمد) کی جمع، میخ
۲۳۲

- ۵۱۱ ابتر: بے اولاد، بلا عقب، مقطوع النسل
ابرار: بار اور بُر (بروزنِ حق) کی جمع
نیکو کار شخص۔
۷۸ اشرن: مادہ، اثارہ، غبار یا دھوئیں کو پراگندہ کرنا
۴۲۶ اثقال: جمع ثقل (بروزنِ فکر) کی۔ بوجھ، بار
۴۱۱ احد: مادہ، وحدت، واحد
۵۶۰ احوئی: مادہ، حوۃ، (بروزنِ قوۃ) کبھی سبز اور
کبھی سیاہ رنگ کے معنی میں۔
۱۸۹ اُخدود: زمین، عمیق، کھلے ہوئے شکاف،
رخسار۔
۱۵۲ اذنت: مادہ، اذن، (بروزنِ اذن) کان
کان لگا کر سننا۔
۱۲۵ اراثیک: اریکہ کی جمع، خوبصورت تخت یا ٹھیلہ
عروسی میں سجایا ہوا پلنگ۔
۱۰۸ ازلفت: مادہ، زلف، (بروزنِ حرف)
مادہ زلفی (بروزنِ کبریٰ)
زمان و مکان کے اعتبار سے قریب ہونا
۴۳ اساطیر: مادہ، سطر، اسطورہ کی جمع، مہووم
قصے، جھوٹی باتیں۔
۱۰۰

تکاش: مادہ، کثرت، تفاخر، مباہات

۴۴۷

بڑائی جملانا۔

۴۷۸

تلاھا: پیچھے آنا

تلطی: مادہ، لظی، (بروزن قضا) خالص شعلہ،

۳۰۶

جہنم۔

تنافس: دو انسانوں کا ایک چیز کے لیے کوشش

کرنا، عظمت و عزت کے ساتھ ایک

۱۱۰

دوسرے پر سبقت لے جانا۔

تنہر: مادہ نہر۔ سختی سے دھتکارنا، نہر جو

۳۲۵

پانی کو تیزی سے دھکیلتی ہے۔

تواصوا: مادہ، تواصی، بعض افراد کا بعض

۴۶۴

دوسرے افراد کو نصیحت کرنا۔

(ث)

ثاقب: مادہ، ثقب، سوراخ کرنا، بنجھنا

۱۷۱

سیارہ زحل۔

۱۳۳

ثبور: ہلاکت

ثوب: مادہ، ثوب، (بروزن خوف) سابقہ

۱۲۰

حالت پر پلٹنا۔ ثواب اعمال کا اجر ہے۔

(ج)

جایوا: مادہ، جوبہ، (بروزن توبہ) پست زمین،

۲۳۳

زمین کی قطع و برید پہاڑوں کو کاٹ کر گھر

بنانا۔

(ب)

۳۰۲

بُخل: اعطی کی ضد، کنجوسی

بروج: برج، کی جمع، قصر، محل، زمینت،

۱۴۸

بارہ بروج آسمانی

بطش: ایسی گرفت جس میں قہر و قدرت کا

۱۶۰

داخل ہو۔

بعثت: مادہ، بعثہ، (بروزن منقبہ) زیروزہر

۴۲۹، ۴۳

کرنا، باہر نکالنا۔

۳۹۴

بینہ: روشن دلیل، رسول پاک

(ت)

۵۴۷

تب: تباب (بروزن خراب)، دائمی خسارہ

۱۷۶

تبلی: مادہ، بلوی، آزمائش و امتحان

۲۴۰

تعاوضون: مادہ، حضی، تحریص و ترغیب

۱۷۳

تراث: تربیہ کی جمع۔ سینہ کے اوپر کی ہڈیاں

تردعی: مادہ، ردایت، ردی، ہلاکت، بلندی

۳۰۳

سے کرنا۔

۲۰۸

تصلی: مادہ، وصلی، (بروزن نفی) آگ میں گر جملنا

۴۹۰

تضلیل: گمراہی، گمراہ کرنا

تقویٰ: مادہ، وقایہ، نگہداری، اپنے وجود کو

۲۸۲

گناہوں اور آلودگیوں سے محفوظ رکھنا

۳۲۵، ۳۲۴

تقہر: مادہ، قہر، غلبہ جس میں تحقیر بھی ہو

خسرو: (بروزنِ عسرا) سرمایہ کم ہوتے جانا۔
 (خزرازی نے ایک برف فروش سے
 'خسران' کے معنی سیکھے جو کہے جا رہا تھا
 کہ اس پر رحم کرو جس کا مال گھٹلا جا رہا ہے) ۴۶۰
 ختناس: مادہ 'خنوس'، (بروزنِ خسوف) صیغہ
 مبالغہ جمع ہونا، پیچھے جانا۔ ۵۸۷
 خنس: مادہ 'خنس'، (بروزنِ شمس) خانس کی
 جمع، انقباض، بازگشت، پناہ ہونا۔ ۴۷۲

(۵)

دشھا: مادہ 'دس' کسی چیز کو راست، ناپسندیدگی
 سے داخل کرنا وسیلہ نقصان دہ،
 مخفی کام۔ (تزکیہ کی ضد) ۲۸۳
 دك: نرم و صاف زمین، اونچی جگہ، عمارتوں
 کے لیے کوٹنے اور ریزہ کرنے کا اطلاق ہوا۔
 دكہ: صاف اونچی جگہ (چبوترہ) ۲۴۳
 دمدہ: مادہ 'دمدہ' ہلاک کرنا، عذاب،
 پوری سزا۔ ۲۸۹

(س)

ران: مادہ 'رین'، (بروزنِ عین) رنگ،
 کثافت۔ ۱۰۱
 رجج: مادہ 'رجوع'، بازگشت، (عرب بارش
 کو رجج کہتے ہیں) ۱۷۹

ججیم: مادہ 'ججم'، (بروزنِ فہم) آگ بھڑکانا۔
 بھڑکتی ہوئی آگ۔ ۷۹

جلاھا: مادہ 'تجلیہ'۔ اظہار و انبساط، روشنی
 کا پھیل جانا۔ ۲۷۸

جوار: جاریہ کی جمع۔ تیز رفتار
 جید: (بروزنِ دید) گردن۔ ۵۵۰

(ح)

حامیہ: مادہ 'حمی' (بروزنِ نفی) حرارت کی شدت
 جہنم کی آگ۔ ۴۴۰

حجر: (بروزنِ فکر) دامن، آغوش، حجر، عقل، منع
 حسنی: حسن کی مؤنث، بہت زیادہ اچھی
 حصّل: مادہ 'تخصیل'، مغز کو چھلکے سے باہر
 نکالنا، حاصل کرنا، صاف کرنا۔ ۴۳۰

حطمہ: مادہ 'حطم'، (صیغہ مبالغہ) درہم برہم
 کرنا، جہنم۔ ۴۷۴

حقت: مادہ 'حق'، شائستہ، لائق، سزاوار
 حمید: ہر قسم کی تعریف و توصیف کے لائق
 حنفاء: مادہ 'حنف'، حنیف کی جمع، مگر اہی سے
 راہِ مستقیم پر مائل ہونا۔ ۳۹۶

(خ)

خاب: مادہ 'غیب'، مطلوب تک نہ پہنچنا، محروم
 ہونا، نقصان اٹھانا۔ ۲۸۳

رجیم: مادہ 'رجم'۔ رجام (بروزنِ لحام)

۵۴

پتھر، پتھر مارنا، دُور کرنا

۱۰۹

رجیق: خالص و پاکیزہ شراب

روید: مادہ 'رود' (بروزنِ عود) آمد و رفت

۱۸۱

رکھنا: کسی کام کو نرمی سے انجام دینا۔

(ر)

زبانید: 'زبیدہ' کی جمع (بروزنِ متن)

دفع کرنا، ضرب لگانا، فرشتگانِ عذاب،

۳۷۴

دوزخ کے مامورین۔

۲۱۳

زراچی: زریہ کی جمع، قیمتی، راحت بخش، نرم فرش

زرتقر: زیارت، مادہ 'زور' (بروزنِ قول) سینہ

۴۴۷

کے اوپر کا حصہ، زیارت و ملاقات کرنا

۲۸۲

زکٹھا: مادہ 'تزکیہ'۔ رشد و نمو۔

(س)

ساہون: مادہ 'سہو' خطا جو غفلت کی بنا پر ہو۔ ۵۰۵

سجرت: مادہ 'تسیر'۔ جلانا، بھڑکانا، آگ کا

۳۸، ۳۷

بیجان میں آنا۔

سجیل: (فارسی سنگ، رگل) ایسی چیز جو

۴۹۰

پتھر جیسی سخت اور مٹی جیسی نرم نہ ہو

سجین: مادہ 'سجن'۔ زندان، قید خانہ، قعر جہنم

کی خوفناک وادی، برائیوں کے دیوان کی جامع

جس میں کفار و فاسقین کے اعمال کو

۹۶ تا ۹۷

تدوین کیا گیا ہے۔ سجن کی تشریح

سواثر: سریہ کی جمع ہے۔ اندرونی و مخفی حالت

۱۷۶

صفات، نیت۔

سرور: مادہ 'سرور'۔ سریہ کی جمع، سجائے ہوئے

۲۱۲

پلنگ، خوبصورت تخت۔

سواھا: مادہ 'تسویہ'۔ انسان کی روحی قوی، صیغہ

۲۹۰

عظیم، صاعقہ و زلزلہ سے صفایا کرنا۔

۲۳۳

سوط: تازیانہ

۱۸۷

سوی: مادہ 'تسویہ' مرتب کرنا، نظام بخشنا

۳۲۸

سینین: سینہ کی جمع۔ درخت

(ش)

شانی: مادہ 'شنان' (بروزنِ ضربان) عداوت

۵۱۸

دشمنی، کینہ وری، بدخلقی

شتی: مادہ 'شت'۔ شدت کی جمع، جماعت کو

۳۰۱

منتشر کرنا۔

شفق: دن کی روشنی کا رات کی تاریکی سے

۱۳۷

آمیختہ ہونا، نازک وقت۔

(ص)

صحف: صحیفہ کی جمع۔ اوراق جن پر لکھا جاتا ہے ۳۹۵

صدع: سخت اجسام میں شکاف پڑنا ۱۷۹

تف

صا
ص

ضبیہ
ضعیہ
ضبیہ

طار

طبوق

طحا

طفوف

عائل

عادیا

صلب: پشت

۱۷۳

صمد: دائم و ازلی وابدی ذات

۵۶۲

(ض)

ضیح: (بروزن مدح)۔ تیزی سے دوڑنا

۴۲۳

ضحیٰ: سورج کی روشنی پھیلنا

۲۷۸

ضنین: ضنہ (بروزن مٹہ) نفیس و قیمتی اشیاء

۵۳

کے بارے میں بھل کرنا۔

(ط)

طارق: مادہ 'طرق' (بروزن برق) لوٹنا

(طرق۔ راستہ) رات کا مسافر جو آکر

۱۷۰

دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔

طبق: مادہ 'مطابق' ایک چیز کو دوسری کے اوپر

۱۳۹

قرار دینا یا رکھنا۔

طحاها: مادہ 'طحو' (بروزن سو) پچھانا، پھیلانا

۲۸۰

دھکیلنا، دور کرنا۔

طغویٰ: حد سے زیادہ تجاوز کرنا، حدود الٰہی سے

۲۸۷

تجاوز کرنا۔

(ع)

عائل: عیالدار شخص۔ فقیہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے

۳۲۴

عادیات: مادہ 'عدو' (بروزن صبر) گزنا، جدا ہونا،

۴۲۳

دوڑنا۔

(غ)

غاسق: مادہ 'غسق' (بروزن شفق) نصف

شب، گھنگھور تاریکی، هجوم کرنا، حملہ آور ہونا

۵۷۷

عدد: مادہ 'عد' شمار کرنا، گننا

مادہ 'عدہ' (بروزن عدہ) اموال کو

۴۷۲

برے وقت کیلئے ذخیرہ کرنا۔

۱۵۴

عریض: طاقتور، شکست ناپذیر

۴۹

عسعس: مادہ 'عسعسہ' دقیق و ملکی تاریکی

عشار: عشر کی جمع، حاملہ اونٹنی جب وہ بچہ

۳۶

جننے والی ہو۔

عصف: (بروزن حذف) زراعت کے پتے

جو خشک ہو کر بکھر جاتے ہیں، مراد گھاس

۴۹۰

عطلت: مادہ 'تعطیل'، مال یا کلمہ کو سرپرست

۳۶

اور چرواہے کے بغیر چھوڑ دینا۔

۲۹۱

عقبی: اختتام، انتہا، انجام کار

عقروہا: مادہ 'عقر' (بروزن ظلم) اصل،

۲۸۸

جڑ، بنیاد۔

علیین: علی (بروزن ملی) کی جمع، بلند جگہ اور

۹۶

اس پر بیٹھنے والے، جنت کی بہترین جگہ۔

۴۷۵

عمد: عمود، لکڑی یا لہجے کے قطعات

۴۳۸

عہن: دھنی ہوئی رنگین روئی

۴۴۰

عیشہ: راضیہ، خوش و خرم زندگی

(ق)

قارعه : مادہ 'قرع' (بروزن فرغ) کسی چیز کو
دوسری چیز پر گرنا جس سے سخت آواز
پیدا ہو۔ اہم و سخت حادثہ، قیامت کا
ایک نام۔ ۴۳۷

قدحاً : چنگاری نکالنے کے لیے دو پتھروں یا
کڑیوں کو گرانا۔ ۴۲۵

قریش : مادہ 'قرش' (بروزن قرش) یہ قبائل
عموماً تجارت میں مصروف رہتے تھے۔ ۴۹۹
قول فصل : حق و باطل کو جدا کرنے والی بات۔ ۱۸۰

(ک)

کبد : (بروزن حد) درد جو انسان کے کبد
(سیاہ جگر) کو عارض ہوتا ہے۔ ہر قسم
کی تکلیف و مشقت۔ ۲۵۵

کدح : (بروزن مدح) سعی و کوشش جو
رنج و تعب کے ساتھ ہو۔ خراش ۱۲۷
کشطت : مادہ 'کشط' (بروزن کشف) جانور
کی کھال اتارنا۔ پردہ رنج اٹھانا۔ ۴۲

کنس : مادہ 'کنس' (بروزن شمس) کانس کی جمع
چھپ جانا۔ ۴۸

کنود : بنجر زمین، ناشکر اور بہت سے معنی ۴۲۷

غشاء : خشک گھاس، دیگ کے جوش کھانے سے

پیدا ہونے والی جھاگ، مراد ضائع ہونا۔ ۱۸۸

غزل : مادہ 'غور' بیداری کے موقع پر غفلت ۶۹

(ف)

فتنوا : فتن، مادہ 'فتنہ' (بروزن فتن) سونے کو

آگ میں ڈالنا، امتحان و آزمائش ۱۵۹

فجبار : فاجر کی جمع، شکاف، تقویٰ و پاکدامنی کا
پردہ چاک کرنے والے۔ ۷۹

فجور : وسیع شکاف، صبح چونکہ صبح کا نور تاریکی

شب میں شکاف ڈال دیتا ہے۔ ۲۲۵

فجور : مادہ 'فجر' وسیع شکاف، پردہ شب

چاک ہونا۔ ارتکاب گناہ کا پردہ دیانت

کو چاک کرنا۔ ۲۸۱

فراش : فراشہ کی جمع، پروانہ، مڈی دل ۴۳۷

فلکین : فلک کی جمع (بروزن فخن)

فکالہ : (بروزن مقالہ) مذاق اڑانا۔ ۱۱۸

فلق : مادہ 'فلق' (بروزن شفق) کسی چیز میں

شکاف کرنا۔ ایک شے کو دوسری سے

جدا کرنا۔

(بروزن خلق) پردہ شب کو چاک کرنا، صبح

ہونا۔ زندہ موجودات کا تولد۔ (ہر موجود کی

خلقت و آفرینش۔ ۵۷۶

- مترتبہ: مادہ 'ترب' (بروزن طراب) تراب
یا خاک۔ ۲۷۱
- مجید: مادہ 'مجد' شرافت و جلالت کی وسعت ۱۶۵
- مختوم: مہر لگی ہوئی۔ ۱۱۰
- موصاد: مادہ 'رصد' کسی چیز کی نگہبانی پر
آمادہ ہونا، مکین گاہ۔ ۲۳۵
- مرقوم: مادہ 'رقم' (بروزن زخم) واضح تحریر ۱۰۶
- مسغیہ: مادہ 'سغب' (بروزن غضب)
بھوک۔ ۲۷۰
- مشحہ: مادہ 'شوم' میمنہ کی ضد، بد بخت،
بائیں طرف یا بائیں ہاتھ والے۔ ۲۷۲
- مشفرہ: مادہ 'اشفار' آشکار ہونا، چمکانا، سورج
کابلے نور ہو جانا مراد ہے۔ ۳۵
- مطفین: مادہ 'تطفیف'۔ اطف، کسی چیز
کے کنارے، کم چیز، کم مقدار، پیمانہ جو
برزینہ ہو۔ ۸۷
- مطہرہ: ہر قسم کے کذب، شرک، بد روغ، باطل
اور شیطانی جن و انس کے دخل دینے
سے پاک۔ ۳۹۵
- مغبرات: مادہ 'اغارہ' مغبرہ کی جمع، ہجوم کرنا،
دشمن پر حملہ کرنا۔ ۴۲۵
- مقابر: مقبرہ کی جمع، قبر، کنایت موت ۴۴۷
- مقربہ: قربت داری ۲۷۰

- کواکب: ستارے، بطور خاص زمہ ستارہ ۶۲
- کورت: مادہ 'تکویہ' کسی چیز کو لپیٹنا، جمع کرنا ۳۵
- ککید: ایک قسم کی چارہ جوئی (دو قسمیں ہیں، پسندیدہ،
نموم) ۱۸۱

(ل)

- لاغیہ: جو لغویت لیے ہوئے ہو۔ ۲۱۱
- لبد: (بروزن لغت) تہ برتہ، انہوہ کثیر مراد بہت
زیادہ مال۔ ۲۵۷
- لمزہ: مادہ 'لمز' (بروزن رمز) غیبت یا عیب
جوئی کرنا۔ ۴۴۱
- لن یحوب: کبھی واپس نہیں آئے گا ۱۳۴
- لنسفعاً: مادہ 'سفع' (بروزن عفو) پکڑنا، سختی
سے کھینچنا، نشان زدہ کرنا، ذلیل کرنا۔ ۳۷۲
- لوح: لکھنے کے لیے لمبا چوڑا صفحہ
- لوح۔ پیاس، ہوائے فضا ۱۶۵
- لہب: آگ کا شعلہ، نارِ جہنم ۵۴۹
- لینبذک: مادہ 'نبذ' (بروزن سب) حقارت و
بے قدری سے دور پھینکنا۔ ۴۷۴

(م)

- ماعون: مادہ 'معن' (بروزن شان) کم قیمت و
بے قدر چیز۔ ۵۰۶

نفاسات: مادہ نفس (بروزن جس) بچھونکنا،

۵۷۸

دم کرنا۔

نقع: (بروزن نفع) غبار

۴۲۶

نقیع۔ ساکن پانی

نقموا: مادہ 'نقم' (بروزن قلم) انکار کرنا

۱۵۳

عیب لگانا۔ اسی سے انتقام ہے۔

نمارق: مرقہ (بروزن غلغلہ) کی جمع۔

۲۱۳

چھوٹے تیکے۔

(و)

۲۳۳

واد: وادی، دریا یا سیلاب کی گزرگاہ

۳۳۸

وزر: بوجھ۔ وزیر اسی سے مشتق ہے

وسق: (بروزن غضب) ایک اونٹ کا بوجھ

۱۳۸

بکھری ہوئی چیزوں کو جمع کرنا۔

وسواس: آلات زینت و زیورات کے ٹکڑے

سے نکلنے والی آہستہ آواز، دل میں پیدا

ہونے والے خیالات (دوسروں کو ڈانڈنے والا)

۵۸۷

وقب: مادہ 'وقب' (بروزن شفق)

۵۷۸

(بروزن نقب) گڑھا، خندق

۱۵۲

وقود: آگ، ایندھن

۵۱۵

ونحر: اونٹ کو ذبح کرنا

ویل: شر، غم و اندوہ، ہلاکت، دردناک عذاب،

جہنم کی وادی۔ نفرین کرنے اور قباحت کے

۸۷

معنی میں مستعمل ہے۔

ممنون: مادہ 'من' ختم ہونا، کم ہونا ۳۴۷، ۱۴۲

۳۶۱

من علق: کسی چیز میں چپک جانا

منفوش: مادہ 'نفس' (بروزن نقش) اون کو

۴۳۸

بھیلانا، دھننا

۴۳۸

موازين: میزان کی جمع۔ ترازو

مؤدہ: 'واد' (بروزن رود) لڑکی جو زندہ دفن

۳۹

کردی گئی ہو۔

۴۲۵

موریات: مادہ 'ایرا' سورہ کی جمع، آگ بھڑکانا

موصدہ: مادہ 'ایصاد' دروازہ بند کرنا، گھیرے

۴۷۵، ۳۷۲

میں لینا، محکم کرنا۔

۲۷۲

میمنہ: مادہ 'مین' صاحبان برکت

(ل)

نادی: مادہ 'ندا' پکارنا، مجلس عمومی (جماعت جو

۳۷۴

دارالندوہ میں جمع ہوتی تھی)

۳۷۲، ۳۷۱

ناصبہ: پیشانی، سر کے اگلے حصہ کے بال

ناعملہ: مادہ 'نعمت' یہاں نعمات کے باعث

۲۱۱

سرشار چہرے مراد ہیں۔

نشرح: مادہ 'شرح' کشادہ کرنا (اور بہت

۳۳۶

سے معنی)

۲۱۸

نصبت: مادہ 'نصب' نصب کیے ہوئے، ثابت

۱۰۹

نضرہ: تروتازگی، نشاط، بشاشت

۱۰۸، ۷۹

نعیم: نعمت، نعمت کی بقا، بہت زیادہ نعمات

یصدر: مادہ صدر (بروزن صبر) اونٹوں
کو پانی پلانے کی جگہ سے نکلتا، مختلف
اقوام کا قبروں سے نکل کر حساب دینے
کے لیے آنا۔ ۴۱۴

یصلون: مادہ وصلی (بروزن سعی) آگ میں
داخل ہونا، جلنا، تکلیف کو برداشت کرنا ۸۰
یوعون: مادہ وعاء ظرف، برتن ۱۲۲

متفرق موضوعات

آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت

ہم نے انسان کو آنکھ اور زبان کی نعمت دی،
خیر و شر کی معرفت اور ہدایت کی نعمت عطا
فرمائی۔ بھلائی و برائی دونوں راستے دکھائے۔ ۲۶۱، ۲۵۹

آنکھ کی حیرت انگیزیاں

تصویر سازی میں آنکھ کے طریق کار کی مفصل بحث ۲۶۱ تا ۲۶۴

ابرار و متقین کون ہیں

سب مقرب افراد ابرار ہیں لیکن سب ابرار
مقرب نہیں۔ ۱۱۲

ابرار و متقین علیٰ وفا طمہ حسن و حسین ہیں ۱۱۳

(۵)

ہاویہ: مادہ صوی، سقوط، گرنا، دوزخ
کا ایک نام ۴۴۰
ہمزہ: مادہ ہمز، توڑنا ۴۵۰

(ی)

یافوخ: سر کا اگلا حصہ، بچوں کا یہ حصہ بہت
نرم ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ ہڈی میں
تبدیل ہوتا ہے۔ (یہ لفظ حدیث سے ہے) ۲۸۸
یتغامزون: مادہ غمز (بروزن طنز) عیب جوئی
کے لیے ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرنا۔ ۱۱۷
یحض: مادہ حض، کسی چیز کے لیے دوسروں
کو ترغیب دینا۔ ۵۰۴
یحور: مادہ حور (بروزن غور) تردد، آمد و رفت
عملی ہو یا فکری۔ محور، حوار، محاورہ، حواری
اسی سے مشتق ہیں۔ ۱۳۴

یلع: مادہ لع (بروزن حد) سختی سے دُور
کرنا، غصہ سے جھڑکنا۔ ۵۰۴
یسر: مادہ سری، رات کا چلنا، مرادرات بصورت
زندہ و موجود چلتی ہے۔

یسر ای: مادہ یسر گھوڑے کو نکام دینا۔ زین ۲۲۸
کنا: سواری کے لیے تیار کرنا۔ ہر قسم
کی آسانی مراد ہے۔ ۳۰۲

ابرہہؑ کے نام میں جلدی نہ کرے

ابرہہؑ کا آنا، اشراقِ مکہ کے اموال لوٹ کر خوف و ہراس پیدا کرنا۔ بالآخر ابابیل کے جھنڈ سے تباہ ہونا۔ ۲۸۹ تا ۲۹۱

الولہب ہلاک ہو جائے!

الولہب کے ہاتھ کٹ جائیں، اس نے جو مال کمایا، اس نے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ وہ جلد ہی داخلِ جہنم ہوگا، اور اس کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے، اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رستی ہے۔ ۵۴ تا ۵۵

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ!

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے جہان کو خلق فرمایا، انسان کو پیدا کیا۔ اس کا ذکر کر جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ ۳۵۸ تا ۳۶۵

اس دن اپنی قدر و قیمت معلوم ہوگی

جب اعمالِ ناسے کھولے جائیں گے، آسمان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا، دوزخ دہک اُٹھے گی، جنت سامنے ہوگی۔ ہر شخص کو اپنے کیے کا عہم ہو جائے گا۔ ۴۱ تا ۴۳

اس روز کفارِ مومنین کا مذاق اڑاتے تھے

اور آج

بدکار مومنین پر ہنستے اور انہیں گمراہ کہتے، وہ ان کے مشکفل تھے نہ نگرانی پر مامور تھے۔ آج مومن اُن پر ہنستے ہیں۔ کیا کفار نے اجر پالیا ہے؟ ۱۲۰ تا ۱۱۵

اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے

ہم نے اصحابِ فیل کو تباہ کیا تا کہ قریش اس سرزمین سے اُلفت کریں اور اس شخصِ شہر کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں۔ سورہ قریش کی تفسیر۔ ۴۹۸ تا ۵۰۰

اس مقدس شہر کی قسم!

وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے انہوں نے تیرے احترام کی ہتک کی ہے۔ ۲۵۸ تا ۲۵۹

اصحابِ اخذ و دکن تھے

یمن کا ذوالنواس، حضرت دانیالؑ کے زمانہ کے مجوسی اور ان کے علاوہ بھی۔ ۱۵۴ تا ۱۵۷

اعمال لکھنے والے فرشتے

اعمال لکھنے والے فرشتے، ان کا طریق کار اور متعلقہ احادیث۔ ۷۵ تا ۷۷

اللہ بے مثال ہے

سورہ اخلاص کی تفسیر ۵۵۷ تا ۵۶۱

خوا

جولو

دجی

اے

راورا

انجیر و زیتون کے خواص

خواص پر اطباء، دانشوروں اور ائمہ کے اقوال ۳۴۹ تا ۳۵۲

انفاق اور جہنم کی آگ سے دوری

جو لوگ متقی ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں، آگ سے بچے رہیں گے۔ ۳۰۵

انقطاع وحی کا فلسفہ

وحی میں تاخیر سے ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ دین کے معاملہ میں احکام الہی کے قطعی تابع ہیں۔ اپنی طرف سے نہ کچھ کہتے ہیں نہ کرتے ہیں۔ ۳۲۰

اے صاحبِ نفسِ مطمئنہ!

اے پرسکون نفس! اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جا جبکہ تو اس سے راضی اور وہ بھی تجھ سے خوش ہے۔ میرے بندوں کی صف میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ۲۴۶ تا ۲۴۸

اے غافلو کہاں جا رہے ہو!

راہِ راست چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو، یہ قرآنِ عالمین کے لیے نصیحت ہے اور جو چاہتے ہیں ان کیلئے نصیحت ہے۔ تم نہیں چاہتے مگر وہ جو ربِّ العالمین چاہے۔ ۵۶ تا ۵۸

اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا!

اللہ جس نے تجھے پیدا کیا اور جس شکل میں چاہا مرتب کیا۔ تم روزِ جزا کے منکر ہو۔ تم پر نگہبان مقرر کر دیے ہیں جو جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۶۸ تا ۷۵

اے انسان غور کر تو کس چیز سے پیدا ہوا!

قسم ہے رات کی، کھٹکھٹانے والے کی، تو نہیں جانتا وہ کیا ہے۔ درخشاں ستارہ ہے۔ ہر شخص کا ایک مراقب و محافظ ہے۔ انسان کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ پانی سے! وہ واپس پھیر دینے پر بھی قادر ہے۔ جس دن اسرار کھلیں گے، کوئی مددگار نہ ہو گا۔ ۱۶۹ تا ۳۷۷

بُت پرستوں سے ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی

اور تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں اور نہ میں ہرگز اس کی پرستش کروں گا، جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے کافی ہے۔ ۵۲۳ تا ۵۲۵

بد نصیب تجھ کے ماندے!

غاشیہ (قیامت کی خبر تم تک پہنچی؟ اس دن چہرے خوفزدہ ہوں گے جب بد اعمالیوں سے

تھک کر داخل جہنم ہوں گے، پلینے کو کھولتا ہوا
پانی اذر کھانے کو بدبو دار ضریح کے سوا کچھ نہ
ملے گا۔

۲۰۶ تا ۲۰۹

بہترین و بدترین مخلوق

جو اس جدید دن سے کافر ہو گئے وہ دوزخی ہیں،
اور جو ایمان لائے ان کی جزا بہشت ہے۔ اللہ
ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ ۳۹۹ تا ۴۰۱

بہشت کے روح پرور مناظر

چہرے شاداب اور اپنی سعی پر خوش ہوں گے،
بلند تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، چشمے
جاری ہوں گے۔ قریب لبریز پیالے رکھے ہوں
گے۔ وہاں لغو و بیودہ بات نہ ہوگی۔ ۲۱۰ تا ۲۱۴

بے بصیرت رشتہ داری

جس رشتہ داری میں ایمان و عقیدہ کا رشتہ نہ ہو،
اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ۵۵۲

بیدار مجاہدین کی قسم!

دوڑتے گھوڑوں کی قسم جو اپنے سُموں سے چنگاریاں
نکالتے اور صبح سے قبل دشمن کی صفوں میں در
آتے ہیں، انسان ناشکر اِمال سے محبت رکھتا ہے۔

وہ نہیں جانتا قبروں سے مُردے زندہ ہوں گے،
سینہ کے راز ظاہر ہو جائیں گے۔ اُن کا رب
واقف کا رہے۔ ۲۲۲ تا ۲۳۰

تشدد کرنیوالے عذاب الہی کے سامنے

مومن مردوں اور عورتوں پر ظلم کرنے والے دوزخ
میں جلیں گے۔ مومنین و صالحین کے لیے
جنتِ نعیم ہے۔ رب کی گرفت سخت ہے۔
پیدا کرتا ہے، پلٹاتا ہے، بخشنے والا اور مومنین
پر مہربان ہے، صاحبِ عرش مجید ہے، جو
چاہتا ہے کرتا ہے۔ ۱۵۸ تا ۱۶۲

تقویٰ اور امدادِ الہی

رات کی قسم جب وہ ڈھانپ لے، دن کی
قسم جب وہ روشن ہو۔ قسم ہے اس کی جس
نے مذکور مومنٹ پیدا کیے۔ جو راہِ خدا میں انفاق
کرے اس کی جزا حسنی اور جو جھٹلائے اس کے
لیے عذاب ہے۔ ۳۰۰ تا ۳۰۳

تکاثر و تفاخر کی مصیبت

مال و اولاد کی کثرت کے تفاخر نے تمہیں مشغول
کر لیا یہاں تک کہ گور کنارے پہنچ گئے، تمہیں
عنقریب پتہ چل جائے گا۔ اگر آخرت پر یقین۔

ہوتا تو بے جا فخر نہ کرتے، جہنم کو دیکھو گے، نعمات کا سوال ہوگا۔

۲۴۶ تا ۲۵۲

تمہاری صبح کی پسیدی کی قسم!

صبح، دس راتوں، زوج و فرد کی قسم، رات کی قسم جب وہ صبح کی طرف چلتی ہے، تیرا رب ظالموں کی گھات میں ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبان عقل کے لیے ایک اہم قسم ہے۔ ۲۲۲ تا ۲۲۹

تم ہمیشہ دگرگوں ہوتے رہتے ہو

شفق، رات اور بدرِ کامل کی قسم، تم حالتیں بدلتے رہتے ہو، کیوں ایمان نہیں لاتے، سجدہ قرآن کیوں نہیں کرتے؟ آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے۔ انہیں عذاب کی اور مومنین کو اجر کی بشارت دے دو۔ ۱۳۶ تا ۱۴۳

تو کیا جانے سچین کیا ہے!

جہنم کی پست ترین وادی، زندان، قید خانہ، مختلف تشریحات! ۹۳ تا ۹۷

تہذیبِ نفس — ایک اخلاقی وظیفہ!

فلاح و دستگاری تزکیہ نفس میں ہے۔ تزکیہ کو ترک کرنا بدبختی ہے۔ ۲۹۲، ۲۹۳

تہذیبِ نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں

گیارہ یا سات قسمیں ہیں، بیشتر قسموں کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے۔ پس زمین پر سورج کی حرارت سے زندگی اور اس کی رونق قائم ہے۔ ۲۸۳ تا ۲۸۷

تیرا رب ظالموں کی گھات میں ہے

اللہ نے قوم عاد اور ارم شہر کے ساتھ جو بے مثل تھے، قوم ثمود جو سنگ تراش کر مکان بناتے اور قوم فرعون کے ساتھ کیا کیا! مفسد اقوام پر عذاب کیا۔ بے شک تیرا رب تو گھات میں ہے۔ ۲۳۶ تا ۲۳۹

جادو کی تاثیر اور حاسدوں کا شر

جادو کی تاثیر کا قبول اجمالی، اس سے پناہ مانگنے کا مطلب کیا ہے۔ حسد ایک شیطانی عادت اور گناہانِ کبیرہ کا سرچشمہ ہے۔ ۵۷۹، ۵۸۰

جادو دانی دین

اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا، مگر واضح دلائل اور سچے پیغمبر کی دعوت کے بعد۔ ۳۹۳ تا ۳۹۷

جب اللہ کی مدد اور کامیابی آن پہنچے

تو دیکھو گا کہ لوگ جو حق و جوق اللہ کے دین میں داخل

ہو رہے ہیں۔ اپنے رب کی تسبیح و استغفار کرو۔
اللہ بخشنے والا ہے۔

۵۳۵ تا ۵۳۲

جس دن انسان اپنے اعمال کو دیکھے گا

زمین کا شدت سے لرزنا، اندر کے بھاری بوجھ
نکلنا، انسان کے گناہ اسے کیا ہوا، سب خبریں
بیان کرنا۔ اللہ نے اسے وحی کی ہے۔ لوگ گروہوں
کی صورت میں قبروں سے نکلیں گے۔ پس چھوٹی
سے چھوٹی نیکی و بدی سامنے آجائے گی۔ ۲۱۵ تا ۲۰۹

جس دن جہان کا نظام زیر و زبر ہو جائیگا

جب آسمان پھٹ جائے گا، ستارے گر پڑیں گے،
سمندر باہم پیوستہ ہو جائیں گے، قبروں سے مردے
نکل پڑیں گے، ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے
بھیجا کیا پیچھے چھوڑا۔ ۶۴ تا ۶۱

جس دن دفتر کائنات لپیٹ دیا جائے گا

جب سورج کو لپیٹا جائے گا، ستارے بے نور،
پہاڑ متحرک، دریا پرجوش ہو جائیں گے، قیمتی
مال بھلا دیا جائے گا، جیسا خود ویسا ہی ساتھی
ملے گا۔ زندہ درگور لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ
تمہیں کیوں قتل کیا گیا۔ ۳۹ تا ۳۴

جنت کی شراہیں

رحیق و مختوم، کوثر و تسنیم

۱۱۴

جو نامہ عمل نشت سے حاصل کریں گے

نامہ عمل پس نشت سے دیا جائے گا تو چنچے گا
وائے ہو مجھ پر میں ہلاک ہو گیا۔ جہنم میں جلے گا،
وہ گھر میں خوش تھا، پلٹنے کا گمان بھی نہ تھا، مگر
اللہ واقف حال تھا۔ ۱۳۵ تا ۱۳۲

حُب دُنیا راس کل خطیۃ

خواہشات کے غلبہ کا سرچشمہ بھی حُب دُنیا
ہی ہے، وغیرہ۔ ۲۰۳ تا ۲۰۱

حضرت سیدہ فاطمہؑ اور کوثر

اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے اترے سے متم کرنے کے
بدلہ اپنے رسول کو فاطمہؑ کے ذریعے خیر کثیر عطا
فرمائی۔ ۵۱۶، ۵۱۷

حفظ ایمان میں استقامت

بہت سے افراد نے ایمان کی حفاظت میں جانیں
قربان کیں۔ اسیہ زین فرعون کی قربانی، حبشہ کا واقعہ،
یا ستر اور سب سے بڑھ کر امام حسینؑ کی قربانی۔ ۱۵۷

ذو نواس کے بعد ابرہہ کا اقتدار حاصل کرنا، مکہ پر چڑھائی پھر تباہی و بربادی۔ ۲۸۵ تا ۲۸۹

دشوار گزار گھاٹی

وہ گھاٹی غلام آزاد کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، یتیم و خاک نشین مسکین کو بھی۔ نیز یہ بھی گھاٹی سے گزرنا ہے کہ خود ایمان لاتے، دوسروں کو وصیت کرے، اصحابِ یمین سے ہونہ کہ اصحابِ مشئم سے جن کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔ ۲۶۶

دنیا رنج و تکلیف کا گھر ہے

اس جہان کی زندگی کی طبیعت کسی مرحلہ میں بھی مشکلات، تکالیف اور رنج و مشقت سے خالی نہیں۔ ۱۳۱

زبان کی حیرت انگیزیاں

زبان انسانی بدن کے بہت ہی حیرت انگیز اعضاء میں سے ہے۔ ۲۶۵، ۲۶۴

سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام

ثمود کا سرکش قدار بن یوسف / سالف جس نے ناقہ صالح کو ہلاک کیا۔ پوری قوم کا معذب ہونا ۲۸۷، ۲۹۱

خدا تیرے اعمال کو دیکھتا ہے

انسان سرکشی کرتا ہے، خود کو بے نیاز جانتا ہے، سب کی بازگشت اللہ کی طرف ہے۔ جو نماز سے منع کرے کیا وہ مستحق عذاب نہیں ہے؟ کیا ممکن نہیں کہ یہ لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے؟ کیا نہیں جانتا کہ اللہ اس کے اعمال کو دیکھتا ہے؟ ۳۶۷ تا ۳۷۰

خدا نے فرعون و ثمود کے لشکروں کیساتھ کیا کیا!

فرعون و ثمود کے لشکروں کی داستان سنی؛ کافر ہمیشہ حق کی تکذیب میں مصروف رہے۔ اللہ سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ لوح محفوظ میں یہ با عظمت قرآن سرا سر سج ہے۔ ۱۶۳ تا ۱۶۶

خدا نے عظیم کی تسبیح کر!

بلند مرتبہ رب کی تسبیح کر جس نے پیدا کیا، منظم کیا، ہدایت کی، جس نے چراگاہ کو اگایا، پھر اُسے خشک و سیاہ کر دیا۔ ۱۸۶ تا ۱۹۱

خوشنمختی کا چار نکاتی منصوبہ

ایمان، عمل صالح، تواصی بہ حق و تواصی بہ صبر ۴۶۲، ۴۶۵

داستان اصحابِ فیل

سرکشی و بے نیازی کا احساس

مرفہ الحال مشکبہ طبقوں سے سرکشی و بے نیازی وجود پاتی ہے۔ اس بے خبری و غیرہ سری سے اللہ کی پناہ۔ ۳۷۵

سورج کا عالم حیات میں نقش و اثر

زندگی کے لیے روشنی و حرارت سورج سے مہیا ہوتی ہے۔ تمام نعمات کی پیداوار اسی حرارت و روشنی کے زیر اثر ہے۔ ۲۸۴، ۲۸۵

سورۃ عادیات کی قسموں اور ہدف کے درمیان ربط

ایک ایسا گروہ ہے جو جہاد پر کمر بستہ ہے، دوسری بنجیل جماعت مال کی محبت میں مبتلا ہے۔ ۴۳۱، ۴۳۰

شب قدر، کون سی رات!

شب قدر کے بارے میں مختلف اقوال اُنیسویں، اکیسویں، تیسویں شب ماہ رمضان۔ ۳۸۵
شب قدر کو مخفی رکھنے کے اسباب ۳۸۶
کیا گزشتہ اُمّتوں میں بھی شب قدر تھی؟ انہیں یہ نعمت نہیں ملی۔ ۳۸۶، ۳۸۷

شب قدر ہزار ماہ سے کس طرح بہتر ہے ۳۸۷
قرآن پاک شب قدر میں کیوں نازل ہوا؟ کیا مختلف علاقوں میں ایک ہی شب قدر ہوتی ہے؟ ۳۸۸

شب قدر میں مقدر ہونے والے امور!

ہر شخص کے لیے وہی کچھ مقدر کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے۔ ۳۸۴

شب قدر۔ نزول قرآن کی رات!

ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔ ملائکہ اور رُوح امرا الٰہی کے ساتھ نزول کرتے ہیں۔ ۳۸۱ تا ۳۸۳

طبقاتی تفاوت

دو گروہ۔ اصحابِ مہینہ (صالح مومنین) ۲۵۰
اصحابِ مشئمہ (کفار و مجرمین)
مجاہدین کی جماعت جو جان و مال کی پروا کیے بغیر جہاد کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف ناشکر، بنجیل انسان جو خود کھاتا ہے اور دوسروں کو روکتا ہے۔ ۴۳۰

عبادت میں خلوص نیت لازم ہے

تمام ادا میں قصد قربت ہونا لازم ہے ۴۰۴

علیٰ اور ان کے شیعہ خیر البریہ میں

اے علی! اس آیت سے مراد تم اور تمہارے شیعہ ہیں جو عرصہ محشر میں اس طرح حاضر ہوں گے کہ تم بھی اللہ سے راضی و خوش اور اللہ تم سے راضی و خوش ہوگا۔ (رسول پاک - راوی ابن عباس) ۴۰۱

اور سطح زمین پر غور کرو، نصیحت کرو، تو مجبور کرنے پر مامور نہیں۔ کافر پر اللہ کا غضب، سب کی بازگشت ہماری طرف، سب کا حساب ہمارے پاس ہے۔

۲۲۱، ۲۱۵

قرآنی قسموں کا نتائج سے ربط

سعادت کی راہ طے کرنے کے لیے بیدار و جہان عطا کیے ہیں، پھر اپنے نفس کا تزکیہ کیوں نہیں کرتے؟ شیطان کے ہکا دے میں کیوں آتے ہو؟

۲۸۴

قوم ثمود کی سرگزشت کا خلاصہ

مدینہ و شام کے درمیانی علاقہ وادی القریٰ میں رہنے والی بُت پرست آسودہ حال قوم کی سرگزشت۔

۲۹۲، ۲۹۱

کمالِ مطلق کی طرف رنجِ آمیز سعی و کوشش

آسمان پھٹ جائے گا، زمین میں وسعت پیدا ہوگی، ہر شے کو اگل کر خالی ہو جائے گی۔ انسان رنج و تکلیف کے ساتھ اپنے رب کی طرف جائے گا۔ دائیں ہاتھ والوں کے عمل کا حساب آسان ہوگا، خوشحالی سے اپنوں میں واپسی ہوگی۔

۱۲۲ تا ۱۳۰

کم تو لنا فساد فی الارض

علیّین ابرار کے انتظار میں ہے

نیکیوں کا نامہ اعمال علیّین میں ہے، لکھی ہوئی قطعی سرنوشت ہے۔ مقررین شاہد ہیں، چہروں پر نشاط، خوبصورت تخت، جنت کی شراہیں، رغبت رکھنے والوں کو مسابقت ہونا چاہیے۔

۱۰۶ تا ۱۱۲

غرور و تکبر بڑے گناہوں کی بنیاد ہیں

انہی صفاتِ ردیہ کے باعث دوسروں کی تحقیر کی جاتی ہے۔

۲۷۶

غیبت و عیب جوئی کرنے والوں پر وائے!

عیب جو اور تمسخر کرنے والے پر وائے۔ مال جمع کرتا رہا اور گنتا رہا۔ عنقریب جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۲۶۸ تا ۲۷۵

فتح کرم۔ اسلام کی عظیم فتح!

فتح مکہ تین مراحل میں انجام پائی۔ قوت و اطلاعات کا جمع کرنا۔ فتح کو ماسہرانہ طور پر نقصانات کے بغیر مکمل کرنا۔ آثار و نتائج کا مرحلہ۔

۵۲۵ تا ۵۴۱

قدرتِ خدا کی نشانیاں

اُونٹ کی خلقت، آسمانوں کی بلندی، پہاڑوں کی تنصیب

دلوں پر زنگ کی مانند ہیں۔ یہ جہنم میں جاائیں گے۔ یہ وہی ہے جس کا تم انکار کرتے تھے! ۹۸ تا ۱۰۲

گناہ دل کا زنگ کیوں ہیں؟

گناہ اعضاء و جوارح سے سرزد ہوتے ہیں مگر دل کو متاثر کرتے ہیں۔ اسے غلیظ و متعفن کیچڑ میں بدل دیتے ہیں۔ ۱۰۲ تا ۱۰۴

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

عربوں میں لڑکیوں کے پیدا ہونے کے ساتھ دفن کرنے اور موجودہ دور کے اسقاطِ حمل کا احوال ۳۹، ۴۰ لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں

لوگوں کے رب، مالک اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں
وسوسے ڈالنے والے خناس کے شر سے جو سینوں
میں وسوسے ڈالتا ہے۔ جنوں اور انسانوں میں
وسوسے ڈالنے والوں کے شر سے مجھے محفوظ فرما۔ ۵۸۸ تا ۵۸۹

مال جمع کرنے کی حرص

مال کو حلال و حرام کی تمیز کے بغیر جمع کرنے کی مذمت۔ ۴۴۷ تا ۴۸۰

مصائب و آلام اور پیغمبری

اللہ نے آسمان کو بلند کیا، ہر چیز میں میزان و حساب رکھا کہ تم وزن و حساب میں سرکشی سے کام نہ لو۔ ۹۰ تا ۹۲

کم تولنے والے پر واٹے ہے!

اپنا حق تو پورا وصول کرتے ہیں، فروخت میں کم دیتے اور نفع بڑھاتے ہیں، انہیں قیامت کا یقین نہیں، پس وہ قابلِ نفرین ہیں۔ ۸۶ تا ۹۰

کیا انسان طبعاً ناشکر ہے؟

انسان میں دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ شکر گزار و مطیع، کچھ بخیل و نافرمان۔ ۲۳۱، ۲۳۲

کیا بت پرست خدا کے منکر تھے؟

بت پرست اللہ کو خالق مانتے تھے۔ بتوں کو بطور وسیلہ پوجتے تھے۔ ۵۲۵

کیا نظام شمسی ختم ہو جائے گا؟

ماہرینِ فلکیات کے اقوال اور تشریحِ آیات قرآن پاک۔ ۴۳، ۴۵

گناہ دل کا زنگ ہے

قیامت کے منتظر تباہ کرنے والے ہیں۔ اُن کے اعمال

یتیمی نے یتیموں کا احساس پیدا کیا۔ آنحضرتؐ نے ہمیشہ یتیموں پر شفقت فرمائی۔ لوگوں کو توجہ دلائی۔

۳۲۸ تا ۳۳۰

معاد کے انکار کے اثرات

اس شخص کو دیکھا جو معاد کا انکار کرتا ہے، یتیم کو دھکے دیتا ہے، مسکین و نادار کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتا۔ ان نماز گزاروں پر وائے جو اپنی نماز کو مجھول جاتے ہیں، معمولی کم قیمت چیز کسی کو مانگنے پر بھی نہیں دیتے۔

۵۰۴ تا ۵۰۷

مؤمنین انسانوں کو جلائے والی بھٹیوں کے سامنے

برجوں والے آسمان، یوم موعود اور شاہد و مشہود کی قسم، بریں اور معذب ہوں تشدد کرنے والے جو بھٹیوں کے قریب بیٹھے ہوئے مؤمنین کے انجام کو دیکھ رہے تھے۔ یہ اللہ پر ایمان کیوں لائے؟ اللہ زمین و آسمان کا حاکم و گواہ ہے۔

۱۴۷ تا ۱۵۲

مؤمنین پر استہزاء کرنے کا حربہ

اہل باطل ہمیشہ اہل حق کو استہزاء کے حملوں سے دباتے ہیں، مگر اہل حق کے دلوں میں روح مقاومت پیدا ہوتی ہے۔

۱۲۰ تا ۱۲۱

میزان اعمال کی سنگینی کے اسباب

ثواب کے اعتبار سے اعمال صالح مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایمان عمل کو بہت زیادہ وزن عطا کرتے ہیں جیسے لا الہ الا اللہ کا ورد۔

۴۴۰ تا ۴۴۲

میں دشمنوں کے منصوبے خاک میں ملا دیتا ہوں

برسنے والے آسمان اور شگافہ زمین کی قسم! یہ ایک سچی بات ہے۔ وہ مکر کرتے ہیں، میں چارہ جوئی کرتا ہوں۔ انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیجیے۔

۱۷۸ تا ۱۸۲

میں سپیدہ سحر کے رب کی پناہ مانگتا ہوں

صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو کچھ پیدا کیا، اس کے شر سے، جادو کے شر سے اور حسد کے شر سے اپنے خالق کی پناہ مانگتا ہوں۔

۴۸۷ تا ۴۹۰

نجات کی صرف ایک راہ!

’والعصر‘ کی مختلف تعبیریں! بعض نے وقتِ عصر مراد لیا۔ یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں۔ طاقت و قدرت گھٹتی چلی جاتی ہے مگر وہ لوگ جو

وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتابوں میں آیا

تزکیہ نفس کرنے والا کامیاب، خالق کے نام کا ورد کرے، نماز پڑھے۔ تم دنیا کی زندگی پسند کرتے ہو؛ حالانکہ آخرت زیادہ بہتر ہے۔ یہ احکام کثیب ابراہیم و موسیٰ میں بھی آچکے۔ ۱۹۸ تا ۲۰۱

ہم تجھے ہر اچھے کام کے لیے آمادہ کریں گے

ہم پڑھائیں گے جسے تم نہیں بھولو گے، مگر جو اللہ چاہے۔ وہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ تمہیں ہر اچھے کام پر آمادہ کریں گے۔ سمجھانا مفید ہو تو سمجھاؤ، خاشعین کا ذکر ہوگا، بد نعت دوری اختیار کرے گا اور بڑی آگ میں ہمیشہ زندگی و موت کے درمیان رہے گا۔ ۲۰۲ تا ۲۰۸

ہم خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں

انسان کے ہر لمحہ انحراف کا امکان ہے۔ اللہ تو اپنے پیغمبر کو بھی دسواں خناس کے شر سے پناہ مانگنے کو کہتا ہے۔ بشر تنہا نہیں ہے۔ فرشتے بھی انسان کی مدد کرتے ہیں۔ ۵۸۸

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا

ایک دوسرے کو حق بات اور صبر و استقامت کی وصیت کرتے ہیں۔ ۲۵۸ تا ۲۶۲

نعمت خداوندی کا شکر ادا کرو!

پناہ دی، رہنمائی کی، بے نیاز کر دیا۔ اب یتیم اور سائل کو مت جھڑکو، نعمت کا شکر ادا کرو۔ ۳۲۲ تا ۳۲۷

نعمت ملنے پر مغرور اور سلب نعمت پر مایوس نہ ہوا کرو!

نعمت ملی تو مغرور ہو کر کہا کہ اللہ نے اکرام کیا۔ سلب نعمت پر مایوس ہو کر کہا کہ مجھے مایوس کیا۔ ایسا نہیں ہے۔ تم یتیموں کا اکرام نہیں کرتے، فقر و مساکین کی پرورش پر توجہ نہیں دیتے، ناجائز میراث کھا جاتے ہو، مال و دولت کو دوست رکھتے ہو۔ ۲۳۷ تا ۲۴۱

نعمتوں کو بیان کرو

اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنے سے انسان اپنے پاس سے کسی چیز کے کم ہونے کا احساس نہیں کرتا۔ ۳۳۱

وہ آثار جو انسان کے بعد باقی رہ جائیں گے

عمارت یا دوسری چیز جس سے انسان استفادہ کریں، نیک بیٹا جو اعمال دعا و مغفرت بجالائے۔ اچھی یا بُری سنت جو قائم کر جائے۔ ۶۶۱ تا ۶۶۵

انجیروزیوں کی قسم! طور سینا کی قسم! ہم نے انسان کو بہترین شکل اور نظام میں پیدا فرمایا۔ ۳۲۸ تا ۳۵۲

ہم نے تجھے انواع و اقسام کی نعمات دیں

سینہ کشادہ کیا۔ سخت بوجھ کو کم کیا، ذکر کو بلند کیا۔

ہر سختی کے بعد آسانی ہے۔ پس اپنے رب کی

جانب رغبت کر۔ ۳۲۶ تا ۳۴۲

یقین اور اس کے مراحل

یقین شک کی ضد۔ ایمان کے اعلیٰ مرحلہ کو یقین

کہتے ہیں۔ ۳۵۲ تا ۳۵۴

مقامات

بالیس

جنگ ذات السلاسل کے لیے مخالفین یہاں

مشورہ کے لیے جمع ہوئے۔ ۳۲۲

بیت المقدس

مشہور ترین مقام (قبلہ اول) ۳۲۷

حبشہ

قیصر روم کے ماتحت عیسائی ریاست۔ بنجاشی

حکمران تھا۔ قیصر کے حکم سے یمن پر حملہ کر کے

ذو نواس اور یہودیوں کو تباہ کر دیا۔ ۳۲۸ تا ۳۶۶

حجاز

مدینہ و شام کے درمیان قوم ثمود کا مسکن ۲۷۰

جھون

مکہ کے قریب بلند مقام جہاں حضرت خدیجہ الکبریٰ

کی قبر ہے۔ ۵۲۹

دمشق

مشہور شہر اندیتون (ملک شام) کی قسم! ۳۲۷

ذی طوی

بلند مقام جہاں سے مکہ کے مکانات صاف

نظر آتے تھے۔ ۵۲۹

ذی المجاز

عرفات کے نزدیک مکہ سے تھوڑی دور ایک

مقام جہاں آنحضرتؐ تبلیغ فرما رہے تھے۔ ۵۲۷

روم

ایک قدیم سلطنت کا نام۔ موجودہ اٹلی کا ایک شہر ۳۵۰

عیسائیوں کی ایک طاقتور سلطنت کا صدر مقام ۳۸۶

سد مارب

یمن کا ایک عظیم بند

۳۹۲

شام

اصحابِ اخدود کے آیتناحوس نے مؤمنین کو

آگ میں جلوا دیا۔

۱۵۶

ایک شاداب صوبہ جس کے قریب ثمود کا مسکن تھا ۲۷۰

۳۲۷

سرزمینِ شام کی قسم!

فارس

مجبوسیٰ اصحابِ اخدود کے بادشاہ نے بہن سے

نکاح کو جائز کرنا چاہا۔ مخالفت کرنے والے مؤمنین

۱۵۶

کو آگ میں جلوا دیا۔

کوفہ

ایک بہت پرانا شہر

۳۲۹

مدینہ

مشہور شہر قبل از ہجرت آنحضرت کی دعوت کی

شہرِ مدینہ پہنچ چکی تھی۔

مرالظہران

مکہ کے قریب وہ میدان جہاں فتحِ مکہ کے دن

۵۳۷

لشکرِ اسلام نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

مکہ

قسم ہے اس شہرِ مکہ کی جہاں آپ رہتے ہیں ۲۵۲

۳۲۸

اس بلدا میں کی قسم!

نجران

ایک عیسائی ریاست جس کے امراء ذوالواس کے

ظلم کا نشانہ بنے۔ ایک آدمی قیصرِ روم کے پاس

۱۵۵

فریاد لے کر گیا۔

۴۸۵

سلطنتِ یمن کے قریب عیسائی ریاست

نجف

کوفہ کے نزدیک ایک شہر (مشہد جناب امیر المؤمنین) ۳۲۹

وادی القریٰ

قومِ ثمود کا مسکن، مدینہ اور شام کے درمیان ۲۳۲

یمن

۱۵۴

ایک قدیم سلطنت، ایک قدیم ملک

۴۸۲

ابرہہ کی حکومت کا صدر مقام

میلونان

۳۵۰

ایک ملک کا نام

مَطْبُوعَاتِ مِصْبَاحِ الْقُرْآنِ

۲۵۰ روپے	ہدیہ	قرآن پاک (معری) رنگین
۵۰ روپے	ہدیہ	قرآن پاک (معری) سفید کاغذ
۲۰۰ روپے	ہدیہ	قرآن پاک مترجم
۱۲۵ روپے (فی جلد)	ہدیہ	تفسیر نمونہ (۲۴ جلدیں)
۱۲۵ روپے	ہدیہ	قرآن کا دائمی منشور
۱۲۵ روپے	ہدیہ	تفسیر پیام قرآن
۲۴۰ روپے (فی سیٹ)	ہدیہ	ہمارے آئمہ (۱۲ کتابوں کا سیٹ)
۱۳۰ روپے	ہدیہ	ولایت فقیہ (جلد اول)
۱۵۰ روپے	ہدیہ	ولایت فقیہ (جلد دوم)
۱۲۵ روپے (فی جلد)	ہدیہ	تفسیر فصل الخطاب (۲ جلدیں)
۲۵ روپے	ہدیہ	تحریف قرآن کی حقیقت
۱۰ روپے	ہدیہ	صلح اور جنگ
۲۰ روپے	ہدیہ	مذہب اور عقل
۳۰ روپے	ہدیہ	رہنمایان اسلام
۲۵ روپے	ہدیہ	اسوۂ حسینی
۲۰ روپے	ہدیہ	اثباتِ پمدہ
۱۵ روپے	ہدیہ	معراجِ انسانیت
۲۵ روپے	ہدیہ	زندگی کا حکیمانہ تصور
۴۰ روپے	ہدیہ	آیت الکرسی
۵۰ روپے	ہدیہ	مدخل التفسیر
۳۰ روپے	ہدیہ	آیۃ تطہیر
۶۵ روپے	ہدیہ	توضیح المسائل
۳۰ روپے	ہدیہ	مختصر الاحکام
۴۰ روپے	ہدیہ	گفتارِ انبیاء
		آقائے نگرودی

روپے ۳۰۰	ہدیہ	ترجمہ و حواشی مولانا ذیشان حیدر جوادی	انوار القرآن
روپے ۲۵۰	ہدیہ	ترجمہ مولانا محمد علی فاضل	میزان الحکمت (جلد اول)
روپے ۱۵۰	ہدیہ	ڈاکٹر محمود رامیار	تاریخ قرآن
روپے ۲۰	ہدیہ	جعفر الہادی ترجمہ شفا نجفی	قرآن الہییت کی نظر میں
روپے ۱۵	ہدیہ	ترجمہ سید انوار احمد بلگرامی	قرآن فہمی
روپے ۲۵	ہدیہ	ترجمہ سید محمد مظاہری	معاد قرآن کی نظر میں
روپے ۲۰	ہدیہ	ترجمہ سید جاوید جعفری	مدینۃ العلم (ارشادات پیغمبر اکرم)
روپے ۱۰	ہدیہ	" " " "	خطبہ مؤلفہ (ارشادات علی ابن ابی طالب)
روپے ۳۰	ہدیہ	ترجمہ سید محمد حسین زیدی	اسلام میں مقام قرآن و عترت
روپے ۲۰	ہدیہ	آغا حسن رضا غدیری	صحیفہ پنجتن پاک
روپے ۱۵	ہدیہ	" " "	تحفۃ الابرار
روپے ۲۵	ہدیہ	کیپٹن فہیم رضا	رد دھرمیت
روپے ۱۵	ہدیہ	حافظ سید ریاض حسین نجفی	اسلامی اقتصادیات
روپے ۴۰	ہدیہ	ترجمہ شاقب نقوی، قیصر عباس	آئین تربیت
روپے ۴۵	ہدیہ	مولانا رضی جعفر نقوی	خلاصہ الغدیر
روپے ۲۵	ہدیہ	مولانا ابن حسن نجفی	مسئلہ خمس
روپے ۱۵	ہدیہ	مولانا شیخ علی مدبر نجفی	تعلیمات اسلام
روپے ۲۵	ہدیہ	مولانا ذیشان حیدر جوادی	خاندان اور انسان
روپے ۵۰	ہدیہ	مولانا محمد ہارون رنگی پوری	توحید القرآن
روپے ۲۵	ہدیہ	آقائے علی میلانی	شیعہ اور تحریف قرآن
روپے ۴۰	ہدیہ	آیت اللہ جعفر سبحانی	مبانی حکومت اسلامی
روپے ۴۰	ہدیہ	سید مجتبیٰ حسین	میراث انبیاء
روپے ۱۰۰	ہدیہ	آقائے محمد تقی فلسفی	معاد

قرآن سنٹر ۲۴ الفضل مارکیٹ - اردو بازار لاہور

فون : ۴۳۱۴۳۱۱

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان